خیر ہذہ الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر

اس اُمت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل ابوبکر اور پھر عمر ہیں

شہادۃ الثقلین بافضلیۃ الشیخین

افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما

مصنف

اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی قدس سرہ العزیز

بزم اشرف العلماء پاکستان

لاہور ۔ سرگودھا ۔ جہلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم-

نام کتاب	شہادۃ الثقلین بأفضلیۃ الشیخین رضی اللہ عنہما
معروف بہ	افضلیتِ شیخین، قرآن وحدیث اور ائمۂ اہل سنت کی نظر میں
تصنیف	اشرف العلماء، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی قدس سرہ العزیز
ضخامت	600 صفحات
تاریخ اشاعت	جمادی الثانی 1435ھ اپریل 2014
خصوصی تعاون	محترم سکندر حیات سیال، بھوانہ ضلع چنیوٹ

اہتمام طباعت :

☆ بزم اشرف العلماء پاکستان-(مرکزی دفتر، سلانوالی ضلع سرگودہا)

0302- 62 23 736

☆ تفہیم الاسلام فاؤنڈیشن پاکستان-جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ ضلع جہلم، پنجاب پاکستان 951 50 58 320 +

sohailsialvi@gmail.com

مراکزِ ترسیل:

دارالاسلام، لاہور	0321-94 25 765
جامعہ غوثیہ مہریہ منبر الاسلام سرگودہا	0345-78 67 732
مرکزی جامع مسجد عیدگاہ، جھنگ صدر	
اکرام کیسٹ ہاؤس، داتا دربار لاہور،	0300- 460 98 60

پیش گفتار

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ،الحمد للّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ ، وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ-

جن دنوں حضرت الاستاذ بستر علالت پر تھے راقم الحروف متحدہ عرب امارات کے سفر سے واپس آیا تو ملاقات وعیادت کے لیے حاضر خدمت ہوا، شدید علالت کے دوران بھی مطالعہ اورنوشت وخواند کے مشاغل بدستور جاری تھے-

آپ نے مجھے پیش نظر کتاب کا مسودہ عطا فرما کرتے ہوے فرمایا کہ اس کو ایک نظر دیکھ لیں جو کمی ہو اسے دور کر دیں اور اشاعت کا اہتمام کریں- جس قدر آپ ہر ہفتے میں لکھتے جاتے تھے ساتھ ساتھ کمپوزنگ ہورہی تھی ، یوں پہلا مرحلہ طے ہو چکا تھا- صاحبزادہ غلام بشیر الدین سیالوی زید مجدہ نے کمپیوٹر فائل بھی مہیا فرمائی ،اور میں نے پروف ریڈنگ، آیات کی تخریج وغیرہ کا کا کام شروع کردیا- اس سے تقریباً 2 ماہ بعد حضرت اشرف العلماء قدس سرہ واصل بحق ہوگئے، کچھ عرصہ کے لیے نظر ثانی میں خلل آگیا- آج ان کے پہلے عرسِ مقدس کی تقریب سے اُن کی اس آخری تصنیف کو منظر عام پر لایا جا رہا ہے، جب میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں یہ 22 جمادی الثانی کا یوم سعید ہے جو امیر المومنین ،خلیفۂ بلافصل، یارغار مصطفیٰ، افضل البشر بعد الانبیاء حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یوم وصال ہے- رب جلیل حضرت الاستاذ کے اس ہدیۂ اخلاص کو اپنی ،اپنے محبوبِ پاک ﷺ اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں مشرف بہ قبولیت فرمائے-

غبارِ راہِ علم محمد سہیل احمد سیالوی

22 جمادی الثانی 1345ھ بروز بدھ بعد از نماز ظہر

فہرستِ مضامین

حضور حکیم الامت علیہ الرحمہ کی یاد میں

حضور قبلہ امام المناظرین، امام المناطقہ والفلاسفہ، شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب سے غالباً 1989/90ء میں شناسائی ہوئی۔ مجھے ایک کلاس فیلو کے ذریعے معلوم ہوا کہ شیخ الحدیث صاحب علم وحکمت کے ایک بحر ناپیدا کنار ہیں۔ اُس وقت بندہ ناچیز چھٹی/ساتویں کلاس کا طالب علم تھا۔ اُس وقت انگریزی کا مضمون میرا پسندیدہ سبجیکٹ تھا مگر قبلہ حضور شیخ الحدیث صاحب کی زیارت کے بعد اسلامیات کی طرف مائل ہو گیا۔

میرے گاؤں چک نمبر 225 ج-ب تحصیل بھوآنہ ضلع چنیوٹ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں قبلہ شیخ الحدیث صاحب کے دو اساتذۂ کرام اور دو کلاس فیلو (یارِ غار مقبول احمد لدھیانہ، حافظ محمد لطیف لدھیانہ) تھے۔ جبکہ حافظ محمد شفیق صاحب (استادِ گرامی) کا ذکرِ خیر کوثر الخیرات کے ابتدائیہ میں موجود ہے۔

ہمارے گاؤں چک نمبر 225 ج-ب میں قبلہ شیخ الحدیث صاحب، اپنے زمانہ طالب علمی میں 1956ء میں تشریف لائے تھے۔ بعدہٗ قبلہ صاحب کے بہت سے پروگرام کرائے گئے۔ بہت مرتبہ اپنے دوستوں کو ملنے کے لئے آپ تشریف لاتے رہے۔

بندۂ ناچیز، حضور شیخ الحدیث صاحب کی ذاتِ گرامی کی زیارت کے بعد اتنا فریفتہ ہو گیا کہ میرا اوڑھنا بچھونا، آپ کا ذکرِ خیر تھا، ہے اور انشاء اللہ رہے گا۔

آپ مجھ پر ایک مشفق باپ کی طرح بہت زیادہ مہربان تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ طالب علمی سے لیکر 16، اپریل 2013ء تک کے بہت سے واقعات، حالات بیان فرمائے جو آپ سے بیتے۔ اگر میرے علاقے کے لوگوں نے آپ کے ایمانی، وجدانی، روحانی بیان کے

لئے ٹائم لینا ہوتا تو مجھ بندہ ناچیز سے رابطہ کرتے اور مطلوبہ ٹائم حاصل کرنے میں کامیاب وجاتے۔ بندہ ناچیز نے الحمدللہ، آپ کی جملہ تصانیف کو بڑے غور سے پڑھا ہے۔ جب آپ اپنی آخری تصنیف، تالیف فرمارہے تھے تو آپ کا پروگرام 300/350 صفحات کی کتاب کا تھا تو بندہ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی، حضور شیخ الحدیث صاحب! دیوبندی مکتبِ فکر کی تصانیف کی بڑی ضخامت ہے۔ آپ مہربانی فرماکر تفصیلاً ذکرِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما فرمائیں، بندہ اپنا نذرانہ بارگاہِ صدیقی میں حسبِ استطاعت پیش کرے گا تو آپ نے میری عرض قبول فرمالی۔

حضور قبلہ شیخ الحدیث محمد اشرف السیالوی صاحب، اپنے یارِ غارِ دوست مقبول احمد لدھیانہ (مرحوم) کی زوجہ مرحومہ کے چالیسواں پر 16 اپریل 2013ء کو تشریف لائے (میرے گاؤں) شاید آپ کا یہ آخری ایمان افروز بیان تھا جسکی C.D میرے پاس موجود ہے۔

مذکورہ دِن آپ نے فرمایا کہ سکندر حیات صاحب! آپ کتاب کی چھپائی کیلئے کتنا حصہ ڈالیں گے؟ بندہ عرض کی، یا حضور غریب نواز! بندہ ناچیز مُبلغ اَسی ہزار روپے پیش کرے گا۔ آپ نے میرے لیے دُعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے۔ بعدہ، بندہ آپ کی بیمار پُرسی کیلئے عبداللہ کمپلکس سرگودھا حاضر ہوا، (19 مئی 2013ء) آپ مجھ پر ایک مشفق باپ کی طرح مہربان تھے۔ بہت زیادہ پیار فرماتے تھے۔ 23 مئی 2013ء کو آپ کی وفات کی جانکاہ خبر سُن کر بہت رویا۔ بندہ کو نماز جنازہ، قل خوانی اور چہلم شریف پر حاضری نصیب ہوئی۔ اللہ اُن کی بارگاہ میں حاضری، میری بخشش کا ذریعہ بنائے، آمین۔

بندہ آج بھی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیحات آپ کیلئے اکثر ایصال ثواب کرتا ہے۔ آپ میرے آئیڈیل تھے اور ہیں۔ اللہ کریم سے میری دُعا ہے کہ کتاب مذکورہ کی اشاعت کے لیے میرا نذرانہ بارگاہِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما اور

میں قبول فرمائے۔آمین

والسلام مع الاکرام

دعاؤں کا طالب

سکندر حیات S/O میال خان عمرانہ سیال (ایم اے۔ایم ایڈ)

چکنمبر 225ج۔ب تحصیل بھوآنہ ضلع چنیوٹ

0343-7618436

0333-6711549

بسم اللہ الرَّحمٰن الرَّحیم

ألحمدلمن هوأول قديم بلاابتداء- وآخر كريم بلاانتهاء- والصّلوة والسّلام علی من كان نبيّاوآدم بين الطين والماء- وعلی آله وأصحابه الكرماء الشرفاء- والتابعين لهم بالاحسان الٰی يوم الجزاء -أمابعد فأعوذبالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرّحمن الرحيم قال الله تبارك وتعالی :

لَا يَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ـ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰی وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَی الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ـ (النساء،5:94)

أمابعد :

سببِ تالیف:

اللہ رب العزت نے مخلوق میں سے بعض کو بعض پر فوقیت اور افضلیت بخشی ہے، بعض کو جوہرِ ذات کے لحاظ سے، جیسا کہ ملائکہ نوری اور معصوم ہیں اور انبیاء علیہم السلام از روئے بواطن ملکی اور نورانی ہیں اور معصوم ہیں۔ ملائکہ میں بھی درجات ومراتب کے لحاظ سے تفاضل ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی ، کما قال الله تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (البقرہ،253:2) اور فرمایا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ (بنی اسرائیل،56:17) اور عام بشروں میں سے بعض کو حسب، نسب کے لحاظ سے جیسے قریشی، ہاشمی اور مطلبی ہونا۔ بعض کو مال ودولت اور حکومت وسلطنت کے لحاظ سے، لیکن عند اللہ عزت وکرامت اور فضل وشرف کا دارومدار ایمان وتقوی پر ہے۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔

"ہم نے تمہیں مختلف شعوب وقبائل میں ڈھالا باہمی تعارف اور امتیاز کے لیے، بیشک تم میں سے زیادہ عزت وشرف والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو زیادہ متقی ہے"

ایمان میں بھی قوت وضعف کے لحاظ سے تفاوت ہے اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین والا تفاوت بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے، کما قال الخلیل علیہ السلام وَلٰكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ (البقرہ، 260:2) "تیری مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر تو ایمان ہے لیکن اگر مردے زندہ کر کے دکھلا دے تو اطمینانِ قلب اور عین الیقین حاصل ہو جائے گا"

جتنا ایمان قوی اور اقویٰ ہوگا اسی قدر اعمال صالحہ کا اجر وثواب اور اس پر مترتب درجات ومراتب بھی بڑھتے چلے جائیں گے اگرچہ بظاہر کمیت ومقدار اور گنتی وشمار میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ الغرض اہل ایمان کو غیر مومنین پر شرف وفضل حاصل ہے بلکہ کفار ومشرکین کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیتے ہوئے فرمایا اُولٰٓـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ۔ (الاعراف، 179:7) پھر ان میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو عام مومنین پر شرف وفضل حاصل ہے اگرچہ ایک لمحہ کے لیے چہرہ والضحیٰ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہو اور شرفِ صحبت سے مشرف ہوا ہو دوسرے اہل ایمان اس کی برابری نہیں کر سکتے پھر مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے بعد نبی مکرم ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل کرنے والے قبل از فتح مشرف باسلام ہونے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، کما قال اللہ تعالیٰ:

لَا يَسۡتَوِىۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقَاتَلَ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقَاتَلُوۡا (الحدید، 10:57)

جن حضراتِ صحابہ نے فتح مکہ سے قبل اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور قتال کیا پچھلے ان کے برابر نہیں ہو سکتے، پہلے حضرات کے درجات بہت بلند ہیں۔

اسی طرح ایمان میں سابق ہوں لیکن کسی مجبوری اور معذوری کے بغیر قتال وجہاد میں

حصہ نہ لیں اور اپنے مال راہ خداوند تعالیٰ میں خرچ نہ کریں تو ان کو بھی فضل وشرف میں ان حضرات سے برابری نہیں ہوسکتی جو مالی اور جانی قربانیاں دینے والے ہیں کما قال تعالی

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۔فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء،95:4)

اللہ تعالیٰ نے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے والے کو گھروں میں بیٹھنے رہنے والوں پر درجات میں فضیلت بخشی ہے لیکن جنت کا وعدہ ہر دو فریق کے ساتھ کر رکھا ہے۔ کما قال اللہ تعالٰی فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى اور اللہ تعالیٰ نے جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا شرف حاصل کرنے والوں کو اجر عظیم عطا فرمایا، از روئے درجات و مراتب کی بلندی کے اور مغفرت اور رحمت کے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے اور فضل واحسان فرمانے والا ہے۔

قال تعالٰی فی مقام آخر:

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (النساء،95:4)

نیز ظاہر ہے کہ جنہوں نے مالی اور جانی دونوں طرح کے جہاد میں حصہ لیا وہ صرف جانی یا صرف مالی جہاد میں حصہ لینے والوں سے افضل ترین ہیں پھر جتنا زیادہ مال راہ خداوند تعالیٰ میں خرچ کیا یا جتنی جان مشقت میں زیادہ ڈالی اور کفار ومشرکین کا مقابلہ کیا اور اسلام و بانی اسلام کا دفاع کیا اتنا ہی درجہ و مرتبہ اونچا ہوگا۔ تو اس پس منظر میں حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت و برتری شک وشبہ سے بالاتر ہے کیونکہ وہ ایمان لانے میں بھی سابق ہیں، اسلام لاتے ہی تبلیغ

شروع فرمائی، کفار کے خلاف جسمانی جہاد بھی شروع فرمایا، اپنا مال بھی راہ خدا میں خرچ کرنا شروع فرمایا، سفر ہجرت جیسے سنگین اور پر خطر سفر میں نبی مکرم ﷺ کے لیے مالی اور جانی قربانی دی اور بعد ازاں ہر موقعہ پر ہر طرح کی قربانی پیش فرمائی، لہذا ان کی افضلیت تمام صحابہ کرام پر یقینی ہے۔ اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم ساری امت سے افضل ہیں اور ان میں ترتیبِ افضلیت وہی ہے جو ترتیبِ خلافت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اجماع ہے اور جمہور کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے درجہ میں ہیں اگرچہ بعض مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان پر تفضیل کے قائل اور بعض توقف کی طرف مائل ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے آج کل کچھ سنی ہونے کے مدعی حضرات نے اس میں رخنہ انداز ہونے اور اہل سنت کو اجماعی اور متفق علیہ راہ اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کی سعی نامشکور شروع کر رکھی ہے اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق پر بھی فضیلت دینے لگے ہیں۔ کوئی ان کی افضلیت کو صرف دور خلافت میں نظم و نسق میں حسن تدبیر کے لحاظ سے محصور و مقصور قرار دینے کے درپے ہے اور ان کی سبقت ایمانی، مالی و جانی قربانیوں، اسلام کی تبلیغ، ہجرت اور غار میں ثانی اثنین ہونے، اپنی جان بلکہ بچوں کی جان کی قربانی اور بیوی اور بچیوں کی عزت کی قربانی دینے کے اعتبار سے وہ افضلیت کے قائل نہیں ہیں، جبکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ شرف و فضل کے قرآنی معیار کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اسی شرف و فضل کے لحاظ سے اور اس میں ارفع و اعلیٰ مقام کے مالک ہونے کے لحاظ سے ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا، حتیٰ کہ انصار نے اپنے شہر میں ان مہاجروں اور مسافروں کو اپنے اوپر حاکم بنالیا اور ان کی اطاعت اپنے اوپر لازم کرلی۔ مولیٰ مرتضیٰ نے انکی فوقیت و برتری تسلیم کرتے ہوئے بیعت کی اور کہا "جس کو نبی مکرم ﷺ نے ہمارے دین کا امام بنادیا ہم اس کو اپنی دنیا کا امام کیوں

نہ بنائیں"

الغرض ان کی فضیلت اور فوقیت مرتبہ کی وجہ سے ان کو مسند خلافت کا اہل تسلیم کیا گیا اور دین میں امامت کو دنیا کی امامت پر مقدم سمجھا گیا اور دین کی امامت ان کو رسول کریم علیہ السلام نے بخشی تھی نہ کہ لوگوں نے اور امر خداوندی سے بخشی تھی نہ کہ خواہش نفس سے۔اور افضل کی موجودگی میں مفضول کا تقدم قطعاً موزوں نہیں ہے نہ عنداللہ نہ عندالرسول اور نہ عندالصحابہ تو اس قدر متیقن فضیلت والی ذات میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور اس کو صرف سیاسی خلافت اور فرش زمین تک محدود خلافت اور دنیوی خلافت قرار دینا اور اس کو بندوں کے انتخاب کا مرہون منت قرار دینا اور مولائے مرتضی کی ولایت کو دینی اور روحانی اور فرش تا عرش محیط سمجھنا قطعاً اہل سنت کا نظریہ نہیں ہے بلکہ سراسر رفض اور تشیع ہے خواہ اس کا پرچار علامہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کریں یا علامہ شاہ عبدالقادر صاحب کریں۔

اہل سنت کا شعار اور امتیازی نشان بقول امام اعظم رضی اللہ عنہ تفضیل الشیخین اور حب الختنین ہے اور یہ فضیلت حسب ونسب کے لحاظ سے نہیں بلکہ عنداللہ عزت وکرامت کے لحاظ سے ہے اور اس کے اعتبار واعتداد کا اعلان اللہ رب العزت نے فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ یہ حضرات کھل کر اہل تشیع میں شامل ہو جاتے تو سُنیت کو اتنا نقصان نہ پہنچتا جتنا کہ اس روپ میں پہنچا رہے ہیں حتی کہ علامہ طاہر القادری صاحب کو شیعہ سنی ایک نظر آنے لگے اور ان کو "دو" کہنے والا ان کے نزدیک واجب القتل ٹھہرا اور یہ نجی محفل میں نہیں بلکہ عوامی جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔کیا کوئی صاحبِ علم جو شیعہ مذہب اور اس کے فرقوں کے نظریات وعقائد سے آگاہ ہے وہ ایسا خیال بھی ذہن میں لاسکتا ہے؟ جس کا طاہر القادری صاحب برسر محفل اعلان فرمارہے تھے۔شاہ عبدالقادر صاحب شیخین کی تفضیل پر اجماع کے منکر بلکہ حضرت صدیق کی افضلیت [illegible]

اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ میں فضیلتِ ایمانی اور روحانی تسلیم کرنا بھی ان کو گوارہ نہیں۔ اپنا نفسانی تقاضا وہ یوں بھی پورا کر سکتے تھے کہ جمع کا صیغہ ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق کی انفرادیت ثابت نہیں ہوتی صرف فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن وہ اس پر مصر ہیں کہ "صرف مالی فضیلت مراد ہے یہاں روحانی فضیلت کے بیان کا مطلب ہی کوئی نہیں بنتا"

حالانکہ ایمان اور سنیت کا تقاضا پیش نظر رکھے بغیر صرف عربیت اور قواعدِ نحویہ وصرفیہ کا تقاضا ہی ملحوظ رکھ لیتے کہ "عطف مغایرت کو چاہتا ہے اور بلاضرورت اس کو عطف تفسیر بنانا جائز نہیں ہوتا" تو اس قول کا کوئی جواز نہیں تھا۔

شاہ صاحب سیدنا صدیق اکبر کی شان میں وارد اَلْاَتْقٰی والے وصف کو بلاضرورت مجازی معنی "متقی" پر محمول کرتے ہیں اور آپ کو اہل تقویٰ کا سرخیل ومقتدا مان کر راضی نہیں بلکہ ایسا کہنے والوں کا مذاق اڑایا ہے اور انکو نشانہ تضحیک بنایا ہے، بہرکیف آنجناب نے تشیع کے لیے فضا کو سازگار بنانے اور ان کے لیے زمین ہموار کرنے کی بھرپور سعی اور جدوجہد کی ہے اور سنیت کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، لھذا اہل سنت علماء کرام پر لازم ہے کہ وہ تفضیل شیخین اور بالخصوص افضلیتِ صدیق کو تقریری اور تحریری طور پر بیان کرنا لازم اور فرض سمجھیں اور اہل سنت کے عقائد کی اس اساس اور بنیاد کو مضبوط ومستحکم کریں ورنہ عوام اہل اسلام کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیلنا اہل تشیع کے لیے آسان ہو جائے گا جس طرح علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"شیعہ کا اصل الاصول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل الکل ہیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل مشابہت رکھتے ہیں اور افضل کی موجودگی میں مفضول کو امام بنانا سراسر ظلم ہے لہذا آپ خلیفہ برحق ہیں دوسرے خلفاء غاصب اور ظالم ہیں اور دوسرے صحابہ بھی ظالم جنہوں نے علی مرتضی کا حق ان کو دے دیا اور ظالم کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا لہذا اہل سنت کی روایات ناقابل

تبار" (نیز قرآن بھی انہیں خلفاء نے جمع کرایا اور انکے ہم نوا صحابہ نے جمع کیا تو وہ بھی نا قابل
تبار) (مفہوم عبارت امام پرہاروی علیہ الرحمہ)

اس طرح وہ لوگ تدریجی طور پر عوام اہل سنت کو گمراہ کرتے ہیں اور پہلا درجہ اس سیڑھی
عقیدہ تفضیل ہے لہذا اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور عوام کو قائم رکھنا لازم اور رخنہ انداز
وں کے سد باب اور ناطقہ بندی کی مقدور بھر سعی ضروری ہے، اسی فرض کو ادا کرتے ہوئے بندہ
نے یہ چند سطور سپرد قلم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم قبول
ماویں۔ آمین۔

زیر دعویٰ:

اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان
ہ تمام امتِ محمدیہ بلکہ تمام امم سابقہ سے بھی افضل ہیں ان میں افضیلت کے لحاظ سے باہمی
تیب بھی وہی ہے جو خلافت میں ترتیب ہے، اہل سنت والجماعت کا مذہب و مسلک اور نظریہ
قیدہ یہی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بالاجماع
ضل ہیں اور عند الجمہور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے
ضل ہیں اور بعض حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت عثمان پر فوقیت دیتے ہیں جبکہ بعض توقف کے قائل
ں، لیکن مختار قول یہی ہے کہ جو ترتیب خلافت میں ہے وہی ترتیب فضیلت میں ہے۔

اس کے برعکس شیعہ لوگ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل مانتے ہیں اور
ن میں سے کچھ دوسرے صحابہ کرام کے ایمان و اخلاص کے قائل ہیں وہ تفضیلی شیعہ ہیں لیکن انکی
کثریت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان پر فضیلت دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ افضل کی موجودگی
ں مفضول کو خلیفہ اور امام بنانا ان کے نزدیک موجب ضلال و کفر ہے اس لیے وہ دوسرے صحابہ
کرام علیہم الرضوان کو کافر و مرتد سمجھتے ہیں سوائے سلمان فارسی ابوذر اور مقداد رضی اللہ عنہم۔

اس لیے مسئلۂ افضلیت مسئلہ خلافت کی طرح بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی لیے علمائے کلام نے کتبِ کلامیہ میں، مفسرین کرام نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور محدثین کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے کتبِ احادیث میں اس کو بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، بالخصوص علمائے کلام کا چونکہ موضوع ہی یہی ہے اس لیے انہوں نے دونوں مسائل کو موضوع سخن بنایا اور مدلل انداز میں بیان فرمایا-

سر دست ہم مسئلۂ تفضیل اور بالخصوص حضرت صدیق اکبر کی افضلیت پر ان حضرات کی اتباع میں قرآن وسنت اور ارشاداتِ اہل بیت بالخصوص مولائے مرتضی کے ارشادات کی روشنی میں کلام کریں گے، واللہ الموفق چونکہ تحقیق یہی ہے کہ ان کی افضلیت ہی ان کے خلیفہ بنائے جانے کی علتِ موجبہ ہے لھذا اس سے خلافت کی حقانیت پر استدلال "بُرھان لِمّی" ہے اور خلافت بلا فصل کے ثبوت سے آپ کی افضلیت پر استدلال "برھان اِنّی" ہے جیسے وجودِ باری تعالیٰ سے وجودِ کائنات پر استدلال برھان لِمّی ہے اور وجودِ کائنات سے وجودِ باری تعالیٰ پر استدلال "برھانِ انّی" ہے، لہذا مبحثِ افضلیت مبحث خلافت کی بنیاد ہے اس لیے اس کو موضوع بنانا بندہ نے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھا-

(1) علمائے کلام نے عقیدۂ افضلیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام أبو بكرن الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورين ثم علي المرتضى رضى الله عنهم -

(شرح مقاصد، شرح مواقف، شرح عقائد نسفیه)

"تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد سب بشروں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق بعد ازاں عثمان ذوالنورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم"

(2) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں فرمایا:

قال أهل السنة الأفضل أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم

''اہل سنت نے کہا کہ افضل الامام ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین علی مرتضی رضی اللہ عنہم''

وقد مال البعض منهم الى تفضيل علیّ علی عثمان والبعض الى التوقف بينهما۔قال الشيعة وجمهور المعتزله ان الأفضل بعدالرسول ﷺ علی رضی الله عنه۔ (جلد۲ ص۲۹۸ المبحث السادس)

''اور بعض اہل سنت کا میلان اس طرف ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اور بعض توقف کے قائل ہیں۔ اہل تشیع اور جمہور معتزلہ کا قول یہ ہے کہ رسول مکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں''

(۲) امام قاضی عضدالملة والدین علیہ الرحمہ نے مواقف میں فرمایا:

المقصد الخامس فی أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ وهو عندنا وأكثر قدماء المعتزلة أبو بكر رضی الله عنه وعندالشيعة وأكثر متاخری المعتزلة علی رضی الله عنه ۔

یعنی نبی مکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے تو اس میں ہمارا مذہب اور اکثر قدماء معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور شیعہ اور اکثر متاخرین معتزلہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ (ص ۷٤۱)

نیز فرماتے ہیں:

لكنا وجدنا السلف قالوا بأن الأفضل أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم۔(ص ۷٤٤)

''ہم نے سلف صالحین علیہم الرحمہ کو اس نظریہ وعقیدہ پر پایا کہ سب سے افضل ابوبکر

صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین بعدازاں حضرت علی رضی اللہ عنہم"

(4) حضرت علامہ عمر بن محمد نسفي رحمه الله تعالیٰ نے فرمایا:

أفضل البشر بعد نبينا أبوبكرن الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورين ثم علي المرتضى رضي الله عنهم -

(5) مقاصد میں علامہ تفتازانی نے فرمایا:

الأفضلية عندنا بترتيب الخلافة مع تردد بين عثمان وعلى رضي الله عنهما وعند الشيعة وجمهور المعتزلة الأفضل علی۔ (جلد۲ ص۲۹۸)

"ہمارے نزدیک خلفائے راشدین میں افضلیت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت میں ترتیب ہے بمع تردد کے درمیان عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے اور شیعہ اور جمہور معتزلہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں"

فائدۂ عظیمہ:

ان اکابرین کی تصریحات سے واضح ہوگیا کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بلا ریب وتردد اور بلا شک وشبہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق مولائے مرتضی سے بالاتفاق افضل ہیں اور حضرت صدیق اور حضرت علی میں افضلیت کے لحاظ سے اختلاف صرف اور صرف اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان ہے نہ کہ اہل سنت کے درمیان باہمی طور پر اس میں اختلاف ہے، اگر ہے تو حضرت عثمان اور حضرت علی کے درمیان تفضیل میں اختلاف ہے جبکہ جمہور کا مختار تفضیل عثمان ہے۔

(6) حضرت علامہ امام ابن حجر هیتمی مکی فرماتے ہیں:

اعلم أن الذى أطبق عليه عظماء الملة وعلماء الأمة أن أفضل هذه الأمة أبوبكر الصديق ثم عمر الفاروق ثم اختلفوا فالأكثرون ومنهم الشافعي وأحمد

ھو المشھور عن المالك أن الأفضل بعدھما عثمان ثم علی وجزم الکوفیون
منھم سفیان الثوری بتفضیل علیّ علی عثمان وقیل بالوقف عن التفاضل بینھما
ھو روایة عن مالك ـ فقد حکی ابوعبدالله المازری عن المدونة ـ أن مالکا سئل
ی الناس أفضل بعد نبیھم ؟ فقال أبوبکر ثم عمر ثم قال أوفی ذالك شك فقیل له
ثمان وعلی ؟ فقال ماأدرکت أحداًممن أقتدی به یفضل أحدھما علی الآخر
ی) قال القاضی انه رجع عن التوقف الیٰ تفضیل عثمان علی علیّ رضی الله عنھما
ال القرطبی وھو الأصح۔ (الصواعق المحرقه الباب الثالث ص ۵۷)

''اچھی طرح جان لو جس امر پر عظمائے ملت اور علمائے امت کا اجماع واتفاق ہے وہ
ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق بعد ازاں اختلاف ہے
ؒ اور جمہور علماء جن میں امام شافعی اور امام احمد بھی شامل ہیں اور امام مالک کا مشہور قول بھی وہی
ہے کہ ان دونوں حضرات کے بعد عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں
اہل کوفہ جن میں سفیان ثوری بھی شامل ہیں حضرت علی کے حضرت عثمان سے افضل ہونے کا
م رکھتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ دونوں حضرات کے درمیان تفاضل سے توقف کیا جائے اور امام
ک علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت یہی ہے امام ابوعبداللہ مازری نے امام مالک کی کتاب
ونہ سے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم علیہ السلام کے بعد تمام لوگوں
سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما پھر فرمایا کیا
معاملہ میں شک شبہ ہوسکتا ہے؟ پھر آپ سے پوچھا گیا حضرت عثمان اور حضرت علی میں سے
ن افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ جن قابل اقتداء اور لائق تقلید حضرات کو میں نے پایا ان میں
ی کو ان دو میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے نہیں سنا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بعد
ں امام مالک نے توقف والے قول سے رجوع کرلیا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بعد

حضرت عثمان کو حضرت علی رضی اللہ عنہم سے افضل قرار دیا اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اصح قول امام مالک علیہ الرحمہ کا یہی ہے"

(7) حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

أجمع أهل السنة على أن أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم ثم سائر العشرة ثم باقی أهل بدر ثم أهل أحد ثم باقی أهل البیعة (فی الحدیبیة) ثم باقی الصحابة۔ هكذا حكی الاجماع علیه أبو منصور البغدادی رحمه الله تعالیٰ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۸)

"اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ رسولِ گرامی ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین بعد ازاں حضرت علی مرتضی پھر باقی عشرہ مبشرہ بعد ازاں دوسرے اہل بدر پھر بقایا اہل احدان کے بعد اہل بیعت الرضوان پھر باقی صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اسی طرح پر امام ابو منصور بغدادی نے اجماع نقل فرمایا ہے"

(8) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

الخلفاء الأربعة أفضل الأصحاب وفضلهم على ترتيب الخلافة والمراد بالأفضلية أكثرية الثواب۔ (تکمیل الایمان مترجم ص ۹۳، ۹۴)

"خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم تمام صحابۂ کرام سے افضل ہیں اور ان میں فضیلت کے لحاظ سے وہی ترتیب ہے جو خلافت میں ترتیب ہے اور افضلیت سے مراد عند اللہ ثواب و کرامت کے لحاظ سے افضلیت ہے (نہ کہ حسبی و نسبی فضیلت)

(9) فخر برصغیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

باید دانست که تفضیل شیخین بر سائر صحابه ثابت است بنقل وعقل۔

(قرة عینین ص ۲)

''معلوم کر لینا چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق کا تمام صحابہ کرام علیہم
ضوان سے افضل ہونا نقل و عقل سے ثابت ہے''

فی التعرف أجمع الصوفية علی تقديم أبی بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی
ی الله عنهم۔ (نبراس)

کتاب التعرف جو تصوف میں بلند پایہ کتاب ہے اس میں تصریح فرمادی گئی ہے کہ
فیائے کرام کا اجماع ہے حضرت ابوبکر کی تقدیم و تفضیل پر بعد ازاں حضرت عمر فاروق پھر
ن ذوالنورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم۔

1) میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ سبع سنابل میں فرماتے ہیں: (یاد رہے کہ سبع سنابل
ں گرامی ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں مقبول کتاب ہے)

اجماع دارند که افضل از جمله بشر بعد انبیاء ابوبکر است وبعد از وے
فاروق است وبعد از وے عثمان ذوالنورین است وبعد ازوے علی مرتضی است
ی الله عنهم اجمعین بعد از ایشاں تتمۂ عشره مبشره (ص ۷)

''اہل سنت کا اس نظریہ پر اجماع و اتفاق ہے تمام بشروں سے انبیاء علیہم السلام کے
فضل ابوبکر صدیق ہیں ان کے بعد عمر فاروق ان کے بعد عثمان ذوالنورین اور ان کے بعد علی
ی رضی اللہ عنہم پھر باقی عشرہ مبشرہ''

1) بعد ازاں میر عبدالواحد فرماتے ہیں:

مخدوم قاضی شهاب الدین درتیسیر الاحکام نبشت که هیچ ولی
رجۂ هیچ پیغمبر نرسد زیرا که امیر المومنین ابوبکر صدیق بحکم حدیث بعد
مبراں ازهمه اولیاء برتر است واو بدرجۂ هیچ پیغمبرے نرسید وبعد از وے
الفاروق است وبعد از وے عثمان ذوالنورین بن عفان وبعد از وے امیر المومنین

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم۔ (سبع سنابل شریف ص ۱۰)

"مخدوم قاضی شہاب الدین تیسیر الاحکام میں فرماتے ہیں کہ کوئی ولی بھی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ امیر المومنین ابوبکر صدیق ازروئے حدیثِ رسول ﷺ پیغمبران کرام علیہم السلام کے بعد تمام اولیاء سے برتر اور افضل ہیں لیکن وہ کسی پیغمبر کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے اور ان کے بعد عمر فاروق ہیں ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان اور ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں (اور کوئی بھی کسی پیغمبر کے درجہ کو نہیں پہنچ سکا)

(12) حضور داتا گنج بخش علی بن عثمان ھجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کشف المحجوب شریف میں (صحابہ کرام میں سے ائمہ تصوف کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرماتے ہیں:

منھم شیخ الاسلام و بعد از انبیاء خیرالانام خلیفہ و امام و سید اھل تحرید و شھنشاہ ارباب تفرید و ازآفات انسانی بعید امیرالمومنین ابوبکر عبداللہ بن عثمان الصدیق۔ (ص ۵۱)۔صدیق اکبر مقدم برھمہ خلائق است از پس انبیاء صلوات اللہ علیھم اجمعین ۔امام دین ھمہ مسلماناں وے است عام را و امام اھل ایں طریقت وے است خاص را۔ رضی اللہ عنہ۔ (ص ۵۲)

"ان (ائمہ تصوف) میں سے شیخ الاسلام اور انبیاء علیہم السلام کے بعد خیرالانام، خلیفہ وامام، اہل تجرید کے سردار اور ارباب تفرید کے شہنشاہ اور آفات انسانیہ سے بعید ومنزہ، امیر المومنین ابوبکر صدیق ہیں صدیق اکبر، انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوقات پر مقدم ہیں اور ان سے افضل وبرتر ہیں عام اہل اسلام کے لیے بھی دین میں امام ومقتداء ہیں اور خواص اہل طریقت وارباب تجرید کے بھی امام ہیں"

(13) امام ہمام سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

أن تفضّل الشيخين و تحبّ الختنين و ترى المسح على الخفين ۔

"سُنیت یہ ہے کہ ابو بکر اور عمر کو سب صحابہ سے افضل جانے رسول گرامی ﷺ کے دونوں دامادوں یعنی عثمان ذوالنورین اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھے اور خفین پر مسح کو جائز مانے"

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

كانّ السلف كانوا متوقفين فى تفضيل عثمان على علىّ حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الختنين

گویا کہ سلف کو حضرت عثمان کی حضرت علی پر تفضیل میں توقف تھا اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کے امتیازی علامات میں سے تفضیل شیخین اور حب ختنین کو قرار دیا

(شرح عقائدمع نبراس ص ٤٩٠)

سوال:

پہلے علامہ تفتازانی نے چاروں حضرات کی افضیلت ترتیب خلافت کے متعلق بیان کر کے فرمایا على هذا وجدنا السلف ہم نے سلف صالحین کو اس نظریہ وعقیدہ پر پایا اور یہاں حضرت عثمان اور حضرت علی کی باہمی تفضیل میں توقف کا قول کردیا تو کلام میں تعارض لازم آگیا؟

الجواب :

علىٰ هذا وجدنا السلف سے مراد اکثر اسلاف ہیں جو کہ حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دیتے تھے اور بعض توقف کے قائل تھے، لہذا تعارض وتناقض لازم نہ آیا کیونکہ یہاں اس قلیل جماعت کا لحاظ کیا گیا ہے۔

فائدہ عظیمہ:

سلف سے مراد صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین ہیں اور بعض نے سلف کا مصداق صرف صحابہ کرام اور تابعین علیہم الرضوان کو ٹھہرایا۔ (ملاحظہ ہو: نبراس ص:486) تو ثابت ہوا کہ شیخین کی افضلیت پر ان اکابرین ملت کا اجماع ہے اور جمہور حضرت عثمان کی حضرت علی مرتضٰی پر تفضیل کے قائل ہیں لہٰذا جو شخص حضرت صدیق و حضرت عمر پر مولائے مرتضٰی کو فضیلت دیتا ہے وہ اجماع سلف کا بھی مخالف ہے اور سنی بھی نہیں ہے کیونکہ ان کا شعار اور امتیازی نشان اس میں موجود نہیں ہے۔

(14) حضرت میر عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں:

محبت بایں ہر چہار ت نکو زتفضیل شیخین کارت نکو

محبت بھر چار گیر استوار ولے حب شیخین مفرط شمار

ورت فضل شیخین دردل کم است بنائے تو در رفض مستحکم است

اجماع صحابہ و تابعین و تبع تابعین و سائر علمائے امت ہم بریں عقیدہ واقع شدہ است و ھمیں اجماع در کتب متقد ماں و متاخراں مذکور و شائع است (تا) فردوسی گفت:

چہ گفت آں خداوندِ تنزیل و وحی خداوندِ امر و خداوندِ نہی

کہ خورشید بعد از رسولانِ مہ نتابید بر کس زبوبکر بہ

(15) شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے میر عبدالواحد فرماتے ہیں

شیخ مخدوم سعدی فرمود:

نخستین ابوبکر پیر مرید عمر پنجہ بر پیچ دیو مرید

خرد مند عثمان شب زندہ دار چہارم علی شاہ دلدل سوار

(ص:10)

''تیری محبت ان چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ بہترین عمل ہے اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سب سے افضل ماننے سے ہی تیرا کام بخیر انجام ہے۔ اور اگر تیرے دل میں شیخین کی افضلیت کم ہے تو تیرے عقیدہ ونظریہ کی بنیاد واساس رفض اور تشیع میں مستحکم ہے'' (ترجمۂ اشعار فردوسی مرحوم ختم ہوا)

''صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اجماع واتفاق بھی اسی نظریہ وعقیدہ پر ہے اور یہی اجماع متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں مذکور اور شائع ہے ۔تا۔فردوسی نے اپنے منظوم کلام میں عقیدہ اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا: کیا فرمایا خداوند تنزیل اور مالک وحی نے جو مالک ہے امر وحکم کا اور مالک ہے نہی ومنع کا، کہ بہتر وبہترین ذوات رسل کے بعد سورج نہیں طلوع ہوا ابوبکر سے بہتر ذات پر'' حضرت شیخ مخدوم سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں پہلے مرتبہ ومقام والے ہیں ابوبکر وہ جو لوگوں کے پیر ومقتداء اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخلص مرید ہیں دوسرے نمبر پر عمر فاروق ہیں جو شیطان سرکش کا پنجہ مروڑنے والے ہیں تیسرے درجہ میں عثمان خردمند راتوں کو یاد خداوند تعالیٰ میں جاگنے والے چوتھے درجہ میں شاہ علی دلدل سوار ہیں'' (یہاں ترجمہ مکمل ہوا)

(16) علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

میرے نزدیک افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ تین وجوہ سے ثابت ہے، پہلی نبی الانبیاء علیہم السلام کی طرف سے اس پر تنصیص (کما سنذکرہ فی بیان الأحادیث) تیسری وجہ اہل بیت کرام علیہم الرضوان کی طرف سے تنصیص، چنانچہ مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق افضل الامت ہیں اسی (80) سے زیادہ افراد نے اس کو شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔دوسری وجہ ہے اجماع الصحابہ و السلف الصالح جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کما سنذکرہ بعد

اورامام **شافعی علیہ الرحمہ** سے امام بیہقی نے صحابہ کرام اور تابعین کا **تفضیل شیخین** پر اجماع نقل کیا ہے۔ (ملخص مرام الکلام ص46)

(17) آخر میں ہم محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

یعتقد أهل السنة أن أمة محمد علیه السلام خیرالأمم أجمعین وأفضلهم أهل القرن الذین شاهدوه وآمنوابه وصدّقوه وبایعوه وتابعوه وقاتلوا بین یدیه وفدوه بأنفسهم وأموالهم وعزّروه ونصروه ۔أفضل هذالقرن أهل الحدیبیة (الیٰ)وأفضلهم أهل بدر (الیٰ)أفضلهم الأربعون أهل دارالخیزران الذین کملوا بعمربن الخطاب أفضلهم العشرة الذین شهدلهم النبی ﷺ بالجنة (الیٰ)وأفضل هؤلاء العشرة الأبرار الخلفاء الراشدون الأربعة الاخیاروأفضل الأربعة أبوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم وهؤلاء الأفاضل الأربعة والخلافة بعدالنبی ﷺ ثلثون سنة۔ (غنیة الطالبین مترجم فارسی ص ۱۸۵،۱۸۶)

"تمام اہل سنت عقیدہ رکھتے ہیں کہ امت محمدیہ تمام امتوں سے **افضل** ہے اور اس امت محمدیہ میں اس قرن والے افراد **افضل** ہیں جنہوں نے رسول کریم علیہ السلام کا مشاہدہ کیا آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، آپ سے بیعت کی، آپ کی اتباع کی، آپ کے سامنے جہاد وقتال کیا، اپنی جانوں کو اور اموال کو آپ پر فدا کیا، آپ کی تعظیم وتکریم کی اور امداد واعانت کا شرف حاصل کیا، اس قرن والوں میں سے اہل حدیبیہ **افضل** ہیں جنہوں نے آپ سے بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا اور وہ چودہ سو کی تعداد میں تھے۔ ان سے **افضل** اہل بدر ہیں اور وہ تین سو تیرہ کی تعداد میں تھے، مانند اصحابِ طالوت کی تعداد کے اور اہل بدر میں سے وہ چالیس حضرات **افضل** ہیں جو دار خیزران والے ہیں جن کی تکمیل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ذریعے

ہوئی اور ان میں سے افضل وہ دس حضرات ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی (تا) اور ان دس ابرار میں سے افضل خلفاء راشدین ہیں جو چار بلند و بالا مرتبہ والے ہیں اور ان خلفاء راشدین میں سے سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذو النورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم اور ان چاروں حضرات افاضل کو نبی مکرم ﷺ کے وصال شریف کے بعد آپ کی خلافتِ نبوت کا شرف حاصل ہوا تیس سال کے لیے"

بیان الفوائد :

افضلیت کی اس ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بالخصوص اور خلفاء اربعہ بالعموم فضل و شرف کے کس قدر بلند و بالا مقام پر فائز ہیں یہ امت پہلی امتوں سے افضل ہے اس کا قرنِ اول ساری امت سے افضل ۔قرنِ اول سے اہل حدیبیہ واہل بیعت رضوان افضل ،ان سے افضل اہل بدر ان سے افضل اہل دارِ خیزران ،ان سے افضل عشرۂ مبشرہ ان سے افضل خلفائے اربعہ اور ان سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم۔

گویا تفاضل کی جہت فوق کی طرف ترتیب میں آٹھویں نمبر پر افضل ترین ہیں۔ نیز فضیلت کا ذکر پہلے فرمایا اور خلافت کا بعد میں تو واضح ہو گیا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نزدیک افضلیت اصل ہے اور خلافت اس کی فرع ہے۔ جب آپ حسنی حسینی سید بھی ہیں اور غوثیت کبریٰ اور قطبیت علیا کے مالک ہیں اور دین متین کے عظیم مبلغ اور عظیم مدرس تو آپ کے نظریہ کو ٹھکرانے کی جرأت کوئی رافضی ہی کر سکتا ہے کسی سنی کی کیا مجال؟

وجوہِ استدلال:

علمائے کلام نے اس دعویٰ کی اجمالی دلیل بھی ذکر فرمائی اور تفصیلی دلائل بھی بیان فرمائے قرآن مجید سے بھی اور احادیث سے بھی اور اجماع کو بھی بطور دلیل پیش فرمایا، چنانچہ علامہ

سعد الدین التفتازانی **علیہ الرحمۃ** شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

لنااجمالا أن جمهورعظماء الملة وعلماء الأمة أطبقوا على ذالكم وحسن الظن بهم يقتضي بأنهم لولم يعرفوه بدلائل وأمارات لما أطبقوا عليه وتفصيلا الكتاب والسنة والأثرو الأمارات ۔

”ہمارے اس دعوے پر اجمالی دلیل یہ ہے کہ جمہور عظمائے ملت اور علمائے امت اس عقیدہ ونظریہ پر متفق ہیں اور ان کے ساتھ ہمارے حسن ظن کا تقاضا یہی ہے کہ اگر وہ حضرات اس عقیدہ ونظریہ کا دلائل وامارات کے ذریعے کامل عرفان اور اذعان حاصل نہ کر لیتے تو اس پر متفق نہ ہوتے تفصیلی طور پر دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ اور آثار وامارات اس مدعا پر دلالت کرتے ہیں“

شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

على هذا وجدنا السلف والظاهر أنه لولم يكن لهم على ذالك دليل لماحكموا بذالك۔(شرح عقائد مع نبراس ص:486)

”ہم نے فضیلت کی اس ترتیب پر سلف صالحین کو پایا اور جزمی بات ہے کہ اگر ان کے پاس اس ترتیب فضیلت پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ اس طرح کا اعتقاد نہ رکھتے اور نہ اس کے ساتھ حکم کرتے“

قاضی عضدالملت والدّین **مواقف** میں فرماتے ہیں:

لكنّا وجدنا السّلف قالوا بأن الأفضل أبوبكرثم عمرثم عثمان ثم على رضى الله عنهم وحسن ظننا بهم يقتضى بأنهم لولم يعرفوا ذالك لما أطبقوا عليه فوجب علينااتباعهم فى ذالك القول وتفويض ما هو الحق فيه الىٰ الله۔(ص:744)

”لیکن ہم نے سلف صالحین کو پایا اور ان کا نظریہ معلوم کیا وہ فرماتے ہیں کہ سب سے

افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ ہمارے حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اگر انہوں نے اس نظریہ اور عقیدہ کا کماحقہ عرفان نہ حاصل کر لیا ہوتا تو کبھی اس پر متفق نہ ہوتے، لھـذا ہم پر اس قول میں ان کی اتباع اور تقلید واجب ولازم ہے اور صورت حال واقعی کیا ہے اور فی الحقیقت حق کیا ہے اس کو اللہ تعالٰی کے سپرد کرنا لازم اور ضروری ہے۔

راہ اسلاف کی اتباع کی اہمیت اور اسے ترک کرنے والوں کا انجام:

أقول :

راہِ اسلاف معلوم ہو جانے کے بعد اس کی تقلید ومتابعت ضروری ہے اور اپنے عقل ناقص اور فہم قاصر کے تحت کوئی فیصلہ کرنا اور اس راہ سے ہٹ کر نظریہ اپنانا ٹھیک نہیں ہے نماز میں ہر وقت اللہ تعالٰی سے التجاء کرتے رہتے ہیں اھـدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھـم۔ "اے اللہ ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ اپنے انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلا" اور قرآن مجید نے ان کا تعین فرما دیا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔

"جو اللہ تعالٰی کی اطاعت کرے اور رسول مقبول ﷺ کی اطاعت کرے تو وہ ان کی معیت ورفاقت میں ہوگا جن پر اللہ تعالٰی نے انعام فرمایا یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین اور وہ بہت اچھے رفیق ہیں"

تو ان مقدس ہستیوں کا راستہ جو کہ منـعـم عـلیھـم کا راستہ ہے اور صراط مستقیم ہے وہ معلوم ہو گیا تو اس کی اتباع اور پیروی لازم اور ضروری ہے ورنہ اللہ تعالٰی کے ساتھ بھی مزاح واستہزاء والی صورت بن جائے گی کہ اُدھر اس راہ کی راہنمائی اور اس پر چلنے کی توفیق ہر نماز میں طلب کی جارہی ہے مگر اِدھر اس راہ کو اپنانا گوارا نہیں ہے۔ اور کسی مسلمان کو اللہ تعالٰی کے ساتھ یہ سلوک اور رویہ زیب نہیں دیتا۔

نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعید اور تشدید بھی نظر انداز کرنا کسی مسلمان شخص کے لیے جائز نہیں ہے :

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ (النساء،4:115)

''جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر راہِ ہدایت واضح ہو چکی اور اتباع کرے مومنین کی راہ کے ماسوا کی تو ہم اُس کو اُدھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت بری بازگشت ہے''

تنبیہِ نبیہ:

اگرچہ مسئلہ تفضیل میں بطورِ دلیل وحجت اجماعِ امت ہی کافی ہے لیکن علمائے اعلام کی اتباع وتقلید میں اس پر تفصیلی دلائل ذکر کرنے ضروری ہیں، کلام مجید سے، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اہل بیتِ کرام علیہم الرضوان کے ارشادات سے، پھر مخالفین کے شکوک وشبہات اور اوہام ووساوس کا جواب ذکر کیا جائے گا تو ان دلائل کو مختلف ابواب میں بیان کیا جائے گا چنانچہ بابِ اول میں آیاتِ کلام مجید سے استشہادات پیش کئے جاتے ہیں۔

الباب الاول

افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ از روئے آیاتِ کریمہ

الآیۃ الاولی:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِى يُؤْتِى مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَالِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى
اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۔(اللیل،92: 17,18,19,20,21)

ترجمہ:

"اور عن قریب دوزخ کی بھڑکتی آگ سے دور رکھا جائے گا جو بہت بڑا متقی ہے جو اپنا مال دیتا ہے تزکیہ حاصل کرنے کے لیے اور نہیں ہے کسی بھی شخص کا اس کے ہاں کوئی احسان جس کی (مال خرچ کرکے) جزا دی جاتی ہو لیکن اس کا مقصد وحید صرف اور صرف رب اعلیٰ کی ذات اقدس کی رضا کا طلب کرنا ہے اور وہ ضرور اپنے رب سے راضی ہوگا اور رب اعلیٰ ضرور بالضرور اس سے راضی ہوگا"

وجہِ استدلال:

"الاتقیٰ" کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور جو اتقی ہو وہ عند اللہ اکرم ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (الحجرات،49:13)

تو لامحالہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عند اللہ (بعد از انبیاء) بزرگ تر اور افضل ترین ہیں کیونکہ ان کلماتِ قدسیہ میں عموم کا کوئی صیغہ نہیں ہے تو لامحالہ اس کا مصداق صرف اور صرف ایک مرد ہی ہوسکتا ہے اور آیت کریمہ کے سیاق وسباق سے واضح ہوجاتا ہے کہ

وہ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔اب علمائے کرام کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

(1) علامہ سعد الدین تفتازانی m کا استدلال:

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

أما الكتاب فقوله تعالى وسيجنبها الاتقى۔ (الآية) فالجمهور على أنها نزلت فى أبى بكر رضى الله عنه والاتقى أكرم لقوله تعالے ان اكرمكم عندالله اتقاكم ولا يعنى بالا فضل الا الأكرم وليس المراد به عليا لان للنبى ﷺ عنده نعمة تجزى وهى نعمة التربية۔ (شرح مقاصد جلد۲ ص ۲۹۸)

افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ پر کتاب اللہ سے دلیل قولِ باری تعالیٰ وسیجنبها الاتقی (تا) ولسوف یرضٰی ہے کیونکہ جمہور اس پر متفق ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے (جس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو الاتقٰی کہا گیا) اور جو سب سے بڑا صاحبِ تقویٰ ہے وہی بڑا عزت وشرف والا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ ''بے شک تم سب میں سے زیادہ عزوشرف والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو سب سے بڑا متقی ہے'' اور افضل سے وہی اکرم ہی مراد ہوتا ہے اور الاتقٰی سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے کیونکہ نبی مکرم ﷺ کی طرف سے ان پر نعمت ہے جس کی جزاء دی جانی چاہیے اور وہ ہے نعمتِ تربیت۔(علامہ تفتازانی کی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

بیان فوائد:

(1) الاتقٰی سے فردِ واحد مراد ہونے والا احتمال ذکر کیا ہے عموم کا وہم اور شائبہ ہی پیدا نہیں ہونے دیا جس سے عموم کے قائلین کے قول کا بطلان واضح ہو جاتا ہے الاتقٰی کے مصداق میں دو ہی احتمال ہیں، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہوں یا حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ، لیکن

حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ مراد ہونا قول باری تعالیٰ **وما لاحد عنده من نعمة تجزیٰ** کی
رو سے جائز نہیں، کیونکہ صغر سنی میں ان کو نبی رحمت ﷺ نے جنابِ ابو طالب سے لے لیا اور خود
ان کی ہر طرح پرورش فرمائی اور آپ ﷺ ان کے لیے بمنزلہ والد ہو گئے اور ان کا حق تربیت ادا
کرنا ضروری ہے کماقال اللہ تعالیٰ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل، 23:17) ہدایت
ارشاد کی نعمت آپ کی طرف سے سب اہل ایمان پر ہے مگر اس کی جزاء اللہ تعالیٰ کے سوا دے ہی
کون سکتا ہے؟ لہذا آیت کریمہ سے صرف دنیوی نعمت مراد ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں
نبی کریم ﷺ کی طرف سے پائی گئی ہے۔

(2) ترتیبِ خلافت اور ترتیبِ افضلیت میں مناسبت کیا ہے؟ اور بحثِ خلافت کے بعد
بحثِ افضلیت کے درپے ہونے کا موجب کیا ہے؟ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے علامہ نے
فرمایا:

لماذهب معظم أهل السنة و كثيرمن الفرق الى أنه يتعين للامامة أفضل
أهل العصرالا اذا كان فى نصبه حرج وهيحان فتن احتاجوا الى بحث الأفضلية ـ

"جب معظم اہل سنت اور بہت سارے فرقِ اسلامیہ اس طرف چلے گئے کہ امامت
کے لیے وہی شخص متعین ہوتا ہے جو اپنے اہل زمان سے افضل ہو مگر یہ کہ اس کے نصب کرنے
سے باہم افتراق و انتشار اور فتنوں کے ابھرنے کا اندیشہ ہو (تب مفضول کو بھی اس منصب پر
متعین کیا جا سکتا ہے) تو اس وجہ سے افضلیت کی بحث کی طرف محتاج ہوئے"

اور ظاہر ہے کہ خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تقرر فتنہ وفساد کا موجب کیسے
ہو سکتا تھا جبکہ ان کے نصب کردہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کوئی فتنہ وفساد پیدا نہ ہوا
اور نہ ہی ان کی مقرر کردہ کمیٹی کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کرنے میں کوئی فتنہ رونما ہوا
پس ثابت ہو گیا کہ اہل السنّت کی عظیم اکثریت اور جمہور فرقِ اسلامیہ کے نزدیک امام کا سب

سے افضل ہونا ضروری ہے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت شک وشبہ سے بالاتر ہوگئی۔

(3) مواقف اوراس کی شرح میں فرمایا:

المقصد الخامس فی أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ وهو عندنا وعند أكثر قدماء المعتزلة أبوبكر رضی الله عنه وعند الشيعة وأكثر متاخری المعتزلة علی رضی الله عنه- لنا وجوه الأول قوله تعالى وسيجنبها الاتقى الذى يوتى ماله يتزكى- قال أكثر المفسرين وقد اعتمد عليه العلماء انها نزلت فی أبی بكر فهو أتقى ومن هو أتقى فهو أكرم عندالله لقوله تعالى ان أكرمكم عندالله أتقاكم وهو أی الأكرم عندالله هو الأفضل فأبوبكر أفضل ممن عداه من الأمة وأيضا فقوله تعالى ومالاحد عنده من نعمة تجزی يصرفه عن الحمل على علیّ رضی الله عنه اذ عنده نعمة التربية -ان النبی ﷺ ربی عليا وهی نعمة تجزی واذا لم يحمل عليه تعين أبوبكر بالاجماع على أن ذالك الاتقى هو أحدهما لا غير- (ص ۷٤۱)

ترجمہ:

''مقصدِ خامس، اس امر کی تحقیق میں ہے کہ رسول محتشم ﷺ کے بعد افضل شخص کون ہے؟ تو ہمارے نزدیک اور اکثر معتزلہ کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور شیعہ اور اکثر متاخرین معتزلہ کے نزدیک علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ ہمارے دعویٰ کے لیے کئی وجوہِ استدلال ہیں پہلی دلیل اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے و سیجنبھا الاتقی الخ ہے'' دوزخ کی دہکتی آگ سے دور رکھا جائے گا اس شخص کو جو بہت بڑا متقی ہے جو اپنا مال دیتا ہے تزکیہ اور طہارتِ قلب حاصل کرنے کے لیے''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین کا قول ہے اور اسی پر تمام علمائے کرام کا اعتماد

ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، اور جو الاتقٰی ہو وہی اکرم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے" بے شک تم میں سب سے اکرم اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو اتقٰی ہے"یعنی تقویٰ کے اعلیٰ ترین مرتبہ ومقام پر فائز ہے اور جو شخص عنداللہ اکرم ہے وہی افضل ہے، لہذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت محمدیہ میں سے سب سے افضل ہیں- نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اس کے ہاں کسی کی نعمت نہیں ہے جس کی جزاء دی جاتی ہو اس آیتِ کریمہ کے حضرت علی مرتضٰی پر منطبق کرنے اور انہیں اس کا مصداق بنانے کے خلاف ہے کیونکہ ان کے اوپر نبی رحمت ﷺ کی نعمت تربیت محقق اور ثابت ہے- بے شک نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کو صغر سنی اور بچپن میں پالا پوسا اور یہ نعمت ہے جو جزاء اور بدلہ دیے جانے کے لائق ہے- جب اس آیتِ مبارکہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انطباق درست نہ ہوا تو اس کے مصداق کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق متعین ہو گئے کیونکہ اس پر اہل علم حضرات کا اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں مذکور الاتقٰی کا مصداق ان دو حضرات میں سے فقط ایک شخص ہے نہ ماسوا۔ لہذا حضرت صدیق ہی الاتقیٰ کے مصداق ٹھہرے"(ترجمہ مکمل ہوا)

اقول :

یہاں کچھ امور توجہ کے خاص مستحق ہیں

(الف) جب اس امر پر اجماع ہے کہ الاتقی سے مراد شخص واحد ہی ہے اس میں تعدد اور عموم نہیں ہے اور حضرت صدیق یا حضرت مرتضٰی ہی اس کا مصداق بننے کے اہل ہیں لیکن ساتھ مذکور قول باری تعالیٰ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی نے حضرت علی مرتضٰی کے مراد ہونے والے احتمال کو ختم کر دیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات کا ہی مراد ہونا متعین ہو گیا اور آپ کا افضل الامت ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ اور الاتقٰی تقی کے معنیٰ میں لے لینا

مراد لینا مجاز ہے اور جب تک حقیقت متعذر نہ ہو تو مجاز کی طرف رجوع کا کوئی جواز نہیں ہوتا، لہذا منکرین کو پر خلوص دعوت ہے کہ وہ حقیقت کی طرف رجوع کریں اور اسی پر ثابت قدم رہیں ۔مجاز سے اجتناب کو لازم سمجھیں۔ مزید تحقیق آئندہ مذکور حوالہ جات سے سامنے آجائے گی اور اوہام وساوس کا غبار چھٹ جائے گا۔

(ب) افضلیت میں تقابل شیعہ اور اہل سنت کے درمیان ہے تو جو سنی ہونے کا مدعی بھی ہو اور مولائے مرتضیٰ کو حضرت صدیق اکبر سے افضل بھی سمجھے تو وہ عملی منافقت کا شکار ہے اور دھوکا باز ہے، لہذا ایسے لوگوں سے اجتناب بھی لازم اور ان کی حقیقت بھی لوگوں پر واضح کرنا ضروری ہے۔

میر سید m کا استدلال:

میر سید m نے شرح مواقف میں اس قول باری تعالیٰ سے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی، **وسیجنبها الاتقیٰ الذی یوتی ماله یتزکیٰ وما لاحد عنده من نعمة تجزی** کے تحت فرماتے ہیں:

قال أكثر المفسرين وقد اعتمد عليه العلمآء انها نزلت فی أبی بكر وهو أتقى ومن هو أتقى هو أكرم عندالله تعالىٰ لقوله تعالى ان اكرمكم عندالله اتقاكم وهو أى الأكرم عندالله اتقاكم هو الأفضل فأبو بكر أفضل ممن سواه من الأمة وأيضا قوله تعالى ومالاحد عنده من نعمة تجزى يصرفه عن الحمل على علیّ رضى الله عنه اذ عنده نعمة التربية فان النبیّ عليه السلام ربى عليا وهى نعمة تجزى و اذالم يحمل عليه تعين أبو بكر للاجماع على أن ذالك الأتقى هو أحدهما لاغير -

(شرح مواقف ص ٤١٧)

”اکثر مفسرین فرماتے ہیں اور اس پر علمائے کرام کا اعتماد ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت

بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور آپ سب سے بڑے متقی ہیں اور جو سب
ے بڑا متقی ہو وہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت فضیلت و کرامت والا ہے کیونکہ ارشاد خداوند تعالیٰ
ہے "بے شک تم میں سب سے عزت و فضیلت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے
متقی ہے" اور جو اکرم ہے وہ افضل ہے اس امت سے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور اجابت
ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا ہے- نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اس کے ہاں کسی کی نعمت نہیں ہے جس
جزا دی جاتی ہو اس آیت کریمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منطبق کرنے اور انہیں اس کا
صداق بنانے کے خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمتِ تربیت متحقق اور ثابت
ہے- بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صغر سنی اور بچپن میں پالا پوسا اور یہ نعمت ہے
جزا اور بدلہ دیے جانے کے لائق ہے تو جب اس آیتِ مبارکہ کا حضرت علی پر انطباق درست نہ
تو اس کے مصداق کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق متعین ہو گئے کیونکہ اس پر اہل علم حضرات کا
جماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں مذکور الاتقی کا مصداق ان دو حضرات میں سے فقط ایک شخص
ہے نہ ماسوا"

م رازی m کا فرمان:

قال الامام الرازی: أجمع المفسرون منا علی أن المراد منه أبوبکر رضی
عنه

"ہمارے تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی
عنہ کے حق میں نازل ہوئی"

مزید فرماتے ہیں:

فنقول لابد أن یکون المراد به أبابکر لأن الأمة مجمعة علی أن أفضل
خلق بعد رسول الله اما أبو بکر أو علی رضی الله عنهما و لایمکن حمل هذه الآیة

علی علی بن أبی طالب فتعین حملها علی أبی بکر و انماقلنا انه لایمکن حملها علی علی بن أبی طالب لأنه قال فی صفة هذا الاتقیٰ "وما لأحد عنده من نعمة تجزیٰ "وهذا الوصف لایصدق علی علی بن أبی طالب لأنه کان فی تربیة النبی ﷺ لأنه أخذه من أبیه و کان یطعمه و یسقیه و یکسوه و یربیه و کان الرسول ﷺ منعما علیه نعمة یجب جزاء هاأماابوبکرفلم یکن للنبی علیه السلام علیه نعمة دنیویة بل أبوبکرینفق علی الرسول علیه السلام بل کان للرسول علیه السلام علیه نعمة الهدایة و الارشاد الی الدین الا ان هذا لا یجزی لقوله تعالی ماأسألکم علیه من اجروالمذکورهھنا لیس مطلق النعمة بل نعمة تجزی فعلمنا أن هذه الآیة لا تصلح لعلی بن أبی طالب و اذا ثبت أن المراد بهذه الآیة من کان أفضل الخلق و ثبت أن ذالك الأفضل من الأمة اما أبوبکرأوعلی و ثبت أن الآیة غیرصالحة لعلی تعین حملها علی أبی بکر رضی اللّٰہ عنه وثبت دلالة الآیة أیضا علی أن أبابکر أفضل الأمة۔ (تفسیر کبیر جلد۱ ص۱۸۸)

"جب یہ بات صحیفۂ خاطر پر منتقش ہوگئی کہ جو الاتقی کا مصداق ہے وہی اکرمکم ہونے کے اعزاز و امتیاز کا مالک ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ الاتقی سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ مقدسہ ہونا لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے افضل الخلق رسول گرامی ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق ہیں ہمارے اس دعویٰ (کہ حضرت علی پر اس کا منطبق کرنا ممکن نہیں) کی دلیل یہ ہے اس الاتقی کی صفت یہ ذکر کی گئی ہے کہ کسی کی طرف سے اس پر ایسی نعمت نہیں جس کی جزا دی جارہی ہے اور یہ صفت اور تقیید مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ پر سچی نہیں آتی کیونکہ وہ رحمتِ دوعالم ﷺ کے زیر تربیت رہے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جناب ابوطالب سے ان کو بچپن میں ہی لے لیا اور ان کو کھلاتے پلاتے تھے اور لباس پہناتے

تھے اور پرورش وتربیت فرماتے تھے اور رسولِ کریم ﷺ ان کے لیے منعم ومحسن تھے جس انعام و
احسان کی جزا ان کے ذمہ واجب الادا تھی، لیکن ابوبکر صدیق پر رسولِ محتشم ﷺ کی دنیوی نعمت
کسی طرح کی نہیں تھی بلکہ حضرت صدیق اپنا مال ومتاع آپ کی ذات پاک پر نثار کیا کرتے تھے
ہاں بلکہ رسولِ معظم ﷺ کا ان پر ہدایت وارشاد والا عظیم احسان وانعام تھا مگر یہ وہ نعمت ہے جس
کی بندوں کی طرف سے جزا دی ہی نہیں جاسکتی کما قال اللہ تعالی ''میں تم سے اس ہدایت و
ارشاد پر کسی اجر کا سوال اور مطالبہ نہیں کرتا'' اور یہاں جو نعمت مذکور ہے وہ مطلق نعمت نہیں ہے
بلکہ ایسی نعمت کہ جس کی جزا دی جاسکتی ہو (بلکہ جزاء دینا واجب ہو کما قال تعالیٰ بالوالدین
احسانا اور آنحضرت بھی ان کے لیے والد کی مانند تھے) لھذا معلوم ہوگیا کہ یہ آیت حضرت علی
مرتضی رضی اللہ عنہ پر صدق کی صلاحیت نہیں رکھتی اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس آیتِ کریمہ
کا مصداق وہ ہے جو افضل الخلق ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ اس امت میں سے افضل ترین
شخص ابوبکر صدیق ہیں یا علی المرتضی رضی اللہ عنہما اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ یہ آیت کریمہ حضرت
علی پر انطباق کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے تو اس کا حضرت ابوبکر صدیق پر منطبق ہونا متعین ہوگیا
اور فقط وہی اس کا مصداق ہونے کے لیے مختص ہو گئے تو اس آیت کریمہ کی اس امر پر دلالت
ثابت ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق افضل الامۃ ہیں''

(یہاں تک امام رازی کی عبارت کا مفہوم مکمل ہوگیا)

فائدۂ عظیمہ :

کلامِ امام جو کہ امام الکلام ہے اس سے واضح ہو چکا کہ الاتقی عموم کا صیغہ نہیں ہے
اور تقی کا معنی مراد لینا جو کہ سراسر مجاز ہے درست نہیں ہے کیونکہ الاتقیٰ تفضیلِ کل کا صیغہ ہے
اور اس کا مصداق صرف ایک فرد ہوسکتا ہے کیونکہ سب سے بڑا ایک ہی ہوتا ہے اور مجاز کی طرف
عدول، ضرورت اور مجبوری کے تحت ہوتا ہے جب کہ یہاں قطعا کوئی ضرورت اور مجبوری نہیں

ہے۔ کیونکہ دیگر محسنین کے ثواب وجزا پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات موجود ہیں جو مفہوم مخالف مراد ہونے کے توہم کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے کافی ووافی ہیں۔

وجہ دلالت کلام امام میں یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ افضل الامت ابوبکر صدیق ہیں یا علی المرتضی رضی اللہ عنہما تو اگر یہ صیغہ اسم تفضیل کل کا نہ ہو تو پھر اس اجماع مرکب سے یہاں پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ (فافهم و تدبر)

فائدۂ ثانیہ :

بقول امام جب امت کا اس پر اجماع ہے کہ افضل الخلق اور اکرم الامم ابوبکر صدیق ہیں یا علی مرتضی رضی اللہ عنہ تو اس اجماع مرکب کی مخالفت کرتے ہوئے ہر ایک کو حق دے دینا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے جس کو چاہے افضل مان لے اور دلیل یہ دینا کہ ''صحابۂ کرام کے اقوال اس معاملہ میں مختلف ہیں بعض ایک صحابی کو افضل مانتے ہیں تو بعض دوسرے کو اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اتباع کرلو گے ہدایت پا جاؤ گے'' جیسا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس بدعت کا اختراع کیا ہے، یہ روش کیسے درست ہو سکتی ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اجماع کی مخالفت ضلالت و گمراہی ہے اور دخول نار کی موجب، حتی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی خبر واحد بھی اجماع کے مخالف ہو تو اس کی تاویل واجب ہے بصورتِ دیگر اس کا ترک کرنا ضروری ہے چہ جائے کہ کسی صحابی کی طرف منسوب قول کے مقابل اجماع کو پرکاہ کی حیثیت نہ دی جائے۔ العیاذ باللہ تعالی

مزید تفصیل حجیتِ اجماع کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز

(آیہ مذکورہ میں عموم کا وہم) ایک توہم اور اس کا ازالہ:

یہاں پر بعض لوگوں نے اس ظن وگمان اور وہم وسوسہ کا اظہار کیا ہے کہ اگرچہ مفسرین کا

ماع اس امر پر ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوئی لیکن یہ بھی مسلم
یقت ہے کہ شان نزول میں آیات منحصر نہیں ہوا کرتیں ورنہ بہت سی آیات احکام اور آیات
دود قصاص سے استدلال باطل ہو کر رہ جائے گا کیونکہ وہ کسی نہ کسی شخص کے حق میں نازل ہوئی
ں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے سے ان کی ذات کے ساتھ اس کا
صاص ثابت نہیں ہوسکتا۔

جواباً گزارش یہ ہے کہ خصوصِ مورد اور شانِ نزول کا اعتبار اس وقت نہیں ہوتا جب کہ
م کا صیغہ ہو، نہ کہ ہر حال میں اسکو عام کر دیا جائے گا مثلاً تبت یدا ابی لهب و تب (الآية)
مورد اور محل نزول نبی مکرم ﷺ کا چچا ہے اس نے نبی مکرم ﷺ کی طرف سے دعوتِ توحید و
الت پر آپ سے کہا تھا تبالك الهذا دعوتنا تو اس کے خبیث قول کے رد میں اور حبیب
یم ﷺ کی طرف سے جوابی کاروائی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی، کیا یہاں عموم
ول کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح قرآن مجید میں وارد ہے فلما قضی زید منها وطرا زوجنا کها
حزاب، 33:37)، اس میں عموم قطعاً نہیں، کیونکہ دونوں جگہ خاص خاص اشخاص کے حق
ں ان آیات کا نزول پایا گیا ہے جب کہ اس جگہ بھی خاص شخص کے بارے میں اس آیت کریمہ
نزول ہوا اور تعیین و تشخیص جس طرح اسم علم یا کنیت کے ساتھ ہوسکتی ہے اوصاف کے ذریعے
ں ہوسکتی ہے جو کہ تفصیل کل کا صیغہ ہے اور اس کا مصداق فرد واحد ہونا لازم ہے۔

آیئے عظیم مفسر اور آیاتِ کریمہ کے مواردِ نزول سے کما حقہ آگاہ اور ان میں کامل
ق و اعتماد رکھنے والی شخصیت کے حوالے سے ہم اس دعویٰ کو مدلل اور مبرہن انداز میں بیان
رتے ہیں اور آپ حضرات سے سماعِ قبول اور اعترافِ حق کی امید رکھتے ہیں۔

فرمایا: تنبیہ؛ قد علمت مما ذكر أن فرض المسئلة فی لفظ له عموم اما آية

نزلت فی معین ولاعموم للفظها فانها تقصرعلیه قطعا کقوله تعالیٰ وسیجنبها الأتقی الذی یوتی ماله یتزکی فانها نزلت فی أبی بکر الصدیق بالاجماع وقد استدل بها الامام فخرالدین الرازی مع قوله ان اکرمکم عندالله اتقاکم علی أنه أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ ووهم من ظن أن الآیة عامّة فی کل من عمل عمله اجراء له علی القاعدة وهذا غلط فان هذه الآیة لیس فیها صیغة عموم اذاالالف واللام انما تفیدالعموم اذا کانت موصولة أومعرفة فی جمع زاد قوم أو مفرد بشرط أن لایکون هناك عهدواللام فی الاتقی لیست موصولة لأنها لاتوصل بأفعل التفضیل اجماعا والاتقی لیست جمعا بل هو مفرد والعهد موجود خصوصا مع ما یفیده أفعل من التمیز وقطع المشارکة فبطل القول بالعموم و تعین القطع بالخصوص والقصر علیٰ من نزلت فیه رضی الله عنه۔(اتقان جلد۱ ص ۳۰)

تحقیق تو نے جان لیا اس سے جو قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے(شان نزول میں اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا) کہ یہ مسئلہ مفروض اس صورت میں ہے جہاں لفظ میں عموم ہو لیکن وہ آیت جو ایک معین شخص میں نازل ہوئی ہو اور اس میں لفظ کے لحاظ سے عموم نہ ہو تو وہ لامحالہ اسی شخص پر مقصور اور اس میں منحصر ہوگی جیسے کہ قول باری تعالیٰ ہے وسیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی کیونکہ یہ بالاجماع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور امام فخر الدین رازی نے اس کے ساتھ قول باری تعالےٰ ان اکرمکم عندالله اتقاکم کو ملا کر حضرت صدیق اکبر کے رسول گرامی ﷺ کے بعد افضل الناس ہونے پر استدلال کیا ہے(اور عقیدہ اہل سنت أفضل البشر بعد الأنبیاء علیهم السلام ابوبکر ن الصدیق رضی الله عنه کو ثابت کیا ہے)

وہ لوگ وہم و وسوسہ سے دوچار ہیں جنہوں نے گمان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ہر اس

ص کوشامل ہے جو ان جیسا عمل کرے اس آیتِ کریمہ کو اس قاعدہ پر جاری کرتے ہوئے کہ
تبار عموم لفظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا اور شانِ نزول کا اس آیت میں عموم تسلیم کر لینا یہ
اسر غلط خیال اور بے بنیاد توہم ہے کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں عموم والا صیغہ اور لفظ ہی نہیں
ونکہ الف لام عموم کا فائدہ اس وقت دیتا ہے جبکہ موصولہ ہو (جس طرح السارق والسارقة
اور الزانية والزانی میں موصولہ ہے مفید عموم ہے) یا تعریف کا ہو اور جمع کے صیغہ پر داخل
(جیسے قد افلح المومنون) اور بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ تعریف کے لیے ہو اور مفرد پر
ل ہو بشرطے کہ وہاں پر معہود فرد مراد نہ ہو جبکہ الاتقیٰ میں مذکور الف لام موصولہ بھی نہیں ہے
ونکہ بالاتفاق والاجماع اس کا صلہ اسم تفضیل نہیں آسکتا اور الاتقیٰ جمع کا صیغہ بھی نہیں ہے
وہ مفرد ہے اور عہد موجود ہے بالخصوص صیغہ افعل التفضیل جو کہ تمیز کامل اور قطع مشارکت کا
رہ دیتا ہے (کیونکہ تفضیل بعض کے لیے ہو تو من کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور الف لام یا
افت کے ساتھ مستعمل ہو جیسے زید الافضل یا زید افضل القوم تو تفضیل کل والے معنیٰ
ہوتا ہے تو جب سب سے بڑا متقی فرد مراد ہوا تو اس میں مشارکت کا احتمال کہاں ہو سکتا ہے
قول باری تعالیٰ اکرمکم میں شرکت اور عموم کا اعتبار ممکن نہیں ہے)

لہــــذا اس آیتِ کریمہ میں عموم کا قول باطل ٹھہرا اور خصوص کے ساتھ قطع اور یقین
ل ہو گیا اور قصر و انحصار اس ارشادِ باری کا اسی ذات میں ثابت ہو گیا جن کے حق میں یہ آیت
یمہ نازل ہوئی یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی الاتقیٰ کا مصداق ہیں اور وہی اکرم
س عنداللہ ہیں۔ والحمدللہ علیٰ ذالك۔

ال:

یہاں عموم کا قرینہ موجود ہے کیونکہ اشقی شقی کے معنیٰ میں ہے اور اتقی تقی کے
میں ہے کیونکہ دوزخ میں صرف وہی داخل نہیں ہوگا جو سب سے بڑا شقی ہوگا بلکہ بھی کافر

ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ شقی ہیں اور دوزخ سے بچاؤ صرف سب سے بڑے متقی کو حاصل نہیں ہوگا بلکہ ہر مومن صالح کو یہ شرف حاصل ہوگا تو ماننا پڑے گا کہ یہاں اسم تفضیل کے صیغے ظاہری اور اصلی معنیٰ پر محمول نہیں ہیں تو جس طرح شقی مراد لینے سے سارے کافر اس آیت میں داخل ہو گئے تقی والا معنی مراد لینے سے سارے مومن صالح اس میں داخل ہو گئے۔

جواب:

علامہ زمخشری نے اس توہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا:

قلت الآية واردة فى الموازنة بين حالتى عظيم من المشركين وعظيم من المومنين فأريد أن يبالغ فى صفتيهما المتناقضتين فقيل الاشقى وجعل مختصابالصلى كان النار لم تخلق الا له و قيل الاتقى وجعل مختصا بالجنة كان الجنة لم تخلق الاله۔ (الكشاف جلد ٤ ص ٧٦٤)

"میں کہتا ہوں کہ یہ آیتِ کریمہ وارد ہے واسطے موازنہ اور مقابلہ بیان کرنے کے درمیان بہت بڑے مشرک کے اہل شرک میں سے اور اہل ایمان میں سے عظیم مومن کی دو حالتوں کے درمیان جو باہم متناقض ہیں پس ارادہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی متناقض حالتوں اور صفات میں مبالغہ کیا جائے تو کہا گیا الاشقی اور اس کو مختص ٹھہرایا گیا صلی (دخول نار) کے ساتھ گویا کہ دوزخ کی آگ نہیں پیدا کی گئی مگر اسی کے لیے اور کہا گیا الاتقی اور اس کو آتش دوزخ سے نجات کے ساتھ مختص ٹھہرایا گیا، گویا کہ جنت نہیں پیدا کی گئی مگر اسی کے لیے لہذ یہاں الاتقی کے لفظ کے اپنے معنی حقیقی سے عدول اور مجازی معنی میں استعمال کی گنجائش نہیں ہے"

فائدہ:

علامہ زمخشری معتزلی ہے اور معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں شیعہ کے ساتھ موافق ہیں لیکن اس نے الاتقی کے مصداق کے طور پر صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ (الحق یعلوولا یعلی علیه) حضرت صدیق کا افضل ہونا مسلم حقیقت ہے اور خود مولائے مرتضٰی کے ارشادات اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہاں بھی یہی امر معروف و مشہور تھا اور وہ اس پر متفق اور متحد تھے۔

روایت و درایت کی شہادت، اقول:

تقوی کے تین مرتبے ہوتے ہیں اور یہ کلی مشکک ہے نہ کہ متواطی جس میں قدر مشترک ہے التجنب عما یوثم "گناہگار کرنے والے امور سے دوری اور اجتناب"، جس کی پہلی صورت ہے ایمان بالتوحید والرسالۃ جس کے ذریعے خلود فی النار سے تحفظ حاصل ہوتا ہے دوسری صورت ہے ایمان اور اعمال صالحہ جن کا ثمرہ ہے دخول فی النار سے تحفظ یعنی سرے سے دوزخ میں داخل ہی نہ ہونے پائے اور تیسرا درجہ ہے خیال غیر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا کیونکہ اعلیٰ مقام عرفان کا اور بلند تر درجہ ایقان کا یہ ہے کہ خیال غیر سے بھی صحن قلب کو صاف و شفاف رکھا جائے اور اس کو تجلیٔ خداوند تعالی کے لیے اہل اور مستعد بنا دیا جائے کماورد: قلب المومن عرش اللہ مومن کا دل عرش خداوند تعالے ہے اور اس مقام پر بھول کر بھی غیر کی طرف التفات کو کفر و ارتداد اور شرک اکبر سمجھا جاتا ہے جیسے کہ حضرت ابن الفارض فرماتے ہیں: لو خطرت لی فی سواك ارادۃ بسھو حکمت بردتی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو پہلا درجہ تو بچپن سے حاصل تھا بلکہ مانند خلیل علیہ السلام بت شکن بن چکے تھے اور دوسرا درجہ بحیرہ راہب کے اس انکشاف پر آپ کو حاصل ہو چکا تھا کہ یہ ہستی منصبِ نبوت

پر رحمۃللعالمین والی شان کے ساتھ جلوہ گر ہونے والی ہے اور تیسرے مرتبہ کے حصول بلکہ اس میں کما حقہ متمکن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اپنا سب کچھ بلکہ اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی ملکیت میں دیا ہوا ہے اور عندالطلب بدن پر کوئی اچھا کپڑا بھی باقی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے والے غلاموں کو لونڈیوں کو منہ مانگی دولت کفار کو دے کر خرید لیتے ہیں اور پھر آزاد کردیتے ہیں اور کوئی دنیوی نفع ان سے حاصل نہیں کرتے، بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہی ان کے پیش نظر ہوتا تھا اور محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی خوشنودی اور گھر والوں کے لیے چھوڑا تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کو کما قال ابقیت لھم اللہ و رسولہ علیہ السلام -

لہذا ان حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے الاتقی کو اپنے حقیقی معنیٰ و مفہوم کی بجائے مجازی معنیٰ پر حمل کرنا کیونکر ضروری سمجھا گیا ہے؟ جبکہ اس مجاز میں بھی پھر مجاز کا ارتکاب کرنا پڑے گا کیونکہ مومن فاسق بھی تقوی کے پہلے درجہ پر فائز ہوتا ہے مگر وہ تو بھڑکتی دوزخ کی آگ میں داخل ہو بھی سکتا ہے اور کئی بالفعل داخل ہوں گے بھی سہی، تو لامحالہ پھر متقی کامل مراد لینا پڑے گا یا تجنب سے مراد تجنب کامل لینا پڑے گا تا کہ پہلے درجہ والا متقی یہاں داخل نہ ہونے پائے تو ان تکلفات کی ضرورت ہی نہیں اور قاعدہ جب یہی ہے کہ جب تک لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ممکن ہو مجاز کی طرف عدول نہیں کرنا چاہیے تو حقیقت کا ارادہ متعین ہو گیا اور مجاز کا جواز ختم ہو گیا تا کہ پہلے درجہ والا متقی یہاں داخل نہ ہونے پائے۔

سوال:

تقوی کے اعلیٰ مقام میں فنا فی اللہ اور بقاء باللہ یا سیر فی اللہ معتبر ہوتی ہے اور تم نے اس کو فنا فی الرسول اور بقاء بالرسول پر محمول کر دیا ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے؟

جواب:

اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں معاملات کے لحاظ سے وحدت ہے کما قال اللہ تعالی: ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی - وقال اللہ تعالی: ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ - وقال اللہ تعالی: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ آپ کا مارنا فقط اللہ تعالیٰ کا مارنا اور آپ کی بیعت فقط اللہ تعالیٰ کی بیعت اور آپ کی اطاعت فقط اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اس لیے یہاں بھی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تفرقہ کا کوئی جواز نہیں ہے اور فناء فی الرسول اور بقاء بالرسول یا فنا فی اللہ اور بقا باللہ ایک ہی شی ہے۔

تنبیہ:

جن حضرات نے الاتقی کو تقی کے معنی میں لیا ہے اور اس میں عموم پیدا کیا ہے تو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان صفات کمال اور اختصاصات کے ساتھ اتصاف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں اور مقدم و سابق ہیں تو گویا انہوں نے الاتقی میں عموم المجاز کا ارتکاب کیا ہے جس میں حقیقت اولین فرد ہوا کرتی ہے تو اس تقدیر پر بھی امام رازی علیہ الرحمۃ کے استدلال اور امام جلال الدین سیوطی کی طرف سے بھرپور تائید و تصدیق اور علامہ زمخشری جیسے ماہر فنون کی تائید و تقویت کے بعد ان حضرات کے عموم المجاز والے قول سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور حضرت صدیق کا اتقی ہونا بھی مسلم اور عنداللہ اکرم الامم ہونا بھی تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے۔ یہ اس طرح کا مجاز نہیں جس میں حقیقت داخل نہ ہو سکے جیسے کہا جائے: اسد فی الحمام تو یہاں پر اس سے مراد بہادر انسان ہی ہوگا جنگلی شیر مراد نہیں ہو سکتا لیکن یہاں یہ صورت حال نہیں ہے بلکہ عام مومن صالح سے لیکر صلاح و تقوی کے آخری مقام پر فائز حضرات تک بھی اس میں داخل ہوں گے بلکہ اکمل و اعلیٰ تقوی والے بطریق اولیٰ

فافھم و تدبر-

جس طرح رسالت ونبوت میں اشتراک درجات ومراتب میں مساوات کو مستلزم نہیں ہے تو ایمان وتقوی میں اشتراک درجات ایمانی اور مراتب تقوی میں برابری کے موجب کیونکر ہو سکتے ہیں؟ ھذا ما عندی واللہ ورسولہ اعلم

وسیجنبھا الاتقی میں دعویٔ عموم بحسب المعنیٰ اور اس کا ردِ بلیغ:

شیخ شمس الدین جوجری نے ایک استفتاء کے جواب میں کہا ان الآیة وان نزلت فی أبی بکر فانها عامة المعنی اذالعبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب-

" آیتِ کریمہ اگر چہ ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے، پس تحقیق وہ معنیٰ کے لحاظ سے عام ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص سبب اور شان نزول کا"

امام سیوطی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقلت هذا شان من يلقى نفسه فی کل واد والرجل فقیه فماله یتکلم فی غیرفنه وهذه المسئلة تفسیرية و حديثية واصولية و كلامية ونحوية فمن لم يكن متبحرا فی هذه العلوم الخمسة لم يحسن التكلم فی هذه المسئلة

"میں کہتا ہوں کہ ایسا قول کرنا ایسے ہی شخص کا کام ہے جو اپنے آپ کو ہر وادی میں دھکیلنے والا ہو (ہر پھٹے میں ٹانگ اڑانے والا ہو) یہ شخص فقیہ ہے تو اسے دوسرے فن میں کلام کرنے کا (بغیر اس کے متعلق مہارت رکھنے والوں کی اتباع کے) کیا حق تھا؟ یہ مسئلہ تفسیر وحدیث اور اصول فقہ وکلام اور علوم نحو سے تعلق رکھتا ہے تو جو شخص ان پانچ علوم میں مہارت تامہ نہ رکھتا ہو اس کو اس مسئلہ میں کلام کرنا زیب نہیں دیتا اور نہ وہ اچھی طرح اس میں کلام کرسکتا ہے"

(۱) جب یہ مسئلہ تفسیر یہ ہے تو مفسرین کرام کی آراء حاصل کرنا ضروری ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے اور تفاسیر میں سے ابن جریر وغیرہ کی

تفسیروں کو دیکھنا ضروری تھا تا کہ راجح تفسیر کونسی ہے اور مرجوح کونسی ہے اس کی معرفت حاصل ہوسکتی۔

(۲) جب کلامیہ مسئلہ ہے تو امام رازی ودیگر متکلمین کا ذخیرہ کتب کھنگالنا لازم تھا تا کہ معلوم ہوسکتا کہ انہوں نے اسی آیتِ کریمہ سے حضرت صدیق کی افضلیت پر کس طرح استدلال کیا ہے، جیسے کہ شیخ ابوالحسن اشعری ،ابن فورک،باقلانی،شہرستانی ،امام الحرمین،امام غزالی اوران جیسے دیگر حضرات کا طرزِ استدلال معلوم کرنا اوراس میں مکمل جدوجہد اور فکرونظر کو پوری طرح بروئے کار لانا لازم تھا۔

(۳) جب یہ مسئلہ حدیثیہ ہے تو محدثین کرام کے ارشادات معلوم کرنے ضروری تھے۔

وسیجنبها الاتقی کا شانِ نزول اور جلیل القدر محدثین کرام کے اقوال:

بطور مثال ہم چند حوالہ جات ذکر کرتے ہیں:

(۱) مثلاً بزار اپنی مسند میں عبداللہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت تا آخر سورت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی۔

(۲) ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بشر بن السدی سے (۳) ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں بشر بن السدی سے (۴) اورآجری نے کتاب الشریعہ میں بشر بن السدی سے اور (۵) ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے سات حضرات کو جو ایمان باللہ وبالرسول کی وجہ سے عذاب دیے جارہے تھے جن میں حضرت بلال اور عامر ابن فہیرہ بھی شامل تھے کفار سے خرید کر آزاد کیا تو اس بارے میں یہ قول باری تعالیٰ نازل ہوا:

وسیجنبها الاتقیٰ الیٰ آخر السورة

(۶) ابن جریر فرماتے ہیں کہ معمر نے سعید بن جبیر سے قول باری وسیجنبها

الاتقی کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے لوگوں کو آزاد کیا اور ان سے نہ جزا طلب کی اور نہ شکریہ طلب کیا جو کہ چھ تھے یا سات جن میں حضرت بلال اور ابن فہیرہ شامل تھے۔

(۷) ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ عامر بن عبداللہ سے اس کے باپ کی حضرت ابوقحافہ والی روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صدیق کو گلہ دیا کہ غلام خرید کے آزاد کرنے ہی ہیں تو ایسے تو ہوں جو تیرے کام آئیں تو آپ نے فرمایا: یــا أبــت انــی أریــد مــا أریـد ''اے ابا جان میری مراد اس خریداری اور آزادی سے کچھ اور ہی ہوتی ہے نہ کہ دنیوی منفعت'' تو یہ آیات نازل ہوئیں و سیجنبها الاتقی (تا) ولسوف یرضی

(۸) حاکم نے اس روایت کو مستدرك میں زیاد بکائی کے واسطہ سے ابن اسحاق سے نقل کیا اور کہا: صحیح علی شرط مسلم

(۹) ابن جریر نے تفسیر میں اپنی سند سے عبداللہ بن زبیر کے بیٹے عامر سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت صدیق مکہ مکرمہ میں اسلام لانے پر بوڑھیوں اور جوان عورتوں کو خرید کر آزاد کرتے تو انہیں باپ نے گلہ دیا (جیسے روایت بالا میں مذکور ہے اور آپ کا جواب یہ تھا) انـمـا أریـد مـا عندالله ''میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوں''۔ عامر کہتے ہیں مجھے میرے اہل بیت میں سے بعض نے بتلایا کہ یہ آیات اس موقعہ پر نازل ہوئیں فـأمـا من أعطی واتقی وصدق بالحسنی (تا) وما لأحدعنده من نعمة تجزیٰ الاابتغاء وجه ربه الاعلیٰ۔

(۱۰) ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف سے اور ابی بن خلف سے حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ کے عوض خرید کر آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے والـلـیـل اذا یغشی سے لے کر آخر تک ساری سورت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل فرمائی۔

(۱۱) آجری نے کتاب الشریعہ میں کہا کہ ابواسحاق نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا کہ حضرت صدیق نے حضرت بلال کوامیہ بن خلف اورابی بن خلف سے ایک چادراوردس اوقیہ یعنی چارسودرہم کے ساتھ خرید کر رضائے الٰہی کے لیے آزاد کردیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ کلام مبارک نازل فرمایا: والیل اذا یغشیٰ (الیٰ)وسیجنبها الاتقیٰ الخ ومالاحدعنده من نعمة تجزیٰ قال ولم یصنع ذالك ابوبكرليد كانت منه اليه فيكافئه بهاالاابتغاء وجه ربه الاعلیٰ ولسوف یرضٰی۔

یعنی کسی کی ابوبکر کے ہاں کوئی نعمت نہیں جس کا بدلہ دیا جارہا ہو یعنی ابوبکر صدیق نے یہ اقدام کسی احسان کا بدلہ چکانے کے لیے نہیں کیا جو کہ کسی طرف سے آپ پر کیا گیا ہو مگر صرف رب اعلیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور وہ ضرور بالضرور راضی ہوگا۔

(۱۲) تفسیر بغوی میں ہے کہ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں مجھے روایت پہنچی ہے کہ امیہ بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا جب انہوں بلال کی فروختگی کے متعلق دریافت کیا کہ اس کو تیرے غلام نسطاس کے بدلے میں بیچتا ہوں جو کہ دس ہزار دینار کا اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کا مالک تھا نیز بہتیرے مویشیوں کا مالک بھی تھا لیکن مشرک تھا اور اسلام لانے سے انکاری تھا تو حضرت صدیق نے حضرت بلال کو اس کے بدلے خرید لیا تو مشرکین نے کہا کہ بلال کا حضرت ابوبکر پر کوئی احسان تھا جس کا بدلہ دینے کے لیے اتنی بھاری قیمت پر خرید لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے، ومالا حد عنده من نعمة تجزی۔

(۱۳) تفسیر قرطبی میں ہے کہ عطا اور ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے کہ مشرکین نے حضرت بلال کو عذاب دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آدھ سیر سونا دے کر امیہ بن خلف سے ان کو خرید لیا اور آزاد کردیا تو مشرکین نے

کہا بلال کے کسی احسان کا بدلہ دینے کے لیے ابوبکر نے یہ قدم اٹھایا ہے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وما لاحد عنده من نعمة تجزى

(١٤) علامہ آجری نے فرمایا:

وما قدمنا من الأحاديث يدل على أن الله خص أبابكر بأشياء فضله بها على جميع الصحابة رضى الله عنهم۔

"جو ہم نے احادیث قبل ازیں ذکر کی ہیں وہ اس حقیقت پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق کو چند اشیاء کے ساتھ مختص ٹھہرا کر سب صحابہ کرام پر فضیلت بخش دی ہے"

اقول:

اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس طرح نبی مکرم ﷺ کی طرف سے کفار ومنافقین کے طعن وتشنیع کا دفاع فرمایا آپ کے طفیل اس یار غار اور ثانی اثنین کی طرف سے بھی دفاع فرمایا اور مشرکین کی طعن وتشنیع کا بذات خود جواب دیا و ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔ محمد اشرف السيالوى عفى عنه

امام سیوطی فرماتے ہیں:

وقد تواردت خلائق من المفسرين لايحصون على أنها نزلت فى حق أبى بكر رضى الله عنه

"مفسرین کی لاتعداد جماعتوں نے اس پر باہم اتفاق کیا ہے کہ یہ آیات مقدسہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہیں"

یہ تھی بحث حدیث میں شان نزول کے لحاظ سے۔ رہا اس مسئلہ کا کلام اور علم تفسیر سے متعلق ہونا: ومسئلة تفضيل ابى بكر من علم الكلام و كونه هو المراد بالآية من علم

تفسیر تو تفضیل ابی بکر کے لحاظ سے اس کا تعلق علم کلام سے ہے اور آیت کریمہ سے حضرت
ابوبکر ہی مراد ہیں اس لحاظ سے علم تفسیر سے ہے لہذا مفتی شمس الدین جوجری پر فتویٰ لکھنے سے قبل
لازم تھا کہ تفسیر ابن جریر وغیرہ کا مطالعہ کرتے راجح تفسیر معلوم کرنے کے لیے اور امام فخر الدین
رازی وغیرہ کی کتابیں دیکھتے۔

استدلال کلامی کی معرفت حاصل کرنے کے لیے امام بغوی نے معالم التنزیل میں
فرمایا:

یرید بالاتقی الذی یوتی ماله یتزکی (تا) ابابکر فی قول الجمیع قال ابن
الخازن فی تفسیر الاتقی ھھنا أبوبکر الصدیق فی قول جمیع المفسرین وقال الامام
فخرالدین الرازی فی تفسیره أجمع المفسرون ھھنا علی أن المراد بالاتقی ابو بکر
وذھبت الشیعة الی أن المراد به علی رضی الله عنه

"امام بغوی علیہ الرحمہ نے معالم التنزیل میں فرمایا کہ الاتقی سے مراد ابوبکر صدیق ہیں
تمام مفسرین کے قول کے مطابق ابن الخازن نے فرمایا کہ **الاتقی** یہاں پر ابوبکر صدیق ہیں
تمام مفسرین کے قول کے مطابق، امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں مفسرین کا یہاں پر اجماع
ہے کہ **الاتقی** سے مراد ابوبکر صدیق ہیں اور شیعہ اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد علی مرتضیٰ
رضی اللہ عنہ ہیں"

فانظر الی نقل ھولاء الائمة الثلاثة اجماع المفسرین علی ان المراد
بالاتقی ابوبکر لا کل تقی

دیکھیے ان تینوں آئمہ نے مفسرین کرام کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ **الاتقی** سے مراد
ابوبکر صدیق ہیں نہ کہ ہر متقی۔

علامہ اصبہانی نے اپنی تفسیر میں (سوال وجواب کے انداز میں) فرمایا:

سوال:

صلی (دخول واستغراق ناری) کواشقی کے ساتھ خاص فرمایا گیااوراس سے تجنب اور بچاؤ کو اتقی کے ساتھ خاص کیا گیا حالانکہ یہ حقیقت ہرایک کومعلوم ہے کہ ہرشقی اس دہکتی آگ میں داخل ہوگااور متقی اس سے محفوظ ہوگا نہ اشقی الاشقیاء اس دخول کے ساتھ مختص ہے اور نہ ہی اتقی الاتقیاء اس سے اجتناب کے ساتھ مختص ہے۔

جواب:

لان الآیۃ واردۃ فی الموازنۃ بین حالتی عظیم من المشرکین وعظیم من المومنین ۔

چونکہ یہ آیت کریمہ دو شخصوں کے درمیان موازنہ وتقابل کے لیے ذکر کی گئی ہے، ایک مشرکین کے عظیم فرد اور ایک اہل ایمان کے عظیم فرد کے درمیان ،لہذا ان دونوں کی متضاد ومتناقض صفات میں مبالغہ کرتے ہوئے کہا گیا الاشقی اوراس کو صلی اوراستغراق فی النار کے ساتھ مختص ٹھہرادیا گیا گویا کہ یہ آتش جہنم صرف اس کے لیے تیار کی گئی ہےاور کہا گیا الاتقی اور اس کونجات کے ساتھ مختص ٹھہرادیا گیا گویا کہ جنت صرف اس کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

علامہ اصبہانی کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ الاتقی سے مراد اتقی الاتقیاء علی الاطلاق ہے نہ کہ مطلق متقی ،اوراتقی الاتقیاء علیٰ الاطلاق بعد الانبیاء ابوبکرصدیق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نیز علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

الأتقی الأکمل تقوی وھو صفۃ أبی بکرالصدیق رضی اللہ عنہ قال ودل علی فضلہ علی جمیع الأمۃ قولہ تعالی ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔

اتقی سے مرادکامل ترین فرداز روئے تقوی کےاور یہ ابوبکرصدیق کی صفت ہے

اورفرمایا کہ ان کے ساری امت سے افضل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کررہا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت وکرامت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو سب سے بڑا متقی ہے۔

قال القرطبی فی تفسیرہ قال ابن عباس الأتقی أبو بکر الصدیق

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (جو کہ حبر امت اور مفسر صحابہ ہیں انہوں) نے فرمایا کہا الاتقی ابوبکر صدیق ہیں۔

امام ابن جریر نے بعض اہل عربیت کا مقالہ کہ الاتقی بمعنی تقی ہے ذکر فرمایا، لیکن اسے ذکر کرنے کے بعد کہا:

والصحیح الذی جاء ت به الآثارعن أهل التاویل أنها فی أبی بکر بعتقه من عتق من الممالیك ابتغاء وجه الله تعالی

"صحیح اور مختار وہی ہے جو ان آثار اور روایات سے ثابت ہے جو اہل تاویل اور مفسرین نے ذکر فرمائے ہیں کہ یہ ابوبکر صدیق کے حق میں وارد ہے اور ان سے مختص ہے بسبب ان کے اپنے مملوکین کو آزاد کرنے کے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے"

هذا بیان رجحان ذالك من حیث التفسیر یہ ہے بیان اس قول کے رجحان کا از روئے تفسیر کے۔

علم الاصول کے اعتبار سے بحث:

رہا اس مسئلہ کے اصولی ہونے کا معاملہ تو جوجری کا یہ دعویٰ کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب اور مورد کا یہ دعویٰ فرع ہے اس امر کی کہ الاتقی میں از روئے صیغہ کے عموم ہو، تاکہ اسی کا اعتبار کیا جائے۔ والآیة لاعموم فیها أصلاً ورأسا بل هی نص فی الخصوص جب کہ اس آیت میں سرے سے عموم ہے ہی نہیں بلکہ یہ خصوص میں نص صریح ہے (اور اسکی تقریر قبل ازیں اتقان کے حوالے سے ذکر کی جاچکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے)

لیکن اس مسئلہ کی نحوی حیثیت تو اس لحاظ سے بھی عموم ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ الف لام سے ثابت ہوگا یا اس کے مدخول سے یعنی اتقیٰ سے پہلے الف لام موصولہ ہوتا پھر عموم کا فائدہ دیتا جبکہ وہ اسم تفضیل پر داخل نہیں ہوسکتا بلکہ اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے یا تعریف کا ہو تو وہ جمع پر داخل ہونے کی صورت میں عموم کا فائدہ دیتا ہے نہ کہ مفرد پر داخل ہونے کی صورت میں جیسے کہ امام رازی علیہ الرحمہ کا مختار ہے اور عندا لبعض مفرد پر داخل ہوتے ہوئے بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ عہد کے لیے نہ ہو جبکہ الاتقی مفرد ہے جمع نہیں ہے، والعهد فيه موجود فلا عموم فيه قطعا فعلم بذالك أنه لا عموم فى الأتقى فتأمل فانه نفيس جدا فتح الله به على تائيداللحنا ب الصديقى-

جب کہ عہد بھی اس میں موجود ہے لہذا اس الف لام میں قطعا عموم نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوگیا کہ الاتقی میں بھی عموم نہیں ہے-

لیکن الف لام کا مدخول اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس میں عموم نہیں ہوتا بلکہ اس کی وضع ہی خاص کے لیے ہوتی ہے

فـانه لتفرد الموصوف بالصفة وانه لامساوى له فيها كما تقول زيد أفضل الناس أو زيد الأفضل فانها صيغة خصوص عقلا ونقلا ولا يحوز أن تتناول غيره قطعا أبداًفبان بذالك أنه لا عموم فى الاتقى والى ذالك يشير كلام الأصبهانى

(الحاوى للفتاوى ،الحبل الوثيق)

کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ موصوف کے صفت کے ساتھ تفرد پر دلالت کرتا ہے اور کسی دوسرے کے اس کے مساوی نہ ہونے پر مثلاً تو کہے زید أفضل الناس یا زید الأفضل تو یہ ازروئے نقل وعقل خصوص کا صیغہ ہے اور اس کا غیر زید کو شامل ہونا جائز ہی نہیں ہے قطعا ابداً، لہذا ظاہر ہوگیا کہ الاتقی میں بالکل عموم نہیں ہے اور علامہ اصبہانی کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے

(کمامر تقریرہ)

لھذا جوجری صاحب کا یہ قول ہر لحاظ سے نا قابل اعتبار ہے بلکہ مردود ہے۔

علامہ جوجری صاحب سے استفتاء کا پس منظر:

امام سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

خان فائز بیگ کا افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ پر ایک رافضی نہ فقط رافضی بلکہ زندیق کے ساتھ مباحثہ تھا جو احادیثِ رسول ﷺ کی حقانیت کا منکر تھا اور کلماتِ خبیثہ سید عالم ﷺ کے لیے استعمال کرتا تھا اس کا کہنا تھا کہ نبی محض واسطہ ہے جو کچھ اس نے فرمایا وہ اگر قرآن میں ہے تو مقبول ہے اور جو قرآن میں نہیں ہے تو وہ............(اس کے بعد ایسے لفظ کہے کہ میں زبان پر نہیں لاسکتا) تو سیوطی فرماتے ہیں کہ میں اس مجلس سے اٹھ آیا پھر اب تک اس کی طرف رخ نہیں کیا اور اس مجلس میں اس کے اقوالِ خبیثہ میں سے یہ خبیث قول بھی تھا علی مرتضی کا علم بھی کامل اکمل تھا اور شجاعت بھی منفرد قسم کی تھی جبکہ ابوبکر کے پاس نہ علم تھا اور نہ ہی شجاعت تھی بس انہوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ رسول کو دے دیا اور ان پر اپنا مال خرچ کیا تو انہوں نے اس کے بدلے میں امامت وخلافت دے دی میں نے کہا احادیث مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق کے اعلم اور اشجع ہونے میں وارد ہیں اس نے کہا وہ سراسر کذب ہیں، پھر اس نے خان فائز بیگ کے ساتھ سلسلہ کلام چلایا اور اس سے ابوبکر صدیق کی افضلیت پر قرآن مجید کی آیت بطور دلیل طلب کی کیونکہ وہ حدیث کو تو حجت مانتا ہی نہیں تھا تو انہوں نے بطورِ دلیل یہ آیت کریمہ پیش کی اور اسے اپنے طور پر بھی دلیل نہیں بنالیا تھا بلکہ بعض کتب کلامیہ میں اس کا مشاہدہ ومطالعہ کیا ہوا تھا اس لیے اس کا ذکر کیا:

فکان لا یلیق بالجوجری فی مثل ھذہ الواقعة أن یفتی بأن الآیة لیست

الخبیث ویدحض حجة قررها الائمة کل فرد منهم اعلم بالتفسیر والکلام واُصول الدین والفقه من مائة ألف من مثل الجوجری والله لو کان هذا القول فی الآیة هو المرجوح لکان اللائق فی مثل هذه الواقعة أن یفتی به فکیف وهو الراجح والذی افتی به الجوجری مرجوح۔ (الحاوی للفتاوی/ رسالہ الحبل الوثیق)

"لہٰذا مفتی جوجری کے لیے قطعاً یہ مناسب نہیں تھا کہ ایسے واقعہ میں یہ فتویٰ دیتا کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ ان کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے تا کہ رافضی کے قول کی اس فتوی سے تائید ہوتی اور اس کو اس خبیث عقیدہ پر پکا کرنا لازم آتا اور اس حجت وبرہان کو متزلزل کرنا اور بنیاد سے اکھیڑنا لازم آتا جس کو ایسے ائمہ اور اکابر نے اس عقیدہ کی بنیاد بنایا جن میں ہر ایک لاکھ لاکھ جوجری جیسے مفتیوں سے علم تفسیر علم کلام اور اصول فقہ میں زیادہ علم وبصیرت رکھنے والے ہیں، بخدا اگر یہ قول اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مرجوح بھی ہوتا (کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کے ساتھ خاص ہے اور انکے **افضل البشر بعد الانبیاء** ہونے کی دلیل ہے) تو اس طرح کے واقعہ میں صرف اور صرف یہی لائق ترین اور موزوں ترین تھا کہ اس کے مطابق فتوی دیا جاتا جبکہ صورتحال واقعیہ یہ ہے کہ اس آیت سے حضرت صدیق ہی مراد ہونا اور اس آیت مبارکہ کا ان کے افضل البشر ہونے پر دلیل وبرہان ہونا ہی راجح اور وزنی قول ہے اور جس کے ساتھ جوجری نے فتوی دیا وہ مرجوح ہے اور بے وزن"

نوٹ:

یہ خلاصہ ہے حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ کے رسالہ **الحبل الوثیق فی نصرة الصدیق رضی الله عنه** کا جو اپنی ناقص سمجھ کے مطابق پیش کر دیا ہے اصل رسالہ (**الحاوی للفتاوی** جلد اول ص۳۲۶ تا ۳۳۳) میں موجود ہے اور امام رازی **علیہ الرحمۃ** کا

ہاں تو فرمایئے حضرت شاہ عبدالقادر گیلانی صاحب!

اس آیت کریمہ کی تخصیص اور حضرتِ صدیق کی تفضیل پر دلالت کا انکار کر کے آپ کس جماعت کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں؟ اور کس جماعت کے مضبوط و مستحکم اعتقادی قلعہ میں نقب زنی اور اس کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی سعی نا مشکور فرما رہے ہیں؟

نیز کیا آپ ان علوم میں مہارتِ کاملہ رکھتے ہیں جو اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہیں؟ اور کیا آپ اپنے آپ کو ان اساطینِ علم اور اکابرینِ ملت کے مساوی یا ان سے افضل و برتر سمجھنے کی جسارت کر سکتے ہیں جن میں سے ایک ایک لاکھوں جوجری صاحب جیسے مفتیوں پر غالب اور وزنی ہے، ایاز قدر خویش بشناس۔

کیا آلِ رسول ﷺ کو اپنے نانا جان کے اتنے بڑے فدائی اور جانثار کے ساتھ ایسا رافضیانہ سلوک کرنا زیب دیتا تھا؟ یہاں آپ کو حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کی سنت کیوں نظر نہ آئی اور اس کو قابلِ عمل اور لائقِ تقلید کیوں نہ سمجھا اور صرف صدیق اکبر کے دشمنوں سے نہیں بلکہ آپ نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کے دمساز اور ہمراز اور معاون و مددگار کیوں بن رہے ہیں جو نہ ان کے اقوال کو حجت مانتے ہیں اور نہ ان کے اعمال کو بلکہ ان کے نزدیک (معاذ اللہ) علی مرتضی کا حق امامت و خلافت آپ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بطورِ رشوت دے دیا کیونکہ انہوں نے آپ پر مال بھی خرچ کیا اور بیٹی کا رشتہ بھی دیدیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اے بلند پرواز عقاب! ایسے مردار خور غرابوں کا نشیمن نہ سنبھالیے اور نہ اپنا نشیمن ان کے حوالے کیجیے۔

مرادِ ما نصیحت بود گفتیم حوالت باخدا کردیم و رفتیم

واللہ ھو الھادی الی سبیل الرشاد نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

آیۂ مذکورہ کی تفسیر میں اقوال مفسرین کرام

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کا فرمان:

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

قولہ تعالی وسیجنبھا الاتقی ای الذی اتقی الشرک الجلی والخفی والمعاصی القلبیۃ والقالبیۃ والنفسانیۃ وذالک بعد تزکیۃ النفس واطمینانہا الذی یوتی مالہ الفقراء وفی فک الرقاب ووجوہ الخیر یتزکی (الی) یطلب أن یکون عند اللہ زاکیا لایرید بہ ریاء ولاسمعۃ أویتفعل من الزکوۃ۔ (جلد ۱۰ ص ۲۷۸)

"یقیناً بچایا جائے گا اتقی کو یعنی جو بچا شرک جلی سے اور شرک خفی سے اور جسمانی اور نفسانی اور قلبی و بدنی معاصی سے اور یہ نفس کے تزکیہ و طمانیت کے بعد جو کہ اپنا مال دیتا ہے فقرا اور غلاموں لونڈیوں کی آزادی میں اور تمام وجوہ خیر میں جب کہ اسے مطلوب یہ ہے کہ عنداللہ پاک وصاف ہو جاؤں اور اس انفاق مال میں ریاکاری اور شہرت کا طلب گار نہیں ہے یا اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتے ہیں"

المفہوم عندنا غیر معتبر فلا تدل تلک الآیۃ علی دخول تقی فی النار وکذا عندالشافعی اذالکلام خارج مخرج الجواب فی حادثۃ لاتفاق المفسرین علی أن الآیۃ نزلت فی أبی بکر الصدیق فالغرض منہ توصیف الصدیق بکونہ أتقی الناس أجمعین غیر الأنبیاء۔

"یعنی مفہوم مخالف ہمارے نزدیک معتبر نہیں ہے اور نہ ہی امام شافعی کے نزدیک، لہذا یہ آیت کریمہ تقی کے نار میں داخل ہونے پر دلالت نہیں کرے گی کیونکہ یہ کلام ایک مخصوص موقع ومحل کے جواب میں واقع ہے (نہ کہ حکم کلی میں) کیونکہ سب مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت

کریمہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس سے غرض اعلیٰ اور مقصود حقیقی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا تمام تر انسانوں سے افضل ہونے کا بیان ہے سوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے“

ولیس المقصود منه الاحترازوالحکم بدخول التقی دون أتقی فی النار ولوسلمنا المفهوم فالمراد بالتقی الذی جاز دخوله فی النار التقی عن الشرك فقط دون المعاصی

”اور (الذی یوتی الآیہ وغیرہ کی قید سے) احتراز مقصود نہیں ہے اور نہ یہ حکم لگانا کہ تقی تو اس آگ میں داخل ہوگا لیکن اتقی داخل نہیں ہوگا اگر مفہوم مخالف والا معنی تسلیم کر لیں اور اس قید کو احترازی قید مان لیں تو جس تقی سے احتراز ہوگا تو اس سے وہ تقی مراد ہے جس کا آتش دوزخ میں داخل ہونا جائز ہے اور وہ تقی ہے جس نے اپنے آپ کو فقط شرک اور کفر سے بچایا ہوگا نہ کہ دیگر ذنوب و معاصی سے“

اقول:

اس تقدیر پر الاتقی سے مراد مخصوص شخص حضرت ابوبکر صدیق کی ذات اقدس مراد ہو گی اور ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم کو ساتھ ملانے سے شخصی طور پر آپ کا افضل البشر بعد الانبیاء علیہم السلام ہونا ثابت ہو جائے گا نہ الاتقی کے مفہوم میں عموم و اطلاق ملحوظ ہوگا اور نہ ہی اس کے مصداق میں۔

اخرج ابن أبی حاتم عن عروة أن أبا بكر الصديق أعتق سبعة كلهم يعذب فی الله فنزلت وسیجنبها الاتقی (الآیة) قلت فحینئذ اللام للعهد

(جلد ۱۰ ص ۲۷۹)

”ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا جن سب کو ایمان باللہ کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا تو اس موقعہ پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو میں کہتا ہوں اس تقدیر پر الاتقی کا الف لام عہدِ خارجی کے لیے ہوگا''

یعنی الاتقی کے عموم واطلاق کے باوجود اس کا مصداق اور محمل شخص واحد ہوگا اور اس صورت میں بھی آپ کی ذات کا اتقی الناس ہونا ثابت ہو جائے گا۔

و کون أبی بکر أتقی الناس بعد الأنبیاء دلیل علی کونه أفضلهم لقوله تعالے: ان اکرمکم عندالله اتقاکم، و علیه انعقد الاجماع ۔عن بن عمر رضی الله عنهما کنافی زمن النبی ﷺ لانعدل بأبی بکرأحدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك أصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم (رواه البخاری) و سأل محمد بن الحنفیه عن علی رضی الله عنه أی الناس خیر بعدرسول الله ﷺ قال أبو بکرقال ثم من قال عمر رضی الله عنهما۔ (روا ه البخاری حلد۱ ص ۲۸۰)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بعد الانبیاء اتقی الناس ہونا ان کے **افضل الناس** ہونے کی دلیل ہے بسبب ارشاد خداوند تعالیٰ کے ان اکرمکم عندالله اتقاکم اور اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم زمانہ رسول ﷺ میں کسی شخص کو حضرت ابوبکر صدیق کے برابر نہیں ٹھہراتے تھے پھر حضرت عمر کے برابر پھر حضرت عثمان کے برابر کسی کو نہیں ٹھہراتے تھے، اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا ابوبکر، پھر سوال کیا ان کے بعد کون افضل؟ تو فرمایا عمر رضی اللہ عنہما والتفصیل فی الصارم المسلول۔

علامہ اسماعیل حقی کا فرمان:

علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے فرمایا :

والآیة نزلت فی حق أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حین اشتری بلالا رضی اللہ عنہ فی جماعة (الی)۔ در کشف الاسرار آوردہ کہ ایں سورہ دربارہ دو کس است یکے اتقیٰ کہ پیشرو صدیقا نست یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ و دیگر اشقیٰ کہ پیشرو زندیقا نست ز اہل ضلالت یعنی ابوجہل و در فاتحہ ایں سورت کہ بشب و روز قسم یادمیکنند اشارہ است بظلمت یکے و نورانیت دیگر یعنی در شب ضلالت کس را آں گمراہی نبود کہ ابوجہل شقی را و درروز دعوت ہیچ کس را آں نور ہدایت ظاہر نہ شد کہ ابوبکر تقی را۔

سر روشن دلاں صدیقِ اعظم کہ شد اقلیم تصدیقش مُسلَّم

زمہرش روز دیں راروشنائی بدو اہل یقیں را آشنائی

"یہ آیتِ کریمہ مبارکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے حضرت بلال کو بمع غلاموں لونڈیوں کی جماعت کے خرید کر آزاد کیا۔ کشف الاسرار میں نقل کیا ہے کہ یہ سورت دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ایک اتقی جو صدیقوں کے پیشروا ور مقتداء ہیں یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرا اشقی جو زندیقوں اور بے دینوں کا پیشرو ہے اہل ضلالت میں سے یعنی ابوجہل، اور اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں جو شب و روز کی قسم ذکر کی گئی ہے تو وہ اشارہ ہے ان دو اشخاص میں سے ایک کی ظلمت و تاریکی کی طرف اور دوسرے کی نورانیت کی طرف اشارہ ہے یعنی ضلالت و گمراہی کی شب میں کسی کو وہ گمراہی حاصل نہ تھی جو ابوجہل شقی کو حاصل تھی اور دعوتِ اسلام کے روز روشن میں کسی شخص کو وہ روشنائی حاصل نہیں تھی اور نہ نورِ ہدایت حاصل ہوا جو ابوبکر تقی کو حاصل ہوا۔ روشن دل لوگوں کے سردار صدیق اعظم کہ جن کے لیے اقلیم تصدیق کی شاہی مسلم ہے ان کے مہر روحانیت سے دین کے روز کو روشنائی

نصیب ہوئی اور ان کے طفیل اہل یقین کو دولتِ عرفان نصیب ہوئی“

حضرتِ بلال کو آزاد کرانے کے لیے ایک رطل سونا اس کے مالک کو دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کے مطابق ایک چادر اور دس اوقیہ دے کر خریدا، کافروں نے کہا تم ایک اوقیہ پر اڑ جاتے تو ہم اسے ایک اوقیہ کے بدلے فروخت کر دیتے آپ نے فرمایا: لو ابیتم انتم الا بمائة اوقية لاشتريته بها" اگر تم اسے سو اوقیہ پر بیچنے پر مصر ہوتے تو میں ضرور بالضرور سو اوقیہ یعنی چار ہزار درہم کے ساتھ اس کو خرید لیتا“

اور ابن المسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اپنے غلام نسطاس کے بدلے میں حضرت بلال کو خریدا جس کے قبضے میں دس ہزار دینار بھی تھے اور مزید برآں غلام اور لونڈیاں اور مویشی بھی بہت سے اس کے قبضے میں تھے وہ مشرک تھا حضرت صدیق اکبر نے اس کو اسلام کی دعوت دی تھی اور ساتھ ہی پیشکش کی تھی کہ تم کو آزاد کر دوں گا اور جو کچھ تیرے قبضے میں ہے وہ بھی تیرے سپرد کر دوں گا لیکن وہ مسلمان نہ ہوا تو آپ اس سے سخت رنجیدہ خاطر ہو چکے تھے جب امیہ کی طرف سے نسطاس کے بدلے بلال کو بیچنے کی پیشکش ہوئی تو آپ نے اس کو غنیمت شمار کرتے ہوئے نسطاس کو تمام تر مالیت سمیت اس کے حوالے کر دیا اور حضرت بلال کو خرید لیا اور اخروی ثواب کی امید پر آزاد کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے :

يرحم الله أبابكر زوجني ابنته وحملني الى دار الهجرة و أعتق بلالا من ماله

"اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی دختر نیک اختر کو میری زوجیت میں دیا اور مجھے دارِ ہجرت تک سوار کر کے پہنچایا اور بلال کو اپنے مال سے آزاد کیا“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

بلال سیدنا و مولیٰ سیدِنا رضی الله عنهما

"بلال ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے آزاد کردہ غلام ہیں"

اور حضرت سیدنا عمر کا یہ قول سرورِ عالم ﷺ کے اس قول کی مانند ہے:

سلمان منا أهل البيت

"سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے"

(الی) فانظر شرف التقوی کیف أدخل الموالی فی الأشراف ولا

تربالنسب المحردفانه خارج عن حدالانصاف۔

"تقویٰ کے شرف و فضل کو دیکھیے کہ اس نے کس طرح غلاموں کو اشراف اور سادات

میں داخل کر دیا اور محض نسب پر نازاں مت ہونا کیونکہ یہ حد انصاف سے بہت بعید ہے"

(روح البیان جلد ۱۰ ص ٤٦٠،٤٦١)

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ کا فرمان:

۵) حضرت علامہ ابو عبداللہ القرطبی الحامع لاحکام القران میں

فرماتے ہیں:

الأتقى ای المتقی الخائف :قال ابن عباس رضی الله عنهما هو

ابوبکر الصدیق رضی الله عنه یزحزح عن دخول النار (الی) فروی عطاء و الضحاک

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال عذب المشرکون بلال و بلال یقول أحد أحد

فمرّ به النبی ﷺ فقال أحد یعنی الله ینجیك ثم قال لأبی بکر یاأبابکر ان بلالا

یعذب فی الله تعالی فعرف ابوبکر الذی یرید رسول الله ﷺ الخ۔

یعنی اتقی کا مصداق بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ ہیں تو بشارت خداوند تعالےٰ کے مطابق وہ آتشِ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے

چنانچہ عطا اور ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے حضرت بلال کو عذاب کا نشانہ بنایا جب کہ وہ احد احد پکارتے تھے تو نبی مکرم ﷺ کا بلال کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا ''احد'' یعنی اللہ تعالیٰ تجھے نجات دے گا پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوبکر بلال کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا ہے تو وہ مراد رسول ﷺ کو سمجھ گئے تو حضرت صدیق گھر گئے، آدھ سیر سونا ہمراہ لے کر امیہ کے پاس پہنچے اور اس سے دریافت کیا، کیا بلال کو بیچتا ہے؟ تو اس نے بیع کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے اس سے خرید کر حضرت بلال کو آزاد کر دیا تو مشرکین نے کہا:

ما أعتقه أبوبكر الاليد كانت له عنده فنزلت ومالأحد عنده من نعمة تجزیٰ الاابتغاء وجه ربه الاعلیٰ۔

تو مشرکین نے کہا ابوبکر صدیق نے بلال کو خرید کر آزاد کیا ہے تو اس کا کوئی احسان ابوبکر پر تھا تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور کفار کے وسوسہ کو رد فرمایا کہ کسی شخص کی طرف سے ان پر کوئی نعمت اور احسان نہیں ہے جس کی ان کی طرف سے جزا دی جاتی ہو سوائے اپنے ربِ اعلیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے ولسوف یرضی، ضرور بالضرور راضی ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اس الاتقی سے یا وہ الاتقی ضرور بالضرور اپنے ربِ اعلیٰ سے راضی ہو جائے گا۔

والأكثر أن السورة نزلت في أبي بكر رضي الله عنه وروى ذالك عن ابن مسعود وابن عباس وعبدالله بن الزبير و غيرهم

اور اکثر علمائے مفسرین کا مختار یہی ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اور یہ تفسیر مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم سے رضی اللہ عنہم

اور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یرحم اللّٰہ أبابکر زوّجنی ابنتہ وحملنی الی دارالھجرۃ و أعتق بلالا من

ہ۔

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے حضرت ابوبکر صدیق پر انہوں نے اپنی لختِ جگر کو میری زوجیت
ں دیا اور مجھے دارِ ہجرت تک سوار کر کے لائے اور بلال کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا"
مروی ہے کہ جب آپ نے حضرت بلال کو خرید لیا تو انہوں نے دریافت کیا کیا تم نے
ے اپنے کام کاج کے لیے خریدا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ
الیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تو بلال نے عرض کی مجھے چھوڑ دیجیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
پ نے بلال کو آزاد کر دیا، حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

أبوبکر سیدنا أعتق سیدنا

"ابوبکر ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار کو آزاد فرمایا"

الغرض ثابت ہوا کہ الاتقی ابوبکر صدیق ہیں اور جو اتقی ہے وہی عنداللہ اکرم اور
ل ہے، لھذا حضرت صدیق کا افضل البشر بعدالانبیاء ہونا ثابت ہوگیا۔

ال:

جس طرح حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق اس آیتِ کریمہ کا نزول مروی ہے اسی
رح حضرت ابن عباس سے ہی اس کا نزول حضرت ابوالدحداح کے حق میں بھی مروی و منقول
ے، حاصل روایت یہ ہے کہ ایک انصاری کی ایک کھجور تھی جس کا پھل اس کے پڑوسی کے گھر میں
رتا رہتا تھا اور اس کے بچے اسے کھا لیتے تھے تو کھجور کے مالک نے بارگاہِ نبوی میں شکایت کی
س پر آپ نے اس کو فرمایا: جنت کی کھجور کے عوض یہ کھجور میرے ہاتھ بیچ دے لیکن وہ انصاری
س بیع سے انکاری ہوگیا جب حضرت ابوالدحداح کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنائی دیا تو انہوں
نے چالیس کھجوریں یا اپنا حسنیٰ نامی کھجوروں کا باغ دے کر اس انصاری سے وہ کھجور خرید لی اور نبی

مکرم ﷺ سے عرض کیا:

اشترھامنی بنخلۃ فی الجنۃ قال نعم والذی نفسی بیدہ فقال ھی لک یا رسول اللہ

مجھ سے جنت کی کھجور کے بدلے میں یہ کھجور خریدتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کھجور آپ کے حوالے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انصاری کے پڑوسی کو بلا کر یہ کھجور اس کے حوالے فرمادی، الغرض جب دوسرا قول موجود ہو تو استدلال درست نہ رہا کیونکہ قاعدہ یہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

الجواب، اولا:

پچھلی تقریر سے ثابت ہو چکا کہ اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت صدیق اکبر کے حق میں نازل ہوئی ہے، لھذا استدلال درست ہو گیا۔

ثانیا:

تفسیری اقوال میں سے کسی قول کے ساتھ استدلال علیحدہ امر ہوتا ہے اور عقلی احتمالات میں سے ایک احتمال مراد لینے کا معاملہ علیحدہ ہوتا ہے اگر وجوہ تفسیر کو بھی احتمالات کے کھاتے میں داخل کر دیا جائے تو لازم آئے گا کہ ان حضرات نے کلام مجید کی دلالت کو مشکوک ٹھہرا دیا اور استدلال کے قابل ہی نہ چھوڑا، مثلا ابوبکر صدیق مراد ہونے میں ابوالدحداح والی روایت مانع ہو گئی اور ابوالدحداح مراد ہونے میں حضرت صدیق اکبر والی روایت مانع ہو گئی تو گویا کسی کی فضیلت میں بھی اس آیتِ کریمہ کا پیش کرنا درست نہ ہو سکے گا اس لیے فاضل سیالکوٹی نے حاشیہ بیضاوی میں فرمایا:

هذا استدلال بأحد وجهى التفسير وليس باستدلال بأحد الاحتمالين

"بیضاوی علیہ الرحمہ کا یہ استدلال تفسیر کی دو وجہوں میں سے ایک تفسیر کے ساتھ ہے نہ کہ دو احتمالات میں سے ایک احتمال کے ساتھ"

نیز حضرت ابوالدحداح نے جنت کی کھجور والی نعمت حاصل کرنے کے لیے یہ قربانی دی کہ محض رب اعلیٰ کی رضا کے حصول کے لیے، لہــــذا ان کے حق میں اس آیت کے نزول کی روایت مرجوح ہے اور اس کی بنیاد مستحکم نہیں ہے اور حضرت صدیق اکبر کا اختصاص ریب و تردد سے بالاتر ہے۔

۶) قاضی بیضاوی علیه الرحمة فرماتے ہیں:

والآيات نزلت فى أبى بكر رضى الله عنه حين اشترى بلالا فى جماعة تولاهم المشركون فأعتقهم فلذالك قيل المراد بالأشقى أبو جهل أو أميه بن خلف

"یہ آیات حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہیں جبکہ حضرت بلال کو بمع غلاموں کی جماعت کے خریدا جن کے مالک مشرک لوگ بن چکے تھے پھر ان کو آزاد کر دیا (تو جب اتقی سے مراد شخص معین ابوبکر صدیق ہو گئے تو) کہا گیا ہے کہ الاشقی سے مراد بھی شخص معین ابوجہل یا امیہ بن خلف ہے"

۷) حضرت علامه شهاب عناية القاضى حاشيه بيضاوی میں فرماتے ہیں:

يعنى أن قوله تعالى وسيجنبها الاتقى الى آخر السورة نزل فى حق الصديق رضى الله عنه كما فى الأحاديث الصحيحة السند عن ابن عباس سيد المفسرين حتى قال بعض المفسرين انه مجمع عليه و ان زعم بعض الشيعة أنها نزلت فى على رضى الله تعالى عنه وخصوص السبب لا ينافى عموم الحكم واللفظ كما توهمه الجوجرى ههنا نعم يقتضى الدخول فيه دخولا اوليا ولذاقال الامام ان الآية تدل

علیٰ ان أبابکر رضی الله عنه أفضل الأمة۔ (جلد ۸ ص ۳٦۹)

"قول باری تعالی وسیجنبها الاتقی تا آخر سورۃ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا، جیسا کہ صحیح السند روایات کے ساتھ حضرت سید المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے حتی کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت صدیق کے حق میں نزول متفق علیه اور اجماعی قول ہے، اگرچہ بعض شیعہ نے یہ گمان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا اور سبب کی خصوصیت حکم کے عام ہونے کے منافی نہیں ہوتی نہ عموم لفظ کے جیسے جوجری کا وہم ہے، پس یہاں لفظ و معنیٰ میں عموم ہوتو بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا اس میں دخول اولیت و اسبقیت کے طور پر ثابت ہو جائے گا اس لیے امام رازی قدس سرہ نے فرمایا کہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق افضل الامت ہیں" هذا والحمدلله۔

(۸) حضرت علامہ محی الدین شیخ زادہ حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

قوله والآیات فی أبی بکر رضی الله عنه هذا ما ذهب الیه جمهور المفسرین والشیعة ینکرون ذالك ویقولون انها نزلت فی حق علی رضی الله عنه ویستدلون علیها الخ۔

"حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں ان آیاتِ کریمہ کا نزول جمہور مفسرین کا مذہب ہے اور شیعہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اور ان کا استدلال یہ ہے کہ قول باری تعالی یؤتون الزکوة وهم راکعون (المائدہ، 55:5) حضرت علی کے حق میں نازل ہوا تو اس آیتِ کریمہ میں جو مال کی عطا کا ذکر ہے یہ اسی عطا کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے انگوٹھی سوالی کو حالتِ رکوع میں عطا کی تھی"

اس استدلال کارد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نحن نقول لا یمکن حمل الأتقی المذکور فی هذه الآیة علیٰ علیّ رضی
ه عنه لأنه تعالی قال فی صفة هذا الاتقی " وما لاحد عنده من نعمة تجزی" وهذا
وصف لا یصدق علی علی رضی الله عنه لأنه کان فی تربیة النبی ﷺ أخذه من
ه و کان یطعمه ویسقیه و یکسوه و یربیه و کان علیه السلام منعما علیه بنعمة
جزی علیها بخلاف أبی بکر فانه لم یکن لأحد عنده من نعمة دنیویة کان من
رسول عنده نعمة الهدایة والارشاد الی الدین الا ان هذه النعمة لا یجزی علیها
ولہ تعالی حکایة عنه علیه السلام لا اسئالکم علیه اجراً و آیات اخری
مذکور ههنا لیس مطلق النعمة بل نعمة تجزی فظهر أن هذه الآیة لا تصلح أن
کون نازلةً فی حق علیّ رضی الله عنه فتعیّن أنها نزلت فی أبی بکر لأن الأمّة
معوا علی أن أفضل الخلق وأکرمهم وأتقاهم أبوبکر رضی الله عنه۔

(شیخ زاده علی البیضاوی جلد ۸ ص ۶۲۰)

"ہم کہتے ہیں اس آیتِ کریمہ میں مذکور الاتقی کو علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر منطبق کرنا
ن ہی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس اتقی کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی شخص کی اس پر
ئی نعمت نہیں جس کی جزاء دی جارہی ہو اور یہ وصف مولائے مرتضی پر صادق نہیں آتا کیونکہ
پ نبی مکرم ﷺ کی تربیت میں تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو ابوطالب سے لے لیا تھا آپ ہی
ن کو کھلاتے پلاتے اور پہناتے تھے اور ہر طرح کی تربیت فرماتے تھے، لھــذا محبوب کریم علیہ
صلوۃ والسلام آپ کے منعم و محسن تھے ایسی نعمت کے ساتھ جس کی جزاء دی جاتی ہے (بلکہ واجب
ی) بخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کیونکہ ان پر کسی کی کوئی دنیوی نعمت نہیں تھی
ں رسول معظم ﷺ کی نعمت ہدایتِ حق اور ارشادِ دین والی تھی مگر یہ ایسی نعمت ہے جس کی جزاء

نہیں دی جاسکتی کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی طرف سے بطور حکایت فرمایا'' میں اس تبلیغِ دین اور ارشادِ خلق پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا'' اور اس مضمون کی مزید آیات بھی ہیں، نیز جو نعمت یہاں مذکور ہے وہ مطلق نعمت نہیں بلکہ ایسی نعمت کہ جس کی جزا دی جاسکتی ہو پس ظاہر ہوگیا کہ یہ آیتِ مقدسہ اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس کا نزول ہو پس متعین ہوگیا کہ وہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ افضل الخلق اور اکرم الخلق اور اتقی الخلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں''

افضلیتِ صدیقِ اکبر کی دوسری قرآنی دلیل

الآیۃ الثانیۃ:

قال اللہ تبارک و تعالی:

لَا یَسْتَوِی مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ (سورۃ الحدید، 10:57)

"تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے مال خرچ کیا اور راہِ خدا میں جہاد و قتال کیا وہ برابر نہیں ہو سکتے (ان لوگوں کے ساتھ درجات و مراتب میں جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور راہِ خداوند تعالیٰ میں قتال کیا) پہلے مال خرچ کرنے والے اور قتال کرنے والے بہت عظیم ترین ہیں از روئے درجات کے ان سے جنہوں نے بعد میں مال خرچ کیا اور قتال کیا اور ہر فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے" (اگر چہ درجات میں تفاوت ہوگا)

اس آیتِ کریمہ میں منطوق اور عبارۃ النص کے لحاظ سے تو فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے قبل فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے والوں اور جہاد و قتال کرنے والوں کا اور بعد از فتح انفاق و قتال کرنے والوں کا فرق بیان کرنا مقصود ہے لیکن تفاوتِ درجات اور تفاضلِ مراتب کی جو بنیاد و اساس بیان فرمائی گئی ہے اس سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمتِ درجت اور رفعتِ مرتبت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ کیونکہ مکہ فتح ہونے کے بعد اہل ایمان میں مالی وسعتیں پیدا ہو چکی تھیں لیکن اس سے پہلے تنگ دستی اور فقر کا دور دورہ تھا، تو اس وقت راہِ خداوند تعالیٰ میں خرچ کرنا بہت بڑا کمال تھا اور نفس کشی اور بے نفسی کی انتہا تھی۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ فتح ہونے سے قبل بلکہ ہجرت سے بھی پہلے راہ خداوند تعالیٰ میں اپنے اموال صرف کیے اور

خود سرورِ عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر بھی اپنے اموال خرچ کئے بلکہ اپنا آپ بھی اور اپنا سب کچھ بھی سرورِ عالم ﷺ کے حوالے کر رکھا تھا، کفار کے ساتھ آپ کے دفاع میں ہاتھا پائی ہوتی مار پٹائی تک نوبت پہنچتی رہتی تھی اور حتی المقدور آپ ﷺ کو کفار و مشرکین کے تشدد اور ایذاء و تکلیف کا نشانہ نہیں بننے دیتے تھے، لہذا اس قولِ خداوند تعالیٰ سے حضرت صدیق کی عظمت درجات اور علو مراتب ہر چشم بصیرت کے سامنے محسوس و مشہود طریقہ پر آجاتے ہیں اب اکابرین علماء اور ائمۂ اعلام کے ارشادات ملاحظہ فرماویں:

آیۂ ثانیہ کی تفسیر میں اکابر ائمۂ تفسیر کے ارشاداتِ عالیہ:

(۱) امام بغوی فرماتے ہیں کہ محمد بن الفضل نے کلبی سے نقل کیا ہے:

ان هذه الآية نزلت في أبي بكر الصديق فانه أول من أسلم وأول من أنفق في سبيل الله الخ۔

"بے شک یہ آیتِ کریمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ اسلام لانے میں بھی سب سے اول ہیں اور فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں بھی سب سے اول ہیں" (معالم التنزيل جلد٤ ص ٢٩٤)

امام بغوی نے ہی معالم التنزیل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں بارگاہِ رسالت مآب علیہ السلام میں حاضر تھا اور حضرت صدیق اکبر بھی حاضر خدمت تھے، آپ پر عبا تھی جس کے گریبان کو کانٹوں سے بند کیا ہوا تھا تو جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئے اور عرض کیا: کیا وجہ ہے کہ صدیق عبا کا گریبان کانٹوں سے بند کیے ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "انہوں نے مجھ پر فتح سے قبل سارا مال خرچ کر دیا ہے"

تو انہوں نے عرض کیا:

فإن الله عزّ وجلّ يقول: اقرأ عليه السلام و قل له أراض أنت عني في فقرك

ذا ام ساخط؟

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے محبوب ان کو میرا اسلام پہنچائیں اور ان سے دریافت کریں
ہ کیا تم اپنی اس حالت فقر میں مجھ سے راضی تو ہو؟ ناراض تو نہیں ہو، تو محبوبِ کریم علیہ
صلوۃ والسلام نے حضرت صدیق سے فرمایا:

اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہیں سلام فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا تو اس حالتِ فقر میں مجھ
ے راضی تو ہے؟ ناراض تو نہیں ہے تو آپ نے عرض کیا:

أأسخط علی ربی ؟انی عن ربی راض و کذا روی الواحدی فی تفسیره

''کیا میں اپنے پروردگار پر ناراض ہوسکتا ہوں؟ بے شک میں اپنے رب تعالیٰ سے
ضی ہوں'' اور ایسے ہی علامہ واحدی نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔

() حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

قلت هذه الآية بمنطوقه تدل على أفضلية السابقين الأولين من المهاجرين
لأنصار على من آمن بعد الفتح و أنفق حينئذ۔ وبمفهومه و سياقه يدل على
ضلية الصديق على سائر الصحابة وأفضلية الصحابة على سائر الناس فان مدار
فضل على السبقة فی الاسلام والانفاق والجهاد كمايدل عليه قوله ﷺ "من سن
ة حسنةً فله أجرها وأجر من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيء۔

(تفسیر مظہری جلد۹ ص ۱۹۰)

''میں کہتا ہوں کہ یہ آیتِ کریمہ اپنے منطوق اور صریح مفہوم کے لحاظ سے سابقین و
لین مہاجرین وانصار کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے بہ نسبت ان حضرات کے جو فتح مکہ کے
د ایمان لائے اور راہِ خداوند تعالیٰ میں مال خرچ کیے۔ لیکن مفہوم اور سیاقِ کلام کے لحاظ سے
ضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل ہونے پر دلالت

کرتی ہے اور صحابہ کرام کے دوسرے تمام لوگوں سے افضل ہونے پر، کیونکہ فضل وشرف کا دارومدار اسلام میں سبقت اور جہاد وانفاق پر ہے جیسے کہ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد اس پر دال ہے کہ ''جس شخص نے اچھا طریقہ جاری کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اسکے کہ ان کے اجر وثواب میں ذرہ بھر کمی کی جائے''

مزید فرماتے ہیں:

قد أجمع العلماء علی أن أبابکر أول من أسلم وأظهر اسلامه وأسلم علی یده أشراف قریش وأول من أنفق الأموال العظام فی سبیل الله و أول من احتمل الشدائد من الکفار ومن ثم قال رسول الله ﷺ :"مالأحد عندنا یدالا وقد کافینا ه ما خلاأبا بکر فان له عندنا ید ایکافئه الله بها یوم القیامة ومانفعنی مال أحد قطمانفعنی مال أبی بکر"۔ (رواه الترمذی من حدیث أبی هریره)

"علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ابوبکر صدیق سب سے پہلے اسلام لائے، اپنے اسلام کو ظاہر فرمایا اور (ان کی تبلیغ پر) اشرافِ قریش ان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عظیم ترین اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کیا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کفار کے شدائد اور سختیوں کو برداشت کیا، اس لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''کسی کا بھی ہم پر احسان نہیں تھا مگر ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ماسوائے ابوبکر صدیق کے کہ ان کا ہم پر جو احسان عظیم ہے اس کا بدلہ ان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز عطا فرمائے گا (گویا دنیا کی ان گنت اور لاتعداد نعمتیں ان کا بدلہ نہیں بن سکتیں اور نہ ان کے احسانات کی کیفیت وکمیت کا دوسرا کوئی شخص کما حقہ اندازہ کر سکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر اگلے جہان میں اس کا بدلہ عطا کرے گا) اور آپ نے ارشاد فرمایا مجھے کسی کے مال نے ہرگز وہ فائدہ نہیں پہنچایا جو نفع مجھے ابوبکر صدیق کے مال نے پہنچایا ہے''

عن ابن الزبیر عن أبیه قال أسلم أبوبکر وله أربعون ألفاً أنفقها كلّها على رسول الله ﷺ وفی سبیل الله۔

"حضرت عبداللہ بن زبیر اپنے والدِ گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدیق مشرف باسلام ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار دینار یا درہم تھے وہ سبھی انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ پر اور فی سبیل اللہ خرچ کر دیے" (رواہ ابوعمر)

اقول:

یہ مطلب نہیں کے صرف اتنے خرچ کیے بلکہ تاجر تھے ساتھ ساتھ کماتے بھی رہتے تھے اور خرچ بھی کرتے رہتے تھے بعدازاں اموالِ غنیمت بھی ساتھ شامل ہوتے رہتے تھے۔ فتامل حق التامل۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ عقبہ بن ابی معیط نے نبی مکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کی چادر کو آپ کے گلے میں ڈال دیا اور پھانسی دینے لگا جب حضرت صدیق اس صورتِ حال پر مطلع ہوئے تو اسے آپ سے دور دھکیلا اور کہا: "کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارے پاس واضح آیات اور معجزات لے کر آئے ہیں"

روی أبوعمرو نحوه وزاد فأخذ الكفار أبابكر فضربوه ضرباً شديداً فلمّا رجع أبوبكر الى داره فكان كلّما وضع يده على رأسه سقط شعره مع يده ويقول تباركت يا ذاالجلال والاكرام (جلد ۹ ص ۱۹۱ تفسیر مظہری)

ابوعمرو نے اس میں اتنا اضافہ نقل کیا کہ:

"کفار نے نبی کریم ﷺ کو چھوڑ دیا اور ابوبکر کو پکڑ لیا اور آپ کو سخت مارا جب آپ گھر لوٹے تو حالت یہ تھی کہ جب آپ اپنا ہاتھ اپنے سر کے بالوں پر رکھتے تو وہ بال ہاتھ کے ساتھ گر

پڑتے اور آپ کہہ رہے ہوتے تھے: "بہت بابرکت ہے تو اے جلال واکرام کے مالک"

الغرض جب مسلم قاعدہ ہے:

ان العطایا علی متن البلایا یعنی "عطائیں آزمائشوں کی پشتوں پر ہوتی ہیں"

جتنی محنت ومشقت زیادہ، اتنا ہی اجر وثواب زیادہ، جب حضرت صدیق ان شدائد ومصائب کے تحمل میں منفرد ہیں تو اجر وثواب اور درجات ومراتب میں بھی منفرد ہیں لہذا آپ کا سب صحابہ کرام سے اعظم الدرجات اور اعلی المراتب ہونا واضح ہوگیا۔

فائدۂ عظیمہ: (ابن عبدالبر کے شاذ قول کی حقیقت)

سید عبدالقادر شاہ صاحب اوران کے ہم نوا حضرات نے ابن عبدالبر کے ایک قول سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ افضلیت کا مسئلہ اسلافِ کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے، آیئے ملاحظہ فرمائیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کے متعلق کیا فرمارہے ہیں:

قال أبو الحسن الأشعری : تفضیل أبی بکر علی غیره من الصحابة قطعی قلت قد أجمع علیه السلف وما حکی عن بن عبدالبر أن السلف اختلفوا فی تفضیل أبی بکر وعلی رضی اللہ تعالی عنهما فهو شیئ غریب انفرد به من غیره ممن هو أجل منه علماً واطلاعاً منهم الشافعی۔ (تفسیر مظهری)

"حضرت ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں کہ:

حضرت ابوبکر صدیق کی دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فضیلت قطعی ہے، میں کہتا ہوں کہ اسلاف کرام کا اس تفضیل پر اجماع ہے اور وہ جو ابن عبدالبر سے منقول ہے کہ سلف کا صدیق ومرتضی کی تفضیل میں اختلاف ہے تو نقل غریب وشاذ ہے اور وہ اس نقل میں اپنے سے زیادہ علم ودانش اور حقائق پر مطلع لوگوں سے منفرد ہیں جن میں امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں"

لہذا وہ قول لائق اعتبار اور قابل التفات نہیں ہے، یاد رہے کہ صرف قاضی صاحب

نے ہی اس روایت کو شاذ اور مردود قرار نہیں دیا بلکہ بہت سے اکابر نے اس کو مردود اور نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے اس لیے شاذ اور مردود قول کا سہارا لینا اور حضرت صدیق کی افضلیت کو مشکوک ٹھہرانے کی سعی نا مشکور کرنا جیسے شاہ عبد القادر صاحب نے کی ہے بہت بڑی دھاندلی، تحکم وسینہ زوری اور اپنے مذموم مقصد کو ہر حال ثابت کرنے کی نامراد کوشش ہے جس میں مردود اقوال کا سہارا لینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے آمین

(۳) امام رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

نزلت هذه الآية فى فضل أبى بكر رضى الله عنه لأنه كان أول من أنفق المال على رسول الله فى سبيل الله قال عمر: كنت قاعداً عندالنبى ﷺ وعنده أبوبكر وعليه عباءة قد خللها فى صدره بخلال فنزل جبرئيل فقال : مالى أرى أبابكر عليه عباءة قدخللها فى صدره ؟ فقال : أنفق علىّ قبل الفتح۔

"یہ آیتِ کریمہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول گرامی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال عظیم خرچ کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی میں بیٹھا تھا اور حضرت صدیق بھی موجود تھے، جنہوں نے اپنی عبا کو کانٹوں کے بٹنوں سے بند کیا ہوا تھا، جبرئیل امین نازل ہوئے پس کہا کیا وجہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ ابوبکر نے اپنی عبا کو کانٹوں کے خلالوں سے بند کر رکھا ہے تو حضور کریم علیہ السلام نے فرمایا: انہوں نے فتح سے قبل اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے" (اس لیے اس حالت فقر کو پہنچ گئے ہیں)

مزید فرماتے ہیں:

واعلم أن الآية دلّت على أن من صدرعنه الانفاق فى سبيل الله والقتال مع أعداء الله قبل الفتح يكون أعظم حالاً من غيره ممّن صدرعنه هذا ن الأمران

بعد الفتح ومعلوم أن صاحب الانفاق أبوبکر وصاحب القتال ھو علی ثم انه تعالى قدم صاحب الانفاق فی الذکر علی صاحب القتال وفیه ایماء الی تقدیم أبی بکر رضی اللّٰه عنه ولأن الانفاق من باب الرحمة والقتال من باب الغضب وقال تعالی: سبقت رحمتی غضبی فکان السبق لصاحب الانفاق۔

"دل وجان سے جان لے کہ یہ آیتِ کریمہ دلالت کر رہی ہے کہ جس شخص سے انفاق فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے اعداء کے ساتھ قتال فتح مکہ سے پہلے پائے گئے تو وہ عظیم تر حال اور مقام میں ہوگا بہ نسبت ان کے جن میں یہ امور فتح مکہ کے بعد صادر ہوئے اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ صاحبِ انفاق کامل ابوبکر صدیق ہیں اور قتال اعداء میں کامل اکمل علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر باری تعالیٰ نے صاحبِ انفاق کو پہلے ذکر فرمایا صاحب قتال سے، لھذا اس میں اشارہ ہے حضرت صدیق کے مرتبہ ودرجہ میں مقدم ہونے کی طرف (کیونکہ تقدم فی الذکر تقدم فی الشرف کو مستلزم ہوتا ہے) اور اس لیے کہ انفاق رحمت علی الخلق کے قبیل سے ہے، جب کہ قتال غضب وقہر کے قبیل سے ہے، اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ "میری رحمت میرے غضب پر سبقت والی ہے" لھذا صاحبِ انفاق کو ہی سبقت اور فضیلت حاصل ہوگی"

سوال:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہی صاحب انفاق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا (الدھر، 76:8) "اللہ تعالیٰ کی محبت کی بناء پر کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدی کو"

الجواب:

مطلقا کہنا کہ فلاں نے انفاق (خرچ) فرمایا یہ اسی صورت میں سچا آتا ہے جب کہ عظیم

قعات میں عظیم مال کو خرچ کرے جبکہ مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس طرح کا
فاق ثابت نہیں ہے، جو ثابت ہے نماز میں انگوٹھی سائل فقیر کو دینا یا تین افراد کو کھانا کھلانا، لھذا
اورات عرب میں ایسی صورتِ حال کو من اَنفق سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

ذکر الواحدی فی البسیط أن أبابکر کان أول من قاتل علی الاسلام و لأن
لیا فی أول ظھورالاسلام کان صبیا صغیرا ولم یکن صاحب القتال وأما
وبکرفانه کا ن شیخا مقدما و کان یذب عن الاسلام حتی ضرب بسببه أشرف
نه علی الموت۔ (تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۴۵۲)

"علامہ واحدی نے بسیط میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر پہلے شخص تھے جنہوں
نے اسلام کی خاطر قتال کیا اور حضرت علی آغاز اسلام میں چھوٹے بچے تھے اس وقت صاحب
تال نہیں تھے لیکن ابوبکر صدیق بزرگ تھے اور عمر رسیدہ تھے اسلام کا دفاع کرتے تھے حتی کہ اس
فاع کی وجہ سے کفار کی طرف سے آپ کو اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ نوبت موت کے قریب
پہنچ گئی"

جعل علماء التوحید هذه الآیة دالّةً علی فضل من سبق الی الاسلام و أنفق
وجاهد مع الرسول علیه السلام قبل الفتح و بینوا الوجه فی ذالك وهو عظم موقع
نصرة الرسول علیه السلام بالنفس وانفاق المال فی تلك الحال وفی عدد
المسلمین قلة وفی الکافرین شوکة و کثرة عدد فکانت الحاجة الی النصرة
والمعاونة أشدّ بخلاف مابعدالفتح فان الاسلام صارفی ذالك الوقت
قویاوالکفرضعیفاویدل علیه قوله تعالی والسابقون الاولون من المهاجرین
والانصار وقوله علیه السلام ولا تسبوا أصحابی فلوأنفق أحدکم مثل جبل أحد
ذهبا مابلغ مدأحدهم ولا نصیفه۔(تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۴۵۲ والحدیث رواه البخاری)

''علمائے کرام نے اس آیتِ کریمہ کو دلیل بنایا ہے اس شخص کے شرف وفضل پر جو اسلام لانے میں سبقت لے گیا ہو اور جس نے فتح مکہ سے قبل رسول کریم علیہ السلام کی معیت میں مال راہِ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا ہو اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان فرمائی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وامداد کا عظیم تر ہونا خواہ وہ مدد نفس اور ذات اور خدماتِ بدن کے لحاظ سے ہو یا اس شدت اور تنگدستی کی حالت میں مال خرچ کرنے کے لحاظ سے ہو جبکہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی اور کافروں میں کثرت تعداد بھی تھی اور شان وشوکت بھی، تو ایسی صورت میں اعانت ونصرت کی طرف حاجت بہت شدید تھی بخلاف فتح مکہ کے بعد والی حالت کے کیونکہ اسلام اس وقت قوی وتوانا ہو چکا تھا، کفر ضعیف ونزار ہو چکا تھا اور قلت وتنگ گدستی کی حالت میں انفاق وقتال کے شرف وفضل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے ''اور سبقت لے جانے والے اور اولیت حاصل کرنے والے مہاجرین وانصار'' اور اس طرح قولِ نبوی بھی اس پر دال ہے کہ ''میرے صحابہ کو سب وشتم مت کرو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے ایک سیر یا آدھ سیر جو کھجور کی برابری بھی نہیں کرسکتا'' جبکہ انہوں نے اس فقر وفاقہ اور تنگ دستی کے دور میں ہزاروں دینار اور لاکھوں درہم خرچ کیے اور سینکڑوں ہزاروں اونٹ اور گھوڑے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پیش کیے جن میں حضرت صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی ذاتیں سرفہرست ہیں بلکہ حضرت صدیق کو ان پر بھی اسلام لانے میں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدماتِ جلیلہ سرانجام دینے کے لحاظ سے تقدم اور سبقت حاصل ہے، لہذا ان کا رجہ اور مرتبہ سب سے بلند وبالا ہے''

(۴) علامہ عمادالدین اسماعیل بن کثیر دمشقی فرماتے ہیں:

ولا شك عند أهل الايمان أن الصديق أبابكر رضى الله عنه له الحظ الأوفر من هذه الآية فانه سيد من عمل بها من سائر أمم الأنبياء فانه أنفق ماله كلّه

اء وجه الله عزّوجلّ ولم يكن لأحد عنده نعمةٌ يجزيه بها۔

"اہل ایمان کے نزدیک اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت صدیق کے
اس آیتِ کریمہ سے بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ وہ ان تمام لوگوں کے سردار ہیں جنہوں نے اس
ت کریمہ پر عمل کیا ہے بہ نسبت تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے، کیونکہ انہوں نے اپنا سبھی
اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کردیا اور کسی کی طرف سے ان پر کوئی نعمت اور
ن نہیں تھا کہ وہ اس کے ذریعے اس نعمت کی جزاء اور بدلہ دے رہے ہوں"

اس کے بعد ابن کثیر نے وہ ساری روایت ذکر کی ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے
ں ہے (حضرت صدیق اکبر کا کانٹوں کے خلال والی عبا پہن کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا،
ل امین کا نازل ہو کر اس فقر ومسکنت کا سبب دریافت کرنا اور آپ کا فرمانا انه أنفق ماله
یّ قبل الفتح " انہوں نے اپنا سارا مال مجھ پر فتح مکہ سے قبل خرچ کردیا ہے" اور ان کا عرض
ا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں میرا اسلام پہنچائیں اور دریافت کریں کہ اس فقر ومسکنت میں
پر راضی ہو یا کہ ناراض ہو؟ نبی مکرم ﷺ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور پوچھا کہ اللہ
ں سے راضی ہو یا ناراض تو آپ نے عرض کیا

أأسخط على ربي عزوجل اني عن ربي راض ۔

کیا میں اپنے رب تعالیٰ پر ناراض ہو سکتا ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں)

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن کثیر نے فرمایا:

هذا الحديث ضعيف الاسناد من هذا الوجه۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ٤ ص ٣٠٧)

"یہ حدیث اس طریق سے ضعیف الاسناد ہے"

ل:

ایک سند کے لحاظ سے "ضعف" جملہ اسناد کے لحاظ سے ضعف کو مستلزم نہیں ہوتا اور نہ ضعفِ سند "علی الاطلاق" "ضعفِ متن کو مستلزم ہوا کرتا ہے جب کہ فضائل میں ضعاف بھی قابل استناد ہوا کرتی ہیں، لہٰذا اس روایت سے بھی استشہاد درست ہے اور آپ کی خدمات پر دلالت کرنے والی دیگر روایات بھی بکثرت موجود ہیں۔

الغرض جب حضرت صدیق اکبر کے لیے امم انبیاء پر اس آیتِ کریمہ کے مطابق عمل میں سیادت وقیادت حاصل ہے تو ان کا سب سے اعظم الدرجات اور اعلی المراتب ہونا ثابت ہو گیا اور وہی ہمارا مدعا تھا۔ والحمدللہ علی ذالك۔

(۵) حضرت علامہ قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں اس آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

قال الكلبى: نزلت فى أبى بكر رضى الله عنه ففيها دليل واضح على تفضيل أبى بكر و تقديمه لأنه أول من أسلم وعن بن مسعود رضى الله عنه أول من أظهر الاسلام بسيفه النبى ﷺ وأبو بكر ولأنه أول من أنفق على نبى الله ﷺ۔

(جلد ۱۷ ص ۲۰۶)

"یہ آیتِ کریمہ حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی اور اس میں ان کی افضلیت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر سبقت اور تقدم کی واضح دلیل موجود ہے، کیونکہ وہی پہلے شخص ہیں جو سب سے اول مشرف باسلام ہوے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے شخص جنہوں نے اسلام کو تلوار کے ساتھ ظاہر فرمایا وہ نبی کریم ﷺ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق اور ابوبکر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنا مال نبی کریم ﷺ پر خرچ کیا"

بعد ازاں علامہ قرطبی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی عباء کی کانٹوں سے بندش اور اللہ تعالیٰ کا ان کے راضی یا ناراض ہونے کا سوال ذکر کیا جس کے جواب میں

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ عرض کیا انی عن ربی راض میں اپنے رب سے راضی ہوں، تو رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

فان اللّٰہ یقول لك قد رضیت عنك كما أنت عنی راض۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھ سے راضی ہو چکا جیسے کہ تو مجھ سے راضی ہو چکا"

فبكی أبوبكر رضی اللّٰہ عنہ

"تو ابو بکر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور ذرہ پروری پر خوشی اور مسرت سے رو پڑے"

جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا:

والذی بعثك یا محمد بالحق لقد تخللت حملة العرش بالعباء منذ تخلل صاحبكَ ھذا بالعبا۔

"اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو اے محمد ﷺ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ حاملین عرش نے بھی اپنی عباؤں کو اس روز سے اس طرح کانٹوں کے ساتھ اپنے سینوں پر بند کر رکھا ہے جب سے کہ تمہارے اس صاحب نے عباء کو کانٹوں سے بند کیا ہے"

قدّمتہ الصحابة علی أنفسھم وأقروا لہ با لتقدم والسبق وقال علیّ بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنہ سبق النبی ﷺ و صلّی أبوبكر وثلث عمر فلا أوتی برجل فضّلنی علی أبی بكر الاجلّدتہ حدالمفتری ثمانین جلدةً وطرح الشهادة۔

(تفسیر قرطبی جلد ١٧ ص٢٠٦)

"اس لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنی ذاتوں پر ان کو مقدم ٹھہرایا، زبانی بھی ان کے تقدم اور سبقت کا اقرار و اعتراف فرمایا، مولائے مرتضی حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "سب سے سابق اور متقدم نبی مکرم ﷺ ہیں دوسرے نمبر پر ابو بکر صدیق اور تیسرے نمبر پر عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں، میرے پاس نہیں لایا جائے گا ایسا شخص جس نے مجھے ابو بکر پر فضیلت

دی ہو مگر یہ کہ میں اس کو افتراء پرداز اور بہتان تراش کی حد اسی کوڑے لگاؤں گا اور اس کی شہادت کو نا قابل قبول ٹھہراؤں گا'' (ظاہر ہے کہ حد قطعی امور میں لگائی جا سکتی ہے نہ کہ ظنی امور میں لھذا نگاہ مرتضی میں افضلیت صدیق قطعی ہے)

اگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور برتری معروف و مشہور ہوتی تو اب اس پر پابندی لگانا اور فضیلت دینے والے کو اس قدر تشدید و تغلیظ کا نشانہ بنانا اور اس کی شہادت کو بھی مردود ٹھہرانا کیونکر روا ہوسکتا تھا اور برسر منبر بھرے مجمع میں اس تغلیظ و تشدید کے اعلان پر کسی طرف سے رد و قدح اور تنقید و انکار کا نہ پایا جانا کیونکر متصور ہوسکتا تھا؟ جبکہ اس امت کی شان ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور وہ اظہارِ حق اور ابطال باطل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بھی نہیں ڈرتے تو یہ امر اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس دور میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر حضرت علی کی تفضیل کا تصور تک نہ تھا یہ صرف عبداللہ بن سبا یہودی کا منافقانہ کردار تھا جس نے تفضیل علی اور خلافت بلافصل کے نظریات سے آغاز کیا اور خلفائے ثلاثہ کو ظالم و غاصب اور کافر تک کہہ دیا پھر مولا علی کی الوہیت کا عقیدہ ظاہر کیا اور بالآخر اس کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا گیا لیکن اس کے شیطانی وساوس بعض لوگوں میں اب بھی سرایت کیے ہوئے ہیں۔

فتح مکہ سے قبل انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ زائد ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لأن حاجة النّاس كانت أكثر لضعف الاسلام ومثل ذالك كان على المنافقين حينئذ أشق والأجر على قدر النصب والله أعلم۔

''ضعفِ اسلام کی وجہ سے نفقات کی طرف لوگوں کی حاجت بکثرت تھی اور انفاق فی سبیل اللہ والا عظیم عمل اس وقت منافقین پر بہت شاق اور گراں بار تھا اور اجر بھی محنت مشقت کے مطابق اور موافق ہوتا ہے تو اس لیے اس انفاق کا درجہ بہت اعظم اور اعلی ہو گیا''

قول:

اس انفاق اور قتال میں سرفہرست امت میں سے ابوبکر صدیق ہیں اور خود مولائے مرتضی نے بھی ان کو نبی مکرم ﷺ کے بعد سب سے مقدم اور بلند مرتبت ٹھہرایا ہے اور تقدم دنیوی احکام میں بھی ہوتا ہے اور دینی احکام میں بھی، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أمرنا رسول اللہ ﷺ أن ننزّل النّاس منازلهم

''ہمیں رسول کریم علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبہ و مقام کے مطابق جگہ دیں''

تمام منازل سے بلندتر منزلت والا امر از روئے مرتبہ و مقام کے نماز ہے اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

مروا أبابكر فليصلّ بالناس

''ابوبکر صدیق کو پابند کرو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں''

گویا احکام دنیا سے احکام دین مقدم ہیں اور ان میں سے سب پر نماز کو تقدم اور سبقت حاصل ہے اور اس میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت صدیق کو مقدم فرما کر سب پر ان کی افضلیت اور سبقت و برتری ثابت فرما دی'' (ملخص ماقال القرطبی)

اسی لیے مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رضينا لدنيانا من رضيه رسول اللہ ﷺ لديننا۔

''ہم نے اپنی دنیا کے لیے اسی کو مقدم ٹھہرایا اور اپنا حاکم و خلیفہ بنایا جس کو رسول گرامی ﷺ نے ہمارے دین میں ہماری امامت کے لیے پسند فرمایا''

کیا خلفاء کرام علیہم الرضوان کو خلافت کی وجہ سے افضلیت حاصل ہوئی؟

تنبیہ نبیہ:

اس آیتِ کریمہ میں جو عظمت اور رفعت منزلت ذکر کی گئی ہے وہ خلافت وحکومت اور سیاستِ دنیا کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ اپنے مجاہدات وریاضات اور ذاتی کمالات اور فضائل اور امتیازات وخصائص کے لحاظ سے ہے، لہذا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو فقط خلافت وحکومت اور حسن تدبیر اور کامل نظم وضبط کے اعتبار سے افضل قرار دینا جیسے شاہ عبدالقادر گیلانی صاحب کا نظریہ ہے یا سیاسی اور دنیوی اقتدار کے لحاظ سے ان میں افضلیت تسلیم کرنا جیسے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی سوچ ہے سراسر غلط، بے بنیاد اور نص قرآنی کے خلاف ہے بلکہ جو زندگی بھر خلیفہ نہ بنے اور کبھی انہیں خلیفہ بننے کا خواب میں بھی خیال نہ آیا ان کے لیے اپنی خدمات اسلامیہ کے مطابق یہ عظمت ورفعت ثابت ہے اور اس امر کا قائل کون سا دشمن عقل ودانش ہوگا کہ بالعموم سابقین اولین مہاجرین وانصار تو ذاتی کمالات اور خدمات اسلام کی بنا پر فضیلت مآب بنے لیکن خلفاء کرام محض خلافتی اقتدار اور دنیوی سیاست کی وجہ سے اس عظمت اور رفعت کے مالک بن گئے حالانکہ وہ ان حضرات کے سردار اور پیشوا ہیں۔

(۶) قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:

والآية نزلت في أبي بكر رضي الله عنه فانه أول من آمن وأنفق في سبيل الله و خاصم الكفار حتى ضرب ضرباً أشرف منه على الهلاك۔

(بیضاوی مع حاشیہ شہاب جلد ۸ ص ۱۰۵)

''یہ آیتِ کریمہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہی سب سے پہلے ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور کفار کے ساتھ خصومات اور مقابلے کئے حتی کہ آپ کو شدید ضربیں آئیں جن سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تھے''

(۷) شہاب الدین نے اپنے حاشیہ بیضاوی میں علامہ واحدی کے حوالے سے:

کلبی والا قول اور اس کے بیان کردہ عظمت درجات کے وجوہات بھی بیان کیے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کرنا اور رضامندی کے بارے میں دریافت کرنا ذکر کیا نیز حضرت صدیق کا عرض کرنا کیا میں اپنے رب تعالےٰ پر ناراض ہوسکتا ہوں؟ میں اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہوں تین دفعہ عرض کرنا، انا عن ربی راض ، ذکر فرمایا ہے جیسے کہ ذکر کیا جاچکا ہے-

اعتراض مبنی برقول کشاف اور جواب از علامہ شہاب

لیکن کشاف کے قول کے ساتھ اس تخصیص پر اعتراض نقل کیا

والأظهر ما في الكشّاف من المراد بهم والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار۔الذين قال فيهم النبي ﷺ لو أنفق أحدكم مثل جبل أحد ذهبًا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه وأيّد بقوله تعالى اولئك اعظم لكن الصديق يدخل فيهم دخولًا اوليًا وأما الاختصاص فلا يوافقه ـ

"اور زیادہ ظاہر وہ ہے جو کشاف میں ہے کہ اولئك اعظم درجة سے تمام سابقون اولون مہاجرین وانصار مراد ہیں جن کے حق میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کسی نے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کیا تو وہ ان کے سیر آدھ سیر جو کھجور کی برابری بھی نہیں کر سکے گا" اور اس کی تائید میں اولئك أعظم کے اسم اشارہ کے صیغہ جمع کو پیش کیا لیکن حضرت صدیق ان مہاجرین وانصار سابقون اولون میں دخولِ اوّلی کے طور پر داخل ہوں گے البتہ ان کے ساتھ اختصاص کے موافق یہ جمع والے صیغے نہیں ہیں"

اس اعتراض پر جوابی کاروائی کرتے ہوئے علامہ خفاجی فرماتے ہیں:

قلت اذا صحّ نزولها في الصديق فكل هذا مطروح على الطريق فانه رضي اللّه عنه أنفق قبل الفتح وقبل الهجرة جميع ماله و بذل نفسه معه كما أشار اليه

المصنف و بلغ فی ذالك الی مالم یبلغه أحد من الصحابة ولذا قال ﷺ لیس أحد أمنّ علیّ بصحبته من أبی بکر و خصوص السبب لا یدل علی تخصیص الحکم فلذا قال اولئك لیشمل غیره ممن اتصف بذالك و کونه أکمل أفراده یکفی لنزولها فیه

(عنایة القاضی جلد ۸ ص ۱۵٦)

''میں کہتا ہوں اس آیتِ کریمہ کا نزول صحیح طور پر حضرت صدیق کے حق میں ثابت ہو چکا تو کشاف وغیرہ کے دعویٰ راستہ پر پامالی کے لیے پھینکنے کے قابل ہیں، کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتحِ مکہ سے قبل بھی اپنا سارا مال خرچ کیا اور ہجرت سے قبل بھی تمام مال خرچ کیا بلکہ اس ساتھ ساتھ اپنی جان کو بھی صرف کیا جیسے کہ مصنف (قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ) نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ انہوں کفار کے ساتھ خصومات میں اپنی جان تک کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا اور اس انفاق اور قتال میں اس حد تک پہنچے جہاں کوئی دوسرا صحابی نہ پہنچ سکا، اسی لیے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: ''کوئی شخص مجھ پر اپنی صحبت (اور مال صرف کرنے کے) لحاظ سے ابوبکر جیسا محسن نہیں ہے''

(رہا معاملہ صیغے جمع کے استعمال کرنے کا) تو اس کا سبب یہ ہے کہ خصوصِ سبب، خصوصِ حکم کو مستلزم نہیں ہوتا، اسی لیے فرمایا اولئك اعظم درجة تا کہ ایسی صفات کے ساتھ متصف ہونے والے دوسرے افراد کو بھی شامل ہو جائے (اور ان کے لیے وجہ ترغیب بن جائے) اور حضرت صدیق اکبر کا اس کے اکمل افراد میں سے ہونا اس آیت کے ان کے حق میں نزول کے لیے کافی ہے (اور ان کا اکمل الافراد ہونا حقیقت مسلمہ ہے)

افضلیت صدیق اکبر پر تیسری قرآنی دلیل

اولوا الفضل ہونے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال

لآیة الثالثة:

قال الله تعالیٰ:

وَلَایَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسَاکِیْنَ الْمُهَاجِرِیْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَاللّٰهُ لَکُمْ وَاللّٰهُ غفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔(سورۃ نور،22:24)

''اور نہ قسم اٹھائیں فضیلت مآب لوگ تم میں سے اور مال دار کہ وہ دیں قرابت داروں ور مسکینوں اور راہ خداوند تعالیٰ میں ہجرت کرنے والوں کو، اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر سے کام لیں۔کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے؟ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا نعام فرمانے والا ہے''

شان نزول:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی تو تہمت لگانے والے لوگوں میں بدقسمتی سے حضرت مسطح بھی شامل ہوگئے حالانکہ وہ آپ کا قرابت دار بھی تھے اور اُن کے اخراجات کی کفالت بھی آپ کیا کرتے تھے، ان کی جسارت پر آپ نے قسم اٹھائی کہ میں مسطح کے اخراجات کی کفالت نہیں کروں گا، اس موقع پر ان کو اعلیٰ ترین اخلاق اور بلند ترین صفات کو اپنانے کا درس دیتے ہوئے یہ کلمات طیبات نازل فرمائے گئے۔

بدی را بدی سهل باشد جزاء اگر مردی احسن الی من اساء

برائی کا بدلہ احسان کو روک کے دینا اربابِ فضل اور مالی وسعت والوں کے لائق نہیں ہے وہ قرابت دار بھی ہے، مسکین فقیر بھی ہے اور مہاجر فی سبیل اللہ بھی ہے۔لہٰذا اس کے خلاف انتقامی کاروائی کی بجائے عفوودرگزر سے کام لینا چاہیے اور اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ متخلق اور متصف ہونا چاہیے وہ کس قدر قدرت وطاقت کا مالک ہے اور انتقام پر قادر ہے لیکن عفو ومعافات سے کام لیتا ہے تو تمہیں بھی وہی سنتِ الٰہیہ بروئے کار لانی چاہیے کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مغفرت خاصہ سے بہرہ ور فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور انعام سے نوازنے والا ہے۔

وجہ استدلال :

ان کلماتِ قدسیہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اولو الفضل والسعۃ سے تعبیر کیا گیا ہے اور قاعدۂ عطف یہی ہے کہ ''معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت ہونی چاہیے'' ذات کے لحاظ سے ہو مثلاً: اطیعو اللہ و الرسول یا صفات کے لحاظ سے مغایرت ہو جس طرح یہاں پر اولی القربی والمساکین والمھاجرین میں تغایر صفات کی وجہ سے حرف عطف ذکر کیا گیا ہے اور یہاں السعۃ سے تو مال داری اور خوش حالی مراد ہونا متعین ہے تو لامحالہ فضل سے دینی ایمانی اور روحانی فضل وشرف مراد ہوگا، اس طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی امتیازی اور انفرادی شان اور فضیلت مآب ہونے کا اعزاز وامتیاز ثابت ہو جائے گا۔

اکابرین علمائے کرام اور آئمہ تفسیر کے ارشادات:

(۱) علامہ قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

انہ نزل فی أبی بکر رضی اللہ عنہ و قد حلف أن لا ینفق علی مسطح بعد و کان ابن خالتہ و کان من فقراء المھاجرین اولو الفضل منکم فی الدین والسعۃ فی المال و فیہ دلیل علی فضل أبی بکر و شرفہ۔

(بیضاوی مع حاشیہ شہاب جلد ٦ ص ٣٦٧)

"یہ قول باری تعالیٰ حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوا جب آپ نے قسم اٹھائی تھی
سطح پر بعد ازیں مال خرچ نہیں کروں گا جبکہ وہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور فقراء اور
جرین میں سے تھے تو یہ قول نازل ہوا کہ تم میں سے دین میں فضل و شرف والے اور مالی
ت والے حضرات ایسی قسم نہ اٹھائیں کہ اب ہم اخراجات میں اس کی کفالت نہیں کریں گے
اس ارشادِ خداوندی میں حضرت ابوبکر صدیق کے فضل و شرف پر عظیم دلیل موجود ہے"

) علامہ قاضی شہاب الدین تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

قولہ فی الدین اشارة الی أن الفضل بمعنی الزیادة وخصّها بالدین
کر السعة بعده ولذا دلّت علی فضل أبی بکر لنزولها فیه والمنکر لذالك خذله الله
لیٰ حمله علی فضل المال ویرده أنه یتکرر مع قوله والسعة۔

(جلد٦ ص ٣٦٧)

"بیضاوی علیہ الرحمہ نے الفضل فی الدین فرما کر اشارہ کر دیا کہ فضل بمعنی زیادتی
ہے اور اس سے مراد دین میں زیادتی اور برتری ہے کیونکہ مال میں وسعت اور برتری کا ذکر
طوف میں پایا گیا ہے اسی لیے یہ آیت حضرت صدیق کی فضیلت و برتری پر دلالت کر رہی ہے
یونکہ انہیں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور جو ابوبکر صدیق کے دینی شرف و فضل کا منکر ہے اللہ
الیٰ اس کو ذلیل اور رسوا کرے اس نے اس قول باری تعالیٰ کو مالی برتری پر محمول کیا ہے مگر اس پر
ردو انکار کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت حال میں الفضل اور السعة کا معنی ایک ہو جائے گا اور تکرار
بے فائدہ لازم آئے گا"

امام رازی کے نکتہ ہائے لطیف کا خلاصہ:

(۳) حضرت امام رازی علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کے تحت جو کچھ فرمایا وہ آب زر سے
لکھنے کے قابل ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے جزیل اور اجر جمیل عطا فرمائے جس کا خلاصہ بقدر

الامکان پیش کیا جائے گا:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اھلِ افک اور ان کے کلام کو سننے والوں کو آداب واخلاق سکھلائے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کی تربیت فرمائی اور مسطح پر خرچ کرنے سے جو قسم کھالی تھی اس سے منع فرمادیا، خرچہ بحال کرنے اور عفوودرگزر سے کام لینے کا حکم دیا اور حضرت صدیق نے اس عفوودرگزر والے حکم کی پوری تعمیل کی اور فرمایا:

قبلت ما أنزل الله على الرأس والعين وانما فعلت بكم ما فعلت اذ سخط الله عليكم فأما اذا عفا عنكم فمرحبا بكم۔

"جو حکم اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا میں نے بسروچشم قبول کیا اور میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا تھا یہ اس وقت تھا جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر ناراض ہوا، جب اس نے معاف فرمادیا تو میری طرف سے بھی تمہارے لیے مرحبا ہے

آپ نے مسطح کو پہلے کی نسبت دگنا نفقہ دینے کا التزام فرمالیا۔

أجمع المفسرون على أن المراد من قوله "اولو الفضل" أبوبكر رضى الله عنه۔الخ

"تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ قول باری تعالیٰ اولوالفضل سے حضرت ابوبکر صدیق مراد ہیں"

اور یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس تھے، کیونکہ جس فضل کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ دنیوی ہے یا دینی؟ پہلی شق باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فضل کو مقامِ مدح میں ذکر فرمایا ہے اور دنیا کی مدح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز نہیں ہے، علاوہ ازیں اس میں والسعة کا ذکر تکرارِ محض بن جائے گا تو اس سے دینی فضل مراد ہونا متعین ہوگیا۔ اگر دوسرا کوئی شخص آپ کے ساتھ اس فضل میں مساوی اور شریک ہوتا ہے

درجاتِ دینیہ میں تو پھر آپ صاحبِ فضل نہیں ہو سکتے کیونکہ مساوی فاضل نہیں ہوسکتا تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فضل علی الاطلاق ثابت فرمایا اور اسے کسی شخص کے ساتھ اور کسی نسبت واضافت سے مقید نہ فرمایا تو لامحالہ آپ کا افضل الخلق (بعد الانبیاء) ہونا ثابت ہو گیا۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس عموم واطلاق پر عمل متروک ہوگا فیبقی معمولا به فی حق الغیر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والوں پر آپ کا فضل وشرف ثابت ہو جائے گا۔

سوال:

ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ آیتِ کریمہ ابوبکر صدیق کے ساتھ مختص ہے اور اجماع کا دعوی غیر مسلم ہے۔

جواب:

ہم کہتے ہیں جس شخص نے بھی کتبِ تفسیر اور کتبِ احادیث کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ اس آیتِ مقدسہ کا ابوبکر صدیق کے ساتھ اختصاص حدِ تواتر تک پہنچا ہوا ہے اور اس کا انکار جائز ہو تو پھر ہر متواتر کا انکار جائز ہوگا (جس کا کوئی عقل مند قائل نہیں ہوسکتا) نیز یہ آیتِ مقدسہ اس پر دال ہے کہ اولوا الفضل سے مراد افضل الناس ہے اور امت کا اس پر اجماع مرکب) ہے کہ افضل الناس یا ابوبکر صدیق ہیں یا علی مرتضی، جب ہم واضح کر دیں گے کہ یہاں پر علی مرتضی مراد نہیں ہو سکتے تو ابوبکر صدیق کا تعین حتمی طور پر لازم آجائے گا۔ یہاں پر حضرت علی مراد نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس آیت کا ماقبل اور مابعد حضرت صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق ہے تو اندریں صورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ درمیان میں مکمل طور پر بے ضابطہ، بے ربط و بے تعلق اور قابلِ رد وانکار ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ہستی کو اولوا الفضل کے علاوہ اولوا السعة سے بھی تعبیر کیا گیا

ہے اور اس وقت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی دنیوی زندگی میں مالی وسعت اور فراخی کے
مالک نہیں تھے۔

امام رازی کے ذکر فرمودہ لفظی فوائد اور وجوہِ فضیلت:

اچھی طرح ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو اس آیت میں صفات
عجیبہ کے ساتھ موصوف فرمایا ہے جو ان کے دینِ متین میں بلندئ درجت پر دال ہیں:

(۱) باری تعالیٰ نے ان کو جمع والے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور جب واحد کو جمع
کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو یہ اس کے علوِ شان کی دلیل ہوتی ہے، جیسے کہ ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے:
اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ اور اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ تو پھر غور کرو جس شخص کے حق میں اللہ
رب العزت کی ذات والا صفات بمع اپنے تمام تر جاہ وجلال کے واحد کی بجائے جمع کے لفظ
استعمال فرمائے اس کے علوِ شان کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے؟

(۲) باری تعالیٰ نے ان کو صاحبِ فضل ہونے کے ساتھ موصوف فرمایا اور اس
میں کسی طرح کی تقیید وتخصیص نہیں فرمائی اور فضل میں افضال بھی داخل ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس طرح صاحبِ فضل تھے علی الاطلاق اسی طرح علی الاطلاق
صاحب افضال بھی ہیں یعنی دوسروں کے لیے فیض رساں بھی ہیں۔

(۳) افضال نام ہے اس چیز کے افادہ کا جو لائق ومناسب بھی ہو اور اس میں عوض
نہ پایا جائے، لہذا کوئی شخص چھری دے ایسے بندے کو جو اپنے آپ کو قتل کرنا چاہتا ہو تو اس کو
افضال نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے غیر مناسب چیز عطا کی ہے اور اگر کوئی مناسب چیز
دوسرے کو دیتا ہے لیکن اس سے مالی معاوضہ کا طالب ہے یا مدح وثنا اور شکریہ کا تو پھر وہ شخص
مستفیض کہلائے گا نہ کہ مفیض اور مفضل، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توصیف میں فرمایا:
وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی (17) الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی (18) وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ

زَی (19) إِلَّا ابْتِغَاء وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى (20) وَلَسَوْفَ يَرْضَى (21)(اللیل)

یعنی وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں تزکیہ حاصل کرنے کے لیے نہ کہ کسی کی نعمت کا بدلہ
ینے کے لیے بلکہ صرف اور صرف ربِ اعلیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے
ے-جب کہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًااِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا
ا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا(الدھر،9,10:76)

کہ بے شک ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، ہم تم سے جزا حاصل
نے اور شکریہ ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر
جو بہت ترش نہایت سخت ہے-

الغرض علی المرتضی کی عطا کا موجب خوف عقاب ہے اور حضرت ابوبکر نے جو دیا وہ
ف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تو حضرت ابوبکر کا درجہ اعلیٰ ٹھہرا اور ان کا عطیہ
ال میں بھی اتم واکمل ہوا-

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اولو الفضل منکم اور من کا لفظ تمیز کے لیے ہے تو
یا اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو تمام مومنین سے ممتاز ٹھہرایا، ان کے اولو الفضل ہونے والی
ت کے ساتھ اور جس صفت کے ساتھ امتیاز حاصل ہو رہا ہے اس کا حصول فی الغیر محال
ا ہے ورنہ وہ اس شخص کی ذات کے لیے ممیز ہو ہی نہیں سکتی، تو معلوم ہوا کہ اولو الفضل ہونا
کا خاصہ ہے کسی دوسرے میں متحقق نہیں ہے-

(۵) فضل کو طاعتِ خداوندی اور اس کی عبادت پر حمل کرنا ممکن ہے اور السعة کو
نِ خدا پر بالعموم اور اہل اسلام کے ساتھ بالخصوص احسان والے معنیٰ پر حمل کرنا ممکن ہے تو گویا
رت ابوبکر جامع تھے تعظیم لامر اللہ کے اور شفقت علی خلق اللہ کے- اور یہ دونوں

اوصاف مراتبِ صدیقین کے اعلیٰ اوصاف میں سے ہیں اور جو اس شان کا مالک ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا، کیونکہ اس کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

''بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقوی اختیار کیا اور ان کے ساتھ ہے جو درجۂ احسان پر فائز ہیں''

انہیں دو صفاتِ کمال کے ساتھ اتصاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زبانِ رسول ﷺ کے ذریعے انہیں فرمایا:

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

''غم مت کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے''

(۶) انسان سعة کے ساتھ اسی وقت موصوف ہوتا ہے جب صاحب جود وعطا ہو، محبوبِ کریم علیه الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا:

خیر الناس من ینفع الناس

''سب لوگوں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچانے والا ہے''

آیت اس امر کی دلیل ہے کہ آپ اس پہلو سے بھی افضل تھے آپ ہر خداداد نعمت میں بہت زیادہ جود وعطا سے کام لینے والے تھے ایک طرف لوگوں کو مالی منافع سے بہرہ ور فرماتے تھے تو دوسری طرف دین اسلام کی طرف دعوت کے ذریعے اور دوزخ سے دور کرنے اور جنت میں داخل کرنے کے لحاظ سے بھی صاحبِ فضل ووسعت تھے اور آپ کے اسی عظیم جود ونوال کی دلیل ہے کہ جس دن اسلام لائے حضرت عثمان ذوالنورین حضرت طلحہ، حضرت زبیر سعد بن ابی وقاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کو بھی آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر کردیا جب کہ یہ سبھی حضرات آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو چکے تھے اور ان کا جود ونوال تعلیم دین اور ہدایت

ں پر مشتمل تھا جیسے کہ مال کے بذل وصرف پر مشتمل تھا پس آپ اس امر کے حق دار ہیں کہ ان کو
فضل ہونے کے ساتھ ساتھ اھل سعة ہونے والی صفتِ کاملہ سے موصوف مانا جائے۔

اسلام لانے والا شخص کون ہے؟

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس میں اختلاف ہے کہ اول اول اسلام لانے والا کون
حضرت ابوبکر یا حضرت علی؟

لیکن اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ علی مرتضی اسلام لاتے ہی تبلیغ دین میں مشغول
ں ہوئے لیکن ابوبکر صدیق اسلام لاتے ہی دین کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے تو حضرت صدیق
م کے پہلے مبلغ ٹھہرے۔نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو اس پہلو سے بھی آپ کو بعد الرسول
ل الناس تسلیم کرنا لازم و واجب ہے۔

نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اسے
کا بھی اجر وثواب ملے گا اور اس کے مطابق عمل کرنے والوں کے اجر وثواب کی مانند بھی
ثواب ملے گا'' تو لازم ٹھہرا کہ امتِ محمدیہ کے تمام داعیانِ اسلام کے اجر وثواب کے برابر آپ
ں اجر وثواب ملے۔اس طرح بھی اس آیتِ کریمہ میں آپ کی افضلیت پر دلالت موجود ہے۔

(۷) ظلم وستم قریبیوں کی طرف سے زیادہ سخت ہوتا ہے، نیز جب انسان کسی کے
ر احسان کرے اور وہ اس کا بدلہ برائی سے دے خواہ اجنبی ہی ہو تو وہ اساءت شدید ہوتی
ور جب قرابت بھی ہو اور نیکی کا بدلہ بدی سے دیا جائے جیسے کہ مسطح میں دونوں جہتیں موجود
ں بایں ہمہ اس نے ابوبکر صدیق کو شدید ترین ایذاء پہنچائی تو اس کا ضرر اور اثر بد حضرت
یق کے دل پر کتنا ہوگا؟ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ مسطح سے بر واحسان کو نہ
ں بلکہ سابقہ بر واحسان والی صورت کو برقرار رکھیں تو یہ عظیم ترین مجاہدات کے قبیل سے ہے
بلاشک وشبہ یہ کفار کے ساتھ حرب وقتال کی نسبت بھی شدید تر ہے کیونکہ یہ نفس کے ساتھ جہاد

ہےاوروہ کفار کے ساتھ،اور نفس کے ساتھ جہاد زیادہ شاق اور دشوار ہوتا ہےاس لیے محبوب کریم علیہ السلام نے فرمایا:

رجعنامن الحهاد الاصغرالی الحها د الا کبر

یعنی ہم کفار کے ساتھ قتال سے نفس کے ساتھ نماز کی صورت میں قتال کی طرف لوٹے

اقول:

دشمن جتنا سخت ہو جہاد اتنا ہی افضل ہوتا ہے کما ورد: أعدی أعداء ك نفسك التی بین جنبیك اورسب دشمنوں سے بڑا دشمن تیراوہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے،لھذاجب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کواس عظیم وشدید جہاد کا حکم دیا گیااورانہوں نے کما حقہ وہ جہاد کر دکھلایا توان کی افضلیت اور برتری واضح ہوگئی۔

(۸) اللہ تعالٰی نے جب حضرت صدیق کواس جہاد کا حکم دیا توان کواولوالفضل اوراولوالسعة سے تعبیر فرمایا گویا کہ وہ فرماتا ہے"اے ابوبکر صدیق!تواس سے بہت بلند وبالا ہے کہ تواس کی اساءت اور برائی کا بدلہ دے،جب کہ تواس سے وسیع القلب ہے کہ پوری دنیا کا تیرے ہاں کوئی وزن ہو لہذا تمہارے فضل ووسعت کے لائق یہ نہیں کہ مسطح سے اپنے احسان اور نیکی کوروکے بسبب اس اساءت کے جواس سے صادر ہوئی"اور یہ ہراک کومعلوم ہے ہی کہ ایسے خطابات کے مخاطب اعلیٰ درجہ کے فضل وشرف اوردین میں بلند وبالا مقام پر فائز لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

(۹) الفضل اور السعة ،معرف باللام ہیں اور مخصوص فضل ووسعت پر قرینہ قائم نہیں ہے،تولامحالہ عموم واستغراق مراد ہوگا تو ثابت ہوا کہ کل فضل اور کل سعت ابوبکر صدیق کے لیے ثابت ہے،جس طرح کہا جائے : فلان ھو العالم تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ علم کے اس بلند مقام پر فائز ہے کہ دوسروں کے علوم اس کے سامنے کالعدم ہیں توالفضل اور السعة بھی اس

پردال ہوں گے کہ ابوبکر صدیق جس فضل اور وسعت کے اعلیٰ وبرتر مقام پر فائز ہیں دوسرے حضرات صحابۂ کرام ان کے مدمقابل نہیں ہوسکتے۔

(۱۰) عفوودرگزر کا حکم دیا گیا اور عفو، تقوی کے قرین ومصاحب ہے، لہذا جو شخص بھی عفو میں قوی تر ہوگا وہ تقوی میں بھی قوی تر ہوگا اور جو تقویٰ میں قوی تر ہوگا وہ افضل واعلیٰ ہوگا کما قال اللہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم نیز عفو وتقوی باہم متلازم ہیں اسی لیے حضرت صدیق میں دونوں جمع ہیں اور وجود تقوی کی دلیل قول باری تعالیٰ ہے:

و سیجنبھا الاتقی

اور عفووصفح کے ثبوت وتحقق کی دلیل قول باری تعالیٰ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہ السلام کو فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ (المائدہ،13:5)

اور حضرت صدیق کے حق میں بھی فرمایا:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام صفات میں بھی ابوبکر صدیق رسول گرامی کے لیے ثانی اثنین تھے حتی کہ عفو وصفح میں بھی۔

(۱۲) باری تعالیٰ نے فرمایا:

الا تحبون ان یغفر اللہ لکم

اس میں جمع کا صیغہ استعمال فرمایا جو متکلم کے ہاں مخاطب کی عظمتِ شان کی دلیل ہے نیز باری تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی مغفرت وبخشش کو معلق فرمایا حضرت ابوبکر صدیق کے عفو وصفح کے اقدام پر اور جب شرط کا تحقق پایا گیا تو جزاء کا اس پر ترتب واجب ولازم ٹھہرا۔ نیز یغفر کا صیغہ مستقبل کا ہے اور اس کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو یہ آیتِ کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مستقبل زمانہ میں علی الاطلاق مغفرت فرمادی ہے تو

اس لحاظ سے بھی آپ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثانی اثنین ثابت ہوئے کما قال اللہ تعالی : لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ(الفتح، 2:48)اور آپ کی صحتِ امامت کی دلیل بھی بن گئی کیونکہ اگر آپ کی امامت خلاف حق ہوتی تو آپ علی الاطلاق مغفور نہ ہوتے نیز یہ آیت اس نبوی بشارت کے بھی برحق ہونے کی دلیل ہے کہ أبو بكر في الجنة۔

(۱۳) جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

الاتحبون ان يغفر الله لكم

تو ساتھ ہی اپنی ذات کو غفور رحیم والی صفات کے ساتھ موصوف فرمایا اور غفور غفران میں مبالغہ کے لیے ہے اور ادھر ابوبکر صدیق کی عظمت اجاگر فرمائی جبکہ ان کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا

والعظيم اذاعظّم نفسه ثم عظّم مخاطبه فالعظمة الصادرة منه لأجله لابدأن تكون في غاية التعظيم۔

اور عظیم ذات جب اپنی عظمت بیان فرمائے پھر اپنے مخاطب کی عظمت کو اجاگر فرمائے تو اس ذاتِ عظیمہ کی طرف سے اپنے مخاطب کے لیے صادر ہونے والی عظمت غایت درجہ تعظیم میں ہوگی۔

لهذا قلنا ان الله سبحانه وتعالىٰ لماقال انا اعطينك الكوثر وجب ان تكون العطية عظيمة۔

اسی لیے ہم نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: انا اعطينك الكوثر تو لازم ٹھہرا کہ وہ عطیہ عظیم ہو تو اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس منقبت میں بھی رسول گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثانی اثنین ہیں۔

(۱۴) جب اللہ تعالیٰ نے مدح وثناء کے انداز میں حضرت صدیق کو اولو الفضل

و السعة سے تعبیر فرمایا تو لازم ٹھہرا کہ آپ اس ارشادِ گرامی کے نزول سے قبل معصیت سے پاک ہوں کیونکہ اس عظیم حد تک ممدوح ذات اہل نار سے نہیں ہو سکتی اور اگر عاصی ہوں تو لامحالہ اہل نار سے ہوں گے جیسے کہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔(النساء،14:4)

"جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ السلام کی نافرمانی کرے اور اس کے جملہ حدود سے تجاوز کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آتش دوزخ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہنے والا ہوگا"

اور جب ثابت ہو گیا کہ وہ گناہوں سے خالی تھے تو پھر باری تعالیٰ کے اس ارشاد ان یغفر اللہ لکم سے غفران معصیت والا معنی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ جب معصیت موجود ہی نہ ہو تو اس کے غفران کا کیا معنیٰ؟ جب ثابت ہوا کہ آیتِ کریمہ کو غفرانِ معصیت والے معنیٰ پر حمل کرنا درست نہیں ہے تو اس کا دوسری صورت پر حمل کرنا لازم ٹھہرا اور وہ یہ ہے کہ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

الا تحبون ان يغفر الله لكم

کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے بسبب تمہارے ان تہمت لگانے والے عاصیوں کی تعظیم کے، تو آیتِ کریمہ کا حاصل معنیٰ یہ ہو جائے گا، اے ابوبکر! اگر تم نے ان عاصیوں کو قبول کر لیا تو میں بھی قبول کر لوں گا اگر تو نے ان کو رد کر دیا تو میں بھی ان کو رد کر دوں گا گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان عاصیوں کے حق میں دنیا میں ہی مقام شفاعت عطا کر دیا ہے، فهذا ماحضرنا فی هذه الآية۔

سوال:

یہ آیتِ کریمہ تو ابو بکر صدیق کے حق میں مرتبہ ومقام میں تنزل اور نقص کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلف اٹھانے سے منع فرمادیا ہے اور ''نہی'' صدورِ معصیت پر دلالت کرتی ہے۔

جوابِ اول:

''نہی'' اگر فعل امر سے متعلق ہو تو ضروری نہیں کہ وہ امر موجود و متحقق بھی ہو، حبیب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَاتُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ (الاحزاب، 33:48) لیکن اس سے یہ دلالت حاصل نہیں ہوتی کہ آپ نے کفار و منافقین کی اطاعت فرمائی تھی بلکہ صرف روایات سے ظاہری معنی ومفہوم کے تحت اس حلف کا سرزد ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اندریں صورت آیت مبارکہ کی دلالت تو وقوعِ حلف بلکہ وقوعِ معصیت پر ثابت نہیں ہوتی۔

جوابِ ثانی:

تسلیم کرتے ہیں کہ حلف آپ سے سرزد ہوا لیکن تم نے اس کے معصیت ہونے کا دعویٰ کیوں کیا؟ کیونکہ کسی ایسے شخص پر فضل واحسان رک جانا بسا اوقات مستحسن ہوتا ہے خصوصاً اس شخص کے حق میں جو اپنے محسنوں کے احسان کا بدلہ برائی سے دینے والا ہو یا اس احسان کو ایسے کاموں کا ذریعہ ووسیلہ بنانے والا ہو جو محرمات کے قبیل سے ہوں۔

سوال:

اگر یہ امر معصیت نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا اس سے منع فرمانا جائز نہیں ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ۔

جواب:

یہ نہی تحریم اور زجرو توبیخ کے لیے نہیں ہے بلکہ ترکِ اولیٰ سے نہی ہے،

کان اللّٰہ سبحانہ قال لأبی بکر اللائق بفضلک وسعۃ ہمتک أن لاتقطع
ذا فکان ہذا ارشاداًالی الاولی لامنعًا عن المحرم

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو فرمایا کہ تمہارے فضل وشرف اور وسعت
ت کے لائق یہی ہے کہ تم اپنے برّ واحسان کو قطع نہ کرو تو اولیٰ وانسب امر کی طرف ارشاد
راہ نمائی ہے نہ کہ حرام کام سے منع فرمانا ہے۔

(یہاں امام رازی کے ذکر کردہ فوائد مکمل ہوئے)

۴) حضرت علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہذہ الآیۃ نزلت فی أبی بکر رضی اللّٰہ عنہ حین حلف أن لا ینفع مسطح
ن أثاثۃ بنافعۃ أبداً الخ۔

یعنی یہ آیتِ کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں
نے حلف اٹھالیا تھا کہ مسطح بن اثاثہ کو کسی بھی نفع دینے والی چیز کے ساتھ نفع نہیں پہنچاؤں گا
عد اس کے کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کہا جو کہا، تو جب اللہ تعالیٰ نے
حضرت صدیقہ کی براءت نازل فرمادی اور نفوسِ مومنہ کو طمانیت حاصل ہوگئی اور راحت مل گئی اور
ہل ایمان میں سے جنہوں نے اس افک میں حصہ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی اور حد
قائم کردی گئی ان پر جو حد کے مستحق تھے تو اب اللّٰہ ذوالفضل والامتنان نے حضرتِ صدیق کو
اپنے قریبی اور نسبی رشتہ دار مسطح پر مہربانی اور لطف وکرم پر مائل کرنا شروع فرمایا کیونکہ وہ
آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور محض مسکین تھے، ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، صرف حضرت
صدیق جو ان پر خرچ کرتے تھے وہی ان کی گزر بسر کا ذریعہ تھا اور مہاجرین فی سبیل میں سے تھے
اور انہوں نے بہت بڑی لغزش کھائی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دے دی اور اس لغزش کی وجہ
سے حد بھی ان کو لگ چکی تھی، وکان الصدیق معروفًا بالمعروف ولہ الفضل والأیادی

علی الأقارب و الأجانب اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ معروف اور خیر و بھلائی کے ساتھ معروف و مشہور تھے اور ان کی طرف سے سبھی پر فضل و احسان تھا، قرابت دار ہوں یا اجنبی لوگ ہوں، تو جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

الا تحبون ان یغفر الله لکم

"کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تمہیں بخشا جائے"

تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا:

فإن الجزاء من جنس العمل فكما تغفر ذنب من أذنب اليك يغفر الله لك وكما تصفح يصفح عنك فعندذالك قال الصديق بلى والله انا نحبُّ أن تغفرلنا يا ربّنا۔

"جزاء وسزا جنس عمل سے ہوتی ہے، پس تم بخشو اس کا گناہ جس نے تمہاری نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے گا، اور جیسے تم درگزر سے کام لو گے اسی طرح تم سے بھی درگزر کی جائے گی تو اس وقت حضرتِ صدیق پکار اٹھے: ہاں! کیوں نہیں، بخدا ہم محبوب رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مغفرت سے بہرہ ور فرمائے، پھر مسطح پر اس کا نفقہ بحال کر دیا اور کہا: والله لأنزعها منه أبداً في مقابلة ما كان فلهذا كان الصديق هو الصديق رضى الله عنه بخدا میں اس سے کبھی بھی برّ و صلہ روکوں گا نہیں اس اساءت و جفا کاری کے مقابل جو اس سے سرزد ہوئی ہے اس لیے کہ صدیق بس صدیق ہی ہیں۔

(۵) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں:

اولوالفضل فى الدين والسعة فى المال (الى) ان العلماء استدلوا بها على فضل الصديق رضى الله تعالى عنه وشرفه من حيث نهاه مغاية ونصّ على فضله وذكره بلفظ الجمع للتعظيم كما يقال لرئيس القوم و كبيرهم لايفعلوا كيت

کیت والمنکر ون لیحملون الفضل علی فضل المال لکن لایخفی أنه یستفادمن
له(السعة)فیلزم التکریر فثبت کونه أفضل الخلق بعدرسول الله ﷺ۔

(جلد ٦ ص ١٤٣)

"بے شک علمائے کرام نے اس آیتِ کریمہ سے حضرت ابوبکر صدیق کے فضل وشرف
ستدلال کیا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ بوقت منع اور نہی ان کو مخاطب نہیں ٹھہرایا بلکہ غائب کا صیغہ
تعمال فرمایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو اولو الفضل سے تعبیر فرمایا، تیسری وجہ یہ ہے کہ جمع کے
سے واحد کو تعبیر فرمایا اس کی تعظیم وتکریم کے لیے۔ جیسے کے قوم کے رئیس اور کبیر کو کہا جاتا ہے
نہ کریں ایسے اور ایسے، جن لوگوں نے حضرت صدیق کے فضل دینی اور شرفِ روحانی کا انکار کیا
نہوں نے یہاں دین میں فضل کی بجائے مال میں زیادتی اور فراوانی مراد لی ہے لیکن کسی بھی
ل مند پر مخفی نہیں ہے کہ مالی فراوانی تو السعة کے لفظ سے معطوف سمجھی جارہی ہے تو تکرار بے
دہ لازم آئے گا (اور یہ امر قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت اور شانِ اعجاز کے بھی خلاف ہے
قاعدہ عطف کے بھی خلاف ہے کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مغایرت
پایا جانا ضروری ہے)

قال فی انسان العیون وصف الله الصدیق باولی الفضل موافق لوصفه علیه
سلام بذالك فقد جاء ان علیًّا کرّم اللّٰه وجهه دخل علی النّبی ﷺ وأبوبکر
صدیق عن یمین رسول الله فتنحّی أبوبکر عن مجلسه ومکانه وأجلس علیًّا بینه
ین النّبی ﷺ وعلیهما وسلم فتهلّل وجه النبی ﷺ فرحاوسرورأوقال لایعرف
ضل لأهل الفضل الا أولوالفضل۔

(روح البیان جلد ٦ ص ١٤٣)

"انســان الـعیـون میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو

اولو الفضل کے ساتھ ذکر فرمانا نبی مکرم ﷺ کے ان کو اس وصف کے ساتھ موصوف فرمانے کے موافق ہے، مروی ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے جبکہ حضرت صدیق پہلوئے رسول ﷺ میں دائیں جانب بیٹھے تھے تو آپ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور حضرت علی کو اپنے اور نبی مکرم ﷺ کے درمیان بٹھایا تو سرورِ عالم ﷺ کا چہرۂ اقدس فرحت وسرور سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا کہ اولو الفضل (فضیلت والے لوگ) ہی اہل فضل کے فضل کو پہچانتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں"۔

اقول:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولو الفضل کے پیارے لقب سے نواز اور رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے بھی ان کو اس پیارے لقب کے ساتھ مشرف فرمایا، سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے لیے اہل فضل واحد کا صیغہ استعمال فرمایا لیکن آپ کے لیے اولو الفضل کا صیغہ استعمال فرمایا اور مال منال کی بات تو تھی نہیں بلکہ مرتبہ ومقام کے لائق ادب واحترام اور تعظیم کی بات تھی تو معلوم ہوا کہ کلام خداوند تعالیٰ میں بھی اور کلام حبیب علیہ السلام میں فضل دینی اور ایمانی وروحانی مراد ہے نہ کہ مال میں زیادتی اور فراوانی۔

(۲) حضرت علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

أولو الفضل منكم أى الزيادة فى الدين والسعة أى فى المال (الىٰ)واستدل بها على فضل الصديق رضى الله عنه لأنه داخلٌ فى أولى الفضل قطعًا لأنه وحده أو مع جماعة سبب النزول ولا يضر فى ذالك عموم الحكم لجميع المؤمنين كما هو الظاهر

"نہ قسم اٹھائیں تم میں سے دین میں فضل والے اور مال میں فضل وشرف والے کہ اپنے قرابت داروں اور مساکین اور مہاجرین فی سبیل اللہ پر اپنے مال خرچ نہیں کریں گے" الخ

ساعت اور بے وفائی کے بعد، اور اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے حضرت ابوبکر صدیق
کے فضل وشرف پر کیونکہ وہ اولو الفضل میں یقینی طور پر داخل ہیں، کیونکہ وہ اکیلے (مشہور قول
کے مطابق سبب نزول ہیں) یا اور لوگوں سمیت اس جماعت میں شامل ہیں جنہوں نے یہ حلف
اٹھایا تھا اور اس آیتِ کریمہ کے نزول کا سبب بنے تھے جب سبب نزول وہ ہیں اور اولیٰ طور پر
اولو الفضل میں داخل ہیں تو لفظ کا عام ہونا یا حکم کا عام ہونا اس استدلال کے لیے مضر نہیں ہے
کیونکہ جو سببِ نزول ہوتا ہے وہ اولین مصداق ہوتا ہے اور جب اولوالفضل کے اولین مصداق
حضرت صدیق ٹھہرے تو ان کے فضل وشرف پر استدلال درست ہوگیا، کما صرّح بہ
الشھاب فی قولہ تعالی: و سیجنبھا الاتقی اور امام رازی کے استدلال کی تصحیح میں فرمایا
اصحاب الرافضۃ بأن المراد بالفضل الزیادۃ فی المال و یُردُّ علیہ أنہ حینئذٍ یتکرّر مع
قولہ سبحانہ وتعالی "والسعۃ"۔ (جلد ۱۸ ص ۱۱۳)

"رافضیوں نے اس استدلال کا جواب یہ دیا کہ یہاں فضل سے مراد مال میں وسعت
اور فراوانی ہے (نہ کہ دینی اور ایمانی درجات ومراتب میں زیادتی مراد ہے) لیکن اس پر یہ
اعتراض وارد ہوگا کہ یہی معنی معطوف لفظ السعۃ کا ہے تو پھر تکرارِ محض اور تکرار بلافائدہ لازم آئے
گا (جو کہ قاعدۂ عطف کے بھی خلاف ہے اور کلام مجید کے ایجاز و اعجاز کے بھی خلاف ہے)

(۷) حضرت علامہ ابو السعود اپنی تفسیر ارشاد العقل السلیم الی
مزایا القرآن الکریم میں فرماتے ہیں:

أولو الفضل فی الدین و کفی بہ دلیلًا علی فضل الصدیق رضی اللہ عنہ
والسعۃ فی المال۔

(جلد ٦ ص ١٦٥)

یعنی "اولو الفضل میں دینی فضیلت مراد ہے اور یہ ارشادِ خداوند تعالیٰ حضرت ابوبکر

صدیق کے فضل وشرف پر کافی ووافی دلیل ہے اور قول باری تعالیٰ والسعة سے مالی وسعت اور فراوانی مراد ہے"

الغرض واضح ہوگیا کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دینی وایمانی اور باطنی وروحانی درجات کے لحاظ سے اولو الفضل ہیں اور ان کی مالی فراوانی کو معطوف لفظ والسعة میں بیان کیا گیا اور یہاں پر فضل فی المال مراد لینا روافض اور اہل تشیع کا نظریہ ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ابوبکر صدیق العیاذ باللہ مرتد اور ظالم وغاصب ہیں ان میں دینی فضیلت ان کے نزدیک تو متصور ہی نہیں ہوسکتی۔

شاہ عبدالقادر صاحب اہل تشیع اور روافض کی راہ پر:

ہم دریافت کرتے ہیں اس آلِ رسول حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی صاحب سے کہ آپ کو اپنے نانا جان کے اس فدائی، ثانی اثنین کی شان والے اور ان اللہ معنا کے مرتبہ ومقام والی شخصیت سے اس قدر الرجی کیوں ہے کہ سرے سے اہل سنت کی راہ چھوڑ کر اُن گم راہوں اور بے دین لوگوں کی راہ اختیار کر لی ہے؟؟؟

شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں:

اولو الفضل کا معنیٰ صاحبِ فضیلت نہیں ہے بلکہ صاحبِ دولت ہے، جس سے کوئی علمی یا روحانی برتری نہیں مراد لی جائے گی بلکہ دولتِ دنیا مراد لی جائے گی کیونکہ افضلیت کا موقع نہیں۔ ہے بلکہ دنیاوی ثروت براہِ راست دخیل ہے کسی مالی امداد کرنے میں براہِ راست مال کو دخل ہوتا ہے۔ الخ

(الف) ہم نے جن تفاسیر کے حوالہ جات دیے ان میں صاحبِ فضیلت ہونے کی تصریح بھی آچکی اور صاحبِ دولت ہونے کی بھی اور فضل سے مراد دنیوی دولت کی زیادتی یعنی یہ موقع بھی آچکا کہ ان ہر دو صورت فضل کے بعد السعة کا ذکر تکرار محض بن جائے گا مگر

سقم اور خرابی کا شاہ جی کو خیال نہیں آتا اور نہ اس طرف توجہ جاتی ہے کہ عطف کا تقاضا کیا
رتا ہے؟؟؟

(ب) نیز شاہ جی کا قرینہ الفضل سے مالی فراوانی مراد لینے پر مجبور تب کرتا جب
ـعة کا لفظ ساتھ نہ ہوتا جب وہ موجود ہے تو دنیاوی ثروت کے دخیل ہونے کا تقاضا بھی پورا
یا اور حضرت صدیق کی دینی اور روحانی برتری بھی ثابت ہو جائے گی جیسے کہ صاحبِ ثروت
بھی۔

(ج) رہ گیا یہ تـوهـم کہ فضیلت کا موقع نہیں ہے تو گویا شاہ جی کے نزدیک جن
رات نے یہاں دینی اور روحانی فضیلت مراد لی ہے اور حضرت صدیق کے فضل وشرف پر
دلال کیا ہے وہ سبھی جاہل، ان پڑھ اور مورکھ قسم کے لوگ ہیں، علم ودانش سے ان کا کوئی تعلق
یں ہے، صرف شاہ جی میں علم بھی ہے اور عقل ودانش بھی، سبحان اللہ! اس قدر علمی فرعونیت کا
جواز ہے؟

(د) اگر شاہ جی کے ہوش حواس قائم ہوتے اور عقل کام کرتی تو انہیں سمجھ آجاتی
یہ موقع ہی دینی اور روحانی فضیلت کے بیان کا ہے کیونکہ معاملہ تھا بے حیائی اور بے وفائی کے
میں اپنے بر واحسان کو روک لینے کا اور اساءت کی جزاء اور تکلیف و ایذاء پہنچانے کی
دینے کا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صدیق تیرا مرتبہ ومقام اس سے بلند وبالا ہے کہ لوگوں کی ایسی
یا حرکتوں پر ان کو جزاء وسزا دو، تمہیں متخلق باخلاق اللہ (اللہ تبارک وتعالی کے اخلاق
ے مزین وآراستہ شخصیت) کا کردار اپنانا چاہیے میں لوگوں پر کتنے احسان کرتا ہوں اور وہ اس کا
ہ مجھ کو کس قدر عصیان و طغیان سے دیتے ہیں اور ہر طرح کی انتقامی کاروائی پر بھی مقتدر بھی
ں لیکن مغفرت اور رحمت کا مظاہرہ کرتا ہوں، لهذا تجھے بھی تخلق باخلاق اللہ اور فنا فی
ہ بقاء باللہ کے مقام پر فائز ہونا چاہیے۔

تمہارے نبی، رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے کس قدر ہمدرد اور خیر خواہ ہیں، انہیں دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے اور جنت کی ابدی نعمتوں کے ساتھ ہم کنار کرنے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں لیکن لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ اور انتقامی کاروائی پر قادر ہونے کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور سراسر رحمت اور شفقت ہونے کا مظاہرہ فرماتے ہیں تو تمہارا منصب بھی متصف باوصاف رسول ہونا اور فنا فی الرسول بقاء بالرسول کے مقام پر فائز ہونا ہے جو ایذاء اور تکلیف دے اور نیکی کا بدلہ برائی سے دے اس سے بر واحسان اور کرم و فضل کو روک لینا نفسانی تقاضا ہے اور اے صدیق! اے صدیق اکبر! اے صدیقوں کے سردار! تیرا مرتبہ و مقام اس سے بلند و بالا ہے بلکہ بہت ہی بلند و بالا ہے

بدی را بدی سهل باشد جزاء اگر مردی أحسن الی من أساء

الغرض اگر بعض اہل سنت مفسرین نے بے التفاتی سے کام لیتے ہوئے سعت اور فضل کا معنیٰ ایک کر بھی دیا تھا اور بے فائدہ تکرار والا سقم اور قاعدۂ عطف کا تقاضا ان کی نظروں سے اوجھل ہو بھی گیا تھا تو جن حضرات نے مدلل اور مبرہن انداز میں ان کا رد بھی کیا اور حضرت صدیق کی فضیلت پر اس کو دلیل و برہان کے طور پر پیش کیا تھا ان کے ارشادات کیوں نظر انداز ہو گئے؟ اور شیعہ لوگ یہاں مالی زیادتی مراد لینے پر مصر ہیں تو آپ بھی اس پر مصر ہو گئے تو کیونکر؟ کیا آپ کے اندر بھی کوئی ویسی ہی رگ تو نہیں پھڑک رہی؟

حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کے آپ بڑے معتقد اور متبع معلوم ہوتے ہیں اور ان کے نظریات سے بڑے متاثر، تو ان کا یہ عمل بھی دیکھ لیتے کہ میدان کارزار میں ان کی بیعت کرنے والے پوچھتے ہیں:

در حق ابی بکر و عمر چه میگوئی؟

''آپ ابو بکر اور عمر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

کیا انہیں محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ میری بیعت کر کے مجھے امام مان کے میرے سپاہی بن
یہ تیس ہزار لوگ اب یہاں میدان کارزار میں آ کر یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟ لیکن ہر طرح
نظرات وخدشات کو نظر انداز کیا اور سوال کرنیوالوں کی خواہش وتمنا کے برعکس کہا:

درحقِ ایشاں جز بسخن خیر نمی گویم و از اہل خویش نیز درحق ایشاں
بسخن خیر نشیدہ ام بالجملہ زید فرمود ایشاں بکتاب خدا و سنت رسول
کردند و بر کسے ظلم و ستم نراند ند

حضرت زید نے دشمن کی چمکتی تلواروں کے سامنے اور فضا میں لہراتے نیزوں اور
وں میں فٹ کیے گئے تیروں کے سامنے اور اپنے سوال کرنے والے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ
نے کے یقین کے باوجود کلمۂ حق زبان پر لانے سے گریز نہ کیا اور برملا کہا کہ:

''میں ان کے حق میں خیر و بھلائی کے کلمات کے علاوہ کچھ نہیں کہتا اور جس گھر میں پیدا
ور پالا پوسا گیا ہوں ان مربیوں سے بھی ان حضرات کے حق میں سوائے کلماتِ خیر اور مدح
کے کچھ نہیں سنا، خلاصہ کلام یہ کہ حضرت زید نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ
نے اللہ تعالےٰ کی کتاب پر عمل کیا اور سنتِ رسول ﷺ پر عمل کیا اور کسی پر ظلم وستم نہیں کیا''

تو ان محبوں اور بیعت امامت کرنے والے شیدائی سپاہیوں نے کہا

تو امامِ ما نیستی (ناسخ التواریخ)

''تو ہمارا امام نہیں ہے''

سارے بھاگ گئے سوائے پانچ صد کے اور حضرت زید کو شہید کر دیا گیا اور تین سال
سولی پر لٹکے رہے، لیکن زبان حال سے کہہ رہے تھے: اے میرے نانا جان پر اپنے مال
ال اور جانیں عزتیں قربان کرنے والو! دیکھ لو ہم بھی اس لجپال کی آل ہیں ہم نے تمہاری آن
شان پر جان دینا اور سولی پر لٹکنا گوارا کر لیا ہے مگر تمہاری شان میں کوئی کلمۂ ہتک زبان پر لانا

گوارہ نہیں کیا۔

مگر آج کل آلِ رسول ہونے کے بعض دعوے دار ہر حال میں ان جانثارانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ہی ساتھ دیتے نظر آتے ہیں اور انہیں کے نظریاتِ فاسدہ کی تائید وتقویت میں منہمک اور مستغرق نظر آتے ہیں، نعوذ باللہ من الضلالۃ والغوایۃ۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے وفا اور لجپالی کا درس حاصل نہیں کرتے بلکہ اہل سنت کے متفق علیہ راستہ سے مختلف شکوک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کو ہٹانا اور دشمنانِ صحابہ کی گود میں ڈالنے کی سعی نامشکور فرماتے ہیں۔فالی اللہ المشتکی

کیا افضلیت کا عقیدہ قطعی ہے؟

شاہ جی فرماتے ہیں:

''جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے وہ تو فرد واحد یا حدیث ضعیف سے بھی ثابت ہو سکتی ہے (تا) مگر افضلیت تو بابِ عقائد کی چیز ہے جس میں قطعیات کا ہونا لازمی ہے''

(زبدہ ص ٤٠٠)

لیکن شاہ جی سے یہ بات مخفی کیسے رہ سکتی تھی کہ عقائد دونوں طرح کے ہیں، قطعی بھی ہیں جس طرح توحید ورسالت اور قیامت اور ظنی بھی جیسے تفضیل الانبیاء ملائکہ پر وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ عقیدہ ونظریہ أفضل البشر بعد الأنبیاء أبوبکر ن الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورین ثم علی المرتضی رضی اللہ عنہم بھی قسم ثانی میں داخل ہے، اسی لیے سیدنا ابوبکر کی افضلیت کے منکر کو مبتدع کہا جائے گا اور فسق اعتقادی میں مبتلا سمجھا جائے گا نہ کہ کافر کہا جائے گا۔

نیز اگر حضرت صدیق کی فضیلت شاہ جی کے ہاں مسلم تھی تو اہلِ سنت کی اس دلیل کو کرنے اور روافض وشیعہ کی ہم نوائی اختیار کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ کہہ دیتے ابوبکر صد

ـو الـفـضـل ہیں دین میں اور روحانی وایمانی مدارج میں بھی لیکن جمع کا صیغہ ہے، اس میں
رے لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں، اس لیے آپ کا قطعی طور پر افضل البشر ہونا اس سے ثابت
محلِ نظر ہے جو مدعا ہے اور فضیلت ثابت ہے وہ محل کلام اور موضوع بحث نہیں ہے۔ لیکن
بِ والا نے اپنے عقلی ڈھکوسلے سے اس دلیل کو یوں رد کیا کہ یہ مقام ہی مالی ثروت کے دخل کا
یہاں روحانی فضیلت کا موقع ہی نہیں ہے اگر کوئی شیعہ رد کرتا تو یہی اسلوب اور لب ولہجہ
ر کرتا تو ہم ان کا باہم فرق کیا سمجھیں؟

شاہ جی فرماتے ہیں کہ فضل کا لفظ مشترک ہے اور اس سے بیک وقت ایک ہی معنیٰ مراد
تا ہے جس پر قرینہ دلالت کرے اور قرینہ دال ہے مال کی فراوانی پر تو اس کا تعین ہو گیا مگر یہ
ں نہ رہا کہ فقط اولو الفضل ہوتا تو پھر یہ آڑ لی جا سکتی تھی، جب السعۃ بھی ساتھ موجود ہے اور
راوانی والا معنیٰ اس میں متعین ہے تو پھر یہاں تکرار بے فائدہ سے بچنے کے لیے یہاں
ں کو دوسرے معانی پر کیوں نہ حمل کر دیں جن میں سرفہرست علم ظاہر وباطن اور کشف حقائق
ین وایمان اور روح وباطن کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع مقام اور وہ قلبی خصوصیت وانفرادیت
س نے آپ کو سب پر سابق اور فائق بنا دیا:

کمـا قال علیه السلام ما فضلکم أبو بکر بشیئ من صلوته وصومه ولکن
ء وقر فی قلبه۔ (سبع سنابل)

''ابو بکر صدیق تم سے نمازوں اور روزوں کے ذریعے افضل نہیں بنے بلکہ اس شے کی
سے جو ان کے دل میں قرار پذیر ہے''

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شی کا علم عطا کرنے کے بعد اس فضل کا تذکرہ فرمایا:

کمـا قـال اللّٰه تـعـالـے : عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ
یمًا۔ انبیاء علیہم السلام کو نفس نبوت پر جو زائد درجات ومراتب عطا فرمائے ان کو فضل سے تعبیر

فرمایا، کماقال:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وقال اللہ تعالٰی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۔(بنی اسرائیل ،55:17,البقرہ ،253:2)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے غلام آنکھ جھپکنے سے قبل بلقیس کا تخت اٹھا کر لائے اور یہ روحانی برتری اُن کے غلاموں کو نصیب ہو تو وہ خود اس کا اعتراف اور شکرانہ اس طرح ادا کرتے ہیں فَلَمَّارَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (النمل، 40:27) اہل اسلام کو اسلام اور قرآن ملنے پر یہود کے حسد کو بیان کرتے ہوئے اور اہل اسلام پر اپنی نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النساء، 54:4) اہل اسلام خضوع و خشوع کے ساتھ جب نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشاں ہوتے ہیں تو اس کو ابتغاء فضل سے تعبیر فرمایا تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (وغیر ذالک من الآیات) جو مال و دولت سے ہٹ کر روحانی اور ایمانی اور اخروی درجات و مراتب پر دلالت کرنے والے لفظ پر مشتمل ہیں مگر شاہ جی کی نظریں صرف دنیوی مال پر محدود ہو کر رہ گئی ہیں:

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ولنعم ما قال الشاعر:

اذا کان الغراب دلیل قوم　　فیھد یھم طریق الھالکین

افضلیتِ صدیق اکبر پر چوتھی قرآنی دلیل

الآیة الرابعة:

قال اللہ تعالیٰ:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

(سورہ الزمر،39:33)

''وہ جو صدق اور حق لائے اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی وہ (اور ان کے متبع) سبھی متقی ہیں''

پہلے اللہ تعالیٰ نے کاذب لوگوں کی اور سچے لوگوں کی تکذیب کرنے والوں کی وعید ذکر فرمائی تو بعد ازاں صادقین کے ساتھ کیے گئے اجر وثواب کا وعدہ ذکر فرمایا تاکہ وعد اور وعید باہم مقرون ومتصل ہو جائیں اور تبشیر و انذار باہم جمع ہو جائیں۔

امام رازی کی بیان فرمودہ تفسیر:

امام رازی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:

(ا) پہلا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ معطوف میں موصول مقدر ہے اور اصل عبارت یوں بن گئی

والذی جاء بالصدق والذی صدق بہ اب یہاں پر دو قول ہیں:

اول یہ کہ جس طرح موصول بظاہر واحد ہے اسی طرح حقیقی اور معنوی طور پر بھی واحد ہے اور معطوف علیہ میں اس کا مصداق ذات رسول ﷺ ہے اور معطوف یعنی والذی صدق بہ سے مراد ابو بکر صدیق ہیں۔

وھذا القول مروی عن علی کرم اللہ وجھہ وجماعۃ من المفسرین۔

اور یہ قول مولیٰ مرتضیٰ سے منقول ہے اور مفسرین کی جماعت سے بھی مروی و منقول ہے۔

ثانی:

الــذی گو بظاہر واحد ہے لیکن معنیٰ جمع والا مراد ہے جس کا مطلب ہوگا ہر وہ شخص جو صدق کو لایا، تو اس کا مصداق ٹھہرے انبیاء کرام علیہم السلام اور معطوف یعنی الذی صدق به سے مراد ہوئے ان کے متبع لوگ اور اس قول کے قائلین کا استدلال یہ ہے کہ بعد میں فرمایا گیا ہے أُولئك هم المتقون اگر معنوی جمعیت اس میں معتبر نہ ہوتی تو پھر اسم اشارہ جمع اور المتقون جمع کے صیغہ کی صورت میں ذکر کرنے جائز نہ ہوتے۔

دوسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ رسالت کے کام کا اتمام چار ارکان پر موقوف ہے:

اول: مُرسِل بھیجنے والی ذات

ثانی: مُرسَل بھیجی جانے والی ذات

ثالث: رِسالت یعنی قابل ابلاغ احکام

رابع: مُرسَل الیه جن کی طرف اس ہستی کو تبلیغ احکام کے لیے بھیجا گیا

اور مقصدِ ارسال یہ ہوتا ہے کہ قوم میں سے کوئی ایک فرد بھی اس رسول کے لائے ہوئے پیغام کو قبول کر لے اور اس کی تصدیق کرے تو پہلا شخص جس نے اس رسول کی تصدیق کر دی تو اس کے ذریعے ہی ارسال تام ہوگیا اور اس کا مقصد حاصل ہوگیا، فأول شخص أتى بالتصديق هو الذی يتم به الارسال، میں نے بعض مبلغین اور واعظین کو سنا جو نبی مکرم ﷺ سے روایت کر رہے تھے: دعوا أبا بكر فانه من تتمة النبوة کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا "ابو بکر سے تعرض مت کیجئے اور اسے اپنے حال پر چھوڑیے کیونکہ وہ نبوت کا تتمہ ہیں"

اچھی طرح جان لو اور ذہن نشین کر لو کہ الذی موصول سے مراد شخص معین ہو یا اس سے

راد جماعت ان لوگوں کی جو صفت تصدیق کے ساتھ متصف ہوں، ہر حال میں حضرتِ صدیق
کی فضیلت بلکہ انفرادیت اور شانِ امتیازی ثابت ہو جائے گی۔ پہلی صورت میں تو ظاہر ہے کہ
لذی صدق بہ کے مصداق ہی ابوبکر صدیق ہیں۔ لأن ھذا یتناول أسبق الناس الی
تصدیق وأجمعوا علی أن الأسبق الأفضل اما أبوبکر واما علی رضی اللہ عنہما
حمل اللفظ علی أبی بکر اولی۔ کیونکہ یہاں پر (مطلقا کوئی تصدیق کرنے والا شخص تو مراد
وہی نہیں سکتا خواہ آپ کی زندگی مبارک کے آخری لحات میں تصدیق کرے بلکہ) وہی مراد ہوگا
جو سب لوگوں سے تصدیقِ رسول اللہ ﷺ کی طرف سبقت لے جانے والا ہوگا اور اس پر مدعیان
سلام کا اجماع ہے کہ اس اسبق اور افضل شخص سے مراد ابوبکر صدیق ہیں یا علی مرتضی، لیکن اس کو
ابوبکر صدیق پر حمل کرنا ہی اولی اور موزوں تر ہے۔

لأن علیًا علیہ السلام کان وقت البعثۃ صغیرا فکان کالولدالصغیرالذی
یکون فی البیت ومعلوم أن اقدامہ علی التصدیق لا یفید مزید قوۃوشوکۃ۔أما
أبوبکر فانہ کان رجلاً کبیرًا فی الاسلام کبیرا فی المنصب فاقدامہ علی التصدیق
یفید مزید قوۃوشوکتفی الاسلام فکان حمل اللفظ علی أبی بکر أولی۔

کیونکہ حضرت علی نبی مکرم ﷺ کی بعثت کے وقت چھوٹے تھے (سات آٹھ سال یا دس
سال عمر شریف تھی) تو آپ گھر میں پلنے والے چھوٹے بچے کی مانند تھے اور ہر ایک کو معلوم ہے
کہ ایسے بچے کا تصدیقِ رسالت پر اقدام کسی زائد قوت وشوکت کا موجب نہیں ہو سکتا لیکن ابوبکر
صدیق بڑی عمر کے تھے (اڑتیس سال) اور منصب میں بھی بڑے تھے (اقارب واجانب پر فضل
واحسان کی بارش برساتے رہتے تھے) تو ایسے شخص کا تصدیقِ رسالت پر اقدام اسلام میں مزید
قوت اور شوکت کا موجب ہوگا تو الذی صدق بہ کو حضرت صدیق پر محمول کرنا ہی اولی
وانسب ہے۔

دوسری صورت جبکہ جماعت والا معنی مراد ہو تو یکون أبوبکر داخلا فیه تو حضرت صدیق اس موصوف بالتقوی جماعت میں داخل ہوں گے دخول اوّلی کے طور پر تو اندریں صورت بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔

(التفسیر للامام فخر الدین الرازی رحمه الله تعالیٰ جلد۹ ص ۴۵۲)

علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ کی تفسیر:

فرماتے ہیں:

قال الامام السهیلی والذی جاء بالصدق هو رسول الله ﷺ والذی صدّق به هو الصدیق رضی الله تعالی عنه۔

"امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ والذی جاء بالصدق سے مراد رسول گرامی ﷺ ہیں اور الذی صدق به سے مراد ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہ"

سوال:

اندریں صورت اولئك هم المتقون کا ربط و تعلق کیونکر درست ہوگا؟ کیونکہ مبتداء شخص رسول ﷺ ہوئے اور ان پر معطوف بھی شخص صدیق ہوئے تو پھر خبر میں بھی واحد کا صیغہ استعمال ہوتا کل واحد کے معنی میں یا پھر تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوتا نہ کہ جمع کے صیغے استعمال کیے جاتے؟؟؟

جواب :

دخل فی الآیة بالمعنیٰ کل من صدق ولذالك قال اولئك هم المتقون انتهیٰ

"از روئے معنیٰ اور تبعیت کے طور پر بھی تصدیق کرنے والے اس میں داخل ہو گئے

ں لیے فرمایا وہ بھی تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ ہیں تو مصدقین کے متبوع اور مقتداء حضرت ابوبکر
ریق ٹھہرے جو کہ بہت بڑا امتیاز اور اعزاز ہے، لیکن اگر صدق بہ سے پہلے موصول مقدر نہ
جائے تو دونوں صفتیں رسول گرامی ﷺ کی بن جائیں گی یعنی صدق کے لانے والے بھی آپ
اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی آپ ہیں، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: آمَنَ الرَّسُوْلُ
ا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (البقرہ، 2:285) "ایمان لائے رسول اکرم اس پر جو ان پر نازل کیا
یا ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے"

اسی لیے بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی کی ذات اپنے لیے بھی نبی و رسول ہوتی ہے اور
ے ہی وارثان رسول ﷺ کیونکہ انہیں اپنے حال میں کوئی ریب و تردد در پیش نہیں ہوتا اور نہ اللہ
لی کی طرف سے آنے والی غیب کی خبروں کی تصدیق میں کوئی تردد ہوتا ہے تو ان کے حال کی
ت کا ان کے سارے وجود پر فیضان ہو جاتا ہے بلکہ ان کے معتقدین اور مصدقین پر بھی ان
فیوض و برکات کا عکس اور پرتو پڑتا ہے۔

ألا ترى أن النبى عليه السلام أتى بالصدق وأفاض من بركات صدقه على
ى بكر رضى الله عنه فسمى صديقًا وهكذا حال سائر الصديقين ۔قال الحافظ:

بصدق کوش که خورشید زاید از نفست

که از دروغ سیاه روئے گشت صبح نخست

يعنى أن الصادق الصديق يتولد من نفسه نفس الشمس المعنوية
نورالأنفس كما ان الصبح الصادق يطلع بعده الشمس الصورية فتنورالآفاق
خلاف حال الكاذب فانه كالصبح الكاذب حيث تعقبه الظلمة ۔

(روح البیان للعلامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ جلد۸ ص ۱۲۰)

"کیا دیکھتے نہیں کہ نبی مکرم ﷺ صدق و حق لائے اور آپ کے صدق کے برکات کا

فیضان ابوبکر پر ہوا تو صدیق کے پیارے اسم کے ساتھ موسوم ہو گئے اور باقی صدیقین کا حال بھی اسی طرح ہے، حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

صدق و راستی کی کوشش کرتا کہ تیرے تنفس سے سورج پیدا ہو کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے صبح اول سیاہ رو ہو گئی، یعنی صادق و صدیق کے سانس سے معنوی سورج طلوع ہوتا ہے جو نفوس انسانیہ کو منور کرتا ہے جیسے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے پر صوری سورج نمودار ہو جاتا ہے پس وہ آفاق کو منور کر دیتا ہے بخلاف بندۂ کاذب کے وہ صبح کاذب کی مانند ہے جس کے نمودار ہوتے ہی ظلمت آجاتی ہے اور چھا جاتی ہے اور وہ کاذب ہونے کی وجہ سے سیاہ رو ہو جاتی ہے اور وہ جھوٹا آدمی بھی اسی طرح سیاہ رو ہو جاتا ہے"

اقول:

اس صورت میں اولئك هم المتقون کا الذی جاء بالصدق وصدق به سے ربط وتعلق یہ ہوگا کہ صدق لانے والے بھی رسول گرامی ﷺ اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی گرامی قدر، لیکن ان کے صدق اور تصدیق کے فیوض وبرکات سے (حضرت ابوبکر صدیق اکبر) بھی بن گئے اور ان کے علاوہ بہتیرے نئے صدیق پیدا ہو گئے اور کامل متقی وپرہیز گار بھی پیدا ہو گئے مبتداء میں حال رسول ملحوظ رہا اور خبر میں متبعین و مطیعین کا حال ملحوظ رہا تو ان میں صدق بھی ثابت ہوا اور تصدیق بھی متحقق ہوئی، پھر متقی ہونا بھی متفرع ہو گیا تو اندریں صورت بھی حضرت ابوبکر سرفہرست ہیں اور مقدم و مفضل لہذا ان کی افضلیت پر استدلال واضح ہو گیا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد:

قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال الکلبی وابو العالیة الذی جاء بالصدق رسول اللہ ﷺ وصدق به

بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ و کذالك ذکرالزجاج قول علی رضی اللّٰہ عنہ و کذا
ی عن أبی ھریرۃ۔ (تفسیر مظھری جلد۸ص ۲۱۵)

"کلبی اور ابو عالیہ نے کہا کہ الذی جاء بالصدق سے مراد رسولِ گرامی ﷺ ہیں اور
دق بہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور زجاج نے مولائے مرتضی سے بھی ایسے ہی نقل
ہے کہ (اول سے) رسولِ گرامی ﷺ اور (ثانی سے) صدیق اکبر مراد ہیں اور حضرت
ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے"

تراض :

والوجه فی العربیة أن یکون جاء وصدق لفاعل واحد لأن التغایر یستدعی
مار "الذی" وذا غیر جائز أو اضمار فاعل من غیر تقدم ذکرو ذابعید۔

جواب:

قلت کیف یحکم بعدم جواز حذف الموصول وقد روی من علماء
فسیر من الکلبی و أبی العالیة وقتادۃ ومقاتل ما ذکرنا وورد فی شعر حسان بن
بت رضی اللّٰہ عنہ :

أمن یھجو رسولَ اللّٰہ منھم ویمدحه وینصرہ سواء

فان التقدیر "أمن یھجو ومن یمدح سواء"

وال:

عربی قاعدہ کی رو سے جاء کا اور صدق کا فاعل ایک ہونا چاہیے، کیونکہ جاء
بالصدق کے فاعل رسولِ گرامی ﷺ اور صدق بہ کے فاعل ابوبکر ہوں تو دوسرا الذی مقدر
ماننا لازم ہوگا اور یہ جائز نہیں، یا فاعل کی ضمیر بغیر مرجع کے ماقبل میں مذکور ہونے کے لازم آئے

گی اور یہ بھی بعید ہے۔

جواب:

میں کہتا ہوں کہ موصول کے حذف کو جائز نہ ماننا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ حالانکہ علماء تفسیر سے موصول کا حذف منقول ہے اور وہ ہیں کلبی، ابوالعالیہ، قتادہ اور مقاتل، نیز حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار میں موصول کا حذف وارد ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: کیا وہ شخص جو رسول گرامی ﷺ کی ہجو کرتا ہے اور وہ جو مدح وثناء اور تعریف وتوصیف کرتا ہے برابر ہوسکتے ہیں تو اصل عبارت یوں ہوگی: أمن یهجو ومن یمدحه سواء تو معطوف سے موصول کو حذف کردیا گیا ہے، لھذا یہ بہانہ کارگر ثابت نہیں ہوسکے گا کہ صدق به سے ابوبکر صدیق مراد ہوں تو موصول کو معطوف میں محذوف ماننا پڑے گا اور ضمیر فاعل کا مرجع مذکور ہوئے بغیر ضمیر کا ذکر لازم آئے گا کیونکہ موصول کا حذف جائز نہ ہوتا تو حضرت حسان کے فصیح وبلیغ کلام میں اس کو حذف کیوں کیا جاتا؟ جب کہ موصول محذوف مانے بغیر اس شعر کا کوئی مطلب بن ہی نہیں سکتا کیونکہ ہجو کرنیوالے اور مدح کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے یہ حکم تبھی درست ہوگا جب دو شخص ہوں گے ایک مدح کرنے والا اور دوسرا ہجو کرنے والا، نیز دیگر علمائے تفسیر کے علاوہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ تفسیر منقول ہے اور آپ علم نحو کے بانی اور موسس ہیں تو ان سے یہ قاعدۂ عربیہ کیسے مخفی اور پوشیدہ رہ گیا اور آپ سے بڑا مفسر قرآن اور ہو بھی کب سکتا ہے تو انہوں نے الذی جاء بالصدق کے مصداق اور صدق به کے مصداق الگ الگ کیوں مانے؟

(۴) تفسیر معالم التنزیل میں امام بغوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

قال الکلبی وأبو العالیة والذی جاء بالصدق رسول اللہ ﷺ وصدق به أبو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ (جلد ٤ ص ٩)

"یعنی قول باری تعالیٰ الذی جاء بالصدق سے مراد رسول اکرم ﷺ ہیں اور

صدق بہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں"

امام سیوطی علیہ الرحمہ، تفسیر درمنثور میں فرماتے ہیں:

أخرج ابن جریر والماوردی فی معرفة الصحابة وابن عساکر من طریق
ید بن صفوان وله صحبة عن علی بن أبی طالب رضی اللّٰه تعالی عنه قال الذی
اء بالحق محمد ﷺ و صدق به أبوبکر هکذا الروایة بالحق لعلها قراءة لعلی
ی اللّٰه عنه

ابن جریر نے اس روایت کی تخریج کی اور ماوردی نے معرفة الصحابہ میں اس کو
کیا اور ابن عساکر نے بھی اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا جبکہ ان کو شرف
ت حاصل ہے اور وہ اس روایت کو علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا
ی جاء بالحق سے مراد رسول کریم علیہ السلام ہیں اور صدق بہ سے حضرت ابوبکر صدیق
د ہیں اور روایت میں بالحق کا لفظ ہے (بجائے بالصدق کے) شاید یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
اءت ہے" (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۳۲۸)

) علامہ سید محمود آلوسی صاحب فرماتے ہیں:

قال علية وأبو العالية والکلبی وجماعة الذی جاء بالصدق هو الرسول ﷺ
ذی صدق به أبوبکر وأخرج ذالك ابن جریر والماوردی فی معرفة الصحابة وابن
ساکر من طریق أسید بن صفوان وله صحبة عن علی المرتضی رضی اللّٰه عنه۔

"علیة، ابو العالیہ، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت نے فرمایا کہ الذی جاء
الصدق سے مراد رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور الذی صدق بہ سے مراد حضرتِ صدیق اکبر ہیں
ر ابن جریر نے بھی اس کا اخراج کیا اور ماوردی نے معرفة الصحابہ میں اس کو نقل کیا اور ابن
ساکر نے اسید بن صفوان سے نقل کیا جن کو صحابیت کا شرف حاصل ہے کہ انہوں نے علی مرتضی

رضی اللہ عنہ سے اس تفسیر کو نقل فرمایا"

سوال:

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مراد ہونے کا قول بھی موجود ہے اور الذی جاء بالصدق سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہوں اور صدق بہ سے مراد رسول گرامی ﷺ ہوں یا الذی صدق بہ سے مراد اتباع کی جماعت ہو اور الذی جاء بالصدق سے انبیاء علیہم السلام کی جماعت مراد ہو تو اس قدر احتمالات کے ہوتے ہوئے ایک قول کو دلیل بنانے کا کیا جواز ہے؟ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ دوسرا احتمال پایا جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے، اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

جوابِ اول:

تفسیری اقوال میں سے ہر ایک قول کے ساتھ استدلال صحیح ہوتا ہے کیونکہ استدلال باحد التفاسیر علیحدہ امر ہے اور استدلال باحد الاحتمالات علیحدہ امر ہے ورنہ لازم آئے گا کہ مفسرین نے اکثر آیات کے مصداق بیان کرتے ہوئے جو متعدد اقوال ذکر کیے ہیں تو گویا قرآن مجید کی حجیت کو ہی سرے سے ختم کر کے رکھ دیا ہے۔

فاضل سیالکوٹی حضرت علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ اپنے حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

فھو استدلال باحد وجھی التفسیر ولیس استدلال بالمحتمل۔(ص ۱۵۰)

"یہاں پر تفسیر کی دو وجہوں میں سے ایک وجہ کے ساتھ استدلال ہے نہ کہ دو احتمالوں میں سے ایک احتمال کے ساتھ"

لھذا وجوہِ تفاسیر اور وجوہ محتملہ میں فرق کرنا ضروری ہے۔

وابُ الثانی:

جب خود مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ نے صدق بہ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق کو
ایا تو ان کی اپنی تفسیر کے برعکس خود آپ کو اس کا مصداق بنا دینا کیوں کر موزوں اور مناسب
؟ بلکہ آپ کی تفسیر گویا اجماع کے درجہ میں ہے کیونکہ حضرت صدیق کا وصال ہو گیا تھا اور
ہ کرام پر گویا وصالِ نبوی والی قیامت کے بعد دوسری قیامت قائم ہو چکی تھی اور ہر کوئی
وقطار رو رہا تھا اس دوران آپ تشریف لائے روتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون
تے ہوئے ، آپ نے حضرت صدیق کی خدمت اقدس میں بہت طویل ہدیۂ اخلاص اور
انہ عقیدت پیش کیا جس میں یہ تصریح بھی موجود ہے:

صدّقتَ رسولَ اللّٰہ ﷺ حین کذّبہ الناس فسمّاك اللّٰہ عزوجل صدیقًا فی
زیلہ والذی جاء بالصدق وصدق بہ الذی جاء بالصدق محمد ﷺ وصدق بہ
بکر الخ ۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر، ریاض النضرہ، ازالۃ الخفاء المجلد الاول ص : ٦٩)

قال وسکت الناس حتی انقضی کلامہ ثم بکوا حتی علت أصواتھم
الوا صدقتَ یاختن رسول اللّٰہ ﷺ۔ (ص ٧٠)

"اے ابوبکر صدیق! تم نے رسولِ اکرم ﷺ کی اس وقت تصدیق کی جس وقت کہ
لوں نے آپ کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی نازل فرمودہ کتاب میں صدیق کا نام دیا پس
رمایا والذی جاء بالصدق وصدق بہ الذی جاء بالصدق محمد ﷺ ہیں اور صدق بہ
وبکر صدیق ہیں، اسید بن صفوان فرماتے ہیں کہ جب امیر المومنین علی نے بولنا شروع کیا تو سبھی
وگ خاموش ہو گئے حتی کہ آپ کا کلام اختتام پذیر ہوا تو پھر رونے لگے اور ان کی آوازیں بلند
ہونے لگیں اور سبھی نے کہا، اے رسول گرامی ﷺ کے داماد! تم نے سچ کہا ہے"

معلوم ہوا کہ یہ تفسیر تمام صحابۂ کرام کی طرف سے مصدقہ تفسیر ہے اور خود بابِ مدینۂ علم کی تفسیر ہے اور جو قرآنِ مجید سے مراد باری تعالیٰ کے خلاف تفسیر کرے وہ دوزخ کا ایندھن ہے کما قال النبی ﷺ من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار۔ تو آپ سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ مرادِ باری تعالیٰ کے برعکس تفسیر کریں؟؟؟

اور بالخصوص اپنے امتیاز و اختصاص کو خود ہی ختم کریں اور اپنا امتیاز واختصاص کسی دوسرے کے حوالے کر دیں، لہذا راجح تفسیر یہی ہے تو اس کو مقامِ استدلال میں پیش کرنے پر کسی وہم وسوسہ میں مبتلا ہونے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، جبکہ صیغہ والذی جاء بالصدق میں بھی واحد ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذات ہی اس کا مصداق ہے اور صدق به بھی صیغۂ واحد ہے لہذا اس کا مصداق بھی واحد ہونا چاہیے اور وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو مولائے مرتضی کی اس اجماعی تفسیر کے ساتھ متعین و متشخص ہو چکے اور چونکہ باقی تصدیق کرنے والے حضرات بھی بالتبع شامل ہو گئے تو اولئك هم المتقون میں جمع کے ساتھ تعبیر کا جواز واضح ہو گیا ہے جیسے کہ کہا جائے نزل الامیر موضعا کذا تو ساتھ لشکر کا نزول بھی بالتبع ثابت ہو جائے گا۔

ولیس هذا من الجمع بین الحقیقة والمجاز۔

(روح المعانی)

یہ حقیقت ومجاز کو جمع کرنے اور بیک وقت ایک لفظ سے حقیقی اور مجازی معنی مراد لینے کے قسم میں داخل نہیں۔

نیز اگر صدق به میں عموم والا معنی مراد ہو تو بھی حضرتِ صدیق اکبر کا ذکر بطور تمثیل کرنا اور عام کا اپنے بعض افراد پر مقصور ٹھہرانا اس نکتہ کی بنا پر ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو آزاد مردوں میں سے اور صاحبِ ثروت اور صاحبِ عزوجاہ ہوتے ہوئے آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل

ئے اور دعوتِ اسلام پر کسی طرح تردد اور تذبذب کا اظہار نہیں کیا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ
اس انتظار میں تھے کہ کب آپ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مجھے حلقۂ غلامی میں داخل
نے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور پھر صرف خود حلقۂ غلامی میں داخل نہیں ہوئے بلکہ مکہ
ہ کے متعدد قبائل کے سرکردہ افراد کو بھی مصطفوی چوکھٹ پر سرنگوں کیا اور حلقۂ اسلام میں ان
ل کیا گویا جاء بالصدق میں اصل محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ہیں تو اس صدق
تبلیغ کی اشاعت میں آپ ثانی اثنین کے درجہ پر فائز ہیں اور صرف خود قلبی اور لسانی
ق نہیں اپنا رہے ہیں بلکہ تصدیق کروا بھی رہے ہیں اور فرمانِ رسول ﷺ ہے:

من سنّ فی الاسلام سنةً حسنةً فله أجرها وأجر من عمل بها من بعده من
ن ینقص من أجورهم شیء

"جو شخص بھی اسلام میں اچھا طریقہ قائم کرتا ہے تو اسے اس کا ثواب بھی ملے گا اور اس
رنے والے تمام لوگوں کی مانند بھی اجر و ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے اجور و ثوابات
ئی کمی کی جائے"

تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ اسلام میں سبقت، بہت بڑی سنتِ حسنہ ہے لہـذا
ت تک اسلام لانے والوں کو جس قدر اجر و ثواب ملتا رہے گا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
ی طور پر اتنا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام والی سنت بھی امت
سے سب پہلے آپ نے قائم کی ہے تو قیامت تک کے داعیانِ اسلام اور مبلغین دین کو جو
اب ملے گا اکیلے حضرت صدیق کو ان کے برابر اجر و ثواب مل جائے گا۔

اس لحاظ سے آپ کا ذکر بالخصوص کیا جاتا ہے ورنہ حصر کا دعویٰ بھی کسی صورت نہیں پایا
ر مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کے مصداق ہونے کا انکار بھی کون کرتا ہے بلکہ علمائے کرام کی
سے مختلف روایات میں تطبیق ہی اسی طرح دی گئی ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں اور آزاد مردوں میں سے سب سے اول ابوبکر صدیق اور غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ اور بچوں میں سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہم اجمعین لیکن چونکہ حضرت صدیق کا اسلام لانا دین اسلام کی عظمت وشوکت کے ظہور کا سبب بنا اور نبی مکرم ﷺ کے لیے سکون واطمینان اور فرحت وراحت کا موجب بنا تو اس لیے باقی اولیتیں اس اولیت کے مقابل قابلِ اعتداد اور لائق التفات نہیں ہوسکیں اور اسی اولیت کو ہی سب پر غلبہ حاصل ہوگیا اور باقی اولیتیں آپکی اولیت میں گم ہوگئیں۔

تنبیہ :

حضرت ورقہ رضی اللہ عنہ نے پہلے پہل کہا ان ھذا لبدء نبوتہ یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے تو ان کے اس فرمان کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی مشرف باسلام ہوئیں اور نبی مکرم ﷺ نے بھی بعد ازیں نبوت کا اظہار فرمایا تب دوسرے حضرات حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو ان کو اول المسلمین شمار نہ کرنا بندہ کی سمجھ سے بالاتر ہے لیکن اول المسلمین ہونا موجب افضلیت تب ہوگا جب اسلام کی تبلیغ واشاعت پائی جائے اور بانی اسلام ﷺ کی مالی اور جانی خدمات پائی جائیں اور ان میں امتیازی وانفرادی حیثیت حاصل ہوجائے جیسے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اسلام میں سبقت۔ ھذا والحمدللہ تعالی۔

افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر پر پانچویں قرآنی دلیل

یۃ الخامسۃ:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى
اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ۔ (التوبہ، 9:40)

''اگر تم اُن کی مدد نہیں کرو گے (تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمادے گا) پس تحقیق اس نے
لی بھی اس محبوب کی) مدد فرمائی جب کہ انہیں کافروں نے (شہر مکہ سے) نکال دیا درآں
لے کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب کہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب کہ وہ اپنے
ب ورفیق کو فرما رہے تھے غم نہ کرو بے شک اللہ کی ذات پاک ہم دونوں کے ساتھ ہے پس
عالیٰ نے ان پر طمانیت وتسکین کو نازل فرمایا''

استدلال:

ہجرتِ نبویہ کے اس کٹھن اور مشکل ترین سفر میں تمام تر مشکلات اور شدائد کا مقابلہ
تے ہوئے حضرت صدیق کا نبی مکرم ﷺ کا ساتھ دینا اور اس رفاقت ومصاحبت کو کما حقہ
نا، اپنی جان کو خطرات سے دوچار کرنا بیوی اور بچیوں کی عزت اور بچوں کی جان تک آپ کے
قربان کرنے پر تیار ہو جانا بہت بڑی امتیازی اور انفرادی قربانی ہے اور عظیم ترین جہاد ہے جو
ب کے لیے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہونے کا موجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا آپ کو صاحب
ل ﷺ ہونے کا اعزاز بخشا اور نبی مکرم کا ذات باری کی معیت کا مژدہ دینا اور آپ کے حزن
ل کو دور کرنا اور اس خطرہ سے۔ جو کفار کے غار تک پہنچ جانے اور ذاتِ رسول ﷺ کو نقصان

پہنچا سکنے کی وجہ سے لاحق ہو چکا تھا۔ تحفظ کی بشارت دینا اور اللہ تعالےٰ کا ان پر طمانیت و تسکین نازل فرمانا بہت بڑا اعزاز و امتیاز ہے اور افضل الصحابہ ہونے کی عظیم دلیل و برہان ہے، اب مفسرین کرام کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) علامہ آلوسی کی تفسیر:

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

''حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اجاگر کرتے ہوئے اور ان کی خصوصی خدمات پر ان کو نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم ان (رسول گرامی) کی امداد نہ کرو (غزوہ تبوک میں تو اللہ تعالیٰ ان کو امداد و اعانت مہیا کر دے گا) کیونکہ اس نے اس وقت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی جب انہیں کفار مکہ نے شہر سے نکالا جبکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصاحب اور رفیق کو فرما رہے تھے غم نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے ساتھ ہے (حفظ و پناہ اور امداد و نصرت کے لحاظ سے) پس اللہ تعالیٰ نے اسباب امن اور سامان تسکین نازل فرمایا ان پر''

اس آیتِ کریمہ میں ہجرت کے موقع پر سیدنا صدیق اکبر کا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کرنے اور ایسے خوفناک اور ہلاکت خیز مقامات میں حبِ خدا اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنے آپ کو خطرات میں جھونکنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے درپیش ابتلاء و امتحان میں ثابت قدم رہنے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کا حق ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن پر عظیم فضل و احسان کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت خاصہ سے بہرہ ور ہونے کا''

بیانِ فوائد:

قول باری تعالی: الا تنصروه الخ میں سب مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف
تاب کا اظہار ہے ماسوائے ابوبکر صدیق کے کیونکہ وہ اس موقع پر آپ کے ساتھ رہے اور
ح کی خدمت سرانجام دیتے رہے، چنانچہ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

عاتب اللّٰہ سبحانه المسلمين جميعًافى نبيه ﷺ غير أبى بكر وحده فانه
من المعاتبة۔

حکیم ترمذی نے حضرت حسن سے نقل کیا:

قال عاتب اللّٰہ جميع أهل الأرض غيرأبى بكر رضى اللّٰہ عنه

حضرت سیدنا حیدر کرار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان اللّٰہ ذمّ الناس كلهم ومدح أبابكر فقال الا تنصروه

خلاصۂ مفہوم تینوں ارشادات کا یہی ہے کہ جن حضرات نے کفار ومشرکین کے جور وظلم
ک آکر اپنے آپ کو تکالیف وشدائد سے بچالیا لیکن نبی مکرم ﷺ کو کفار کی تغلیظ وتشدید
راء وایلام میں مبتلا ہونے کی حالت میں چھوڑ گئے تو ان کے رویہ پر اللہ تعالی نے شکوہ فرمایا
س کے انتہائی غیر مناسب ہونے پر برہمی کا اظہار فرمایا سوائے ابی بکر کے کیونکہ اس کٹھن
ین ترین صورت حال میں انہوں نے ساتھ دیا اور حق صحبت ادا کیا اور ہر طرح کی قربانی پیش
نے میں دریغ نہیں کیا (روح المعانی ص۸۹ ج۱۰)

امام رازی نے فرمایا:

كل من سوى أبى بكرفارقوا رسول اللّٰہ أماهو فما سبق رسول اللّٰہ كغيره
ر على موانسته وملازمته وخدمته عندهذاالخوف الشديد الذى لم يبق معه
و ذالك يوجب الفضل العظيم (تفسير كبيرص۳۹ ج ٦)

"سبھی مہاجرین رسول کریم ﷺ سے جدا ہو گئے سوائے ابوبکر کے صرف انہوں نے

آپ سے سبقت نہ کی بلکہ آپ کو انس صحبت مہیا کرنے حاضر بارگاہ رہنے اور خدمت میں مصروف رہنے کا اپنے آپ کو پابند کیا ایسے شدید خوف وخطرات کے موقعہ پر جبکہ کوئی ایک بھی آپ کے پاس نہیں رہ گیا تھا اور یہ صورتِ حال حضرت ابوبکر کے لیے فضل عظیم اور شرفِ جلیل کی موجب ہے"

(۲) قول باری تعالی اذیقو ل لصاحبہ میں آپ کے صاحبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر نص ہے ولم یثبت ذالك لأحد من أصحاب رسول الله ﷺ و کونه المراد من الصاحب مما وقع علیه الاجماع

"یہ امتیاز اور اختصاص کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں ہوسکا اور صاحب کے لفظ سے آپ کا مراد ہونا اجماعی امر ہے"

جیسے کہ قول باری اسریٰ بعبدہ میں عبد سے مراد ذاتِ رسول علیہ السلام ہونا متفق علیہ امر ہے، و من ھھنا قالوا ان انکار صحبتہ کفر اس لیے علمائے کرام اور ائمۂ عظام نے فرمایا کہ ان کے صحابی ہونے کا انکار کفر ہے لیکن دوسرے حضرات میں سے کسی کے صحابی ہونے کا انکار بدعت ہے نہ کہ کفر"

(روح المعانی ص۸۹ جلد ۸، سراج منیر ص۳۹۹ جلد۲، روح البیان ٤٥٥ جلد ۳)

اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ یہ صحبت صرف لغوی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ فداکاری اور جانثاری کے اعلیٰ مظاہرہ والی صحبت ہے جس میں دوسرا کوئی صحابی آپ کے ساتھ شامل نہ ہوسکا جب کہ ایسے مشکل اور سنگین حالات میں اچھے بھلے دوست اور یار بھی دوستوں یاروں کو چھوڑ جاتے ہیں۔

(۳) یہ آیۂ کریمہ حضرت صدیق اکبر کے صاحبِ صدق و اخلاص اور محبّ و فدائی ہونے کی عظیم ترین دلیل ہے، امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ غار کی طرف منتقل ہوئے تھے

نہ کہ کفاران کے شہید کردینے کا پروگرام بنارہے تھے اگر آپ کو حضرت صدیق کے باطن اور
کیفیت کا حتمی اور قطعی علم نہ ہوتا کہ یہ برحق مومن اور صادق وصدیق لوگوں میں سے ہیں تو
خطرناک موقعہ پر کبھی ان کو اپنا مصاحب نہ بناتے کیونکہ ان کے ظاہر کا ان کے باطن کے
ف ہونے کا آپ کو ذرا بھر شبہ بھی ہوتا تو ان سے بھی خوفزدہ ہوتے کہ وہ میرے دشمنوں کو مخبری
دیں، (جب کہ تین دن رات ان کے بیٹے اور غلام بھی حاضر خدمت ہوتے رہے اور خورد
ش کا سامان بھی مہیا کرتے رہے) یا خود میرے قتل پر آمادہ نہ ہو جائیں،فلمّا استخلصه
سه فی تلك الحالة دل علی أنه علیه السلام کان قاطعًا بأن باطنه علی وفق
ره۔ (التفسیر الکبیر جلد٦ ص ٥٠)

"آپ ﷺ نے ان کو اس حالت میں اپنی ذات کی خدمت اور مصاحبت کے لیے
وص ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو قطعی علم تھا کہ ان کا باطن ان کے ظاہر کے مطابق
اور یہ سراپا صدق واخلاص ہیں"

) "ہجرت فرمائی آنخضرت ﷺ نے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور آپ کی بارگاہ میں
مین کی ایسی جماعت موجود تھی جو سلسلۂ نسب میں ابوبکر صدیق کی نسبت آپ کے بہت
یب تھے تو اللہ تعالیٰ نے آنخضرت ﷺ کو اس صعب ترین اور ہولناک موقعہ میں ان کو اپنا
احب اور ہم سفر بنانے کا حکم نہ دیا ہوتا تو ظاہر بلکہ حتمی امر یہی تھا کہ ان کو آپ اس مصاحبت
ے ساتھ مخصوص نہ ٹھہراتے لہذا اللہ رب العزت کا ان کو اس شرف وفضل کے ساتھ مخصوص ٹھہرانا
ن کے دین میں اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے کی قطعی دلیل ہے" (کبیر ص ١١)

م نکتہ:

رافضی کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے رہ جانے میں خطرہ تھا کہ آپ کے خلاف مکر وفریب
ور سازشوں سے کام لیتے اس لیے ساتھ رکھ لیا تو (ا) علامہ آلوسی نے اس کے رد میں فرمایا کہ

آیتِ کریمہ میں تو کوئی ایسا اندیشہ مذکور نہیں نہ صراحتًہ اشارۃً تو تمہیں کس طرف سے الہام ہوگیا ہے؟

ابوبکر صدیق نے اس وقت کیونکر نہ کفار کو دعوت دے دی جب وہ غار کے منہ پر پہنچ چکے تھے اس سے بڑا مفید اور کارآمد موقعہ بھی کوئی ان کے لیے ہوسکتا تھا اور اپنے آپ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے کہہ سکتے تھے کہ میں نے تو ان کی مصاحبت اسی مقصد کے لیے اختیار کی تھی کہ کسی حیلے بہانے سے ان کو تمہارے قبضہ واقتدار واختیار میں دوں، نیز اولاد اور خدام کو مخبری کا اشارہ کر دیتے جو بار بار وہاں حاضری دیتے تھے اور خورد ونوش والی ضروریات مہیا کرتے تھے لہٰـــذا واضح ہوگیا کہ یہ سراسر افتراء اور بہتانِ عظیم ہے واقعہ وحقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۴) جوابِ آں غزل کے طور پر اگر رافضی کے برعکس کوئی خارجی جو کہ دشمنان مرتضی ہیں وہ کہیں کہ علی ابن ابی طالب کو اپنے بستر پر سلانے میں نبی کریم ﷺ کو اپنا بچاؤ مطلوب نہیں تھا کیونکہ آپ تو ان کے سروں پر خاک ڈال کر ان کی آنکھوں کے سامنے سے بچ کر نکل گئے تھے بلکہ صرف اور صرف یہ مقصد تھا کہ علی بن ابی طالب کو اپنے بستر پر سلا دوں تا کہ وہ اس کو محمد بن عبداللہ سمجھ کر قتل کر دیں اور مجھے اس سے خلاصی مل جائے،

ولیس هذا القول بأعجب ولا أبطل من قول الشیعی۔

(روح المعانی ص ۹۱ جلد ۱۰)

''خارجی کا یہ قول شیعہ کے اس قول سے زیادہ تعجب خیز اور زیادہ باطل نہیں ہے''

لہٰذا ایسے ھذیانات اور افتراءات کا سہارا لینا قطعاً درست نہیں ہے۔

(۵) قول باری تعالی ثانی اثنین اذهما فی الغار میں ایک والے عدد کی دوسرے سے تکمیل اور محض ایک مکان میں اکٹھا موجود ہونا جو صالح اور طالح اور مومن وکافر میں مشترک ہوسکتے ہیں وہ مراد نہیں ہے، بلکہ قرینۂ مقام اور سیاق وسباق کو ملحوظ رکھنا لازم ہے اور اس صورت

حضرتِ صدیق کا فضل وشرف کھل کر سامنے آجاتا ہے کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ اعداء کے مکرو
ب سے بچنے کے لیے اس خلوت کے لائق مکان میں داخل ہوئے تو جب تک مکمل طور پر قابلِ
داور لائقِ اعتبار ہستی ساتھ نہ ہوتی یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ خاص طور جب دوسرے
ں نے بھی اپنے مصاحب محبوب کے لیے وطنِ مالوف اور خویش واقرباء کو ترک کر دیا ہو بلکہ
ں اور بچیوں کی عزت اور بچوں کی جان تک کو بھی اس رفاقت ومصاحبت کے حصول کے لیے
ن کر دیا ہو تو اس وقت اثنینیت اور ہم نشینی میں کیوں کر صدیق اکبر کا شرف وفضل اور
صاص وامتیاز نظر نہیں آئے گا جب کہ کفار کے سر غار پہنچ جانے پر محبوبِ کریم کو لاحق خطرہ کے
ت وہ ساتھی اور مصاحب سراپا حزن وملال بن چکا ہو اور عرض کر رہا ہو یا رسول اللہ ﷺ! دعا
یں اللہ ان کو اندھا کرے وہ نیچے دیکھیں گے تو ہم ان کو نظر آجائیں گے اور وہ خبثِ باطن اور
وتِ حق کے تحت حملہ آور ہو سکتے ہیں، میری جان گئی تو ایک جان جائے گی لیکن آپ کی جان
خطرناک صورت سے دوچار ہوئی تو نہ قرآن رہے گا اور نہ اسلام وایمان۔ اور محبوب ان کو تسلی
ے رہے ہوں لا تحزن ان اللہ معنا غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ ہمارا معاون ومددگار اور حامی وناصر
ہ اور فرما رہے ہوں ما ظنك باثنين الله ثالثهما تیرا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن
ے ساتھ حفظ وامان اور تسکین وطمانیت مہیا کرنے کے لیے تیسری اللہ تعالیٰ کی ذات ہو"

روری سوال وجواب:

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ حزن وملال طاعت تھا تو اس سے منع کرنا اور اس کو منھی عنہ ٹھہرانا
صوم نبی کی شان کے خلاف ہے اور معصیت تھا تو ابوبکر کی فضیلت کی بجائے تنقیص لازم آگئی تو
ں کو فضائل میں شمار کرنا کیونکر درست ہوا؟

واب اول:

یہ نہی اپنے حقیقی معنی میں یعنی تحریم میں مستعمل نہیں ہے بلکہ مقصود تسلی دینا ہے کہ یہ اعداء دین ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ جیسا قادر وقدیر اور ہمہ مقتدر معاون ومددگار ہمارے ساتھ ہے!!

جوابِ ثانی:

اگر یہ حزن عصیان اور اثم تھا تو تسلی دیتے وقت یہ کیوں فرمایا اللہ تعالیٰ جس طرح میرے ساتھ ہے اس طرح تیرے ساتھ ہے، کیا اثم وعصیان اللہ تعالیٰ کی معیت اور امداد واعانت کے حصول کا ذریعہ بن سکتے ہیں؟

جوابِ ثالث:

نہی اور امر امورِ اختیاریہ میں وارد ہوتے ہیں جبکہ حزن وملال امر اختیاری نہیں ہے تو نہی کا حقیقی معنی یہاں پر مراد لینا قطعاً درست نہیں ہے۔

جوابِ رابع:

ہم بھی بطورِ جدل کہہ سکتے ہیں ایسے ارشاد انبیاء کرام اور بالخصوص سید الانام ﷺ کے حق میں بھی وارد ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا لَاتَخَافَا اِنَّنِی مَعَکُمَا (طہ، 46:20) خوفزدہ نہ ہونا بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں محبوب کریم علیہ السلام کو فرمایا: لَایَحْزُنْکَ قَوْلُھُمْ اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا(یونس، 65:10) ان دشمنان دین کی باتیں آپ کو غم زدہ نہ کریں، بے شک عزت وغلبہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے (جو تمہارا حامی وناصر ہے) تو یہاں بھی وہ شقیں جاری کر کے اللہ تعالیٰ کو طاعت سے روکنے کا مرتکب ٹھہرائیں یا ان معصومین کو مجرم وعاصی ٹھہرائیں، نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات

نیز اللہ تعالیٰ حبیبِ پاک ﷺ کو لا یحزنک قولھم فرمائے اور حبیبِ کریم

لصدیق کو لاتحزن فرما کر تسلی دیں تو جو مقام آنحضرت کا بارگاہِ خداوند تعالیٰ میں ہے گویا
مقام آپ کا حبیبِ خدا ﷺ کی بارگاہ میں ہے فهو حبيب حبيب الله تعالى ﷺ
مدلله على ذالك- جو کہ آپ کے لیے بہت بڑا اعزاز اور امتیاز ہے-

رازی اور علامہ سماعیل حقی کا فرمان:

امام رازی اور علامہ اسماعیل حقی رحمہما اللہ نے ثانی اثنین والی شان صدیقی کی وسعت
کرتے ہوئے فرمایا:

اس آیتِ کریمہ میں حضرت صدیق کے صدیقیت والے مقام و مرتبہ کی بلندی و برتری
ن ہے اور ان کے قدیم الصحبت ہونے کا (1) آپ عالمِ ارواح میں بھی ثانی اثنین
بکہ عدم سے وجود کی طرف منتقل ہوئے (2) حالتِ ہجرت میں بھی ثانی اثنین ہیں (3) غار
ں بھی ثانی اثنین ہیں (4) امامت و خلافت میں بھی ثانی اثنین ہیں (5) قبرانور میں بھی
اثنین ہیں (6) قبروں کے انشقاق اور اہل قبور کی برآمدگی میں ثانی اثنین ہیں (7) دخولِ
کے لحاظ سے ثانی اثنین ہیں (8) نیز تبلیغ اسلام میں بھی ثانی ہیں اور حضرت عثمان حضرت
ضرت زبیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہم آپ کی تبلیغ سے
ف باسلام ہوئے-

قول باری تعالی لاتحزن ان الله معنا حضرت صدیق کی عظیم فضیلت کی دلیل ہے
بیب کریم ﷺ ان کو تسلی اور دلاسہ دے رہے ہیں اور بطورِ سبب و علت اللہ تعالیٰ کی معیت کا
ہ سنا رہے ہیں کہ غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی
طرح میرے ساتھ ہے اسی طرح تیرے ساتھ بھی ہے- اور اس جیسے رحیم و کریم اور محبِّ
ں کی معیت و رفاقت از روئے امداد و نصرت جب ہمیں حاصل ہے تو غمزدہ ہونے کی ضرورت
ں ہے اور یہ وہ اعزاز ہے کہ جو کسی نبی نے بھی اپنے کسی امتی کو نہیں بخشا، حضرتِ موسیٰ علیہ

السلام بنی اسرائیل کو مصر سے وطن سابق فلسطین کی طرف منتقل ہونے کے لیے اپنے ہمراہ لے کر نکلے، پیچھے سے فرعون نے سولہ لاکھ فوج کے ساتھ ان کا تعاقب کیا، جب اسرائیلیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو چلا اٹھے اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء، 26:61) ہم تو فرعون اور اس کی فوج کے ہاتھوں ہلاکت سے دوچار ہو چکے، آپ نے ہمیں مروا ہی دیا اس سے بہتر تھا کہ مصر میں ہی رہتے خواہ ذلت وخواری والے کام بھی کرتے رہتے یعنی سڑکیں صاف کرنا ان پر جھاڑو دینا اور لیٹرینیں صاف کرنا ہی ذمے رہتا، اب تو جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ رہے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: كَلَّا اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ (الشعراء، 26:62) ہم ہرگز فرعونی لشکر کے ہاتھوں ہلاکت سے دوچار نہیں ہو سکتے کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے جو میرا معاون ومددگار اور حامی وناصر ہے اور میری لاج رکھنے والا ہے۔ گویا چھ لاکھ بنی اسرائیل میں سے کسی کو بھی رب العزت کی معیت والے اعزاز واکرام میں اپنے ساتھ شامل نہ فرمایا، لیکن محبوب نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات مقدسہ ہے تو آپ نے ان کو بھی اس معیتِ خاصہ میں شامل فرمایا ہے اس اعزاز سے محروم نہیں فرمایا۔

کلامِ کلیم اور کلامِ حبیب علیہما السلام کا موازنہ:

(گویا آنحضرت ﷺ کا تعلق محض ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اور منعم کی ذات کے ساتھ ہے لیکن نعمت تربیت کے واسطہ سے نہیں جبکہ حضرت کلیم) کا تعلق اس منعم حقیقی کے ساتھ نعمت تربیت کے واسطہ سے ہے نیز اللہ اسم ذات ہے اور رب اسم صفت ہے تو نبی مکرم ﷺ کے صدقے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتیہ حاصل ہو رہی ہے اگرچہ حبیب مکرم ﷺ کو اصالۃ اور آپ کو بالتبع۔ علاوہ ازیں سید المحبوبین ﷺ کے کلام میں "اللہ" کا ذکر پہلے ہے اور اپنا اور صدیق کا ذکر بعد میں، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں معی کا لفظ پہلے ہے ربی کا بعد میں ہے۔ گویا ان کی پہلی نظر اپنی ذات پر اور اس کے ذریعے رب تعالیٰ

پر جوکہ سیر الی اللہ کا مقام ہے، اور نبی مکرم ﷺ کی پہلی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور دوسری اپنی اور صدیق کی ذات پر جوکہ سیر فی اللہ کا مقام ہے اور بطفیل مصطفےٰ کریم ﷺ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا عکس و پرتو پڑ رہا ہے اور یہ اعزاز کسی نبی کے کسی امتی کو حاصل نہ ہوسکا سوائے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔

"فانزل الله سکینته علیه میں علیه کی ضمیر کا مرجع کون ہیں اور نزول سکینہ کا محل کون ہیں؟ رسول گرامی ﷺ یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عقل و نقل کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت صدیق اس ضمیر کا مرجع ہوں کیونکہ مرجع قریب تر ہونا چاہیے اور وہ صاحبه کا لفظ ہے۔ نیز جب حزن وملال سے دوچار وہی ہیں تو سامان تسکین بھی ان کا ہونا چاہیے، آپ ﷺ تو بفضله تعالی پہلے ہی سے سراسر سکون واطمینان کا مجسمہ تھے علاوہ ازیں آپ خود خوف زدہ ہوتے اور حزن وملال سے دوچار ہوتے تو حضرت صدیق کو تسلی کیسے دے سکتے تھے پھر انداز کلام بھی یوں ہونا چاہیے تھا فانزل الله سکینته علیه فقال لصاحبه لاتحزن ان الله معنا تو اپنے حبیب کا غم غلط کرنے کے لیے اللہ تعالی نے ان پر سکینت نازل کر دی تب انہوں نے اپنے صاحب سے فرمایا غم نہ کھاؤ بیشک اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے۔ نہ کہ آپ کی طرف سے اپنے یار غار کی تسلی وطمانیت کا سامان پہلے ہو جاتا اور آپ پر تسلی اور طمانیت کا نزول بعد میں ہوتا جو کہ سراسر طبعی تقاضا اور مقتضائے عقل کے خلاف ہے"

لیکن بہت پتہ کی بات علامہ آلوسی کی معلوم ہوتی ہے کہ ذاتیں دو ہیں جب کہ ضمیر واحد کی ذکر کی گئی خواہ مرجع اس کا سرور کائنات ہوں یا سرور صدیقین، مقام کا اقتضا یہی تھا کہ فرمایا جاتا علیهما لیکن وحدتِ ضمیر اس پر دلالت کر رہی ہے کہ دونوں میں وحدتِ کاملہ پائی گئی ہے حضرت ابوبکر فنا فی الرسول اور بقا بالرسول کے مقام پر تھے اور نبی مکرم ﷺ کا وجود اقدس ہی ان کا وجود تھا اور صدیق کا وجود ہی مظہر وجودِ رسول ﷺ تھا کما قال الله تعالی : اَللّٰهُ

وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ (التوبہ، 62:9) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ لوگ انہیں راضی کریں۔

لیکن یرضوھما فرمانے کی بجائے یرضوہ فرما کر اس وحدت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، جب اللہ کریم حضرت صدیق کو اس بلند و بالا مقام پر فائز فرمائے کہ جو وحدت معیت نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہے وہ وحدت معیت حضرت صدیق کو عطا فرمائے تو ہمیں تنگ دل ہونے کی بجائے شرح صدر کے ساتھ اس پر ایمان لانا چاہیے اور صدیق اکبر کی افضلیت کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے۔ والحمدللّٰہ علی ذالک

سوال:

کالی رات ہو اور کفار مشرکین بیتِ رسول ﷺ کا احاطہ کیے ہوں اور ان کی جان کے دشمن بھی ہوں تو ایسی خطرناک صورتحال میں بستر رسول ﷺ پر لیٹنا اور کفار کو اپنے خیال میں مشغول رکھنا اور رسولِ خدا ﷺ کے لیے محفوظ مقام تک پہنچنے کا موقعہ فراہم کرنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی عظیم ترین قربانی اور آپ کے شرف و فضل کی بین برہان ہے۔

الجواب، اولاً:

ہم مولائے مرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی اس فضیلت کے دل و جان سے قائل و معترف ہیں، لیکن حضرتِ صدیق کے ساتھ اس موقع پر آپ کی برابری بھی ثابت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ سبقت ثابت ہو سکے۔ اولاً: حضرت صدیق مصاحبتِ رسول ﷺ کی وجہ سے ہمہ وقت حاضر خدمت تھے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غائب اور ایسی بارگاہِ ناز کے حاضر باش کی شان غائب سے بہر حال اعلیٰ ہے۔

ثانیاً: حضرت علی نے وہ محنت و شدت صرف ایک رات تک برداشت فرمائی جب تک کفار

کو معلوم نہ ہوسکا کہ بستر پر آرام کون کر رہا ہے جب علم ہو گیا تو آپ سے انہوں نے تعرض اور چھیڑ چھاڑ نہیں کی، لیکن حضرت صدیق تین دن رات صرف غار میں محنت ومشقت سے دوچار ہیں جب کہ بعد والے سفر کے شب وروز کی دو ہفتہ کے قریب تک محنت ومشقت مزید برآں ہے تو ان کے امتحان وابتلاء کے ساتھ پیارے حیدر کرار کے ابتلاء وامتحان کی برابری نہیں ہوسکتی۔

ثـالـثـا: حضرت صدیق دعوتِ توحید ورسالت میں مشغول بھی رہے اور اس کے ساتھ مشہور بھی تھے اور ان کی دعوتِ توحید ورسالت پر اکابر صحابہ نے دینِ مصطفوی قبول کیا اور رسالت مآب ﷺ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہوئے اور آپ کفار ومشرکین کے ساتھ مقدور بھر نزاع ومخاصمت سے بھی کام لیتے رہتے تھے اور اپنی جان اور مال کے ساتھ نبی مکرم ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے رہتے تھے جب کہ حضرت علی بن ابی طالب اس وقت صغیر السن تھے اور نہ آپ کی طرف سے دعوتِ اسلام کا ظہور ہوا نہ دلیل وبرہان سے اور نہ ہی سیف وسنان سے کیونکہ جہاد وقتال کا اذن تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد پایا گیا، یعنی اعلان نبوت کے بعد چودھویں پندرھویں سال، لہـــــذا ہجرت سے قبل اور حالت ہجرت میں ان کا کوئی کمال ظاہر نہ ہوسکا تو اندریں حالت ان کفار کے حضرت صدیق پر غیظ وغضب اور دشمنی وعدوات کی شدت کا مولائے مرتضی کی نسبت شدید ترین ہونا ظاہر وباہر ہے۔

رابـعـاً: جب کفار کو معلوم ہو گیا کہ اس بستر پر محوِ خواب علی بن ابی طالب تھے تو ان کے ساتھ ہاتھا پائی اور مار پٹائی تک بھی نوبت نہ پہنچی جب کہ ان دونوں مصاحبوں اور رفیقوں کے تعاقب میں شیوخ و شباب بوڑھے اور نوجوان سیوف وسنان ہاتھوں میں لیے ادھر ادھر دوڑ بھاگ رہے تھے اور ان کی جانوں کے دشمن بھی بنے ہوئے تھے اور سو سو اونٹ دینے کے اعلان بھی قاتلوں یا گرفتار کرنے والوں کے لیے کر رہے تھے:

فعلمنا أن خوف أبی بکر علی نفسه فی خدمة محمد ﷺ أشد من خوف علی کرم اللہ وجهه فکانت تلك درجة أفضل وأکمل

(التفسیر الکبیر جلد ٦ ص ٥٤)

''تو ہمیں معلوم ہو گیا خدمتِ رسالت مآب ﷺ میں حضرت صدیق کو اپنی جان پر بہت خوف واندیشہ تھا بنسبت علی مرتضیٰ کے اپنی جان پر خوف واندیشہ کے تو ان کی اس خدمت اور فداکاری کا درجہ و مرتبہ بہت ہی فائق و برتر اور افضل و اعلیٰ اور اتم و اکمل ہے''

حضرت علی کی تفضیل حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہم) پر بدعت ہے:

الغرض یہ آیتِ کریمہ بھی حضرت صدیق کے افضل الامۃ ہونے کی واضح دلیل ہے اسی لیے علامہ اسماعیل حقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ جو شخص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبِ رسول ﷺ ہونے اور ان کے ان مشکلات و مصائب اور مہالک و شدائد میں مصاحب ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے کلام اللہ کا انکار کیا:

ولذا قالوا من أنکر صحبة أبی بکر فقد کفر لانکاره کلام اللہ تعالی

نیز فرماتے ہیں:

الروافض اذا کانوا یسبون الشیخین (أبا بکر وعمر) و یلعنونهما یکفرون واذا کانوا یفضلون علیًّا علیهما یکونون مبتدعین والمبتدع صاحب الکبیرة۔

(روح البیان ص ٤٥٥ جلد ٣)

''اور ایسے ہی روافض کفر کا شکار ہو جاتے ہیں جب کہ شیخین یعنی ابی بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سب و شتم کرتے ہیں اور ان پر لعن طعن کرتے ہیں اور جب حضرت علی رضی

اللہ عنہ کو ان پر فوقیت وفضیلت دیتے ہیں تو بدعتی ہو جاتے ہیں اور مبتدع کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور فسق اعتقادی میں مبتلا ہوتا ہے"

تنبیہ نبیہ:

جب مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق پر فضیلت دینا بدعت اور بہ مقتضائے فرمانِ رسول ﷺ: کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار ہر بدعت گم راہی ہے اور ہر گم راہی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے تو یہ تفضیل بھی از روئے شریعتِ مطہرہ اور نظریہ اسلاف بدعت ہے تو ہر ایک صحابی کی دوسرے صحابہ پر فضیلت کو جائز رکھنا اور شیعہ وسنی کے اجماع مرکب کی مخالفت کرتے ہوئے ہر صحابی کے حق میں وارد کسی صحابی کے قول کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفضیل کو جائز رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اہل سنت بالاتفاق حضرت صدیق کو افضل الامم تسلیم کرتے ہیں اور اہل تشیع مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو، لہذا یہ تیسرا قول اس اجماع مرکب کی خلاف ورزی ہے اور اجماع کے خلاف خبر واحد یعنی حدیثِ رسول ﷺ بھی وارد ہو اور تطبیق ممکن نہ ہو تو اجماعی راستہ ترک کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ خبر واحد کو ترک کرنا لازم ہوگا، چہ جائیکہ کسی صحابی کا قول جو محتملِ تاویل بھی ہو اس میں تاویل کو روا نہ رکھا جائے بلکہ اجماع کو نظر انداز کر دیا جائے؟؟

جیسا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس بدعت کا اختراع بھی کیا ہے اور اس کے اجرا اور نفاذ پر مصر بھی ہیں اللہ ھو الھادی، خود بھی اسلاف کے متفق علیہ اور اجماعی راستہ کو جو کہ صراطِ مستقیم ہے چھوڑ چکے ہیں اور اہل اسلام کو بھی اس راہِ راست اور صراطِ مستقیم سے ہٹانے میں کوشاں ہیں۔ گویا "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے" والا معاملہ ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

قاضی ثناء اللہ مظہری پانی پتی کا فرمان:

تفسیر مظہری میں لاتحزن ان اللہ معنا کے تحت فرماتے ہیں:

قال الشیخ الأجل الشہید مظہرفیوض الرحمٰن مرزاجان جاناں رحمہ اللہ تعالی رحمةً واسعةً کفی لأبی بکر فضلًا أن رسول اللہ ﷺ أثبت لأبی بکر معیة اللّٰہ سبحانہ التی أثبتھا لنفسہ بلا تفاوت فمن أنکر فضل أبی بکر أنکرھذہ الآیة الکریمة و کفر ولم یکن حزن أبی بکر رضی اللہ عنہ جبنًامنہ کما قالت الروافض لعنھم اللّٰہ بل کان اشفاقاً علی رسول اللہ ﷺ وقال ان أقتل فأنا رجلٌ واحدٌ وان قتل النبی ﷺ ھلکت الأمة۔ (جلد٤ ص٢٠٨)

"شیخ اجل شہید، مظہر فیوض الرحمان مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے فضل وشرف کے ثبوت وتحقق کے لیے یہی امر کافی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اللہ تعالیٰ کی وہی معیت ابوبکر صدیق کے لیے ثابت فرمائی جو کہ اپنی ذات کے لیے ثابت فرمائی بغیر کسی تفاوت کے، لھـــذا جو شخص ابوبکر صدیق کے فضل وشرف کا منکر ہے گویا وہ اس آیتِ کریمہ کا منکر ہے اور کافر ہے، حضرت ابوبکر صدیق کا حزن وملال بزدلی کی وجہ سے نہیں تھا جیسے کہ روافض لعنھم اللّٰہ نے کہا ہے، بلکہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم پر شفقت کی وجہ سے تھا اور آپ کا کہنا تھا کہ اگر میں قتل کردیا گیا تو میں ایک مرد ہوں (جو ہلاکت سے دوچار ہوں گا) لیکن نبی کریم ﷺ شہید ہوگئے تو ساری امت ہلاکت سے دوچار ہو جائے گی"

کذا فی تأویلات أھل السنة للامام أبی منصورالبغدادی۔لم یکن حزن أبی بکرعلی نفسہ ولکن اشفاقا علی رسول اللہ ﷺ أن یصاب و کذاروی فی الخبر أنہ قال لرسول اللّٰہ یارسول اللہ انک ان تصب یذھب دین اللہ و لایعبداللہ علی وجہ الارض۔ (جلد٢ ص٤١٠)

وکذا فی الدرالمنثور للامام سیوطی رحمۃ اللہ تعالے۔

جلد ۳ ص ۲۳۹)

دیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد پر آپ کے فنا فی الرسول ہونے کا عکس و پر

قالت أسماء خرج أبوبكر بماله كله خمسة آلاف درهم قال البلاذرى
ن مال أبى بكر يوم أسلم أربعين ألف درهم فخرج الى المدينة للهجرة وماله الا
مسة آلاف درهم أوأربعة آلاف درهم فبعث ابنه عبدالله فحمله الى الغارقالت
خل علينا جدى أبوقحافه وقد ذهب بصره قال والله انى لأراه قد ذهب بماله مع
سه قالت قلته كلا يا أبت انه ترك لنا خيرًا كثيرًا۔

(جلد ٤ ص ٢٠٩، ٢١٠)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں حضرت ابوبکر اپنا سارا مال ساتھ لے
ہجرت فرما گئے، علامہ بلاذری کہتے ہیں جس وقت آپ اسلام لائے تو آپ کا مال چالیس
ر درہم تھا (جو مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنے پر اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ ہو گیا،
ینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو پانچ ہزار یا چار ہزار درہم بچا ہوا تھا تو آپ نے
نے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ اس بقیہ مال کو اٹھا کر غار ثور میں لے گیا حضرت اسماء فرماتی
ا اس دوران ہمارے دادا جان ہمارے ہاں آئے اور ان کی بینائی جا چکی تھی تو کہا بخدا میں سمجھتا
ں کہ ابوبکر خود بھی چلا گیا ہے اور اپنا سارا مال بھی ساتھ لے گیا ہے میں نے کہا ہرگز نہیں اے
جان انہوں نے ہمارے لیے خیر کثیر کو چھوڑا ہے اور جہاں حضرت صدیق درہم رکھا کرتے تھے
ں پر ٹھیکریاں وغیرہ رکھ کر کپڑے کی موٹی تہہ جما کر دادا جان کا ہاتھ اوپر رکھا جب انہوں نے

ہاتھ اوپر رکھا تو کہا لا بأس ان کان ترك لكم هذا لقد أحسن و فی هذا بلاغ لكم ولاو الله ماترك لنا شيئاً ولكن أردت أن أسكن الشيخ

"کوئی اندیشہ نہیں اگر وہ تمہارے لیے اتنا قدر چھوڑ گئے ہیں تو بہت اچھا کیا اور اس میں تمہاری گزر بسر کے لیے کفایت ہے، حالانکہ بخدا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا لیکن میں نے اپنے اس بزرگ کی تسکین قلب کے لیے اس طرح کیا اور اس طرح کہا"

فائدہ:

حضرتِ اسماء کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ پورا گھرانہ حضرتِ صدیق کی طرح رسول گرامی ﷺ کا فدائی بنا ہوا تھا بجائے اس کے کہ حضرت صدیق کو خود کہتے ہمارے لیے بھی کچھ چھوڑ جاؤ ہم نے ہوا کھا کے جینا ہے یا مٹی چاٹ کے خود بھی جا رہے ہو اور سارا مال بھی لے جا رہے ہو، الٹا دادا جان کو بھی اس حیلے بہانے سے مطمئن کر رہی ہیں سچ کہا گیا ہے:

پروانے کو چراغ ہے اور بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے خدا کا رسول بس

بلکہ پورے گھرانے کے لیے ہے خدا کا رسول بس، اور الولد سر لأبيه کی عملی تصویر حضرت صدیق کی اولاد نے پیش کر دی ہے، رضی اللہ تعالی عنہم۔

دعائے حبیب علیه الصلوة والسلام:

رات غار کے سوراخ اور درزیں بند کرنے کے لیے فالتو کپڑا اپھاڑ پھاڑ کر ان کو بند کرتے رہے تو صبح سرورِ کونین ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا کپڑا کدھر گیا عرض کیا اس مصرف میں کام آیا ہے تو آپ نے دعا فرمائی:

فرفع رسول الله ﷺ يديه وقال اللهم اجعل أبابكر معی فی درجتی فی

نة فأوحی اللّٰہ تعالی الیه قداستجاب اللّٰہ لك۔ (جلد۲ ص ۲۱۰)

”آنحضرت ﷺ نے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے اور کہا اے اللہ ابوبکر کو میرے ساتھ
ت میں میرے درجہ ومقام میں رکھنا تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا
رف اجابت وقبولیت بخش دیا ہے“

(کذا فی الدرالمنثور جلد۳ ص۲۴۲ بروایة انس بن مالك رضی اللہ عنه اخرجه ابن
ویه)

مہ قرطبی کا فرمان:

امام أبوعبداللّٰہ محمد بن أحمد أنصاری قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع
حکام القرآن میں فرمایا:

قال تعالی اذیقول لصاحبه، قال بعض العلماء من أنکر أن یکون
مروعثمان أوأحد من الصحابة صاحب رسول اللّٰہ ﷺ فهو کذّاب مبتدع ومن
کر أن یکون أبوبکر رضی اللّٰہ عنه صاحب رسول اللّٰہ ﷺ فهو کافرلأنه رد نص
قرآن۔ (جلد۸ ص۱۳۳)

”بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضرت عمر فاروق حضرت عثمان یا کسی صحابی
کے صاحبِ رسول ﷺ ہونے کا انکار کرے وہ کذاب اور بدعتی ہے، لیکن اگر حضرت ابوبکر کے
صاحبِ رسول ﷺ ہونے کا انکار کرے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کو رد کردیا ہے“

قول باری تعالیٰ لاتحزن کے تحت فرمایا

قالت الامامیة قبّحها اللّٰہ تعالے حزن أبی بکر فی الغار دلیل علی جهله
ونقصه و ضعف قلبه و خرقه و أجاب علمائنا عن ذالك بأن اضافة الحزن الیه لیس
بنقص الخ۔

"امامیہ شیعہ نے کہا کہ غار میں ابوبکر کا غم زدہ ہونا دلیل ہے ان کے جہل اور نقص قلبی ضعف اور کم عقلی کی، ہمارے علمائے کرام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ حزن وملال ان میں کسی نقص اور کم زوری کی دلیل نہیں ہے، جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا خوفزدہ ہو جانا ملائکہ کو بشری حالت میں اپنے سامنے موجود دیکھ کر قرآن مجید فرماتا ہے نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ (ھود، 70:11) "ان کو اجنبی اور غیر مانوس جانا اور خوفزدہ ہو گئے تو انہوں نے کہا ڈریے نہیں" اسی طرح موسیٰ علیہ السلام میں ڈر اور خوف نے نقص پیدا نہیں کیا فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهٖ خِيفَةً مُّوسٰى (طہٰ، 67:20) موسیٰ علیہ السلام دل ہی دل میں خوفزدہ ہو گئے قُلْنَا لَا تَخَفْ (طہٰ، 68:20) "ہم نے کہا ڈرو مت" اس ڈر اور خوف نے حضرت لوط علیہ السلام میں کوئی نقص پیدا نہ کیا- قال تعالیٰ : لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ (العنکبوت، 33:29) "غم گین نہ ہونا بیشک ہم تجھے اور تمہارے گھر والوں کو خلاصی دینے والے ہیں"

فهولاء العظماء صلوات الله عليهم قد وجدت عندهم التقية نصًّا ولم يكن ذالك طعنًا عليهم ووصفًا لهم بالنقص و كذالك فى أبى بكر ثم هى عند الصديق احتمال فانّه قال لو أن أحدهم نظر تحت قدميه لأبصرنا

"یہ عظیم ترین ہستیاں ہیں جن میں خوف کا ثبوت وتحقق نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے لیکن یہ خوف واندیشہ ان کے حق میں موجب طعن نہیں اور ان کے ناقص ہونے والے وصف نقصان کا موجب نہیں تو حضرت ابوبکر صدیق میں بھی اس کا ثبوت موجب طعن اور باعث نقص نہیں ہے، نیز ابوبکر صدیق میں یہ حزن بطور احتمال اور امکان ثابت ہے کہ اگر کفار نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھا تو ہمیں دیکھ لیں گے اور تکلیف پہنچا سکیں گے، تو احتمالی اور امکانی صورت میں موجب طعن اور سبب نقص کیونکر ہوگا؟ جبکہ بالفعل تحقق کی صورت میں انبیاء علیہم السلام جیسی عظیم ہستیاں کے لیے موجب نقص اور سبب طعن وتشنیع نہیں ہے"

راب ثانی:

حزن الصدیق انما کان خوفًا علی النبی ﷺ أن یصل الیه ضرر ولم یکن
بی ﷺ فی ذالك الوقت معصومًا وانما نزل علیه واللّٰه یعصمك من الناس
مدینة ۔

"حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کولاحق ہونے والاحزن وملال اپنی ذات کی وجہ سے نہیں
بلکہ نبی مکرم ﷺ کوضرر لاحق ہوسکنے کی وجہ سے تھا کیونکہ اس وقت تک نبی مکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ
طرف سے جان کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی تھی بلکہ یہ آیتِ کریمہ مدینہ منورہ میں نازل
ی جس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا"

قوله تعالی: ان الله معنا،

ابن العربی نے کہا ہمیں ابوالفضائل العدل نے کہا کہ ہمیں جمال الاسلام ابوالقاسم
نے کہا:

قال موسی علیه السلام ان معی ربی سیهدینی وقال فی محمد ﷺ لا
حزن ان اللّٰه معنا۔لا جرم لما کان اللّٰه مع موسی وحده ارتدأصحابه بعده فرجع
ن عند ربه فوجد هم یعبدون العجل ولما قال فی محمد ﷺ لا تحزن ان اللّٰه معنا
ی أبوبکر مهتدیا موحداًعالمًا حازمًا قائمًا بالأمر ولم یتطرق الیه اختلال۔

(جلد ۸ ص ۱۳٤)

"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے فرعون اور اس لشکر سے ڈر اور خوف کو دور کرنے
کے لیے فرمایا ہم ہرگز فرعون کی طرف سے ہلاکت سے دوچار نہیں ہوسکتے کیونکہ میرے ساتھ میرا
ب ہے وہ مجھے منزلِ مقصود تک پہنچائے گا اور نبی کریم ﷺ کے حق میں حضرت صدیق کو تسلی
یتے وقت فرمایا غم نہ کھاؤ بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے، تو ضروری امر ہے کہ جب اللہ

تعالیٰ صرف موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا تو ان کے ساتھی ان کے بعد مرتد ہو گئے اور جب وہ طور سے لوٹے تو قوم بچھڑے کی پوجا پاٹ کر رہی تھی اور جب نبی کریم ﷺ کے حق میں فرمایا: لا تحزن ان اللہ معنا تو ابوبکر صدیق ہدایتِ کاملہ پر اور توحیدِ خداوندی پر ثابت قدم رہے اور علم قطعی اور یقین سے موصوف رہے، اللہ تعالیٰ کے امر پر قائم رہے اور ذرہ بھر خلل آپ کی طرف راہ نہ پاسکا"

اقول:

بلکہ مرتدوں کو راہِ راست پر لائے اور جھوٹے نبیوں اور ان کے متبعین کو نیست و نابود کیا ،منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور بیک وقت اتنے محاذ کھل جانے پر ذرہ بھر گھبراہٹ محسوس نہیں کی، بلکہ لچک پیدا کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کو بھی ڈانٹ پلائی اور سرورِ عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد غوثیتِ عظمیٰ اور قطبیتِ کبریٰ کے مقام پر بھی فائز ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی دینی و دنیاوی اور روحانی و جسمانی خلافت کے محمع البحرین بن گئے، والحمدلله على ذالك

قوله تعالى " ثانى اثنين "-قال بعض العلماء فى قوله تعالى ثانى اثنين اذهما فى الغار مايدل على أن الخليفة بعدالنبى ﷺ أبوبكر الصديق رضى الله عنه لأن الخليفة لايكون أبداًالا ثانياًوسمعت شيخنا الامام أباالعباس أحمد بن عمر يقول انما استحق الصديق أن يقال له ثانى اثنين لقيامه بعدالنبى ﷺبالأمر كقيام النبى ﷺ به أولًا-وذالك أن النبى ﷺ لما مات ارتدت العرب كلها ولم يبق الاسلام الا بالمدينة ومكةوجواثا فقام أبوبكر يدعو الناس الى الاسلام ويقاتلهم على الدخول فى الدين كما فعل النبى ﷺ فاستحق من هذه الجهة أن يقال فى حقه ثانى اثنين -

"بعض علماء فرماتے ہیں قول باری تعالی ثانی اثنین اذھما فی الغار کے متعلق

۔اس میں دلالت ہے اس امر پر کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکر صدیق ہیں کیونکہ خلیفہ ہمیشہ
نی ہی ہوا کرتا ہے اور میں نے اپنے شیخ امام ابو العباس احمد بن عمر کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت
بکر صدیق ثـانـی اثـنـین کہلانے کے حق دار اس لیے ہوئے کہ امر اسلام کو قائم کرنے والے
ہرے جیسے کہ پہلی دفعہ اس کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب محبوبِ کریم
یہ السلام کا وصال ہو گیا تو سارا عرب مرتد ہو گیا اور نہ رہا اسلام مگر مدینہ منورہ مکہ مکرمہ اور جواثا
میں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو دعوتِ اسلام دینے کا فریضہ ادا کرنے لگے اور ان کے خلاف
ین اسلام میں دوبارہ داخل ہونے کے لیے جہاد کرنے لگے جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و
شرکین کے خلاف جہاد فرمایا، لہٰذا اس پہلو سے آپ ثانی اثنین کہلانے کے حق دار ٹھہرے،

قـلـت وقـد جـاء فی السنة أحادیث صححیة یدل ظاهرها علی أنه الخلیفة
بعـده وقـدانـعـقـد الاجـمـاع علی ذالك ولم یبق منهم خالف والقادح فی خلافته
مقطوع بخطئه وتفسیقه وهل یکفر أم لا اختلف فیه والأظهر تکفیره۔والذی یقطع
من الکتاب والسنة وأقوال علماء الأمة ویجب أن تؤمن به القلوب والأفئدة فضل
الصدیق علی جمیع الصحابة ولامبالاة بأقوال أهل التشیع ولا أهل البدع فانهم بین
مکفر تضرب رقبته وبین مبتدع مفسق لا تقبل کلمته۔ثم بعد الصدیق عمر الفاروق
ثم بـعـده عـثـمـان رضـی الـلّـه عـنـهـم روی البخاری عن بن عمر رضی اللّٰه عنهما
والـجمهور منهم علی تقدیم عثمان علی علیّ وروی عن مالك أنه توقف فی ذالك
وروی عنه أیضا أنه رجع الی ما علیه الجمهور وهو الأصح۔

(تفسیر قرطبی جلد۸ص ۱۲۵)

"میں کہتا ہوں کہ سنت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں جو واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ
ابوبکر صدیق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہیں اور اسی پر اسلاف کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور

کوئی ان میں سے پیچھے نہ رہا (بیعت کرنے سے حتی کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ انصار کی طرف سے خلافت کے امیدوار تھے انہوں نے بھی بیعت کر لی) اور جو شخص آپ کی خلافت پر اعتراض اور تنقید کرنے والا ہے اس کا خطا کار ہونا اور فاسق ہونا یقینی اور قطعی امر ہے۔ آیا کافر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اس کو کافر قرار دیا جائے"

افضلیتِ صدیق اکبر اجماعی امر ہے:

"اور جو امر کتاب وسنت سے اور علمائے امت کے اقوال سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے اور جس پر قلوب وفواد کا ایمان لانا واجب ٹھہرتا ہے وہ ابو بکر صدیق کا تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل ہونا اور اہل تشیع اور اہل بدعت کے اقوال کی اس معاملہ میں کوئی پروا نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ یا تو ایسے کافر ہیں جو واجب القتل ہیں یا ایسے بدعتی ہیں جو فاسق وفاجر ہیں جن کی کوئی بات قابل قبول نہیں ہے"

حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت عمر فاروق افضل ہیں پھر ان کے بعد عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہم امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابۂ کرام کے درمیان فضل وشرف کے لحاظ سے ترتیب اور درجہ بندی سے کام لیتے تھے پس سب سے خیر وبرتر حضرت ابو بکر کو ٹھہراتے تھے پھر حضرت عمر کو بعد ازاں حضرت عثمان کو (رضی اللہ عنہم) اہل سلف میں سے ائمہ کا حضرت عثمان اور حضرت شیر خدا کے درمیان تفضیل میں اختلاف ہے لیکن ان میں سے جمہور کے نزدیک حضرت عثمان فضل وشرف میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما پر مقدم ہیں۔ حضرت امام مالک سے ان کے درمیان تفضیل میں توقف مروی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اور یہی اصح ہے"

ئدہ:

امام قرطبی کے قول کے مطابق از روئے قرآن وسنت اور اقوالِ علماء حضرت صدیق
کوسب صحابہ کرام سے افضل ماننا واجب ولازم ہے اور اس عقیدہ میں مخالفت کرنے والے
ر ہیں یا بدعتی اور فاسق وفاجر لوگ ہیں۔
تو پھر سنی ہونے کے مدعی کو تفضیلِ صدیق اکبر میں ریب وتردد کا اظہار بلکہ عوام اہل
ت کو بھی شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا قطعاً روا نہیں ہے اور بالخصوص آل رسول ﷺ ہونے کے
ے داروں کو ایسی دوغلی پالیسی قطعاً زیب نہیں دیتی۔

قوله تعالى فانزل الله سكينته عليه:

اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ کو نازل فرمایا، اس میں دو قول ہیں، نبی مکرم ﷺ پر اسے
ل فرمایا یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر۔

قال علماء نا هو الأ قوى لأنه خاف على النبى عليه السلام من القوم فأنزل
سكينته عليه بتأمين النبى فسكن جاشه وذهب روعه وحصل الأمن

"قوی ترین قول یہی ہے بقول ہمارے علمائے کرام کے کیونکہ حضرت صدیق کو ہی نبی
م ﷺ کے حق میں قوم کفار کی طرف سے خوف لاحق تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت کو
ل فرمایا، نبی مکرم ﷺ کے حفظ وامان کی ضمانت دے کر تو ان کا دل پر سکون ہو گیا اور خوف
یشہ زائل ہو گیا اور امن وسکون حاصل ہو گیا"

مہ علاء الدین علی بن محمد المعروف بالخازن کے بیان فرمودہ
ندونکات :

فيه فضيلة لابى بكررضى الله عنه من اوجه منها اللفظ الدال علىٰ ان الله

ثالثهما منها بذله نفسه ومفارقته اهله وماله ورياسته فی طاعة الله وطاعة رسوله ﷺ وملازمته النبی ومعاداة الناس فيه ومنها جعله نفسه وقاية عنه وغيرذالك ۔

اس قول باری تعالٰی میں کئی وجوہ سے حضرت ابوبکر کی فضیلت ثابت ہورہی ہے۔

اول:

ایسے الفاظ کا استعمال جن سے اللہ تعالٰے کا انکا ثالث ہونا ثابت ہورہا ہے

ثانی:

حضرت صدیق کا اپنی ذات کو نبی مکرم پر قربان کرنا اور اہل وعیال، مال ومنال اور زیر تصرف اشیاء سے علیحدگی اختیار کرنا اطاعت خداوندی اور اطاعت مصطفوی میں اور نبوی مصاحبت کا التزام کرنا اور آپکی خاطر سب کفار سے عداوت رکھنا۔

ثالث:

اپنی ذات کو نبی اکرم ﷺ کے لیے ڈھال بنانا وغیر ذالک۔

(جلد۲ ص ۲٤۰)

منها أن النبی ﷺ لما اختفی فی الغار من الكفار كان مطلعا علی باطن أبی بكر ن الصديق فی سره واعلانه وأنه من المؤمنين الصادقين الصديقين المخلصين فاختار صحبته فی ذالك المكان المخوف لعلمه بحاله۔

رابع:

نبی محتشم ﷺ جب غار میں کفار سے بچاؤ کے لیے چھپے تو آپ ابوبکر صدیق کے ظاہر وباطن پر پوری طرح مطلع تھے اور جانتے تھے کہ وہ مومنین صادقین اور مخلصین میں سے ہیں تبھی اس خوفناک مکان میں ان کی صحبت کو اختیار فرمایا ان کی حالتِ ظاہرہ وباطنہ کے یقینی علم کے بعد

منها ان هذه الهجرة كانت باذن الله فخص الله بصحبة نبيه ابابكر دون

ہ من اھله وعشیرته وھذا التخصیص یدل علیٰ شرف ابی بکر وفضله علیٰ غیره۔

س:

یہ ہجرت اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن سے تھی تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق کو اپنے
ب نبی کی صحبت کے ساتھ مختص ٹھہرایا دوسرے قرابت داروں اور رشتہ داروں میں سے اور یہ
یص ابوبکر صدیق کے دوسرے حضرات پر شرف وفضل کی بین دلیل ہے۔

منھا أن اللّٰه عاتب أھل الأرض بقوله الا تنصروه فقد نصره اللّٰه سوی أبی
ر الصدیق وھذا دلیل علی فضله۔

دس:

اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین والوں پر عتاب فرمایا اور ان سے گلہ فرمایا اپنے قول
ے ساتھ کہ "اگر تم نے اس محبوبِ مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امداد ونصرت نہیں کی تو خود اللہ تعالے نے ان
ی امداد فرمادی ہے" سوائے ابوبکر صدیق کے (کیونکہ وہ اس امداد ونصرت میں سب کچھ قربان
ر رہے تھے) تو یہ بھی حضرت صدیق کے شرف وفضل کی دلیل ناطق ہے۔

منھا أن سیدنا أبابکر رضی اللّٰه عنه لم یتخلف عن رسول اللّٰه ﷺ فی سفر
لا حضر بل کان ملازما له وھذا دلیل علی صدق محبته وصحة صحبته له۔

سابع:

سیدنا صدیق اکبر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی پیچھے نہیں رہے نہ سفر میں اور نہ حضر
میں جدا ہوئے، بلکہ ہمہ وقت صحبت کا التزام کیا اور یہ بھی دلیلِ فضل ہے آپ کے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
میں صادق ہونے کی اور مقبول الصحبت ہونے کی۔

منھا أنه سبحانه وتعالی جعله ثانی رسول اللّٰه ﷺ بقوله ثانی اثنین اذھما
فی الغار وفی ھذا نھایة الفضیلة لأبی بکر رضی اللّٰه عنه وقد ذکر بعض العلماء أن

أبابکر کان ثانی رسول اللہ ﷺ فی أکثر الأحوال۔

ثامن:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ کا ثانی قرار دیا ہے ساتھ اپنے اس ارشادِ گرامی کے ثانی اثنین اذھما فی الغار اوراس میں ابوبکر صدیق کی غایت درجہ کی فضیلت ہے اور بعض علماء کرام نے بیان فرمایا کہ ابوبکر صدیق اکثر حالات میں رسول کریم ﷺ کے ثانی تھے۔

(ا) رسول گرامی ﷺ نے مخلوق کو ایمان لانے کی دعوت دی تو سب سے پہلے ابوبکر صدیق ایمان لائے پھر ابوبکر صدیق نے لوگوں کو توحید باری تعالیٰ اور رسالتِ مصطفےٰ کریم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت شروع فرمائی تو ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے حضرت عثمان حضرت طلحہ، حضرت زبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم ایمان لائے تو آپ نے ان کو بارگاہِ نبوی میں حاضر کیا (تو اس طرح آپ تبلیغِ اسلام میں ثانی ٹھہرے)

(ب) نبی اکرم ﷺ غزوات میں جس مقام پر قیام پذیر ہوتے تھے ابوبکر صدیق اسی مقام پر آپ کے ساتھ موجود تھے۔

(ج) جب رسولِ معظم ﷺ بیمار ہوئے تو ابوبکر امامت میں آپ کے قائم مقام بنے اور آپ کے ثانی ٹھہرے۔

(د) مزارِ پرانوار میں آپ کے ثانی ہیں جو کہ ابوبکر صدیق کے عظیم فضل وشرف کی دلیل ہے۔

منھا أن اللہ سبحانہ نص علی صحبة أبی بکر دون غیرہ بقولہ سبحانہ وتعالیٰ اذیقول لصاحبہ لاتحزن۔

تاسع:

اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق کے صاحبِ رسول ﷺ ہونے کی نص صریح نازل فرمائی
جبکہ اور کسی کو یہ امتیاز حاصل نہ ہوسکا جبکہ فرمایا کہ جس وقت وہ محبوب اپنے صاحب سے فرما رہے
تھے غم گین نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

منها أن الله سبحانه وتعالیٰ كان ثالثهما ومن كان الله معه دل على فضله
وشرفه على غيره ۔

عاشر:

اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کے ساتھ تیسرا تھا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو تو یہ
اس کی دوسروں پر افضلیت وفوقیت کی دلیل ہے۔

منها انزال سكينته على أبي بكر واختصاصه بها دليل علىٰ فضله والله
أعلم۔

حادي عشر:

سکینت کا آپ پر نازل کیا جانا اور آپ کو اس کے ساتھ مخصوص ٹھہرایا جانا بھی آپ کے
فضل وشرف کی دلیل ناطق اور برہان صادق ہے۔ واللہ أعلم

(جلد۲ ص۲۴۴)

امام ابو البرکات النسفی کا فرمان:

لا تحزن ان الله معنا قيل لما طلع المشركون فوق الغار فأشفق أبو بكر
على رسول الله ﷺ فقال ان تصب اليوم ذهب الدين فقال عليه السلام ما ظنك
باثنين الله ثالثهما ۔

(حاشیه خازن ص ۲۴۰)

”کہا گیا ہے کہ جب مشرک لوگ غار سے اوپر چڑھ گئے تو حضرت ابوبکر خوف زدہ
ہو گئے نبی مکرم ﷺ کے متعلق اور عرض کیا کہ اگر آپ ...

خداوند تعالیٰ ختم ہو کر رہ جائے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا ان دو شخصوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تبارک وتعالیٰ ہو اور ان کا ناصر و مددگار اور محافظ و نگران ہو"

قالوا من أنكر صحبة أبی بكر فقد كفر لانكاره كلام الله وليس ذالك لسائر الصحابة ۔

"علمائے کرام نے فرمایا جس نے صدیق اکبر کے صاحب رسول ﷺ ہونے کا انکار کیا تو وہ کافر ہو گیا بسبب کلام اللہ کا انکار کرنے کے جب کہ دوسرے صحابۂ کرام کے لیے یہ حکم نہیں ہے (بلکہ ان کی صحابیت کا انکار بدعت ہے)

تنبیہ:

حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ امتیاز تقریباً تمام تفاسیر میں مذکور ہے حتی کہ علامہ زمخشری نے بھی کشاف میں یہی انکشاف فرمایا اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت اور اعزاز و امتیاز ہے۔

تفسیر القشیری المسمی لطائف الاشارات میں امام ابو القاسم عبدالکریم رحمه الله تعالے فرماتے ہیں:

قوله تعالىٰ اذيقول لصاحبه لاتحزن (الآية) ـفی الآية دليل على تحقيق صحبة الصديق رضی الله عنه حيث سماه الله سبحانه صاحبه وعدّه ثانيه ـوهو فی الايمان ثانيه وفی الغار ثانيه ثم فی القبر ضجيعه وفی الجنة يكون رفيقه

(جلد اول ص ۴۲۱)

"یہ آیتِ کریمہ دلیل ہے حضرت ابوبکر صدیق کی صحبت و معیت کی تحقیق پر جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صاحبِ رسول علیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ٹھہرایا اور اس اسم کے ساتھ موسوم اور اس وصف کے ساتھ موصوف ٹھہرایا اور ان کو محبوب کریم علیہ السلام کا ثانی شمار فرمایا،

ن میں ثانی ہیں غار میں ثانی ہیں قبر میں ان کے ساتھ محوِ استراحت ہیں اور جنت میں آپ کے
ں ہیں"

قـولـه فانزل الله سكينته عليه ـ الكناية فى الهاء من "عليه" تعود الى الرسول
يـه الـصـلـوة والسـلام ويـحـتـمل أن تكون عائدة الى الصديق رضى الله عنه فان
ـلـت عـلـى الصديق تكون خصوصية له من بين المومنين على الانفراد فقد قال
جل لجميع المومنين: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ ؛وقال للصديق
ى التـخـصـيـص فانزل الله سكينته عليه ـ كماقال النبى ﷺ ان الله يتحلى للناس
ةً ويتحلّى لأبى بكر خاصةً، وانما كان حزن الصديق ذالك اليوم لأجل الرسول
ة اشـفـاقـا عـلـيـه لا لأجـل نفسه ثم انه عليه السلام نفى حزنه وسلّاه بان قال لا
زن ان الله معنا، وحزن لا يذهب الا لمعية الحق لا يكون الا لحق الحق ـ

(جلد ۱ ص ۴۲۲)

"نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے سکینت ان پر"

علیہ میں مذکور ضمیر غائب، رسول گرامی ﷺ کی طرف راجع ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ
رت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو۔ اور اگر اس کا مصداق حضرت صدیق اکبر ہوں تو
ن کے لیے مومنین میں سے انفرادی خصوصیت ہوگی کیونکہ اللہ عزوجل نے تمام مومنین کے حق
ں فرمایا "اللہ وہ ذات والا صفات ہے جس نے نازل فرمایا سکینت کو مومنین کے قلوب میں" اور
رت صدیق کے لیے خصوصی طور پر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے سکینت ان پر نازل فرمائی جیسے کہ
ں مکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالےٰ قیامت کے دن بالعموم جلوۂ ذات اہل ایمان کو دکھلائے
لیکن ابوبکر پر خصوصی تجلی کے ساتھ ظہور فرمائے گا"

تنبیہ:

مختار قول یہی ہے کہ سکینت کا نزول حضرتِ صدیق پر ہوا کیونکہ رسول معظم ﷺ تو پہلے ہی پر سکون اور سراسر طمانیت تھے۔ کما صرح به کثیر من المفسرین۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حزن وملال اس دن صرف اور صرف رسول معظم ﷺ کے لیے تھا نہ کہ اپنی ذات کے لیے پھر تحقیق رسول معظم ﷺ نے ان کے حزن وملال کو دور فرمایا اور ان کو تسلی دی بایں طور کہ غم نہ کھاؤ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ہمارے ساتھ ہے اور وہ حزن وملال جو معیتِ حق کے بغیر اور اس کے اعلان واظہار کے بغیر زائل نہ ہو تو لامحالہ اور ضرور بالضرور حق تعالیٰ کے حق کے لیے ہوگا"

ویقال لما خلا الصدیق بالرسول ﷺ فی الغار وأشرقت علی سره أنوار صحبة الرسول علیه السلام ووقع علیه شعاع أنواره واشتاق الی الله تعالے لفقد قراره أزال عنه لواعجه بما أخبره من قربه سبحانه فاستبدل بالقلق سکونًا وبالشوق أنسًا وأنزل علیه من السکینة ما کاشفه به من شهود الهیبة۔

(جلد اول ص ۴۲۲)

"کہا جاتا ہے کہ جب حضرت صدیق کو رسول مکرم ﷺ کی غار میں خلوت نصیب ہوئی اور ان کی حقیقتِ روح پر صحبتِ رسول ﷺ کے انوار وتجلیات کا عکس وپرتو پڑا اور آپ کے انوار کی شعاع اس پر پڑی اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے سراسر اشتیاق بن گئے بسبب سکون وقرار کے مفقود ہونے کے تو آپ نے ان کے شعلہ ہائے شوق کو زائل فرمایا اللہ تعالیٰ کے قرب اور معیت کی خبر دے کر تو آپ کا قلق واضطراب سکون میں بدل گیا اور شوق انس میں تبدیل ہوگیا اور آپ پر سکینت کو نازل فرمایا اور اس کی بدولت مشاہدہ والی ہیبت وجلالت کو دور فرمادیا"

حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ کا فرمان:

تفسیر درِ منثور میں فرماتے ہیں:

أخرج ابن أبی حاتم وأبوالشیخ وابن مردویه والبیهقی فی الدلائل وابن
اكر فی تاریخه عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله تعالےٰ فانزل الله سکینته
قال علی أبی بكر رضی الله عنه لأن النبی ﷺ لم تزل السكينة معه ـ

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی: فانزل
سکینته علیه کی تفسیر میں فرمایا کہ نزول سکینت حضرت ابوبکر صدیق پر ہوا کیونکہ نبی مکرم
کے ساتھ تو ہمیشہ سے سکینت تھی"

:

یہی مضمون حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ابن مردویہ کی روایت کے مطابق
یب کی تاریخ میں نقل کردہ حبیب بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق
ور جلد۳ ص ۲٤٥) پر منقول ہے۔

أخرج ابن أبی شیبه وأحمد والبخاری عن أنس رضی الله عنه قال أقبل
ﷺ الی المدينة وهو يردف أبابكر رضی الله عنه وهو شيخ يعرف والنبی ﷺ
رف فكانوا يقولون يا أبابكر من هذا الغلام الذی بين يديك ؟ فيقول هاد
ی السبیل الخ۔

(جلد ۳ ص ٢٤٥)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ مدینہ منورہ کی طرف متوجہ
جبکہ آپ ابوبکر صدیق کو اپنے پیچھے سوار کیے ہوئے تھے، ابوبکر صدیق عمر رسیدہ بزرگ
ہوتے تھے اور راستہ پر آباد لوگ ان کو جانتے تھے جبکہ نبی رحمت ﷺ کو نہیں جانتے تھے تو وہ
سے دریافت کرتے تھے اے ابوبکر یہ نوجوان جو تمہارے آگے سوار ہے یہ کون ہے؟ تو آپ
کے جواب میں فرماتے یہ میرا رہبر ہے جو مجھے راہ دکھلاتا ہے"

فائدہ:

اللہ تعالےٰ کی اس عظیم امانت کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ لوگ سمجھیں گے زمین کی راہ دکھلانے والا بندہ ساتھ ہے جب کہ آپ کی نیت ہوتی تھی کہ اللہ تعالےٰ کی راہ دکھلانے والی ذات میرے ساتھ ہے تا کہ جھوٹ بول کر صدیقیت کی قربانی نہ دینی پڑے اور سچ بتلا کر اور واضح جواب دے کر آپ کی ذات کے لیے خطرہ نہ مول لیا جائے جو لوگ یہ بہتان باندھتے ہیں کہ ابوبکر غار میں روئے تا کہ کافر سن لیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیں انہیں ذرا اس سوال و جواب میں غور کرنا چاہیے اور عقل وانصاف سے کام لینا چاہیے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ابوبکر صدیق کے حق میں:

ابن ابی حاتم نے سالم بن معبد سے نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت صدیق کا ہاتھ مبارک پکڑ کر فرمایا:

من لہ هذه الثلاث اذيقول لصاحبه،من صاحبه اذهما فی الغار من هما تحزن ان الله معنا۔ (درمنثور جلد ۳ ص ۲۴۳)

"کون شخص ہے جس کو یہ تین اعزازت اور امتیازات حاصل ہیں اذيقول لصاحبه وہ صاحبِ رسول کون ہے؟ اذهما فی الغار وہ دونوں غار والے رفیق کون ہیں؟ وہ کون ہے جس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تسلی دے رہے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی معیت کا مژدہ سنا رہے ہیں؟

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادے نے ایک مجلس میں دعویٰ کیا جس میں حضرت صدیق کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکر موجود تھے:

واللّٰه ماكان لرسول الله ﷺ موطن الا وأبی معه فيه قال يا ابن أخی تحلف قال هلم قال بلی مالا ترده قال ثانی اثنين اذهما فی الغار

بخدا! رسول گرامی ﷺ جس مقام میں موجود ہوتے اور قیام فرماتے تو میرے والد
رامی آپ کے ساتھ ہوتے تھے، تو حضرت قاسم بن محمد نے فرمایا اے میرے بھتیجے قسم مت
ھایئے انہوں نے کہا دلیل لاؤ انہوں نے کہا ہاں ایسی دلیل پیش کروں گا کہ جس کو تم رد نہیں کر
سکوگے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''دو میں سے دوسرے جبکہ دونوں غار میں تھے'' تو اس مقام
ر موطن میں تمہارے ابا جان کب رسول معظم ﷺ کے ساتھ تھے بلکہ صرف اور صرف ابوبکر
صدیق ساتھ تھے''

خیثمہ بن سلیمان طرابلسی نے فضائل صحابہ اور ابن عساکر نے مولائے مرتضیٰ
رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے:

قال ان اللّٰہ ذم الناس کلھم ومدح أبابکر رضی اللّٰہ عنہ فقال (الا تنصروہ
فقد نصرہ اللہ (الیٰ) ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کی مذمت فرمائی اور ابوبکر صدیق کی مدح وثنا
فرمائی جبکہ فرمایا ''اگر تم نے میرے محبوب کی مدد نہیں کی تو خود میں نے ان کی مدد کردی جب کہ ان
کو کافروں نے اپنے وطن مالوف سے نکال دیا درآں حالے کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جبکہ وہ
دونوں غار میں تھے جب محبوب کریم اپنے مصاحب سے فرمارہے تھے غمگین نہ ہونا بیشک اللہ
تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے (اور ہمارا ناصر ومددگار ہے تو ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا)''

حکیم ترمذی نے بھی یہی مضمون حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے اور ابن منذر نے
شعبی سے بھی یہ مضمون نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (درمنثور جلد ۳ ص ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳)

قاضی القضاۃ امام ابوالسعود محمد بن محمد العمادی کا فرمان:

اپنی تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم میں فرماتے ہیں:

حول صاحبها شائبة شیئی من الحزن (الیٰ)روی أن المشرکین طلعوا فوق الغار فأشفق أبوبکر رضی اللہ عنہ علیٰ رسول اللہ ﷺ فقال ان تصب الیوم ذهب دین اللہ فقال ما ظنك باثنین اللہ ثالثهما

(جلد٤ ص٦٦)

اس معیت سے مرادولایتِ دائمہ ہے کہ جس کے صاحب و مالک کے گرد حزن وملال کا ذرہ بھر شائبہ بھی گردش نہ کر سکے (تا) مروی ہے کہ جب مشرک لوگ غار کے اوپر چڑھ گئے تو ابوبکر صدیق نبی رحمت ﷺ کے حق میں خوف زدہ ہو گئے پس عرض کیا کہ اگر آج آپ کی جان بدنِ اقدس سے الگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا دین ختم ہو کر رہ جائے گا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ رب العزت ہو؟''

قائدہ:

اگر ابوبکر صدیق مخلص مصاحب اور ظاہر و باطن میں ایک نہیں تھے تو کفار و مشرکین کے غار کے قریب پہنچنے پر غم زدہ کیوں ہو گئے تھے اور حزن وملال سے دوچار کیوں ہو گئے تھے؟ انہیں تو خوش ہو جانا چاہیے تھا بلکہ ان کو دعوت دینی چاہیے تھی کہ ادھر آؤ تمہارا مطلوب غار کے اندر ہے لیکن آپ غم واندوہ اور حزن وملال کا نبی مکرم ﷺ کے سامنے اظہار کر رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ ان کو اطمینان دلا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے، لہذا ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، غم نہ کھاؤ اور پریشان نہ ہو۔

اقول:

معیت کا جو معنی مفہوم علامہ ابو السعود نے بیان فرمایا ہے اس کی تائید و تصدیق ابن عساکر کی خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ اس روایت سے ہوتی ہے کہ آپ

رماتے ہیں:

قال مادخلنی اشفاق من شیئی ولادخلنی فی الدین وحشة الی أحد بعد
لة الغار فان رسول اللہ ﷺ حین رأی اشفاقی علیه وعلی الدین قال لی هون علیك
ن اللہ قد قضی لهذا الأمر بالنصرة والتمام۔ (تفسیر درمنثور جلد ۳ ص ۲۴۲)

"مجھے کسی شے سے کبھی خوف اور اندیشہ لاحق نہیں ہوا اور نہ ہی دین کے معاملہ میں
شت اور گھبراہٹ کسی طرف سے لاحق ہوئی غار والی رات کے بعد، کیونکہ رسول گرامی ﷺ نے
ب میرا خوف واندیشہ آپ کے متعلق اور دین اسلام کے متعلق مشاہدہ فرمایا تو مجھے ارشاد فرمایا
پنے اوپر آسانی پیدا کرو اور اس طاری ہونے والے خوف وخطر کے بوجھ کو اپنے اوپر سے اتار دو
کیونکہ اللہ تعالیٰ امر اسلام کے متعلق امداد ونصرت اور اس کے اتمام وتکمیل کا فیصلہ کر چکا ہے"

نیز مرتدین کے خلاف کاروائی سے اور آپ کی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے بھی یہ
دعویٰ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے جب کہ بڑے بڑے بہادر حضرات مرتدین کی کثرت
اور متعدد محاذوں پر بیک وقت جہاد کر سکنے کو مشکل سمجھ رہے تھے اور منکرین زکوٰۃ سے نرم رویہ
رکھنے کا مشورہ دے رہے تھے۔

لطیفۂ عجیبہ:

امام رازی کے والد گرامی رحمہما اللہ تعالیٰ کے سامنے اہل تشیع اور روافض کے اس حلف
نامہ کا تذکرہ کیا گیا:

کانوا اذا حلفوا قالوا وحق خمسة سادسهم جبرئیل وأرادوا به أن الرسول
وعلیا وفاطمة والحسن والحسین (صلی اللہ علیه وعلیهم) کانوا قد احتجبوا تحت
العباءة یوم المباهلة فجاء جبرئیل وجعل نفسه سادساً۔

شیعہ لوگ قسم کے مقام میں یوں کہتے ہیں ان پانچ حضرات کے حق کی قسم جن کیساتھ

چھٹے حضرت جبرئیل تھے اور ان کی مراد یہ ہوتی کہ رسول کریم ﷺ، علی مرتضیٰ فاطمہ زہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم جب مباہلہ کے دن آپ کی عبا اور کمبلی کے نیچے چھپ چکے تھے تو جبرئیل امین آ گئے اور اپنے آپ کو چھٹا فرد بنا دیا"

فقال رحمه الله تعالى لكم ماهو خير منه لقوله عليه السلام ماظنك باثنين الله ثالثهما ومن المعلوم بالضرورة أن هذا أفضل وأكمل۔

(شیعہ کے اس معمول کے متعلق سن کر) آپ کے والدِ گرامی نے فرمایا تمہارے لیے اس قول سے بہتر قول موجود ہے اور وہ رسول کریم علیہ السلام کا فرمان ہے اے صدیق! تیرا ان دونوں کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا خود اللہ رب العزت ہو اور یہ بطور بداہت معلوم ہے کہ یہ قول افضل و اکمل ہے اس قول سے۔ (تفسیر کبیر جلد ٦ ص ٤٠)

بہر کیف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ ان اللّٰہ معنا اور ارشادِ مصطفیٰ کریم علیہ السلام اللّٰہ ثالثهما بہت بڑا اعزاز اور امتیاز ہے جو کسی نبی کے کسی امتی کے لیے ثابت نہیں اور آپ کے افضل البشر بعد الانبیاء ﷺ ہونے کی دلیل ناطق اور برہانِ صادق ہے۔ والحمدللہ

محی الدین شیخ زادہ کا ارشاد گرامی:

حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

يقال فلان ثانی اثنين ويراد أنه أحد هما ليس معهما ثالث فمعنى الآية فقد نصره اللّٰه أحدا ثنين اى نصره منفردا الا عن أبى بكر وكفى بهذا دليلًا على فضل أبى بكر رضى الله عنه على سائر الصحابة رضى الله عنهم أجمعين حيث استخلصه رسول اللّٰه عليه السلام لنفسه فى مثل تلك الحالة قال الحسان بن ثابت رضى الله فى حقه :

ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذ صعدوا الجبلا

و کان فی مثل تلك الحال صاحبه دون الخلائق لم یعدل به بدلا

(جلد٤ ص٤٦٣)

"کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ثانی اثنین ہے، مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دو میں سے ایک ہے
سرا شخص ان کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ تو اس آیتِ کریمہ کا معنیٰ یہ ہے مدد کی اللہ تعالیٰ نے ان
ں اس حال میں کہ وہ دو میں سے ایک ہیں یعنی اللہ تعالےٰ نے مدد فرمائی ان کی جب کہ وہ منفرد
ے سب سے سوائے ابوبکر کے، اور یہ قول باری تعالےٰ کافی ووافی دلیل ہے سب صحابہ رضی اللہ
ہم پر آپ کے فضل وشرف کی، جب کہ ان کو رسول کریم علیہ السلام نے اپنی ذات کے لیے
صوص ٹھہرایا ایسی پر خطر حالت میں، حضرت حسان بن ثابت نے آپ کی شان میں فرمایا:
وہ ثانی اثنین ہیں عزت وعظمت والی غار میں جب کہ دشمن لوگ اس کا طواف کرر ہے
ے جب وہ جبل ثور پر چڑھ گئے تھے اور ایسی سنگین حالت میں صرف ابوبکر صدیق رسولِ کریم
یہ السلام کے صاحب ورفیق تھے بغیر دوسری مخلوق کے، حضورِ اکرم ﷺ نے کسی کو ان کے متبادل
ر قائم مقام ہونے کا اہل نہ سمجھا"

افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق پر چھٹی قرآنی دلیل

الآیۃ السادسۃ:

قال اللہ تبارک تعالیٰ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

(سورة مائدة، 54:5)

مفہوم آیہ مبارکہ:

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو اپنے دین سے برگشتہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ لائے گا ایسی قوم جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے، مومنین کے حق میں نرم و گداز (اور علو مرتبت کے باوجود متواضع ہوں گے) کفار پر شدت پسند اور غلبہ پانے والے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور (ارشادات الٰہیہ کی تعمیل و اطاعت میں) کسی ملامت کرنے والے اور طعن و تشنیع کرنے والے کی ملامت اور طعن و تشنیع سے ذرہ بھر خوف زدہ نہیں ہوں گے وہ عظیم کمالات اور اعلیٰ صفات دیا جانا اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے، دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالےٰ وسیع فضل و قدرت والا اور افضال اور جود کے مواقع اور مستحقین کو کما حقہ جاننے والا ہے"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے غیبی خبر دیتے ہوئے مدعیانِ ایمان میں سے بعض کے مرتد ہونے کے بارے میں آگاہ فرمایا اور ان کے خلاف کاروائی کرنے والے مجاہدین کی

ان اور صفاتِ عظیمہ اور اخلاقِ کریمہ بھی بیان فرمائے۔رضائے خداوند تعالیٰ کے حصول کی
طر مالی اور جانی جہاد کرنے کا عزمِ صمیم اور تنقید و تنقیصِ خلق کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرنے والا بلند و
ا مقام بیان فرمایا۔جب کہ یہ حقیقت شک وشبہ اور ریب و تردد سے بالاتر ہے کہ سرورِ عالم ﷺ
ے وصال شریف کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جواثا کے علاوہ تقریباً ارتداد نے ہر علاقہ
ی لپیٹ میں لے لیا تھا کچھ لوگ آبائی دین کی طرف لوٹے تو کچھ جھوٹے نبیوں کے دامِ فریب
ں پھنسے، کچھ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکاری ہو گئے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غصبِ اموال
سے تعبیر کرنے لگے، تو اس سنگین صورتحال اور پہاڑوں کے دل دہلا دینے والے حالات میں جس
وم کو اللہ تعالیٰ نے ان مرتدین کے خلاف جہاد کرنے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے یا واپس
سلام کی چوکھٹ پر سرنگوں کرنے اور نبی مکرم ﷺ کی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈالنے پر آمادہ کیا اور
وزخ کا ابدی ایندھن بننے سے بچایا اور اسلام کو نئی زندگی بخشی اور اس کی نشأۃ ثانیہ کے موجب
بننے کا شرف بخشا، وہ نائبِ رسول خلیفۂ اول حضرت ابوبکر اور ان کی جماعت مہاجرین و انصار
ور بالخصوص اہلِ بیت کرام اور اخص الخصوص مولائے مرتضیٰ علی شیرِ خدا ہیں جنہوں نے صدقِ دل
سے حضرت صدیق اکبر کے حکم کی تعمیل کی اور ان کے موقف و نظریہ پر دل و جان سے مطمئن ہو کر
ہر طرح کی قربانی دی اور دربارِ خداوند تعالیٰ میں سرخروئی حاصل کی اور ان صفاتِ کمال کے
مصداق بنے اور اللہ تعالیٰ کے فضلِ عظیم کے حق دار بن گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی
اللہ عنہ کی فوج و سپاہ اور معاونین و مددگار حضرات کی شان یہ ہے تو اس عظیم قائد اور سربراہ اور
مقتداء و پیشوا کی شان کیا ہو گی جس نے ان کو صحیح راہ دکھلائی اور کفر و ارتداد کے خلاف اس کاروائی
پر آمادہ اور تیار کیا اور ان کو جرأت اور دلیری سے کام لینے پر اس حد تک آمادہ کیا کہ اکیلے تلوار اور
ساز و سامان لے کر ان مرتدین کے حرب و قتال کے لیے نکل پڑے تو سب کو مجبوراً انکے پیچھے نکلنا
پڑا اس عظیم کام کے لیے ہر طرح کی قربانی دینا پڑی۔

لھـــــذا ان صفاتِ کمال، اعلیٰ اخلاق اور اس مثالی سیرت و کردار کے عظیم شاہکار اور اولین مصداق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اب ان کلمات طیبات کے مصداق کون ہیں؟ اور کس دور کے حضرات مومنین کی یہ شان والا اور مرتبہ بالا ہے اکابرین ملت اور مفسرین کرام کی زبانی ملاحظہ فرماویں اور اس آئینہ میں صدیقی عظمت ووجاہت اور رفعت ودرجت کا معائنہ فرماویں:

قاضی محمد ثناء اللہ صاحب عثمانی پانی پتی کا فرمان:

حضرت علامہ فہامہ، حامل شریعت وطریقت، بیہقی وقت، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی تفسیر مظھری میں فرماتے ہیں:

اختلفوا فی ذالك القوم من هم ؟قال علی بن أبي طالب والحسن والضحاك وقتادة هم أبوبكر وأصحابه الذين قاتلوا أهل الردة ومانعی الزكوٰة وذالك أن النبی ﷺ لما قبض ارتد عامة العرب الا أهل مكة والمدينة والبحرين من عبد القيس ومنع بعضهم الزكوٰة وهمّ أبوبكر بقتالهم فكره ذالك أصحاب النبی ﷺ وقال عمر كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله ﷺ أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قاله فقد عصم منى ماله ونفسه الا بحقه وحسابه على اللّٰه عزوجل فقال أبوبكر رضى الله عنه والله لأ قاتلن من فرق بين الصلوٰة والزكوٰة فان الزكوٰة حق المال والله لو منعونى عناقًا كانوا يؤدونها الى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها ـقال أنس بن مالك كره الصحابة قتال ما نعی الزكوٰة وقالوا هم أهل القبلة فتقلد أبوبكر بسيفه وخرج وحده فلم يجدوا بُدًّا من الخروج على اثره ـقال ابن مسعود كرهنا ذالك فی الابتداء ثم حمدناه عليه فی الانتهاء ـقال أبوبكر بن عياش سمعت أبا حصين يقول ما ولد بعد النبين مولود أفضل من أبی بكر رضى

اللہ عنہ قام بعد النبی ﷺ فی قتال أهل الردة ۔

(تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۱۲۸، ۱۲۹)

"علمائے اعلام اور اکابرین ملت کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ جس قوم کی یہ شان بیان کی گئی ہے اس کے مصداق کون ہیں؟ مولائے مرتضیٰ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور حضرتِ حسن بصری، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کے مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین کے خلاف اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد وقتال کیا اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ کا جب وصال شریف ہو گیا اور عام عرب لوگ مرتد ہو گئے سوائے اہل مکہ اور اہل مدینہ کے اور باسیان بحرین قبیلہ عبدالقیس کے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف حرب وقتال کا عزم وارادہ فرمایا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس اقدام کو پسند نہ کیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا آپ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف یہ کاروائی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے کہ مجھے لوگوں کے ساتھ حرب وقتال کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں (اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں) تو جس نے بھی کلمۂ توحید زبان سے ادا کر دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے محفوظ کر لیا مگر حقِ اسلام میں (خلل اندازی کی صورت) میں اس کو یہ ضمانت حاصل نہیں ہوگی اور اس کا حساب اور قلبی معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہوگا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! میں ضرور بالضرور اس شخص کے ساتھ حرب وقتال کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی کیونکہ اسلام میں مال کے اندر اللہ تعالےٰ کا حق ہے، بخداً (بالفرض والتقدیر) اگر وہ بکری کا بچہ مجھے بطورِ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے جو رسول مکرم ﷺ کو پیش کیا کرتے تھے تو اب اس کے روکنے پر بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ

کرام علیہم الرضوان نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کو ناپسند کیا اور کہا کہ وہ اہل قبلہ ہیں (ان کے خلاف جہاد جائز نہیں ہے) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اکیلے اس جہاد وقتال کے لیے چل پڑے تو دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی خروج وبرآمدگی کے علاوہ کوئی چارہ نہ پایا تو ان کی اتباع میں ان کے پیچھے چل پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے اول اول اس جہاد کو پسند نہ کیا لیکن ہم نے ان کے اس اقدام پر ان کو قابلِ صد تحسین سمجھا آخر میں ابوبکر بن عیاش حضرت ابوحصین رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کوئی ایسا بچہ پیدا نہیں ہوا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا فضیلت مآب ہو جنہوں نے نبی معظم ﷺ کے بعد اہل ارتداد کے خلاف جہاد وقتال میں آپ کا حق نیابت وخلافت ادا فرمایا''

عن قتادة قال أنزلت هذه الآية وقد علم أنه سيرتد مرتدون عن الناس فلما قبض النبی ﷺ ارتد عامة العرب عن الاسلام الاثلاثة مساجد أهل مدينه وأهل مكة وأهل جواثا من عبدالقيس وقال الذين ارتدوا نصلی الصلوة ولانزكی والله لا يغصب أموالنا فكلم أبوبكر فی ذالك يتجاوز عنهم وقيل اما انهم لو قد فقهوا ادوا الزكوة فقال والله لا أفرق بين شيی جمعه الله لو منعونی عقالاً (مما فرض الله ورسوله لقاتلتهم عليه فبعث الله بعصائب مع أبی بكر فقاتلوا حتی قتلوا أو أقروا بالماعون و هو الزكوة قال قتادة فكنا نتحدث أن هذه الآية نزلت فی أبی بكر وأصحابه فسوف يأتی الله بقوم يحبهم ويحبونه (الآية) أخرجه عبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وأبوالشيخ والبيهقی فی سننه و بن عساكر منه۔

''حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ کو نازل فرمایا جب کہ اس نے جان لیا کہ عن قریب لوگوں میں سے کچھ دینِ اسلام سے برگشتہ

ئیں گے، چنانچہ جب نبی مکرم ﷺ کی روحِ اقدس قبض کی گئی تو عام اہلِ عرب مرتد ہو گئے
ائے تین مساجد والوں کے یعنی اہلِ مدینہ، اہلِ مکہ اور عبدالقیس کے علاقے جواثا والوں
ور جو مرتد ہوئے (ان میں سے بعض نے کہا) ہم نماز ادا کریں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے
ہمارے مال غصب نہیں کیے جائیں گے (یا اللہ تعالیٰ ہمارے مال غصب نہیں کرے گا) تو
رسول حضرت ابوبکر سے ان کے متعلق کلام کیا گیا کہ ان سے درگزر کریں اور کہا گیا جب
اسلام کو کما حقہٗ سمجھ لیں گے تو زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگ جائیں گے تو آپ نے فرمایا اللہ
لےٰ کی قسم جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ جمع فرمایا ہے میں اس کو اس سے جدا نہیں
سکتا اگر وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی فرض کی ہوئی زکوٰۃ (کا جانور تو دیں لیکن اس کے
و جو) رسہ دیتے تھے وہ رسہ اب نہ دیں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد و قتال کروں گا اس
ے کی وصولی کے لیے، تو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اہلِ ایمان کی جماعتوں کو حضرت ابوبکر کا
ون و مددگار بنا دیا چنانچہ انہوں نے جہاد و قتال کیا تو کچھ قتل ہو گئے اور کچھ نے زکوٰۃ دینے کا
ار کر لیا، قتادہ فرماتے ہیں ہمیں بتلایا جاتا تھا کہ یہ آیت کریمہ اسی موقع پر نازل فرمائی گئی
رت صدیق اور ان کے ساتھیوں اور رفقائے حرب و قتال کے حق میں یعنی قول باری تعالیٰ
وف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ (الآیۃ) اس روایت کو عبد بن حمید، ابن جریر، ابن
ذر، ابوالشیخ، امام بیہقی نے سنن میں اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے"

رہ:

لم یوجد قتال مع المرتدین الا فی زمن أبی بکر رضی اللہ عنہ وقد لامہ
صحابۃ و کرھوا ذالک القتال فی الابتداء فلم یخف لو متھم ثم حمدوہ فی الانتھاء
۔

"مرتدین کے خلاف قتال و جہاد صرف اور صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور

خلافت میں وقوع پذیر ہوا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ان پر تنقید و تنقیص بھی کی اور ابتداء میں اس اقدام کو ناپسند فرمایا لیکن آپ ان کے طعن و تشنیع سے خوف زدہ نہ ہوئے پھر انہوں نے انتہائے کار میں اس کو نظرِ تحسین سے دیکھا اور آپ کو اس پر داد دی اور تعریف کی"

سوال:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ آیتِ کریمہ اہلِ یمن اور کندہ وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ میں حلفی طور پر بیان کرتا ہوں وہ قوم اہلِ یمن سے ہے، تو اس کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے رفقاء جہاد کو ٹھہرانا کیونکر درست ہوگا؟

الجواب:

جواب دیتے ہوئے قاضی ثناء اللہ عثمانی فرماتے ہیں:

قلت وقع قتال عسكر أبى بكر مع أهل الردة بامداد أهل اليمن منه۔

(تفسیر مظھری جلد ۳ ص ۱۲۸)

"میں کہتا ہوں (کہ دونوں طرح کی روایات میں کوئی تخالف اور تعارض نہیں ہے کیونکہ) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لشکر اور افواج کا قتال و جہاد مرتدین کے خلاف اہلِ یمن کی امداد و اعانت سے وقوع پذیر ہوا"

لہذا دونوں طرح کی روایات باہم متطابق اور متوافق ہوگئیں اور اوہامِ فاسدہ اور ظنون کاسدہ کی بنیادیں منہدم ہو کر رہ گئیں۔

علامہ اسماعیل حقی کا ارشاد گرامی:

روح البیان میں اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

ثم ان اللّٰه تعالے لما قبض نبیه علیه السلام ارتد عامة العرب الا أهل مكة وأهل المدینة وأهل البحرین من عبدالقیس (الیٰ) فقال أبوبكر واللّٰه لو منعونی عتوداً مما كانوا الی رسول اللّٰه ﷺ لقاتلتهم علیه فبعث اللّٰه عزوجل عصائب مع أبی بكر رضی اللّٰه عنه فقاتل علی ما قاتل علیه نبی اللّٰه ﷺ حتی أقروابالزكوة المفروضة ـ

قال أنس رضی اللّٰه عنه كرهت الصحابة قتال مانعی الزكاة ـ قالواهم أهل القبله فتقلد أبوبكر سیفه وخرج وحده فلم یجدوا بُدّامن الخروج علی اثره ـ

قال بن مسعود رضی اللّٰه تعالے عنه كرهنا ذالك فی الابتداء ثم حمدناه فی الانتهاء قیل ما ولد بعد النبیین مولود أفضل من أبی بكر لقد قام مقام نبی فی قتال أهل الردة ، قال الشیخ العطار فی نعت أبی بكر رضی اللّٰه عنه :

هر چه بود از بارگاهِ کبریا ریخت درصدر شریفِ مصطفیٰ

آں همه درسینهٔ صدیق ریخت ـ لا جرم تابود از وتحقیق ریخت

قال الحسن رحمه اللّٰه تعالے لولاما فعل الصدیق أبوبكر لألحدالناس فی الزكوة الیٰ یوم القیامة ـ (جلد۲ ص ٤١١،٤١٢)

قول:

علامہ حقی رحمہ اللہ تعالی کے مبارک کلام کا بنیادی مضمون ومفہوم وہی ہے جو کہ تفسیر مظہری کے حوالے سے ذکر کیا جاچکا ہے حضرت انس خادم رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے ارشادات اوران کا ترجمہ بھی ذکر ہو چکا ہے البتہ وہاں انبیاء علیہم السلام کے بعد ابوبکر صدیق جیسے فضیلت مآب مولود کا روئے زمین پر نمودار نہ ہونا جن سے منقول تھا ان کے اسم مبارک اور کنیت کو اوران سے روایت لینے والے کا اسم شریف مذکور تھا مگر یہاں اس مضمون کو

اورابہام کلیۃ مرتفع ہوجائے گا نیز وہاں بعد النبی ﷺ کا ذکر تھا جس سے متبادر طور پر ہمارے نبی ﷺ معلوم ہوتے ہیں اور آپ کا حق خلافت کما حقہ ادا کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن روح البیان کی عبارت میں مقام نبی فی قتال الردۃ فرمایا گیا ہے جس میں مزید مبالغہ آپ کی شان میں ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا یہ کارنامہ دور سابق کے کسی نبی کے کارنامہ سے کم نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبر کا فنافی الرسول اور بقا بالرسول کے مرتبہ عالیہ پر فائز ہونا

حضرت شیخ عطار کے ارشاد سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فنافی الرسول اور بقاء بالرسول کے مقام پر فائز ہونا واضح ہوتا ہے، یعنی جو کچھ بارگاہِ کبریا کی طرف سے سینۂ مصطفےٰ ﷺ میں القاء کیا گیا تھا وہ سب کچھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینۂ اقدس میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے القاء کردیا گیا لہذا جب تک زندہ رہے تو حق ہی حق ان کی طرف سے برآمد ہوتا رہا۔

اس مضمون کی روایت بھی مروی ومنقول ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

عنہ علیہ السلام ما صب اللہ فی صدری شیئا الاصببتہ فی صدر أبی بکر

اگر چہ محدثین حضرات کو اس کی صحت میں کلام ہے لیکن صوفیائے کرام اس کو حدیث تسلیم کرتے ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ فنا فی الرسول اور بقاء بالرسول کی اس کو دلیل بناتے ہیں جیسے کہ حضرت شیخ عطار کا نظریہ اور عقیدہ ہے اگر اس حدیث قدسی کو سامنے رکھا جائے یعنی فاذا أحببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ (الیٰ) فوادہ الذی یعقل بہ تو مضمون کی صحت واضح ہوجاتی ہے کیونکہ فناء فی اللہ اور بقاء باللہ اگر برحق ہے تو فناء فی الرسول بقاء بالرسول میں استبعاد کیوں؟ اگر حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ کا نان بائی آپ کے مہمانوں کا کھانا پیش کرنے پر اور مالی اجرت طلب کرنے کی بجائے مرا مثل خود سازید کی عرضداشت پر اڑ جاتا ہے تو آپ اس پر توجہ اتحادی ڈال کر اپنی صورت وسیرت اور جسمانی وروحانی کمالات کا مظہر بنا سکتے ہیں تو اپنے تمام تر مال ومتاع اور بچیوں اور بیوی کی عزت

بچوں کی جانیں فدا کرنے والے اور اپنی جان کو حضورِ اکرم ﷺ کی نیند پر قربان کرنے والے اور
س قدر سنگین اور خطرات و مشکلات سے بھرپور انتہائی لمبے سفر میں مصاحبت کی قربانی دینے والی
ات آپ کی توجہ اتحادی کی مستحق کیونکر نہ بن سکی؟

اہل مدینہ جنہوں نے پہلے آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا ہوا تھا وہ حضرت
و بکر صدیق کو نبی اللہ اور رسول اللہ سمجھ کر کیوں ان کے پاؤں اور ہاتھوں کے بوسے رسول گرامی
ﷺ سے پہلے لے رہے تھے؟ کیا صرف عمر رسیدہ نظر آنے کی بنا پر اس طرح کر رہے تھے؟ کیا
خ والضحی نہیں بتلا رہا تھا کہ نبوت ادھر ہے؟ کیا زلف واللیل نہیں بتلا رہی تھی کہ نبوت
دھر ہے؟ کیا ماینطق عن الھوی والے ہونٹ اور یٰسین والے روشن اور نورانی اندھیروں کو
جالوں میں قہقہہ کی صورت میں بدلنے والے دانت مخبری نہیں کر رہے تھے کہ نبوت ادھر ہے؟ کیا
سم نشرح لك صدرك والا محیط کائنات سینۂ اقدس غمازی نہیں کر رہا تھا کہ نبوت و رسالت
دھر ہے؟ کیا یداللّٰہ کی شان والے ہاتھ شہادت نہیں دے رہے تھے کہ سرچشمۂ نبوت
دھر ہے؟ کیا عنبر کستوری کو شرما دینے والی خوشبوئے اقدس گواہی نہیں دے رہی تھی کہ نبوت و
سالت ادھر ہے؟ کیا لباس اطھر پر مکھی تک نہ بیٹھنا اور اس کا سایہ تک نہ ہونا خواہ کمبل کالا ہی
یب تن کیوں نہ ہو زبان حال سے پکار پکار کر نہیں کہہ رہا کہ منبع فیوض و برکات اور سرچشمہ
سالت ادھر ہے؟ وغیرہ وغیرہ، لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ اس سراپا کرم اور مجسمۂ رحمت نبی ﷺ نے
پنے اس فدائی اور عاشق زار کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا اور اپنے خداداد کمالاتِ ظاہرہ اور
ختصاصاتِ باطنہ کا مظہر کامل بنا دیا تھا نیز سیدِ عالم ﷺ مبہم انداز میں راز کی باتیں کرتے اور
صحابۂ کرام میں سے اس راز تک رسائی صرف اور صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو جاتی
یسے عندالوصال اختیار دیے جانے اور آپ کے قربِ خداوندی کو اور دارِ آخرت کی طرف منتقل

لگےاور فـدیـنـاك آبـاء نـاو أمهـا تـنـا کہنے لگے، جب کہ صحابۂ کرام اس پر تعجب وحیرت کا اظہار کرنے لگے لیکن بعد میں پکار اٹھے: کـان أبـو بـکـر أعـلـمنا ''ابوبکر ہم سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے'' اور ارتداد کے مرتکبین کے خلاف جہاد وقتال کی حقانیت کو پہلے سمجھے تو صرف اور صرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، اور ارشادِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی محبّ قوم اور محبوب قوم میں شامل ہی نہ ہوئے بلکہ ان اہل کمال کے مقتداء اور پیشوا بنے اور برحق خلیفۂ رسول اور امام الھدی بن کر منظر عام پر جلوہ گر ہوئے، والحمدللّٰہ علی ذالك

لھذا واضح ہوگیا کہ علم اسرار اور قرآنی رموز کو سمجھنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مثال آپ تھے اور نبوی علم کے مظہر کامل تھے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرتدین کے خلاف حرب وقتال کی جراءت اور جسارت نہ کرتے اور صحابۂ کرام کے مشورہ پر لچک پیدا کرلیتے تو قیامت تک کے لیے لوگ زکوٰۃ کے معاملہ میں الحاد اور بے دینی کا شکار ہوکر رہ جاتے اور اس فریضۂ خداوند تعالےٰ اور فریضۂ رسول معظم ﷺ کا نام ونشان ہی مٹ جاتا تو یہ ان کا انتہائی دلیرانہ اقدام اور احقاق حق اور ابطال باطل پر مبنی اقدام ہے اور سب صحابہ علیہم الرضوان کو بالآخر حضرت صدیق کی رائے کو حرف آخر اور ان کی راہ کو راہِ راست اور راہِ مستقیم سمجھ کر اس کی اتباع اور پیروی کرنا پڑی۔

نیز آپ کا اکیلے تلوار سنبھال کر مرتدین کے خلاف کاروائی کے لیے نکل پڑنا آپ کے اشجع ہونے کی روشن دلیل ہے اور بقول کسے انـما یعرف ذاالفضل من الناس ذووہ ''کہ ارباب فضل کو فضیلت مآب لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں'' اسی لیے مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے برسر منبر اپنے نیازمندوں اور عقیدت کشوں کے مجمع میں دوران خلافت فرمایا کہ سب لوگوں سے زیادہ شجاع اور بہادر حضرت ابوبکر صدیق تھے رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابة۔

۲) فخرالمفسرین حضرت امام فخرالدین رازی قدس سرہ العزیز کے

ارشاداتِ عالیہ:

اختلفوا فی أن أولئك القوم من هم؟فقال علی بن أبی طالب والحسن
قتادة والضحاك وابن جریج هم أبوبكر وأصحابه رضی الله عنهم لأنهم هم الذین
وأهل الردة وقالت عائشة رضی الله عنها۔مات رسول الله ﷺ وارتدت العرب
واشتهر النفاق ونزل بأبی مالو نزل بالجبال الراسیات لهاضها (ص : ۳۷۸)

"علماء مفسرین کے ان صفاتِ کمال اور مدارج عالیہ کے مصداق قوم کے متعلق مختلف
اقوال ہیں کہ وہ کونسی قوم ہے؟ حضرت سیدنا علی مرتضی، حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ
ضحاک اور ابن جریج رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ قوم ابوبکر صدیق اور ان کے رفقائے کار اور
معاونین اور مددگار حضرات ہیں، کیونکہ انہوں نے ہی مرتدین کے خلاف جہاد فرمایا۔
حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور
سارے عرب میں لوگ مرتد ہو گئے اور نفاق نے ستر و پردے اتار پھینکے اور میرے والد گرامی کو
ایسے سنگین اور صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو بلند و بالا اور مضبوط بنیادوں والے پہاڑوں پر
نازل ہوتے تو ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیتے"

المقام الثانی:

انا ندعی أن هذه الآیة یحب أن یقال انها نزلت فی أبی بكر رضی الله عنه
الی آخره

"مقام ثانی یہ ہے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں واجب ولازم ہے کہ
کہا جائے کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اس دعویٰ پر ہمارا استدلال

دو وجہ سے ہے"

الوجه الأول:

یہ آیتِ مقدسہ مرتدین کے خلاف حرب وقتال کے ساتھ مختص ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی اس محاربہ و مقاتلہ کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کو کما حقہ نبھایا جیسے کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ اس جگہ رسول گرامی ﷺ کی ذاتِ اقدس مراد لی جائے کیونکہ آپ ﷺ کو ظاہری حیاتِ مقدسہ میں مرتدین کے خلاف جہاد اور حرب وقتال کا اتفاق نہیں ہوا، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا فسوف یأتی اللّٰہ بقوم جب کہ یہ مستقبل زمانہ کے متعلق ہے نہ کہ زمانۂ حال اور آیتِ کریمہ کے نزول کے وقت، لھذا ضروری ہے کہ یہ قوم نزول آیت کے وقت اور اس خطاب کے موقع پر موجود نہ ہوں۔

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ یہ بات تو تمہارے دعوے کے خلاف ہوگئی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اس وقت موجود تھے تو اس کا جواب دو طرح پر ہے :

اول:

یہ ہے کہ جس قوم کی معیت میں حضرت صدیق نے مرتدین کے خلاف جہاد فرمایا وہ قوم موجود نہیں تھی۔

ثانی:

یہ کہ آیتِ مبارکہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ میں ایسی قوم ان مرتدین پر مسلط کروں گا جو اس حرب وقتال پر مکمل قدرت وطاقت رکھنے والے ہوں گے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگرچہ نزولِ آیت کے وقت موجود تھے لیکن اس وقت وہ اس قتال اور اس کے متعلق امر ونہی میں مستقل طور پر صاحبِ اختیار واقتدار نہیں تھے۔ (کیونکہ ارتداد بھی رحلت

طفوی ﷺ کے بعد پایا جانا تھا اور مرتدین کے خلاف یہ اقدام بھی بعد میں ہونا تھا) لھذا یہ
ال مندفع ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اس ارشادِ خداوندی کے مصداق رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ
تسلیم نہیں ہیں۔

نیز یہ بھی ممکن نہیں کہ اس سے مراد حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ ہوں کیونکہ انہیں
رین کے خلاف کاروائی کا موقع ہی نہیں ملا اور نہ ہی ایسی قیادت وسیادت ان کے حصہ میں
ں (اگر چہ حضرت صدیق کے لشکری کے طور پر اس میں حصہ لیا کما سنبین) نیز جب خود
ائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ارشادِ خداوند تعالٰی کا مصداق حضرت ابوبکر
یق اور ان کے ہم نوا ہیں تو یہ قول گویا ان کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور ایسا کون عقل منداور
ور ہوسکتا ہے جو اپنے محبوب کو سچا ماننے کو تیار نہ ہو بلکہ جھٹلانے پر کمربستہ ہو۔

ال:

یہ ہوسکتا تھا کہ روایات سے ثابت ہے کہ اسی آیتِ کریمہ سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
قوم مراد ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم اس کا مصداق ہے تو امام
سرین نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

ولا یمکن أیضا أن یقال انها نازلة فی أهل الیمن أو فی أهل فارس لأنه لم
ق لهم محاربة مع المرتدین وبتقدیر أن یقال اتفقت لهم المحاربة ولکنهم کا نوا
ة وأتباعا وأذنابا وکان الرئیس المطاع الأمر فی تلك الواقعة هو أبوبکر رضی
عنه ومعلوم أن حمل الآیة علی من کان أصلاً فی هذه العبادة ورئیسا مطاعًا فیها
ی من حملها علی الرعیة والأتباع والأذناب فظهر بما ذکرنا من الدلیل الظاهر أن
ه الآیة مختصة بأبی بکر رضی الله عنه۔ (جلد٤ ص٣٧٩)

الجواب:

یہ کہنا ممکن ہی نہیں ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ اہل یمن یا اہل فارس کے حق میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ انہیں مرتدوں کے خلاف جہاد کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا اور اگر ان کا جہاد اہل ارتداد کے خلاف پایا جانا ثابت ہو بھی تو وہ حضرت صدیق کی رعیت اور آپ کے اتباع واطاعت کرنے والے لوگ تھے اور ان کے رئیس اور واجب الاطاعت امیر اس واقعہ میں ابوبکر صدیق ہی تھے اور یہ حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا محمول کرنا اس ذات پر اولیٰ اور انسب ہے جو اس عبادت وریاضت میں اصل اور متبوع تھے اور واجب الاطاعت رئیس تھے بنسبت اس کے حمل کرنے اور اس کا مصداق بنانے کے ان کو جو خلیفہ کے تابع اور مقتدی اور فرماں بردار تھے تو ہماری اس روزِ روشن کی طرح واضح دلیل سے ثابت ہوگیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہے۔

تفسیر طبری اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت: (تنبیہ نبیہ)

أقول:

حضرت رازی علیہ الرحمہ کے اس جواب اور حضرت قاضی ثناء اللہ کے جواب سے مفسر جلیل حضرت ابن جریر طبری کا تردد بھی زائل ہو جائے گا اور ان کے نزدیک بھی اس آیت کا مصداق اولین حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے مصاحبین اور رفقاء کار ہی رہ جائیں گے جب کہ انہوں نے خود پہلا قول یہی نقل کیا ہے کہ اس قول باری تعالیٰ کے مصداق ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب ہیں رضی اللہ عنہم۔

(۱) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے چار اسنادات کے ساتھ نقل فرمایا: هـذا واللّٰـه ابوبکر وأصحابه

ِ) حضرت ضحاک سے یہی تفسیر نقل فرمائی کہ سوف یأتی اللّٰہ بقوم (تا) ولا
فون لومة لائم کے متعلق فرمایا :ھو أبوبکر وأصحابه لما ارتدمن العرب من ارتد
الاسلام جاھدھم أبوبکر وأصحابه حتی ردھم الیٰ الاسلام۔
) حضرت قتادہ سے نقل کیا کہ قول باری تعالےٰ :من یرتد منکم عن دینه (تا
سع علیم اس آیتِ کریمہ کو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا، جب کہ اس کے علم میں تھا کہ کچھ
ِ اسلام سے برگشتہ ہوجائیں گے چنانچہ جب رسولِ رحمت علیہ السلام کا وصال ہوگیا تو اکثر
عرب مرتد ہوگئے سوائے تین مراکز والوں کے اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل بحرین میں سے
ِ عبدالقیس کے، قالوا نصلی ولانزکی واللہ لاتغصب أموالنا ''ہم نماز پڑھیں گے
ں زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے، بخدا ہمارے مال غصب نہیں کیے جاسکتے''
تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے بارے میں کلام کیا گیا اور عرض کیا گیا جب
ں دینِ اسلام کی مکمل سوجھ بوجھ حاصل ہوجائے گی تو وہ فرض زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگ جائیں
ِ بلکہ زیادہ بھی دینے پر آمادہ ہوجائیں گے تو آپ نے جواب میں فرمایا:
لاواللّٰہ لا أفرق بین شیئی جمع اللہ بینه ولومنعوا عقالاً مما فرض اللہ
سوله قاتلت علیه فبعث اللہ عصابة مع أبی بکر فقاتل علی ما قاتل علیه نبی اللہ
ﷺ حتی سبی وقتل وحرق بالنیران أناسا ارتدوا عن الاسلام ومنعواالزکوۃ
اتلھم حتی أقروا بالماعون وھی الزکوۃ
''نہیں (ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوسکتی) بخدا میں اس چیز کو جدا نہیں کرسکتا جس
و اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا (نماز کے ساتھ) اگر وہ لوگ مجھے زکوٰۃ کے جانور کا رسہ بھی نہیں
یں گے جس کا دینا ان پر اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ کی طرف سے فرض ہے تو بھی میں ان کے
لاف علم جہاد بلند کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے ان صفاتِ کمال کے مالک حضرات کی عظیم جماعت

حضرت ابوبکر صدیق کی امداد واعانت کے لیے مقرر فرمادی، چنانچہ آپ نے ان مرتدین کے خلاف قتال کیا اسلام کے مکمل طور پر نفاذ کے لیے جس طرح کہ رسول محتشم ﷺ نے اس عظیم مقصد کے لیے جہاد فرمایا، حتی کہ بعض کو قیدی بنایا اور بعض کو ہلاک کیا اور بعض کے گھروں کو جلایا جو اسلام سے مرتد ہوگئے تھے اور جو زکوٰۃ دینے سے انکاری ہوگئے تھے حتی کہ انہوں نے جو بچ گئے زکوٰۃ ادا کرنے کا التزام کرلیا"

(د) حضرت ابن جریج کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوا جو اسلام سے برگشتہ ہوگئے رسول کریم علیہ الصلوات والتسلیم کے وصال شریف کے بعد فقاتلهم أبو بكر تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال و جہاد فرمایا۔

(ھ) مولائے مرتضیٰ حضرت سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں نقل فرمایا:

عن أبى أيوب عن على رضى الله عنه فى قوله تعالى يا ايهاالذين آمنوا من يرتدمنكم عن دينه قال علم الله المؤمنين وأوقع معنى السوء على الحشو الذى فيهم من المنافقين ومن فى علمه أن يرتد وقال يا ايهاالذين آمنوا من يرتد منكم عن دينه فسوف ياتى الله المرتدة عن دينهم بقوم يحبهم ويحبونه بأبى بكر وأصحابه رضى الله عنهم (جلد ٤ ص ١٨٣ و كذا على ص ١٨٤)

حاصل مرتضوی ارشاد کا یہ ہے کہ اللہ نے اہل ایمان اور مخلصین کو بھی جان لیا اور جو فالتو اور بے کار لوگ ان میں شامل ہوچکے تھے، ان کو بھی جان لیا یعنی منافقین کو تو ان پر عاقبت بد والی آفت ڈھائی اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ مرتد ہوجائیں گے تو ان کو بھی یہ وعید سناتے ہوئے فرمایا۔ اے ایمان والو جو تم میں سے ارتداد کا مرتکب ہو دین حق سے تو اللہ تعالیٰ

مرتدین کے خلاف کاروائی کے لیے ایسی قوم لائے گا جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کو محبوبِ حقیقی سمجھتے ہوں O گے یعنی ابوبکر صدیق اور ان کے معاونین ومددگاروں کو۔رضی اللہ عنہ وعنہم وأرضاهم ۔اور ایسے ہی (ص:۱۸۴ پر) حضرت اسد اللہ غالب رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر اور ان کے اصحاب کا اس آیتِ کریمہ میں مراد ہونا آپ سے صراحۃً منقول ہے۔

حضرت علامہ طبری کا عذر:

اقوال مذکورہ بالا مولائے مرتضیٰ اور تابعین اکابرین رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیر یہ ہیں جب کہ مرفوع احادیث میں نبی الأنبیاء ﷺ کی طرف سے ان کلماتِ قدسی سمات کا اہل یمن مومنین کی صفات ہونا اور اہل فارس مومنین کا ان کا مصداق ہونا نیز انصارِ مدینہ کا اس ارشادگرامی کا مصداق ہونا مروی ہے،لھذا ترجیح انہیں اقوال مرفوعہ کو ہونی چاہیے اگر صحیح روایات اس طرف وارد نہ ہوتیں تو پھر اس ارشادِ خداوند تعالیٰ کا مصداق صرف اور صرف ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب ہوتے۔عبارت ملاحظہ ہو:

وأولى الأقوال عند نا بالصواب ما روى فى الخبر عن رسول الله ﷺ أبى موسى الاشعرى ولولا الخبر الذى روى فى ذالك عن رسول الله ﷺ بالخبر الذى روى عنه ماكان القول عندى فى ذالك الاقول من قال هم أبوبكر وأصحابه و ذالك أنه لم يقاتل القوم الذين كانوا أظهروا الاسلام على عهد رسول الله ثم ارتدوا على أعقابهم كفارًا غير أبى بكر وأصحابه ممن كان مع من قاتل أهل الردة معه بعد رسول الله ﷺ ـلكنا تركنا القول فى ذالك للخبر الذى روى فيه عن رسول الله ﷺ لأنه كان معدن البيان عن تأويل ما أنزل الله من وحيه وآيات كتابه۔

(تفسیر طبری جلد ٤ ص ١٨٥)

”ہمارے نزدیک ان اقوال میں اولیٰ بالصواب وہ ہے جو رسول معظم ﷺ سے

مروی ہے کہ اس قوم سے مراد حضرت ابوموسیٰ اشعری کی قوم ہے جو کہ اہل یمن ہیں، اسی طرح اگر وہ روایات مرفوع نہ ہوتیں جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قوم مراد ہونے پر دلالت کرتیں ہیں اور جو انصار اور اہل مدینہ کے مراد ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو ہمارے نزدیک صرف اور صرف وہ قول معتبر ہوتا جس میں ارشادِ خداوندی کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور انکے اصحاب کو بنایا گیا ہے، رضی اللہ عنہم۔ اور اس ترجیح اور اختیار کی بنیاد واساس یہ ہوتی کہ جن لوگوں نے رسولِ معظم ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں اسلام کا اظہار کیا پھر الٹے پاؤں اسلام سے برگشتہ ہو گئے درآں حالے کہ کافر تھے تو سوائے ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب کے کسی نے ان کے خلاف جہاد وقتال نہیں کیا جو آپ کے ساتھ اس حرب وقتال میں معاون ومددگار تھے۔

لیکن ہم نے اس قول کو ترک کر دیا بسبب ان مرفوعہ روایات کے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ معدن بیان تھے اللہ کی نازل فرمودہ وحی اور کتاب اللہ کی آیات کے، تو اگر حضرت صدیق اور ان کے ہمنوا حضرات اس آیتِ مقدسہ کے مصداق ہوتے تو لامحالہ نبی اکرم ﷺ ان کا مصداق ہونا بھی بیان فرماتے" (یہاں علامہ ابن جریر کا کلام ختم ہوا، اب اس پر حضرت اشرف العلماء قدس سرہ کا کلام ملاحظہ ہو)

سیالوی تبصرہ:

(۱) کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک فرضی اور غیر محقق صورتِ حال سے خبر دی یا وصال مصطفوی کے بعد پیش آنے والے عظیم حادثہ کی غیبی خبر دی؟ اور جس طرح فرمایا اسی طرح پر ہوا کہ یہ کلمات نبی مکرم ﷺ کا مستقبل زمانہ سے متعلق اخبار بالغیب والا معجزہ بن گیا اور آپ کے نبی برحق اور رسول صادق ہونے کی عظیم دلیل بن گیا جس کے وقوع کا اعتراف اس مفسر جلیل نے کیا اور وہ بھی بطورِ حصر اور اختصاص اور دیگر اکابر مفسرین نے بھی اس کو آپ کے بعد زمانہ مستقبل سے متعلق علم غیب والا معجزہ قرار دیا۔

(۲) اگر پہلا تفسیری قول دوسرے تین اقوال کے مخالف ومنافی ہونے کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے تو کیا وہ تینوں اقوال آپس میں متنافی اور متخالف نہیں ہیں؟ کیا حضرت سلمان فارسی یمن سے تعلق رکھتے تھے یا فارس سے اور یہ دونوں ایک ذات کے نام تھے اور ایک علاقہ میں بسنے والے تھے یا ذاتیں بھی جدا تھیں اور علاقے اور عوام بھی جدا تھے؟ نیز انصار رضی اللہ عنہم حضرت سلمان فارسی کے علاقہ میں بسنے والے تھے اور ان کی قوم سے تھے یا حضرت ابوموسیٰ اشعری کے علاقے اور قوم سے تعلق رکھتے تھے تو پھر روایات مذکورہ کو اس واضح اور ظاہر سقم اور خرابی کی بنا پر ترک کیوں نہ کیا جائے؟ اور اس تعارض وتناقض سے بچنے کی سعی مشکور کیوں نہ کی جائے؟

(۳) جو شخص اپنی سوچ اور فکر کے مطابق تفسیر کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے کما قال النبی ﷺ من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار تو کون مائی کا لال ہے جو حضرت حسن، حضرت قتادہ اور حضرت ابن جریج کو بالخصوص مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے متعلق خواب میں بھی یہ خیال دل میں لا سکے، جب کہ ان کی شان یہ ہے علی مع الحق والحق مع علی، علی مع القرآن والقرآن مع علی اور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: انا مدینة العلم وعلی بابها . وغیر ذالك ، لهذا ان کے قول کو قابل اعتبار اور لائق اعتداد نہ سمجھنا جائز نہیں ہے۔

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری یا حضرت سلمان فارسی یا انصاری حضرات رضی اللہ عنہم کے حق میں وارد روایات میں کیا کلمۂ حصر موجود ہے؟ اور مفہوم مخالف مراد لینے کے وجوہات میں سے کوئی وجہ یہاں موجود ہے؟ بلکہ یہ قول خداوند تعالےٰ عموم میں نص ہے کما قال اللّٰہ تعالےٰ: قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ الخ نیز ارشاد خداوند تعالےٰ: لَا يَسۡتَوِىۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقَاتَلُوۡا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى تو ان کو یہ عظیم درجات اور بے مثال مراتب محبوب خداوند تعالےٰ بننے کے بغیر مل گئے؟ وغیر ذالك

(۵) کیا حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قوم یا سلمان رضی اللہ عنہما کی قوم اور خود وہ اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ، 10,11:56) میں داخل تھے؟ یا اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارَ (التوبہ، 100:9) میں داخل تھے اور حرب وقتال اور جہاد میں حصہ لینے والے تھے؟ یا وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ، 100:9) میں داخل تھے اور ان سابقین اور اولین کے طفیل اور ان کی اتباع واقتداء کی بدولت رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ، 100:9) کا اعزاز پانے والے تھے؟

تاریخی حقائق اس امر کے شاہد برحق ہیں کہ دونوں حضرات جنگِ خندق کے بعد حاضر خدمتِ اقدس ہوئے تو روزِ اول سے قربانیاں دینے والے اور اپنا مال ومتاع، وطن عزیز اور قرابت واقرباء کو قربان کرنے والے بلکہ بیویوں اور بچیوں کی عزتوں کو اور بچوں کی جانوں کو بلکہ اپنی جان کو بھی آپ پر نثار کرنے والے اور اپنے گھر خالی کر کے مہاجرین کو پیش کرنے والے ،دودو بیویوں والے مہاجر کی پسندیدہ بیوی کو طلاق دے کر عدت گزرنے پر مہاجروں کے نکاح میں دینے والے، اپنے بچوں کے مونہوں سے لقمے بچا کر خود بھی بھوکا رہ کر اور ان کو بھی بھوکا رکھ کر مھاجرین فی سبیل اللہ اور فقراء ومساکین مہاجرین کے خورد ونوش وغیرہ کے انتظامات کرنے والے انصار اس ارشادِ خداوند تعالیٰ کے مصداق اولین کیوں نہیں اور ان کا قائد اور امام اور رئیس ومقتداء اور مہاجرین وانصار جیسے صادقین اور مخلصین کے امام اور خلیفہ اس کا مصداق اولین کیوں نہیں بن رہے؟

(۶) کیا یہ مسلم حقیقت نہیں کہ صحابی کا وہ قول جس میں عقل وقیاس اور درایت کا دخل نہ ہوتو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تفسیری قول کو مرجوح قرار دینا اور بعد والے اقوال کو راجح اور مختار قرار دینا راجح قول کے ترک اور مرجوح قول کو ترجیح دینے کے مترادف ہے جس کا عقلاً بلکہ نقلاً بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ نیز واضح ہو گیا کہ نقلیات

ں مہارت اور رجحان عقلیات میں رجحان اور مہارت کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے اور
اد عظیمہ ہیں جو منقول کو معقول کے میزان اور ترازو پر پرکھتے ہیں جیسے فخر المفسرین امام
زی فللہ درہ و خیرہ الکثیر۔

حوبۂ عجیبہ ولطیفۂ غریبہ :(علامہ ابن جریر کا تسامح)

حضرت علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالےٰ نے یہاں ایک سوال و جواب نقل کیا ہے جو بڑا
ران کن ہے، فرماتے ہیں کہ اہل یمن جو نبی مکرم ﷺ کے دورِ نبوت ورسالت میں حلقۂ اسلام
ں داخل ہوئے تھے وہ مرتدین کے خلاف کاروائی کرتے وقت حضرت صدیق کے معاون ومدد
ر تھے یا معاون نہیں تھے؟ پہلی صورت میں ان کو حضرت صدیق کے معاونین اور آپ کی
اعت سے خارج کرنے اور اس آیتِ کریمہ کا مصداق نہ بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی؟ اور اگر
تدین کے خلاف کاروائی کرنے والوں میں داخل نہیں تھے تو اللہ تعالےٰ کے وعدہ کی خلاف
زی لازم آئے گی حالانکہ اس کے وعدے کا خلاف محال وممتنع ہے؟

واب:

اللہ تعالے نے اہل ایمان کے ساتھ وعدہ فرمایا جو بوقت نزول آیت موجود تھے کہ ان
ے بدلے میں ایسی قوم کو لائے گا اور ان کے بعد جلد لائے گا جو کہ ان مرتدین سے خیر اور بہتر
وں گے، عن قریب انہیں لائے گا نہ کہ عرصہ بعد، اور اللہ تعالےٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا
ضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تو اس قول باری تعالےٰ کے لیے یہ موقع ومحل متعین کرنا
سلام اور اہل اسلام کے لیے بہترین موقع ومحل ثابت ہوا اور اہل یمن، اہل اسلام کے اعوان
مددگار تھے اور ان کے لیے بہت مفید اور نفع رساں ثابت ہوئے بہ نسبت ان کے جو رسول گرامی
ﷺ کے بعد مرتد ہوئے یعنی اعراب اور دیہاتی لوگ اور بادیہ نشینوں میں سے جو کہ اہل اسلام

پر سراسر بوجھ تھے نہ کہ نفع رساں تھے۔(ص :۸۵)

أقول وعلی توفیقه أعول:

سبحان الله ربی الذی لا یضلّ و لا ینسٰی ، خود اس مفسر جلیل نے تصریح فرمائی کہ صدیق اکبر کے دور میں مرتدین کے خلاف جہاد اور حرب وقتال کی نوبت آئی نہ کہ اس کے بعد تو اس آیتِ کریمہ کا مصداق حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور والے مجاہدین اسلام اور عساکرِ اہل اسلام کو ٹھہرانے کا کیا جواز ہے؟ جب کہ وہ جہاد وقتال قیصر روم اور عیسائیوں کے خلاف تھا یا کسرائے فارس اور مجوسیوں اور آتش پرستوں کے خلاف تھا نہ کہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر پھر اس سے برگشتہ ہونے والوں کے خلاف، اور ان مرتدوں کو اللہ تعالیٰ نے تہدید و توبیخ فرمائی کہ تم پر ایسی قوم کو مسلط کروں گا جو ان اعلیٰ اخلاق اور ان صفاتِ کاملہ اور اس امتیازی سیرت وکردار کے مالک ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا غیبی ارشاد اور مصطفوی معجزہ حضرت صدیق اور ان کے رفقاء کار کے حق میں ہی وقوع پذیر ہوا اور وہی اس کے مصداق بنے۔ رہا یہ شبہ کہ وہ تو نزول آیت کے وقت تھے پھر ان کو مستقبل میں لانے کا کیا مطلب؟

تو جواب واضح ہے کہ مرتدین کا زمانہ ظہور بھی نزولِ آیت کے بعد والا تھا اور ان حضرات صحابہ رضوان اللّٰہ علیهم أجمعین کا ان پر مسلط کیے جانے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے یا واپس اسلام کی چوکھٹ پر جھکانے کا ظہور بھی بعد میں ہونے والا تھا اس لیے فرما دیا: فسوف یاتی اللّٰہ بقوم اور یہ جیسے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام پہلے ہی لوگوں میں موجود ہوتے ہیں، لیکن جب ان کو اعزازِ نبوت اور امتیازِ رسالت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے تو ارسال اور بعثت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے گویا کہ وہ اب ایک نئی شخصیت کے طور پر لوگوں میں جلوہ گر ہو رہے ہوتے ہیں اسی طرح یہاں بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اب خلیفۃ الرسول اور حاکم اسلام کی حیثیت سے اور ان کے ہمنوا ان کے لشکری اور سپاہی ہونے کی حیثیت سے فتنۂ ارتداد کا قلع قمع

ر ہے تھے تو یہ بھی گویا کہ نئی شخصیات بن گئے تھے۔

علاوہ ازیں وہ مرتد سارے کے سارے تو نیست و نابود نہیں ہو گئے تھے کچھ واپس حلقۂ
م میں داخل بھی ہو گئے تھے تو ان پر دوسری آیتِ کریمہ میں بعد والوں کی فوقیت اور برتری اور
ت قدمی اور اسلام وایمان پر ثبات ودوام بیان کردیا گیا ہو، کیا ضروری ہے کہ ارشاد
وند تعالٰے: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ (محمد، 48
3) کا مصداق اور اس آیت کریمہ کے علیحدہ علیحدہ مصداق متعین کئے جائیں؟

کیا مرتدین کے خلاف کاروائی کرنے والوں میں سے خود سیدنا عمر فاروق اور ان کے
وہ دیگر صحابۂ کرام قیصر روم اور کسرائے فارس کے خلاف کاروائیوں میں شامل نہیں تھے؟ لهذا
ذین کو دو طرح کی سرزنش کردی گئی، ایک تو ان کو مغلوب و مقہور کرنے والی جماعت کا ان پر
لط کرنا دوسرا ایسی قوم کو لانا جن میں اس طرح کی تردد وتذبذب والی صورت نہیں ہوگی بلکہ
ان لانے کے بعد اس پر پوری طرح ثابت قدم اور راسخ الاعتقاد رہیں گے، هذا والله أعلم
صواب

لاصۂ کلام:

لهــذا صحیح اور مختار صرف اور صرف وہی ہے جو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کی زبانی
ر فخر المفسرین حضرت امام رازی کی طرف سے ذکر کیا گیا ہے اور یہ آیتِ کریمہ حضرت
یدنا ابوبکر صدیق کی افضلیت و اعظمیت کی واضح ترین دلیل و برہان ہے۔

مام رازی رحمه الله تعالے کے بیان فرمودہ بقیہ نکات:

لمقام الثالث:

انا نـدعى دلالة هذه الآية على صحة امامة أبى بكرن الصديق و ذالك لأنه

لما ثبت بما ذكر أن هذه الآية مختصة به فنقول انه تعالے وصف الذين أراد هم بهذه الآية بصفات أولها أنه يحبهم ويحبونه الخ (جلد ٤ ص ٣٧٩، ٣٨٠)

اس آیتِ کریمہ میں تیسرا مقام یہ ہے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر دلیل ہونے کا اور اس دعویٰ کی بنیاد و اساس یہ ہے کہ جب ہماری ذکر کردہ تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ یہ آیتِ کریمہ آپ کے ساتھ مختص ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جن حضرات کا اس آیتِ کریمہ میں ارادہ فرمایا ان کو چند صفات کے ساتھ موصوف فرمایا:

اول:

یحبهم ویحبونه ، اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کو محبوب رکھتے ہیں اور جب ثابت ہوگیا کہ اس آیت سے مراد حضرت ابوبکر ہیں تو ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ابوبکر کی صفتِ جلیلہ ہے اور جس ہستی کو اللہ جل وعلیٰ ایسی عظیم وجلیل صفت کے ساتھ موصوف ٹھہرائے تو اس کا ظالم و غاصب ہونا ممتنع اور محال ہے اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ آپ امامت وخلافت میں حق پر تھے۔

صفتِ ثانیۃ:

قولہ تعالے : اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المائدہ، 5:54) یعنی مومنین کے حق میں نرم وگداز اور سراپا تواضع وانکساری اور کفار پر سخت اور قاہر وغالب۔ یہ بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صفتِ جلیلہ ہے اس دلیل کے پیشِ نظر کہ مرتدین کے خلاف صرف اور صرف آپ نے جہاد وقتال فرمایا اور اس کی تائید وتاکید اس حدیثِ مستفیض سے ہوتی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا: أرحم أمتی بأمتی أبو بکر "میری امت میں سے میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں" لهذا ثابت ہوا کہ آپ اہل ایمان کے لیے

ر رحمت اور شفقت تھے اور اس صفتِ عظیمہ کے کامل موصوف تھے۔

الشدۃ مع الکافرین ،اور آپ کفار کے خلاف شدت اور سختی کے ساتھ موصوف تھے، کیا
ب کو معلوم نہیں ہے کہ پہلے پہل جب سیدِ عالم ﷺ مکہ شریف میں قیام فرماتے اور ظاہری
ِ ضعف و ناتوانی اور بے یاری و مددگاری والی صورت حال درپیش تھی تو حضرت صدیق اکبر
طرح آپ کا دفاع کرتے تھے اور اپنی ذات کو آپ کے لیے ڈھال بنا دیتے تھے اور کس
ح ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے اور خدمت سرانجام دیتے تھے اور کفار کے جبابرہ اور
ین کی پروا نہیں کرتے تھے اور آخر الأمر میں یعنی وقتِ خلافت میں کسی طرح کسی کے قول
رف التفات نہ فرمایا اور اس پر مُصِرّ ہو گئے کہ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف حرب و قتال کے
یارہ نہیں ہے حتیٰ کہ نوبتِ کار یہاں تک پہنچی کہ اکیلے ان کے خلاف جہاد کے لیے نکل پڑے
لہ اکابرِ صحابہ نے حاضر خدمت ہو کر تضرع اور زاری کی اور ان کو جہاد پر جانے سے روکا۔
ان کی منت سماجت اور تضرع والحاح انتہاء کو پہنچا تو ان کا مطالبہ قبول کرتے ہوئے خود
ر واپس آ گئے اور مرتدین کے خلاف کاروائی کے لیے لشکر بھیج دیا چنانچہ اہلِ ارتداد ہزیمت
دوچار ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس اقدام کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور اس کے غلبہ و تمکن کا
یہ وسیلہ اور مبدأ و اساس بنا دیا، لھذا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اذلۃ علی المومنین اعزۃ
الکافرین حضرت صدیق ہی کے لائق اور شایانِ شان ہے اور انہیں کے امتیازی اور خصوصی
م کا اس میں بیان ہے۔

ت ثالثۃ:

يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد
تے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوتے، یہ صفتِ کریمہ اگر
ضرت صدیق اکبر اور مولائے مرتضیٰ میں مشترک ہے لیکن حضرت صدیق کے لیے اس میں

حظِ وافر اوراتم واکمل حصہ ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق کا جہاد کفار کے ساتھ بعثتِ شریفہ کے
اولین دور میں تھا جبکہ اس وقت اسلام میں بہت ضعف تھا اور کفر بہت قوی اور توانا تھا اور آپ
حسب المقدور کفار کے خلاف جہاد کرتے تھے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے تھے
انتہائی محنت اور کوشش کے ساتھ جبکہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے پہلے پہل بدر اور احد کے
میدانوں میں جہاد کا آغاز کیا اور اس وقت اسلام قوی تھا اور اسلامی لشکر بھی مجتمع تھے تو ثابت ہو گیا
کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جہاد سے دو وجہ سے اکمل
ترین تھا:

اول:

حضرت صدیق کا جہاد زمانہ کے لحاظ سے مقدم اور سابق تھا، لہـــذا افضل ٹھہرا، بو
ارشادِ خداوند تعالےٰ: لَايَسْتَوِى مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (الحدید، 10:57
" تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح سے قبل مال راہِ خدا میں خرچ کیا ا
جہاد وقتال کیا"

ثانی:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جہاد اسلام کے ضعف و ناتوانی کے وقت میں تھا ج
علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا جہاد اسلام کی قوت وطاقت کے دور میں تھا (جبکہ حضرت صدیق بھی
مواقع پر ساتھ ہوتے تھے بلکہ زیادہ خوف ناک مقام پر قیام پذیر ہوتے تھے یعنی رسولِ کر
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاں کفار کا دباؤ زیادہ ہوتا تھا)

صفت رابعة:

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء یہ اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار اور ارفع صفات

ے کا فضلِ عظیم ہے جس کو چاہتا ہے یہ عطا فرماتا ہے یہ صفت بھی حضرت ابوبکر صدیق کے
ن شان اور لائق ہے، کیونکہ یہ مؤید و متاکد ہے باری تعالٰے کے ارشاد وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا
ضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ (النور، 22:24) کے ساتھ یعنی "نہ قسم کھائیں فضیلت مآب اور
ت مالی والے لوگ تم میں سے" اور ہم بیان کر چکے کہ یہ آیتِ کریمہ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ
کے حق میں نازل ہوئی ہے- اور ان تمام صفاتِ عالیہ کے موصوف حضرت ابوبکر صدیق ہیں
ی دلیل یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ نازل ہی ان کے حق میں ہوئی ہے جیسے کہ ہم نے مدلل انداز
بیان کر دیا ہے- تو جب یہ امر متحقق ہو چکا تو ان صفاتِ کمال کے موصوف اولین لامحالہ
ر صدیق ہی ہیں اور جب ان کا ایسے امتیازی اور انفرادی کمالات کا موصوفِ اولین ہونا
ت ہوگیا تو ان کی امامت وخلافت کا برحق ہونا بھی قطعی اور حتمی طور پر ثابت ہوگیا، کیونکہ
فت باطل ہونے اور غاصبانہ وظالمانہ ہونے کی صورت میں یہ صفات قطعاً ان کے لائق نہیں
کتی تھیں-

ہبِ امامیہ اور نظریۂ روافض کا بطلان:

مقام الأول:

ان هذه الآية من أدل الدلائل على فساد مذهب الامامية من الروافض

مقامِ اول اس آیتِ کریمہ میں یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ مذهب الامامیہ اور روافض
کے فساد و بطلان کی بہت بڑی اور عظیم تر دلیل ہے ان کے مذہب کا بیان یہ ہے کہ جن لوگوں نے
ابوبکر کی امامت وخلافت کا اقرار و اعتراف کیا وہ سبھی کافر و مرتد ہو گئے کیونکہ انہوں نے حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق میں وارد نصِ جلی کا انکار کیا، نعوذ بالله من ذالك

اس کے فساد و بطلان پر استدلال کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ صورتِ حال یونہی ہوتی

تو اللہ تعالیٰ حضرت صدیق اکبر اور ان کے معاونین کے خلاف ایسی قوم کو لے آتا جو ان سے حرب وقتال کرتے اور ان کو مغلوب ومقہور ٹھہراتے یا انہیں واپس دین حق کی طرف لوٹاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہی یہ ہے: من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم (المائدہ، 54:5) اور من کا کلمہ شرط کے مقام میں عموم کے لیے ہوا کرتا ہے، لھذا یہ آیت ِمقدسہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ جو شخص بھی دینِ اسلام سے مرتد ہوا تو اللہ جل وعلیٰ اس پر ایسی قوم کو مسلط کرے گا جو اس کو مغلوب ومقہور بنا دیں گے اور ان مرتدین کی قوت وشوکت کو نیست ونابود کر دیں گے۔

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منصبِ خلافت سونپنے والے ایسے ہوتے تو اس آیتِ کریمہ کی رو سے واجب ولازم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف ایسی قوم کو لے آتا جو ان پر قاہر وغالب ہو جاتے اور ان کے دین ومذہب اور عقائد ونظریات کو باطل ٹھہراتے اور یہ صورتِ حال قطعاً نہیں پائی گئی بلکہ صورتِ حال واقعی اس کے برعکس اور الٹ ثابت ہوئی (بلکہ حضرت صدیق اور ان کے لشکریوں کو اللہ تعالیٰ نے مخالفین پر غلبہ اور تسلط بخشا اور ان کے دین ومذہب اور عقائد ونظریات کو تمکن واستحکام اور پائیداری اور دوام بخشا) بلکہ روافض اپنے ان نظریات باطلہ اور مزعوماتِ فاسدہ کے اظہار وافشاء میں مغلوب ومقہور رہے جب سے وجود میں آئے۔

تو ہم نے یقینی طور پر ان کے اس قول کے فساد اور مذہب کے بطلان کو معلوم کر لیا اور یہ حقیقت ہر صاحبِ انصاف پر عیاں ہے۔

أقول :

بلکہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کی بیعت کی ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے رہے، ان کے وزیر ومشیر رہے اور ان کی منت سماجت کر کے واپس مدینہ طیبہ لوٹایا جب کہ وہ اکیلے مرتدین کے خلاف جہاد کے لیے تیاری کر کے چل پڑے تھے اور کہا میں

تمہیں انہیں کلمات کا واسطہ دیتا ہوں جو میدانِ احد میں کفار کے خلاف کاروائی کے لیے آگے
ڑھتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے کہ واپس آجاؤ میں تمہیں امت کے لیے باقی دیکھنا اور باقی
یکھنا چاہتا ہوں- نیز حضرت صدیق نے جن کو خلافت کے لیے نام زد کردیا آپ نے بلاچوں چرا
ن کی بیعت کرلی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے جو چھ رکنی کمیٹی
ائم فرمائی بلاتردد اس کے بھی رکن بنے اور ان کے فیصلے کو قبول کرتے ہوئے حضرت عثمان
والنورین رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت کرلی تو اس عرصہ میں آپ اس آیتِ کریمہ کا مصداق کیسے بن
سکتے ہیں- بلکہ آپ اپنی خلافت وامامت کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو
لکھتے ہیں:

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا أبابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیه فلم
کن للشاھد أن یختارو لا للغائب أن یرد

''تحقیق شان یہ ہے کہ اسی قوم نے میرے ساتھ بیعت کی ہے جس نے حضرت ابوبکر
عمر فاروق اور عثمان ذولنورین رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کی اور انہیں امورِ اسلام اور ارکانِ
شرائط پر جن کے مطابق ان کے ساتھ بیعت کی تھی، لہذا اب نہ کسی موقع پر موجود شخص کو اپنے من
پسند فیصلہ کا اختیار ہے اور نہ اس جگہ سے غائب کے لیے اس خلافت اور اس بیعت کے رد کرنے
کا اختیار ہے-

انما الشوری للمھاجرین والأنصار فان اجتمعوا علی رجل وسمّوہ امامًا
کان ذالك للهِ رضًی

''انتخابِ خلیفہ کا حق صرف اور صرف مہاجرین وانصار کو حاصل ہے پس اگر وہ ایک
شخص پر مجتمع اور متفق ہوجائیں اور اس کو امام نامزد کردیں تو وہی اللہ تعالےٰ کا منتخب اور پسندیدہ
امام اور خلیفۃ المسلمین ہوگا''

لہذا انعوذ باللہ اگر وہ جماعت جنہوں نے ابوبکر صدیق کو خلیفہ نامزد کیا وہ مرتد تھے تو آپ بھی ان میں شامل، نیز ان کی بیعت کرنے والوں کی آپ کے ساتھ بیعت آپ کے برحق خلیفہ ہونے کی دلیل کیسے بن گئی؟ علاوہ ازیں ان کا منتخب خلیفہ اور نامزد امام اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ امام وخلیفہ کیسے بن گیا؟

(اس بحث کو ہماری کتاب لاجواب تحفۂ حسینیہ میں ملاحظہ فرماویں، محمد اشرف السیالوی کان اللہ له)

جہادِ مرتضوی کی حقیقت:

البتہ چوتھا خلیفہ بننے کے بعد آپ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف جنگ اور حضرت امیر معاویہ کے خلاف بھی جنگ کی لیکن ان کو مرتد سمجھ کر ان کے خلاف جنگ نہیں کی تھی بلکہ بغاوت کی بنا پر جنگ کی تھی کیونکہ اطاعتِ امیر اور اتباع خلیفہ واجب ہے اور وہ حضرات اپنے اجتہاد کے تحت ابھی آپ کی خلافت وامامت کے صحیح اور درست ہونے کے قائل نہیں تھے، اگرچہ وہ اجتہادی خطا پر تھے اسی لیے امام رازی قدس سرہ نے فرمایا:

قلنا هذا باطل من وجهين الأول أن اسم المرتد انما يتناول من كان تاركًا للشرائع الاسلامية والقوم الذين نازعوا عليًا ما كانوا كذالك فى الظاهر

"ہم کہتے ہیں کہ اہل تشیع اور روافض کا محاربین مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مرتد کہنا دو وجوہ سے باطل ہے:

اول:

مرتد کا لفظ ان لوگوں کو شامل ہوتا ہے جو شرائع اسلامیہ کے تارک ہوں اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نزاع وخلاف رکھنے والے بظاہر ایسے نہیں تھے اور نہ ہی کوئی اس کا قائل تھا

حضرت علی ان کے خلاف جہاد اس لیے کرر ہے ہیں کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں
خود علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے بھی یقیناً ان کو مرتد کے ساتھ موسوم نہیں کیا بلکہ فرمایا اخــوانــنـا
را علینا یرون أنهم علی الحق و نری أننا علی الحق (نهج البلاغة) ''ہمارے مسلمان
ئی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور ہم سمجھتے ہیں
ہم حق پر ہیں''

نیز امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینا اور
سال تک امام حسن رضی اللہ عنہ کا ان کی مخالفت نہ کرنا اور بیس سال تک امام حسین کا ان کی
لفت نہ کرنا بلکہ ان سے وظائف لیتے رہنا اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ یہ جنگ مرتدین
خلاف جنگ نہیں تھی۔ بلکہ خود مولائے مرتضٰی کا ارشاد گرامی ہے:

والظـاهـر أن ربـنـا واحـد ونبيـنـا واحـد ودعوتنا فی الاسلام واحدة لا
ستزيدهـم فی الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيد وننا ـ الأمر واحد الا ما
ختلفنا فيه من دم عثمان والله يعلم انامنه براء (نهج البلاغة)

''اور یقینی امر ہے کہ ہمارا اور امیر معاویہ کا اور ہمارے اور ان کے معاونین کا رب ایک
ہے، ہم سب کا نبی ایک ہے اور مسلمانی کا دعوی ہمارا ایک ہے، نہ ان سے ایمان باللہ اور تصدیق
الرسول میں زائد ہونے کا دعوی ہم کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ ہم پر اس ایمان و تصدیق میں زائد
ونے کا دعوی رکھتے ہیں۔ ہمارا معاملہ ایک ہے سوائے خون عثمان رضی اللہ عنہ میں اختلاف کے
ور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم اس خون (میں کسی قسم کی حصہ داری) سے بری الذمہ اور پاک دامن
یں (والتفصيل فی التحفة الحسينية لمحمد أشرف السيالوی غفرله ـ)

فهـذاالـذی يـقـوله هؤلاء الروافض لعنهم الله بهت علی جميع المسلمين
وعلی علی رضی الله عنه أيضاً ـ(جلد ٤ ص ٣٧٩)

''لھذا روافض لعنھم اللّٰہ کا یہ دعوی کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے، تمام مسلمانوں پر بہتان وافترا ہے بلکہ خود مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر بھی

ثانی:

لو کان کل من نازع عليًا فی الامامة مرتدا لزم فی أبی بكر وفی قومه أن يكونوا مرتدين ولو كان كذالك لوجب بحكم ظاهر الآية۔ الخ

اگر بالفرض و التقدیر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اختلاف ونزاع رکھنے والے ان کی خلافت بلا فصل یا بالفصل کے بارے میں مرتد تھے تو حضرت ابوبکر صدیق اوران کی قوم رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ارتداد لازم آئے گا اور اگر واقع میں بھی اور عنداللہ بھی صورتِ حال یہ ہوتی تو اس آیتِ کریمہ کے ظاہر اور واضح معنیٰ ومفہوم کے مطابق لازم اور ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر ایسی قوم کو مسلط کرتا جو انہیں مغلوب ومقہور ٹھہراتے اور انہیں دین حق کی طرف لوٹاتے اور جب یقیناً یہ صورتِ حال وقوع پزیر نہیں ہوئی تو ہمیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ (ان کے عملی طور پر خلیفہ ہونے کے باوجود) جنگ اور محاربت ردت اور دین اسلام سے برگشتگی نہیں ہے اور جب یہ ردت نہ ہوئی تو آیت مقدسہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر محمول اور منطبق کرنا ممکن نہ رہا کیونکہ وہ ان کے حق میں نازل ہوئی جو مرتدین کے خلاف حرب وقتال اور جنگ وجدال میں مصروف تھے۔

(نیز ان لوگوں کے اوپر مدعی سست گواہ چست والی مثال سچی آئیگی کیونکہ آپ ان کو اپنے جیسے مومن سمجھتے ہیں اور ایمانی رشتہ میں بھائی بھائی سمجھتے ہیں۔ کما سبق منا تقریرہ، محمد اشرف السیالوی عفی عنہ)

والوجه الثانی:

فی أن هـذه الآية مختصة بأبی بکر رضی اللّٰه عنه هوأنا نقول هب أن عليًا
م اللّٰـه وجهـه كـان حارب المرتدين لكن محاربة أبی بکر مع المرتدين كانت
حالًا وأكثر موقعا فی الاسلام من محاربة علی رضی اللّٰه عنه مع من خالفه فی
امة وذالك لأنـه علم بالتواتر أنه ﷺ لما توفی اضطربت الأعراب وتمردوا وان
كر هـوالـذی تـولّٰـی قهر مسيلمة وطليحة وهو الذی حارب الطوائف السبعة
تدين وهوالذی حارب ما نعی الزكوة ولما فعل ذالك استقر الاسلام وعظمت
كته وانبسطت دولته ـ أمالما انتهی الأمر الیٰ علی عليه السلام فكان الاسلام قد
ط فی الـمشـرق والمغرب وصار ملوك الدنيا مقهورين وصارالاسلام مستوليا
جميع الأديان والملل فثبت أن محاربة أبی بکر رضی اللّٰه عنه أعظم تأثيرًا فی
رـة الاسلام وتقويته من محاربة علی عليه السلام ومعلوم أن المقصود من هذه
تـعـظـيـم قـوم يسـعـون فـی تـقـوية الـديـن ونـصـرة الاسلام ولما كان أبوبكر
متولی لذالك وجب أن يكون هوالمراد بالآية ـ

(التفسير الكبير لفخرالمفسرين الامام الرازی جلد ٤ ص٣٧٩)

و ثانی :

”اس آیتِ کریمہ کی اس مدعا پر دلالت میں یہ ہے کہ یہ مختص ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ
کے ساتھ، وہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں (بزعم شیعہ) مان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتدین
خلاف حرب وقتال فرمایا تھا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مرتدین کے خلاف جنگ
ل اور حرب وقتال اعلیٰ حالت میں تھا اور موقع ومحل کے بہت مناسب اور کثیر الوقوع تھا بہ
ت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنی امامت میں مخالفت کرنے والوں کے ساتھ حرب وقتال
، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر تواتر سے ثابت ہے کہ رسول کریم علیـہ الـصلوۃ والتسلیم کا

وصال ہوگیا تو اعراب اور عامی قسم کے عربوں میں اضطراب وتردد کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے تمرد اور سرکشی سے کام لینا شروع کرلیا اور بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی تباہی وبربادی کے متولی بنے اور طلیحہ اسدی مدعی نبوت کو مغلوب ومقہور فرمایا اور آپ نے ہی سات مرتد قبائل کے ساتھ جنگ فرمایا اور آپ نے ہی مانعینِ زکوٰۃ کے ساتھ محاربہ ومقاتلہ کا بازار گرم کیا، اور جب حضرت صدیق اور خلیفۂ راشد نے یہ اقدامات فرمائے تو اسلام کو قرار اور ثبات نصیب ہوگیا اور اس کی شوکت عظیم ہوگئی اور اس کا تسلط اور غلبہ وسیع تر ہوگیا لیکن معاملہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو اسلام مشرق ومغرب میں پھیل چکا تھا اور ملوکِ دنیا اور سلاطینِ زمان مغلوب ومقہور ہوچکے تھے اور اسلام کو دوسرے تمام ادیان وملل پر غلبہ وبرتری حاصل ہوچکی تھی تو اس تقریر وتحریر سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت صدیق اکبر کا محاربہ ومقاتلہ نصرۃِ اسلام اور تقویتِ دینِ حق میں عظیم تاثیر رکھتا ہے بہ نسبت محاربتِ مرتضیٰ کے اور یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح ہر ایک کو معلوم ہے کہ اس آیتِ کریمہ سے مقصود اصلی اور مطلوبِ حقیقی اس قوم کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام بیان کرنا ہے جو دینِ حق کی تقویت اور نصرۃِ اسلام میں سعی بلیغ سرانجام دینے والے ہیں اور جب ابوبکر صدیق اور صاحبِ رسول ﷺ اس امر کے متولی اور متکفل ہیں تو واجب ولازم ٹھہرا کہ اس آیتِ مبارکہ سے وہی مراد ہوں"

سوال:

لم لا يجوز أن يقال انه كان موصوفًا بهذه الصفات حال حياة الرسول ﷺ ثم بعد وفاته لماشرع فی الامامة زالت هذه الصفات وبطلت۔

یوں کہنا کیونکر جائز نہیں ہے کہ ابوبکر بن ابی قحافہ ان صفات کے ساتھ حیات رسول ﷺ میں موصوف تھے پھر آپ کے وصال شریف کے بعد جب امامت میں مشغول ہوئے

یہ صفات زائل اور باطل ہوگئیں (لہذا اس آیتِ کریمہ سے ان کی افضلیت اور حقانیتِ خلافت
استدلال درست نہ رہے گا)

جواب:

قلنا هذا باطل قطعًا لأنه تعالے قال : فسوف ياتى الله بقوم يحبهم ويحبونه
ثبت كونهم موصوفين بهذه الصفات حال اتيان الله بهم فى المستقبل وذالك
يدل على شهادة الله له بكونه موصوفًا بهذه الصفات حال محاربته مع أهل الردة
ذالك هو حال امامته فثبت بما ذكرنا دلالة هذه الآية على صحة امامته ـ

(جلد ٤ ص ٣٨٠)

''ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ قول یقیناً باطل ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا وہ ضرور
مستقبل میں لائے گا ایسی قوم کہ وہ ان سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ اس سے محبت رکھتے ہوں گے
(الخ) تو اللہ تعالےٰ نے ان کا صفاتِ کمال کے ساتھ اتصاف ثابت فرمایا ہے اس قوم کے
مرتدین کے خلاف حرب وقتال کے دورانیہ میں، اور وہی دور ہے آپ کی امامت کا تو ہماری اس
مذکور تقریر سے اس آیتِ کریمہ کا ان کی امامت وخلافت کے برحق ہونے کی بین دلیل اور واضح
برہان ہونا واضح ہوگیا۔

اقول :

یہ سوال سراسر لغو وباطل ہے اور شیطان بھی ایسا نہیں سوچ سکتا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے
اس کو فرمادیا تھا: اِنَّ عِبَادِی لَیسَ لَکَ عَلَیهِم سُلطَان (بنی اسرائیل، 65:17) ''بے شک
میرے مخصوص بندوں پر تجھے تسلط اور غلبہ نہیں ہے'' بلکہ شیطان کو بھی اعتراف ہے: لَاُغوِیَنَّهُم
اَجمَعِینَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنهُمُ المُخلَصِینَ (الحجر، 39,40:15)''میں سب انسانوں کو گمراہ

کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں کو گم راہ نہیں کر سکوں گا'' تو ان صفاتِ کمال اور اخلاق عالیہ کے مالک اور نفس کے خلاف اور کفار کے خلاف بلا لومۃ لائم جہاد کرنے والے اگر اس کے مخلص بندے نہیں تو پھر وہ کون ہو سکتے ہیں؟ اور محبّ ہو اللہ قادر قدیر ان کا، اور اس کا دعویٰ بھی یہ ہو لیکن شیطان ان محبوبوں کو اپنے زیر تصرف لے آئے تو اللہ تعالےٰ کی خبر بھی نعوذ باللہ جھوٹی ہو جائے گی اور شیطان کا اللہ تعالےٰ سے زیادہ قادر و قدیر اور مقتدر ہونا لازم آئے گا کیونکہ محبّ بھی ہو اور قدیر و مقتدر بھی اور شیطان سے اپنے محبوب بندوں کو نہ بچائے اور نہ اس کا ارادہ اور سعی فرمائے تو اس کے محبّ ہونے کا فائدہ ہی کیا ہوا اور محبوب ہستیوں کو فائدہ نہ پہنچا سکے تو دوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکے گا؟ اور ابلیس کے اپنے اعتراف کا کیا مطلب ہوگا سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے، گویا شیطان بھی اپنے متعلق وہ خوش فہمی نہیں رکھتا جو یہ لوگ شیطان کے بارے میں رکھتے ہیں۔ سچ ہے:

''خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے''

بلکہ کوئی انہیں بطور الزام کہہ سکتا ہے کہ پھر شیطان کو اپنا خدا اور معبود تسلیم کریں۔ اللہ تعالےٰ کو جب شیطان کے مقابل مجبور و مغلوب مانتے ہیں تو پھر غالب و قاہر کا ساتھ دیں۔ اللہ تعالےٰ کو معاون و مددگار اور ناصر و کردگار ماننے کا کیا فائدہ؟

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَنْ يَتَوَلَّى اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ

(المائدہ، 5:56)

''جو مومن اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور اتباع امر سے محبت رکھیں رسول محترم ﷺ اور مومنین سے محبت رکھے تو وہ اللہ تعالےٰ کی خاص جماعت سے ہے یعنی مہاجرین وانصار اور ان کے تابعین بالاحسان سے محبت رکھیں تو وہ اللہ تعالےٰ کی خاص جماعت ہیں اور وہی غالب

ر ہیں کفار و مشرکین اور منافقین پر اور فاتح و منصور ہیں (نہ کہ ابلیس لعین اور اس کی یہ جماعتیں

حمدلله علیٰ ذالك

کاش یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے اعلانات کا بھی خیال کر لیتے!!!

نیز اگر کوئی بد بخت خارجی کہہ دے کہ خیبر کی جنگ کے موقعہ پر نبی مکرم ﷺ کے بیان

ہ صفات:

لأعطينّ الرأية غدّارجلاً يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله الحديث

مولائے مرتضے میں پہلے موجود تھے آپ کے خلیفہ بننے کے بعد زائل ہو چکے تھے تو اس

یا جواب ہوگا؟ لہذا جمیع اطراف و جوانب پر نظر رکھ کر بات کرنی چاہیے ورنہ ذلت اور خواری

وچار ہونا پڑتا ہے۔فتأمل حق التأمل۔

ض کی جوابی کاروائی اور اس کا ردبلیغ (ازفخر المفسرین رحمه الله تعالے)

اض:

یہ آیتِ کریمہ ابو بکر کے حق میں نازل نہیں ہوئی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں

ہوئی ہے لہذا اس سے حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت یا ان کی خلافت پر استدلال کی کوئی

ں ہے کیونکہ یہ صفات حضرت مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے حق میں ثابت ہیں، بدلیل:

انه عليه السلام قال يوم خيبر لأعطين الرأية رجلًا يحب الله ورسوله

به الله ورسوله وكان ذالك هو علی رضی الله عنه

دلیل یہ ہے کہ رسول معظم ﷺ نے خیبر کے موقع پر فرمایا:

"میں کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوگا اور

عالےٰ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہوں گے" اور وہ شخص حضرت علی مرتضٰی ہی تھے۔

الحواب (اولاً):

هـذا الخبر من باب الآحاد وعندهم لا يحوز التمسك به فى العمل فكيف يحوز التمسك به فى العلم الخ۔(ص ۳۸۰)

"یہ خبر اور روایت اخبارِ آحاد کے قبیل سے ہے اور ان کے نزدیک اخبار احاد سے تمسک واستدلال عمل میں بھی جائز نہیں تو یقینی اور اعتقادی امور میں اس کے ساتھ استدلال کیونکر جائز ہوگا؟

(ثانیاً) أيضا ان اثبات هذه الصفة لعلى لا يوحب انتفاء ها عن أبى بكر رضى الله عنهما (الخ)

نیز اس صفت کے علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے حق میں ثابت ہونے سے اس صفت کی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے نفی لازم نہیں آتی (اقول: جیسے کہ قرآن مجید نے پوری قوم) کے لیے یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ والی صفت ثابت فرمادی ہے اور فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِى يُحْبِبْكُمُ اللّٰهَ (ال عمران، 31:3) وغير ذالك، لهذا اسے حضرت صدیق سے نفی کی دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔(ثالثًا) نیز اللہ تعالےٰ نے یہ صفات حضرت صدیق اور ان کی قوم کے لیے ثابت فرمائی ہیں ان کے مرتدین کے خلاف کاروائی کے موقع پر، لہذا اگر (فاتحِ ہونا خیبر وغیرہ) اس وقت ثابت نہ ہو لیکن مرتدین کے خلاف محاربت کے موقع پر ان صفات کے آپ میں بلکہ آپ کی پوری قوم کے حق میں ثبوت وتحقق سے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے؟

(رابعًا) ولأن ماذكرناه تمسك بظاهر القرآن وما ذكروه تمسك بالخبر المذكور المنقول بالآحاد

"علاوہ ازیں یہ ہے کہ جو ہم نے استدلال پیش کیا ہے اس میں قرآن مجید کے ظاہری معنیٰ ومفہوم کے ساتھ استدلال ہے اور جو شبہ انہوں نے پیش کیا ہے اس میں بطریق آحاد منقول

ت سے استدلال ہے"

سا) ولأنه معارض بدليل الأحاديث الدالة على كون أبى بكر محبًا الله
سوله و كون الله محبًا له وراضيًا عنه قال تعالے فى حق أبى بكر ولسوف يرضى
عليه السلام ان الله يتحلّى للناس عامةً ويتحلى لأبى بكر خاصةً وقال :ماصب
فى صدر ى شيئًا الاوصبه فى صدر أبى بكر و كل ذالك يدل على أنه كان
الله ورسوله ويحبه الله ورسوله۔ (جلد٤ ص ٣٨١)

"اوران کا یہ استدلال ان صحیح احادیث کے معارض ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی
نہ کے محبِ اللہ اور محبِ رسول ہونے اور اللہ تعالےٰ کے ان کا محب ہونے پر دلالت کرتی ہیں
للہ تعالےٰ کے ان سے راضی ہونے پر، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے
یہ قول باری تعالےٰ بھی دلیل ہے کہ ضرور بالضرور اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوگا اور نبی الانبیاء
ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالےٰ لوگوں کے لیے عمومی طور پر تجلی فرمائے گا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ
کے لیے خصوصی تجلی میں جلوہ گر ہوگا" اور رسول محتشم ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے جو کچھ میرے
میں انڈیلا اور القاء فرمایا ہے وہ سب کچھ ابوبکر صدیق کے سینے میں انڈیلا اور القاء
یا ہے" (اور آپ ﷺ کے شرح صدر کا مظہر بنادیا لیکن نیابةً خلافةً جیسے کہ فناء فی
سول اور بقاء بالرسول کا تقاضا ہے) اور یہ بھی (اور اس کے علاوہ بہت سی آیات اور
دیث) اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ اور رسول گرامی ﷺ کے محب بھی ہیں اور ان
محبوب بھی ہیں"

)تفسیر مدارك التنزيل از حضرت علامه ابو البركات نسفى
نفى قدس سره العزيز:

قوله تعالے : "یاایهاالذین آمنو من یرتد منکم عن دینه " أی من یرجع منکم عن دین الاسلام الی ماکان علیه من الکفر۔ فسوف یاتی اللّٰه بقوم یحبهم ویحبونه أی یرضی أعمالهم ویثنی علیهم بها ویطیعونه ویوثرون رضاء ه هوفیه دلیل نبوته علیه حیث أخبرهم بما لم یکن فکان کما أخبر واثبات خلافة الصدیق رضی اللّٰه عنه لأنه جاهد المرتدین وفیه صحة خلافة عمررضی اللّٰه عنه ۔

(برحاشیه تفسیرخازن جلد اول ص٥٠٤)

قول باری تعالے یا ایهاالذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه یعنی تم مدعیان ایمان میں سے جو شخص بھی دین اسلام سے منحرف ہوکر سابقہ کفریہ نظریہ کی طرف پھر گیا تو اللہ تعالےٰ ان پر ایسی قوم مسلط کرے گا جن سے وہ محبت رکھتا ہوگا اور وہ قوم اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتی ہوگی یعنی اللہ تعالےٰ انکے اعمال کو پسند فرماتا ہوگا اور ان کی بدولت ان کی مدح وثنا فرماتا ہوگا اور وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی اطاعت کرتے ہوں گے اور اس کی رضا اور خوشنودی کو ترجیح دیتے ہوں گے۔

بیان فوائد:

(۱) اس آیتِ کریمہ میں نبی الانبیاء ﷺ کی حقانیتِ نبوت اور صداقتِ رسالت کی دلیل ہے جب کہ آپ نے اہل ایمان کو ایسے امر کی خبر دی جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا پس وہ اسی طرح وقوع پذیر ہوگیا جیسے کہ آپ نے خبر دی تھی۔

(۲) اس آیتِ کریمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برحق خلیفہ ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ انہوں نے ہی مرتدین کے خلاف جہاد فرمایا۔

(۳) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت ہی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق اور عنداللہ پسندیدہ وموعود ہونے کی دلیل ہے (جس میں ایک لمحے کے لیے بھی توقف روا نہ ہوا بلکہ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ا-

دیق اگر لفافہ میں ملفوف ومستور آرڈر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے تو اس لفافہ
ے ساتھ بیعت کرتے ہیں ورنہ نہیں تو آپ نے فرمایا انہیں کے متعلق میں نے حکم خلافت جاری
یا ہے

) مفسر جلیل علامہ خازن کا فرمان:

تفسیر الخازن کے مصنف الامام العلامہ محی السنة علاء الدین علی بن
مد بن ابراهیم البغدادی الصوفی المعروف بالخازن فرماتے ہیں:

یعنی من یرجع منکم من دینه الحق الذی هو علیه وهو دین الاسلام فیبدله
یره بدخوله فی الکفر بعد الایمان فیختارا ما الیهودیة أو النصرانیة أوغیر ذالك
أصناف الکفرفلن یضرالله شیئا وانما ضر نفسه برجوعه عن الدین الصحیح
ی هو دین الاسلام قال الحسن رحمه الله تعالے علم الله تعالے أن قوماً سیرجعون
دین الاسلام بعد موت نبیهم ﷺ فأخبر أنه سیأتی بقوم یحبهم ویحبونه ۔

یعنی تم میں سے جو شخص دین حق دین اسلام سے برگشتہ ہوگا جس پر اب ہے پس اپنے
میں تغیر وتبدل پیدا کرے گا ایمان کے بعد کفر میں داخل ہونے کی بناء پر، پس یہودیت
انیت یا دیگر اصناف کفر میں سے کسی کو اختیار کرے گا تو وہ شخص ہرگز ذرہ بھر ضرر و نقصان اللہ
ے کو نہیں پہنچا سکے گا اور اس نے دین اسلام سے پھر کر صرف اور صرف اپنے آپ کو ہی
ن پہنچایا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے نے جان لیا کہ اہل ایمان
سے ایک گروہ اپنے نبی برحق ﷺ کے وصال شریف کے بعد دین اسلام سے برگشتہ ہو
ں گے تو اللہ تعالے نے اس آیتِ کریمہ میں خبر دے دی کہ میں ان کے قلع قمع کے لیے ایسی
ن کے سروں پر لاؤں گا جو اللہ تعالے کے محبوب بھی ہوں گے اور اس سے محبت رکھنے والے

بھی ہوں گے۔

اختلف العلماء فی المعنی بقوله تعالے فسوف یاتی الله بقوم یحبهم ویحبونه فقال علی کرم الله وجهه والحسن والقتادة أنهم أبوبکر وقومه رضی الله عنهم الذین قاتلوا أهل الردة ومانعی الزکوٰة الخ (الحلد الاول ص ٥٠٤)

علمائے کرام اور مفسرینِ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آیتِ کریمہ میں مذکور صفات کمال اور اخلاق عالیہ اور بلند و بالا سیرت و کردار کے موصوفین کون خوش نصیب ہیں؟ تو مولائے مرتضیٰ حضرت علی شیر خدا اور حضرت حسن بصری اور قتادہ کے نزدیک وہ اعلیٰ مرتبہ و مقام والی قوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم اور مصاحب اور ہم نوا لوگ ہیں جنہوں نے مرتدین اور زکوٰۃ کے منکرین کے خلاف جہاد و قتال فرمایا (تا) جب بالعموم عرب میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی ماسوائے اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل بحرین کے کیونکہ یہ لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے اور اللہ تعالےٰ نے ان کے ذریعے دین اسلام کی امداد و نصرت فرمائی اور جب مرتد ہونے والے مرتد ہو گئے اور بعض نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دیا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال کا ارادہ مصمم کر لیا اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف اس حرب و قتال کو پسند نہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ان کے خلاف اس قدر انتہائی قدم کیسے اٹھا سکتے ہیں جبکہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا فرمان ہے:

أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الاالله

''مجھے اس امر کا مامور ٹھہرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کروں یہاں تک کہ لاالٰہ الااللہ کہہ لیں، فمن قالها فقد عصم منی ماله ودمه الا بحقه وحسابه علی الله، ''لھذا جس نے یہ کلمہ توحید کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور خون کو محفوظ کر لیا ماسوائے حق اسلام کے اور اس کا حسابِ قلب اور محاسبۂ باطن اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے''

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! میں ہر اس شخص کے خلاف حرب
ل سے کام لوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفرقہ اور امتیاز برتا، کیونکہ زکوٰۃ مال میں
تعالیٰ کا حق ہے (جیسے کہ بدن میں نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ دونوں حق اسلام میں داخل
اور لاالــہ الاالـلّٰــہ کے قول و اقرار سے مراد ہے اس کے حقوق لازمہ سمیت اس کا اقرار
تراف کرنا) بخدا اگر وہ (بالفرض) بکری کا بچہ یا زکوٰۃ کے جانور کا رسہ جو رسول گرامی ﷺ کی
ستِ اقدس میں پیش کرتے تھے تو اس کے روکنے پر بھی ان کے خلاف حرب و قتال کروں گا۔

حضرت انس بن مالک انصاری خادمِ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام
ہم الرضوان نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کو پسند نہ کیا اور کہا وہ اہل قبلہ ہیں (اور ہمارا ان
خلاف جہاد جائز نہیں ہے) فتقلد أبوبکر سیفه وخرج وحده فلم یجدوا بُدًّا من
روج علی أثره

"تو حضرتِ صدیق اکبرا کیلے تلوار کا قلادہ بنائے ہوئے ان منکرین و مرتدین کے
ف جہاد و قتال کے لیے نکل پڑے تو صحابۂ کرام کے لیے ان کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کرهنا ذالك فی الابتداء ثم حمدنا ه علیه فی الانتهاء

"ہم نے ابتداء میں تو اس اقدام کو پسند نہ کیا لیکن آخر کار اس پر حضرت صدیق کے
ح خوان اور شکر گزار بن گئے"

ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں:

سمعت أبا حصین یقول ما ولد بعد النبیین أفضل من أبی بکر لقد قام
قام نبی من الأنبیاء فی قتال أهل الردة

میں نے حضرت ابو حصین کو فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی بچہ پیدا

نہیں ہوا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو (بلکہ ان کے مساوی ہو) البتہ تحقیق وہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی نبی کے قائم مقام ٹھہرے مرتدین کے خلاف جہاد کرنے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

توفی رسول اللّٰہ ﷺ وارتدت العرب واشرأب النفاق ونزل بأبی بکر مالونزل بالجبال الراسیات لھا ضھا

''نبی رحمت ﷺ کا وصال شریف ہو گیا اور اہل عرب بالعموم ارتداد کا شکار ہو گئے اور لوگوں کے رگ و پے میں نفاق سرایت کر گیا اور حضرت ابوبکر صدیق پر حوادث اور مصائب اس قدر وافر مقدار میں ٹوٹ پڑے اور ایسے آفات سے دوچار ہو گئے کہ بلند و بالا چوٹیوں اور راسخ بنیادوں والے پہاڑ بھی ان کے متحمل نہ ہو سکتے بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے''

بعث أبوبکر الصدیق خالد بن الولید فی جیش کثیر الی بنی حنیفه بالیمامة وھم قوم مسیلمة الکذاب فأھلك اللّٰہ المسیلمة علی ید وحشی غلام مطعم بن عدی الذی قتل حمزة رضی اللّٰہ عنه فکان وحشی یقول قتلت خیر الناس فی الجاھلیة وأشر الناس فی الاسلام۔

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن الولید سیف اللّٰہ کو کثیر التعداد لشکر دے کر بنو حنیفہ کے خلاف کاروائی کے لیے یمامہ کی طرف روانہ کیا جو کہ اس مسیلمہ کذاب کی قوم تھی تو اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو مطعم بن عدی کے غلام وحشی کے ہاتھوں ہلاک فرمایا تو وحشی کہا کرتا تھا کہ ''میں نے اپنی جاہلیت کے دور میں سب سے بہترین شخصیت کو شہید کیا اور اسلام لانے کے بعد بدترین شخص کو ہلاک کیا''

(۷) حضرت شیخ علامہ عارف باللہ احمد صاوی کا ارشاد:

رتد قبائل کی تفصیل اور انجام کار:

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی ظاہری زندگی میں تین قبائل بھی دائرہ اسلام سے

رج ہو گئے:

ل:

بنو مدلج جن کا رئیس اور مقتداء اسود عنسی تھا جو کہ کاہن تھا اور اس نے نبوت کا

وی کر دیا یمن کے علاقہ میں اور ان شہروں پر مسلط ہو گیا، اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ

لتسلیم کے عمال اور نائبین کو وہاں سے نکال دیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل

ی اللہ عنہ کو لکھا اور یمن کے سرداروں کو آرڈر دیا کہ وہ اس کے خلاف حرب و قتال کا بازار گرم

ریں تو اللہ تعالیٰ نے اس کذاب کو حضرت فیروز دیلمی کے ہاتھوں ہلاک فرمایا اور انہوں نے

ب خون مار کر اس کو جہنم واصل کیا فاخبر رسول اللہ ﷺ بقتله ليلة قتله فسر المسلمون

الك الخ۔

''رسول معظم ﷺ نے اس کے قتل ہو جانے کی اسی رات معجزانہ طور پر خبر دے دی

راس مژدہ سے اہل اسلام کو بہت مسرت ہوئی''

اگلے دن نبی محتشم ﷺ راہی ملکِ بقاء ہو گئے اور ربیع الاول کے آخر میں اس کے قتل کی

بر بذریعہ قاصد پہنچی۔

دوم:

بنو حنیفہ جو کہ مسیلمہ کذاب کی قوم تھی، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول خدا

علیہ التحیۃ والثنا کی طرف خط لکھا:

من مسيلمة رسول الله أما بعد فان الارض نصفهالی و نصفهالك

''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے، امابعد: زمین آدھی میری ہے اور آدھی تمہاری ہے''
(لہٰذا میرا حصہ میرے حوالے ہونا چاہیے)

تو محبوبِ کریم علیہ السلام نے اس کی طرف اس مضمون کا خط بھجوایا:

من محمد رسول اللّٰه الى مسيلمة الكذاب أمابعد :

''زمین ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اپنے بندوں میں سے اور حسنِ عاقبت متقین کے لیے ہے''

یہ کذاب حضرتِ صدیق اکبر کے دور خلافت میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا اور وہ کہا کرتا تھا میں نے اپنے دورِ جاہلیت میں خیر الناس کو شہید کیا اور اپنے دورِ اسلام میں شر الناس کو جہنم واصل کیا''

سوم:

بنواسد جو کہ طلحہ بن خویلد کا قبیلہ تھا اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف حضرت خالد سیف اللہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا، قتال کے بعد شکست کھا کر میدان کارزار سے شام کی طرف بھاگ نکلا بعد ازاں حلقۂ اسلام میں داخل ہوگیا اور مخلص مسلمان بن گیا۔

سات قبائل:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سات قبائل ارتداد کی لپیٹ میں آئے:

(ا) بنو فزارہ عیینہ بن حصن فزاری کی قوم

(ب) غطفان قرہ بن مسلمہ قشیری کی قوم

(ج،د) بنو سلیم اور بنو یربوع مالك بن بریده یر بوعی کی قوم

(ہ،و) بعض بنو تمیم اور بنو کنده اشعت بن قیس کندی کی قوم

(ی) بنو بکر بن وائل۔

فکفی اللّٰہ أمرهم علی ید أبی بكرن الصديق حين خرج لقتالهم حيث منعوا الزكوة فكره ذالك الصحابة وقالواهم أهل القبلة كيف نقاتلهم فتقلد أبوبكر سيفه وخرج وحده فلم يحدوا بُدًّا من الخروج على اثره فقال ابن مسعود رضى الله عنه كرهناذالك فى الابتداء وحمدناه فى الانتهاء وقال بعض الصحابة ما ولد بعد النبيين أفضل من أبى بكر لقد قام مقام نبى من الأنبياء فى قتال أهل الردة والفرقة التى ارتدت فى زمن عمر بن خطاب رضى الله عنه هم غسان فكفى الله أمرهم على يد عمر رضى الله عنه۔ (جلد اول ص ۲۰۲)

''اللہ تبارک وتعالٰے نے ان قبائل کے معاملہ کا حضرت صدیق اکبر کے ہاتھوں استیصال فرمایا، جب ان کے خلاف حرب وقتال کے لیے نکلے، وہ زکوٰۃ دینے سے انکاری ہوگئے تھے تو صحابہ کرام نے اس اقدام کو ناپسند کیا اور کہا وہ اہل قبلہ ہیں ہم ان کے خلاف کیسے جہاد کریں؟ تو حضرت صدیق نے تلوار حمائل کی اور اکیلے ان مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے چل پڑے تو ان (صحابہ) کے لیے ان کے پیچھے جہاد کے لیے نکلنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس اقدام کو آغازِ کار میں تو ناپسند کیا لیکن انجام کار اس اقدام کو اور اس کے قائد کو قابل صد ستائش اور لائق صد آفرین سمجھا۔ اور بعض صحابۂ کرام نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے بعد ابوبکر صدیق جیسا کوئی بیٹا کسی ماں نے نہیں جنا وہ اہل ردۃ کے خلاف جہاد وقتال میں ایک عظیم نبی جیسا کارنامہ سرانجام دے گئے۔ اور وہ فرقہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ارتداد کا شکار ہوا وہ قبیلہ غسان تھا اللہ

تعالٰی نے ان کے اس فتنہ کو حضرت فاروق اعظم کے ہاتھوں نیست و نابود فرمایا۔

والأقرب أن الآية عامة لأصحاب رسول الله ﷺ ومن كان على قدمهم الى يوم القيامة بقرينة التسويف (صاوی جلد اول ص ۲۵۱)

"صواب اور حق کے قریب تر یہی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ عام ہے سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی شامل ہے اور ہر اس شخص کو جو قیامت تک ان کے نقشِ قدم پر چلے گا جس کا قرینہ سوف کا لفظ ہے جو مستقبل بعید کو بھی شامل ہے (جیسے کہ فاء کا لفظ اتصالِ زمان پر دال ہے) لیکن الفضل للمتقدم کے تحت اور من سن فی الاسلام سنۃً حسنۃً کے تحت یہ سب کریڈٹ حضرت صدیق اکبر کو ملے گا اور اس حرب وقتال میں وہ سب کے امام و مقتداء اور متبوع و پیشوا ثابت ہونگے، لہذا انکی افضلیت واضح ہوگئی۔

فائدۂ عظیمہ:

صرف حضرت صدیق جہاد وقتال پر مصر تھے جبکہ سب صحابہ اس قدام کے خلاف تھے مگر آپ کے حرب وقتال کے لیے تیار ہو کر چل پڑنے پر اپنے اجتہاد اور علمی دقیقہ سنجیوں کو آپ کے فیصلہ پر قربان کر دیا اور صرف متفق اور مجتمع ہو کر اس ایک ہستی کو روکا نہیں اور واپس پلٹنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کی اقتداء واتباع اور اطاعت وامتثال کو اپنے اوپر لازم سمجھا جس سے حضرت صدیق اکبر کی شخصیت کی عظمت اور افضلیت بھی واضح ہوگئی اور ان کا علم میں فائق اور بلند تر مقام پر فائز ہونا بھی واضح ہوگیا اور بالآخر سب کو وہی مصلحت وحکمت سمجھ آگئی جو آپ کے پیش نظر تھی اور اول نظر وفکر میں جہاں آپ کی عقل رسا پہنچی تھی، نیز آپ کی شجاعت وبسالت اور جرءت ودلیری بھی مہر نیم روز کی طرح واضح ہوگئی۔ کہاں ہیں مولائے مرتضٰی شیر خدا اسد اللہ الغالب کو تقیہ کا مرتکب ٹھہرانے والے اور صحابہ کرام کے ساتھ چھوڑ جانے کے ڈر سے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کا الزام لگانے والے اور ان کی مرضی کی بات زبان پر اور ان کا پسندیدہ عمل اپنانے کا الزام عائد

کرنے والے کہ لشکری چھوڑ نہ جائیں اور میں اکیلا نہ رہ جاؤں لہذا ایک ظاہری اسلام اور دوسرا باطنی اسلام جاری کردوں، سبحانك هذا بهتان عظیم و لعنة الله علی الکاذبین ۔

نیز سنی نما شیعہ مجتہدین کو بھی یہاں ایمان کی نظر سے مشاہدہ کرنا چاہیے کہ ان فضائل و اختصاصات کی بنا پر خلافت کا منصب آپ کو سونپا گیا یا خلافت وحکومت کی وجہ سے یہ اعزاز و امتیاز آپ کو حاصل ہوا؟ الآن حصحص الحق وبان وانمحق الکفرومان والحمدلله علی ذالك۔

افضلیتِ صدیق اکبر کی ساتویں قرآنی دلیل

الآیۃ السابعۃ:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا۔ (سورۃ النساء،4:69,70)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کی اطاعت کریں گے تو وہ ان حضرات کی معیت میں ہوں گے (روحانی طور پر) جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام، صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ اور وہ سبھی بہت اچھے رفیق ہیں وہ فضل عظیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے از روئے علیم ہونے کے۔ (ان کے ظواہر و بواطن اور ان کے لائق اجور و مثوبات ہونے کا)

اقول:

یہ کلمات قدسیہ ان حضرات کے حق میں نازل ہوئے جن کے دلوں میں محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا عشق کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے آپ کے چہرہ والضحی کے دیدار سے محرومی ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی تھی اور جب وہ اس صورت حال کا تصور کرتے جو سرورِ عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد اور اس شمع نبوت کے پروانوں کی وفات کے بعد پیش آنے والی تھی کہ حبیبِ کریم علیہ السلام جنت کے کس قدر بلند و بالا مرتبہ اور

مقام میں ہوں گے اور ہم بھی بخشے گئے تو کہیں جنت کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور اتنے عظیم فاصلوں اور مختلف حجابات وموانع کے ہوتے ہوئے جب دولتِ دیدار سے محروم رہے تو وہ جنت ہمارے کس کام؟ بلکہ دوزخ کی مانند بلکہ عام دوزخ سے بھی رنج والم اور عذاب وعقاب میں ہزاروں گنا بڑی ثابت ہوگی اور اپنی اس حسرت ویاس اور حرماں نصیبی کا بارگاہ رحمۃ للعالمین میں اظہار کرتے تو اللہ رحمٰن ورحیم نے ان کے درد کے درماں بلکہ ان کی مسرت وشادمانی اور فرحت وسرور کا سامان مہیا کرتے ہوئے اور ان کے اطمینانِ قلب اور تسکینِ روح کا انتظام اور بندوبست کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ اور رسولِ خدا کی اطاعت گزاری اور فرمانبرداری سے کام لینے والوں کو اس لطف وکرم سے نوازوں گا کہ ان کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی ان انعام یافتہ ہستیوں کی روحانی معیت کا شرف بخشوں گا جب چاہو گے ان کا دیدار بھی کرسکو گے اور صرف دور دراز مسافت سے نہیں بلکہ ان کی مقدس بارگاہ میں حاضر ہوکر بھی اور صرف اس نبی رحمت ﷺ کی معیت ہی نصیب نہیں ہوگی بلکہ ان کے طفیل اور تصدق میں تمام انبیاء ورسل علیہم السلام صدیقین وشہداء اور صالحین کی روحانی معیت بھی عطا کروں گا اور وہ بہت بڑے شفقت ورحمت سے پیش آنے والے مصاحب ورفیق ہیں اور تمہیں یہ فضیلت بخشنا یا ان مقدس ہستیوں کو یہ اعزازات وامتیازات عطا کرنا اللہ جل وعلیٰ کا فضل عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے از روئے علیم ہونے کے۔

وجہِ استدلال:

بطورِ اجمال یہ کہ باری تعالیٰ نے ان انعام یافتہ حضرات کو بطورِ عطف ذکر کیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے مصداق جدا جدا ہیں کیونکہ یہ امر تو متفق علیہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام باقی حضرات سے الگ ہیں تو لامحالہ ان میں بھی تغایر ہونا چاہیے، جبکہ فی حد ذاتہ انعام یافتہ ہونے میں شریک بھی ہیں تو جس طرح انبیاء علیہم السلام پر جو اللہ کریم کا انعام ہے اس کی برابری تینوں فریق مل کر بھی نہیں کرسکتے اسی طرح صدیقین کی

برابری اور مساوات شہداء کی رسائی سے بالاتر ہے اور عام صالحین کی رسائی شہداء کرام کے مرتبہ ومقام تک مشکل ہے۔ پھر صدیقین سابقہ امتوں میں بھی تھے اور اس امت میں بھی بہتیرے ہیں، کما قال تعالی: وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ (الحدید، 19:57) اور کیوں نہ ہوں جب کہ یہ امت سب انبیائے کرام کی امم سے افضل واعلیٰ اور خیر وبرتر ہے کما قال تعالیٰ: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران، 110:3) اور یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے اور مستغنی از بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امتِ محمدیہ کے صدیقِ اکبر ہیں تو سب امم ومِلَل کے صدیقین سے بھی آپ صدیقِ اکبر ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں جہاں بھی انبیاء اور دیگر مقبولانِ بارگاہِ اقدس کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے متصل بعد صدیقین کا ذکر ہی فرمایا ہے تو جس طرح انبیاء کرام کی سب مقبولانِ خداوند تعالیٰ پر فوقیت وبرتری ثابت ہوئی اسی طرح صدیقین کی دوسرے طبقات والے حضرات پر رفعت اور بلندی مرتبت ثابت ہوئی اور سب صدیقین پر اس صدیقِ اکبر کی سبقت اور تقدم ثابت ہو گیا جبکہ اہلِ سنت کا نظریہ وعقیدہ ہے أفضل البشر بعد الأنبياء أبو بكر ن الصديق (الخ) شمعِ رسالت کے وہ پروانے جو دنیا میں چند لمحات کے لیے چہرہ والضحیٰ کے آنکھوں سے اوجھل ہونے پر صبر وقرار کا دامن ہاتھوں سے چھوڑ بیٹھتے تھے اور سراپا اضطراب وسرگردانی بن جاتے تھے جب آخرت میں آپ کے درجات کی رفعت وبلندی اور اپنے درجات ومقامات کی پستی اور درمیانی طویل ترین فاصلوں اور مسافتوں اور حائل ہونے والے حجابات وموانع کا تصور کرتے تو مرنے سے پہلے مرنے کی حالت کو پہنچ جاتے تھے تو ان کو مژدہ بشارت سناتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل کی گئی تھی کہ مطمئن رہو محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دیدار اور زیارت میں تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی کبھی ان کے عشق و پیار کا صدقہ تمہیں ان مقاماتِ عالیہ پر پہنچا کر دیدار کرایا جائے گا اور کبھی وہ

روئے ذرہ پروری اپنے ارفع ترین مقام سے تنزل فرما کر تمہیں اپنی اپنی منازل میں دیدار
ے مشرف فرمادیں گے۔مگر اس کے ساتھ ساتھ سب انبیاء علیہم السلام کے دیدار کا مژدہ بھی سنا
گیا اور صدیقین وشہداء اور صالحین کی زیارت کی بشارت بھی عطا کر دی گئی اس آیتِ کریمہ
ے ان چار اصناف کے مراتب کی رفعت وبلندی پر بھی تنبیہ ہوگئی اور ان حضرات کے شوق
وق کی تکمیل و تتمیم بھی اتم واکمل طریقہ پر کیے جانے کا مژدہ عظمیٰ بھی ان کو سنا دیا گیا کہ
ف رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نہیں بلکہ سب انبیاء کرام اور صدیقین اور شہداء وصالحین کے دیدار
ے بھی تمہارے دلوں کو سکون وقرار بخشا جائے گا اور تمہاری آنکھوں کو ان کے انوار سے منور کیا
ئے گا- نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح اطاعتِ خداوندی کے اعلیٰ مقام پر
ز ہیں یہ تینوں اصناف بھی اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ مصطفوی کے اعلیٰ وارفع مراتب پر
بہ بدرجہ فائز ہیں اور عام مطیعین ان کے مدارج ومعارج کی قطعاً برابری نہیں کر سکتے بلکہ ان
ے دیدار کو غنیمت اور نعمتِ عظمیٰ سمجھیں گے۔

بیہ:

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقانِ زار کی طمانیتِ قلب اور تسکین روح کا سامان تو ان
نرات کی معیت کا مژدہ سنا کر کر دیا گیا تو جن حضرات کا انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم
لام کے ساتھ بطور شرکاء انعام ذکر کیا گیا ہے ان کے درجات ومراتب کا عالم کیا ہوگا؟ خصوصاً
دیقین کا اور پھر ان کے سردار اور مقتداء وپیشوا صدیق اکبر کا مرتبہ ومقام کس قدر بلند وبالا اور
فع واعلیٰ ہوگا؟

رتبۂ صدیقیت کا مفصل بیان، از فخر المفسرین حضرت امام رازی :

ألصديق اسم لمن عادته الصدق (الخ) یعنی صدیق ہر اس ہستی کا لقبِ خاص ہے

جس کی عادتِ عالیہ صدق ہو" اور جس سے عادتِ غالبہ کے طور پر کوئی فعل صادر ہوتا ہو تو جب اس کے ساتھ موصوف کیا جائے گا تو فـــعیـــل کے صیغہ سے تعبیر کیا جائے گا جس طرح سکیر، شریب اور خمیر کہا جاتا ہے ان کو جن پر سکر، شربِ خمر اور شراب کا خمار غالب رہتا ہو تو صدق صفتِ کریمہ فاضلہ ہے صفاتِ مومنین میں سے، اور صدق کی فضیلت میں یہی قدر کافی ہے کہ ایمان صرف اور صرف تصدیق کا نام ہے اور کذب کی مذمت کے لیے یہی قدر کافی ہے کہ کفر تکذیب ہی کا نام ہے، جب یہ معلوم ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ مفسرین کرام نے صدیق کے معنیٰ ومفہوم میں کئی وجوہ ذکر فرمائے ہیں:

اول: ان کل من صدق بکل الدین لا یتخالجه فیه شك فهو صدیق الخ

"ہر وہ شخص جو مکمل دین کی تصدیق کرے اور اسے اس میں ذرہ بھر شک وتردد درپیش نہ ہو سکے تو وہ صدیق ہے" اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ (الحدید، 19:57) "اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسل کرام پر وہی لوگ ہی صدیقین ہیں"

ثانی:

قال قوم: أفاضل أصحاب النبی ﷺ "علمائے اعلام کی ایک قوم کا کہنا ہے کہ ان سے مراد اصحابِ رسول علیہ الصلوۃ والسلام میں سے افضل ترین حضرات صحابہ ہیں، رضی اللہ عنہم۔"

ثالث:

ان الصدیق اسم لمن سبق الی تصدیق الرسول علیه الصلوۃ والسلام فصار فی ذالك قدوۃ لسائر الناس واذا كان الأمر كذالك كان أبوبكر ن الصدیق رضی اللہ

ہ أولی الخلق بھذا الوصف الخ۔

"صدیق نام ہے اس شخص کا جو رسول گرامی علیہ السلام کی تصدیق میں سبقت لے گیا اور دوسرے لوگوں کے لیے قائد اور رہبر بن گیا ہو اور جب صدیق کا معنیٰ ومفہوم یہ ہے تو رت ابوبکر سب مخلوق سے اس لقب وامتیازی وصف کے زیادہ لائق اور سزاوار ہیں۔

تصدیقِ رسول علیہ السلام کی طرف سب پر سبقت کی دلیل رسول مکرم ﷺ سے رشہرت ثابت یہ روایت ہے ماعرضت الاسلام علی أحد الاوله کبوة فیه غیر أبی ر فانه لم یتلعثم "میں نے جس شخص پر اسلام کو پیش کیا اس نے پس وپیش سے کام لیا سوائے کر صدیق کے انہوں نے ذرہ بھر تردد وتوقف سے کام نہیں لیا"

اگر فرض کریں ان کا اسلام کسی دوسرے مسلمان سے متاخر ہے تو پھر یہ بات تسلیم کیے ر چارہ نہیں ہوگا کہ یہ کوتاہی العیاذ باللہ نبی مکرم ﷺ کی طرف سے پائی گئی کہ آپ نے ان پر لام پیش کرنے میں تاخیر فرمادی تو یہ نقص اور عیب ابوبکر صدیق کی طرف راجع نہیں ہوسکتا بل کون قدحاًفی الرسول وذالك کفر۔ بلکہ رسول معظم ﷺ میں یہ نقص اور عیب لازم آئے گا ۔ ایسا کہنا بلکہ سوچنا بھی کفر ہے لھذا ان دونوں امور سے مجموعی طور پر حضرت ابوبکر صدیق کا ب لوگوں سے اسلام لانے میں سابق اور متقدم ہونا واضح طور پر ثابت ہوگیا۔

ضرت صدیق کا اسلام اہل اسلام کے لیے قائد ومقتداء:

اس امر کی دلیل صادق اور برہان ناطق یہ ہے کہ حضرت صدیق دوسرے قبیلہ سے لق رکھتے تھے، تاجر پیشہ تھے لوگوں پر ان کے احسانات تھے اور وہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے آپ ے کراتے تھے، امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے اور صدق وامانت میں معروفِ زمانہ تھے اور عمر ی اڑتیس (38) سال کے قریب تھی، جب کہ آپ سیدِ عالم ﷺ کے حلقۂ غلامی میں داخل وے تو ایسے شخص کا آپ پر ایمان لانا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا لامحالہ دوسرے لوگوں

کی اسلام میں رغبت اور نبی مکرم ﷺ کے دعوائے نبوت کی تصدیق کی ترغیب وتشویق کا موجب ہوگا۔اس کے برعکس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آپ پر اسلام لانے میں (تین دن کی) سبقت تسلیم بھی کرلی جائے تو بلاریب و تردد وہ لوگوں کے لیے قائد و راہنما اور قابل تقلید مثال ونمونہ نہیں بن سکتے تھے جس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) وہ چھوٹے بچے تھے بقول بعض سات سال کے بقول بعض آٹھ سال اور بقول بعض دس سال کے تھے۔

(۲) آپ اس وقت نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ہاں زیر تربیت تھے (کیونکہ جناب ابوطالب مالی پریشانی میں مبتلا ہوچکے تھے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس کی ان کی امداد واعانت کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ ان کا ایک بیٹا تم سنبھال لو دوسرا میں سنبھال لیتا ہوں تاکہ ان کا بوجھ قدرے ہلکا ہوجائے تو حضرت جعفر کو انہوں نے تربیت میں لے لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے ،تو جو صغیر سن بچہ آپ کے دستر خوان پر پل رہا تھا اس کا آپ کی نبوت پر ایمان لانا لوگوں کے لیے کسی کشش کا موجب نہیں ہوسکتا تھا۔

(۳) نیز نسبی لحاظ سے آپ کے ساتھ ان کا قریبی تعلق تھا اور بہت اعلیٰ درجہ کا قریبی تعلق تھا یعنی چھوٹے بھائیوں کی مانند تھے تو اس وجہ سے بھی لوگوں کے لیے ترغیب وتشویق کا کوئی خاص اہم پہلو نہیں تھا۔

لامحالہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا لوگوں کے لیے اسلام میں رغبت اور نبی مکرم ﷺ کے دعوائے نبوت کی تصدیق پر آمادگی کا موجب وباعث بنا اور پھر آپ نے تبلیغ اسلام اور اشاعتِ احکام رسالت میں بھی بھرپور حصہ لینا شروع کردیا اور اس معاملہ میں بھی آپ ثـانی اثنین بن گئے اور چند دنوں میں قبائل قریش میں سے اکابر حضرات کو اپنی تبلیغ کے ذریعے اسلام کی چوکھٹ پر جھکا دیا اور نبی رحمت ﷺ کے حلقۂ غلامی میں داخل کرا دیا جیسے کہ حضرت عثمان

لنورین، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون
اللہ عنہم۔ تو آپ کا اسلام لانا ان اکابر کے اسلام لانے کا موجب بن گیا۔

فثبت لمجموع ما ذکرنا أنه رضی اللّٰه عنه كان أسبق الناس اسلاماً وان
ت اسلامه صار سببًا لاسلام هولاء الأكابر و سببًا لاقتداء هم به فی الاسلام
ت أن أحق الناس بهذه الصفة أبوبكر رضی اللّٰه عنه ۔

(تفسیر کبیر جلد٤ ص١٣٤)

"ہمارے اس مجموعی کلام سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر از روئے اسلام لانے کے
سب سے سابق و مقدم تھے نیز ان کا اسلام لانا ان اکابرین کے اسلام لانے کا موجب بھی
یا اور ان کی اسلام میں آپ کی اقتداء و اتباع کا موجب بن گیا لہذا ثابت ہو گیا کہ اس
ت صدیقیت کے سب لوگوں سے زیادہ حق دار حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں"

حضرت ابوبکر أفضل الخلق بعد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب آپ کا أسبق الناس ہونا
وئے اسلام اور قدوۂ اہل اسلام ہونا ثابت ہو چکا تو اب یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ آپ
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد أفضل الخلق ہیں جس کا بیان دو وجہ سے ہے:

اول:

جب آپ کا اسلام سب سے سابق اور مقدم ہے تو لازم ٹھہرا کہ آپ کا اجر و ثواب سب
زیادہ ہو کیونکہ ارشادِ نبوی ہے: من سنّ فی الاسلام سنةً حسنةً فله أجرها و أجر من
مل بها الی یوم القیامة "جس نے اسلام میں اچھا طریقہ قائم کیا اسے اس کا اجر ملے گا او
کے مطابق عمل کرنے والوں کے تا قیام قیامت اجر و ثواب کی مثل بھی اجر و ثواب ملے گا"

دوم:

انہوں نے اسلام لانے کے بعد اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کیا اور ان کا جہاد اکابر صحابہ کے ایمان لانے کا موجب بن گیا مانند حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص وعثمان بن مظعون رضی اللّٰہ عنہم کے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جہاد فرمایا (بدر میں) احد اور احزاب میں کفار کے قتل کی صورت میں، لیکن ابو بکر صدیق کے جہاد نے ایسے اکابر اور اعیان صحابہ کو مشرف باسلام کیا اور یقیناً یہ جہاد قتل کفار سے افضل ہے۔

نیز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں جہاد فرمایا کہ اسلام ضعف و ناتوانی سے دوچار تھا اور نبی مکرم بھی معاونین و مددگاروں کی قلت سے دوچار تھے اور شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جب جہاد شروع فرمایا تو اسلام نسبتاً مضبوط و توانا تھا اور نبی مکرم ﷺ کے معاون ومددگار بھی کافی تعداد میں تھے، ومعلومٌ أن الجهاد وقت الضعف أفضل من الجهاد وقت القوة "اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ ضعف و ناتوانی کی حالت میں جہاد کرنا بہت افضل ہے قوت و توانائی کی حالت میں جہاد کرنے سے" اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا۔ (سورہ حدید، 10:57)

"تم میں سے وہ لوگ درجہ و مرتبہ میں برابر نہیں ہو سکتے ان کے ساتھ جنہوں نے فتح سے قبل مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور قتال و محاربہ کیا وہ عظیم تر ہیں از روئے درجہ کے ان سے جو فتح کے بعد انفاق مال اور حرب و قتال میں حصہ دار بنے"

اس آیتِ کریمہ نے واضح فرما دیا اسلام کے ضعف کے وقت اس کی امداد و نصرت عظیم تر ثواب کی موجب ہے قوت و توانائی کی حالت میں امداد و نصرت سے لہٰذا ہمارے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ سب لوگوں کی نسبت حضرت صدیق اس وصف کے ساتھ اتصاف کے زیادہ حق دار ہیں، ولهذا أجمع المسلمون على تسليم هذا اللقب له الامن لا يلتفت الیہ

ـہ ینکرہ ''اسی لیے اہل اسلام کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ یہ لقب حضرت ابوبکر کے لیے
م بلکہ واجب التسلیم ہے سوائے ایسے لوگوں کے جن کی ذاتیں بھی اور اقوال بھی ناقابل
ت ہیں تو وہ آپ کے اس لقب کے منکر ہیں''

یقیت بعد از رسالت ارفع ترین مرتبہ ہے:

ہم نے جو صدیق کی تفسیر ذکر کی ہے وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبوت کے بعد اگر
ں بلند تر مرتبہ ہے فضل وشرف اور علم وحکمت میں تو وہ ہے مسلمان کا منصبِ صدیقیت پر فائز
۔ نیز جس طرح سابقہ تقریر اس پر دلالت کرتی ہے کلام مجید کا اسلوب بیان بھی اسی پر دلالت
تا ہے کیونکہ جہاں بھی نبی اور صدیق والے درجوں کا ذکر کیا گیا تو ان کے درمیان کوئی واسطہ
فاصل امر ذکر نہیں کیا گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں فرمایا، اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ
عْدِ (مریم، 19:54) اور حضرت ادریس علیہ السلام کے حق میں فرمایا : اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا
نَا (مریم، 19:56) اور اس آیت کریمہ میں بھی فرمایا: مِنَ النَّبِیّٖنَ
صِّدِّیْقِیْنَ (النساء، 4:69) یعنی صدیقیت کے درمیان کوئی واسطہ ہی نہیں ہے دوسری آیت
ریمہ میں فرمان باری تعالیٰ: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ (الزمر، 39:33) تو اس
ں رسول صدق اور انکے مصدق کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

ئدہ عظیمہ:

جس طرح ان دلائل کی رو سے نبوت وصدیقیت میں واسطہ اور امر متخلل نہیں ہے
ی طرح اللہ تعالیٰ نے اس خیر امت والی صفت سے موصوف امت کو بھی یہ توفیق بخشی کی انہوں
نے متفقہ طور پر وصال مصطفوی کے بعد بلا فصل امام وخلیفہ حضرت ابوبکر صدیق کو بنایا اور جب
آپ کا وصال ہو گیا تو امت مرحومہ نے متفقہ طور پر آپ کو پہلوئے رسول ﷺ میں دفن کیا:

وما ذالك الا أن الله رفع الواسطة بين النبيين والصديقين فى هذه الآية فلا جرم ارتفعت الواسطة بينهما فى الوجوه التى عددناها ـ

(تفسير كبير جلد ٤ ص ١٣٤، ١٣٥)

"اور اس اتصال ومقارنت کا سبب موجب صرف اور صرف یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صدیقین کے درمیان سے واسطہ اور امر متخلل کو اس آیتِ کریمہ میں سے اٹھا دیا تھا تو لامحالہ ان دو ہستیوں کے درمیان ان صورتوں میں بھی امر فارق وفاصل اٹھا دیا گیا"

(امام رازی کے بیان فرمودہ نکات اختتام کو پہنچے)

علامہ خازن کا ارشاد:

(2) امام علامہ علاء الدين على بن محمد البغدادی المعروف بالخازن فرماتے ہیں:

الصديقون هم أتباع الرسل الذين اتبعوهم على مناهجهم بعدهم حتى لحقوابهم ـ وقيل الصديق هوالذى صدق بكل الدين حتى لا يخالطه فيه شك والمراد بالصديقين فى هذه الآية أفاضل أصحاب رسول الله ﷺ وعليهم وسلم كأبى بكر فانه هوالذى سمى بالصديق من هذه الأمة وهو أفضل أتباع الرسل عليهم السلام ـ (جلد ١ ص ٤٠١)

"ارشادِ خداوند تعالیٰ میں انعام یافتہ حضرات میں دوسرے درجہ پر صدیقوں کا ذکر فرمایا گیا اور وہ رسل کرام کے ایسے متبعین ہیں جنہوں نے ان کے بعد ان کی راہ وروش اور سنت طریقہ پر عمل کیا حتیٰ کہ ان کے ساتھ لاحق ہوگئے اور کہا گیا ہے کہ صدیق وہ ہے جو مکمل دین کی تصدیق کرے حتیٰ کہ اس کو اس میں ذرہ بھر ریب وتردد درپیش نہ ہو، اور اس آیتِ کریمہ میں صدیقین سے اصحابِ رسول علیہ السلام میں سے افاضل واکابر حضرات مراد ہیں جیسے کہ حضرت

بکر کیونکہ انہیں اس امت میں سے صدیق کا امتیازی نام دیا گیا ہے اور سب رسل کرام کے
عین اور امتیوں سے افضل ہیں۔

ول :

حضرت علامہ خازن کی تصریح کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق سب رسولوں کے متبعین
ے افضل واعلیٰ ہیں جس سے اہل سنت کا عقیدہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔

3) حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں:

ذکر اللّٰہ سبحانہ وتعالے للذین أنعم اللّٰہ علیہم أربعة أصناف علی ترتیب
ـازلهم فی القرب وحث کافة الناس أن لا یتاخروا عنهم (الی) ثانیهم الصدیقون
ـم المبالغون فی الصدق المتصفون بکمال متابعة الأنبیاء ظاهرًا وباطنًا
مستغرقون فی کمالات النبوة والتجلیات الذاتیة الصرفة الدائمیة بلا حجاب
وراثة والتبعیة۔ (جلد۲،ص ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ حضرات کے چار انواع واصناف کا ان کے منازل قرب کی
تیب کے مطابق ذکر فرمایا اور تمام لوگوں کو ان کی اتباع اور پیروی پر برانگیختہ کیا کہ ان سے پیچھے
رہ جائیں (تا) دوسرا صنف اور نوع ان میں سے صدیقین کا ہے اور یہ وہ حضرات ہیں جو صدق
ور راست بازی میں انتہا کو پہنچنے والے ہیں۔ انبیائے کرام کی کمال متابعت کے ساتھ متصف
یں ازروئے ظاہر کے بھی اور باطن کے بھی جسمانی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی اور
کمالات نبوت میں مستغرق ہونے والے ہیں اور تجلیات ذاتیہ خالصہ دائمہ میں غرق ہونے والے
ہیں بطور وراثت نبویہ وتبعیت کاملہ کے بلا حجاب و پردہ۔

أقول :

حضرت امام رازی اور علامہ خازن کی زبانی نظر نواز ہو چکا کہ ان سب صدیقین کے مقتداء و پیشوا اور امام و راہنما اور صدیق اکبر کے لقب سے اولین ملقب حضرت ابو بکر ہیں تو پھر ان کی رفعتِ شان اور بلندیٔ مقام ہمارے وہم و گمان اور عقل و فراست اور فہم و کیاست سے بالاتر ہے، خصوصاً فخر المفسرین کی نقل کردہ روایت، ما صبَّ اللّٰہ فی صدری شیئًا الاَّ وقدصبَّ فی صدر أبی بکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور حدیث قدسی: فؤاده الذی یعقل به کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو أفضل البشر بعد الأنبیاء علیهم السلام ورضی اللّٰہ عنه تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے، جیسا کہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ و نظریہ ہے۔

امام بیضاوی کا فرمان:

(4) حضرت علامہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں:

قوله تعالے و من یطع اللّٰہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللّٰہ علیهم (الآیة) مزید ترغیب فی الطاعة بالوعد علیها مرافقة أکرم الخلائق وأعظمهم قدرًا من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین بیان للذین أو حال منه أو ضمیر علیهم ـ قسمهم أربعة أقسام بحسب منازلهم فی العلم والعمل وحثَّ کافة الناس أن لا یتأخروا عنهم وهم الأنبیاء الفائزون بکمال العلم والعمل المتجاوزون حد الکمال الی درجة التکمیل ثم الصدیقون الذین صعدت نفوسهم تارةً بمراقی النظر فی الحجج والآیات وأخری بمعارج التصفیة والریاضات الی أوج العرفان حتی اطلعوا علی الأشیاء وأخبروا عنها علی ما هی علیها الخ۔

خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ اہل ایمان کو پہلے کئی طرح اطاعتِ خداوند تعالےٰ اور اطاعت

ل ﷺ کی ترغیب دی پھر اس میں مزید تاکید پیدا کرتے ہوئے انہیں اس اطاعت کی صورت
اکرم الخلائق اور عظیم القدر حضرات کی مرافقت کا وعدہ دیا یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء
لحین کی رفاقت ومعیت کا، ان مکرمین و معظمین کو چار اقسام پر تقسیم فرمایا باعتبار علم وعمل کے
ات کے اور دوسرے لوگوں کو ان کی اطاعت وپیروی پر برانگیختہ کیا کہ ان سے پیچھے نہ رہیں،
تم:

انبیاء علیہم السلام ہیں جو کمال علم وعمل کے ساتھ فائز ہونے والے ہیں اور حد کمال سے
وز کرتے ہوئے حد تکمیل تک رسائی حاصل کرنے والے ہیں۔
اقسم:

صدیقین کا ہے جن کے نفوس مقدسہ کبھی حجج و براھین اور دلائل وآیات میں نظر
ر کی سیڑھیوں کے ذریعے اور کبھی تصفیۂ باطن وتزکیہ ارواح اور مجاہدات وریاضات کی سیڑھیوں
ے ذریعے عرفان کے بالاخانہ تک رسائی حاصل کرنے والے ہیں حتی کہ وہ موجوداتِ عالم پر
لع ہو گئے اور ان کی صورتِ حال واقعی کے مشاہدہ کے بعد دوسرے لوگوں کو بھی ان حقائق سے
لع اور آگاہ فرمایا۔ الخ (بیضاوی مع شیخ زادہ ج۳ ص۳۵۸)

ولك أن تقول ان المنعم عليهم هم العارفون بالله وهولاء اما أن
يكونوا بالغين درجة العيان أو واقفين فی مقام الاستدلال والبرهان والأولون اما أن
نالوا مع العيان القرب بحيث يكونون كمن يرى الشيئی قريبًا وهم الأنبياء عليهم
الصلوة والسلام أولا فيكونون كمن يرى الشيئی من بعيد وهم الصديقون
والآخرون اما أن يكونوا عرفانهم بالبراهين القاطعة وهم العلماء الراسخون الذين
هم شهداء الله فی أرضه واما أن يكون بامارات واقناعات تطمئن اليها معهم وهم
الصالحون ۔

تیرے لیے یوں سمجھنے اور کہنے کی گنجائش موجود ہے کہ منعم علیہم حضرات عارف باللہ کے مرتبہ ومقام والے حضرات ہیں اور وہ یا تو مشاہدہ ومعائنہ کے مقام پر فائز ہوں گے یا مقام استدلال وبرہان میں رکنے والے ہوں گے اور پہلا قسم یا تو ایسے حضرات ہوں گے جو معائنہ ومشاہدہ کے ساتھ ساتھ مقامِ قرب پر بھی فائز ہوں گے بایں طور کہ اشیاء کو قریب سے دیکھیں تو وہ مقدس گروہ انبیاء علیہم السلام ہیں یا اس قدر مقامِ قرب پر فائز نہیں ہوں گے بلکہ ذرا فاصلہ پر سے اشیاء کا مشاہدہ کرنے والے ہوں گے تو وہ مقدس جماعت صدیقین کی ہے اور دوسری شق میں داخل حضرات کا عرفان براہینِ قاطعہ کے ذریعے حاصل ہونے والا ہوگا تو وہ علمائے راسخین ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے گواہ ہیں یا ان کا عرفان علامات وامارات اور اقناعی امور کے ذریعے حاصل ہونے والا ہوگا جس پر وہ قناعت کرنے والے اور اظہار اطمینان کرنے والے ہوں گے تو وہ ہے جماعتِ صالحین۔

(5) حضرت محی الدین شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

الصدیق مبالغة الصادق کالفحیر والفسیق وهو الذی لم یدع شیئًا أظهره بلسانه الا حققه بقلبه وعمله وهذه صفة السابقین الی متابعة الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام وهم أفاضل أصحابهم رضوان الله علیهم أجمعین ۔ (جلد ۳ ص ۳۵۷)

"یعنی صدیق صادق میں مبالغہ ہے بہت ہی سچے جس طرح فحیر فاجر میں اور فسیق، فاسق میں مبالغہ کے لیے ہے۔ اور صدیق وہ ذاتِ مقدسہ ہے کہ جس شے کا دعویٰ کرے اور زبان سے ظاہر کرے اس کو اپنے قلب وباطن کے ذریعے بھی اور عمل وکردار کے ذریعے بھی ثابت کردے اور یہ صفت ہے متابعت انبیاء علیہم السلام کی طرف سبقت لے جانے والوں کی اور یہ ان کے اصحاب میں سے افاضل حضرات ہیں"

اقول:

حضرت علامہ قاضی بیضاوی اور حضرت شیخ زادہ محی الدین کے کلام سے
ح ہوا کہ اکرم الخلائق اور عظیم القدر ہستیوں کے چار اصناف واقسام ہیں اور ان میں علم
ں کے لحاظ سے درجہ بندی فرمائی گئی ہے۔ جن میں سے انبیاء کرام علیہم السلام حد کمال تک
ائی کے بعد تکمیلِ خلق کے درجہ پر فائز ہیں اور صدیقین حجج و براھین میں نظر وفکر اور تصفیہ
اضت کی بدولت اوج عرفان پر فائز ہیں اور حقائق اشیاء پر مطلع ہیں اور دوسروں کو آگاہ کرنے
منصب کے مالک ہیں اور عرفان باللہ کی بدولت ان حقائق کا معائنہ ومشاہدہ کرنے والے
اور انبیاء کرام کی متابعت میں سبقت کی بدولت اس مقام رفیع اور منصبِ جلیل پر فائز ہیں اور
یقت دو پہر کے سورج سے بھی روشن تر ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے افضل ہیں
ان کی امت سب امتوں سے افضل ہے تو اس امت کے صدیقین یقیناً سب صدیقین سے
جات ومراتب کے لحاظ سے افضل واعلیٰ اور خیر وبرتر ہوں گے تو جو اس امت میں سے صدیق
اور صدیقِ اولین ہیں پھر ان کی شان عرفان اور حقائق اشیاء پر اطلاع کے معارج ومدارج کا
ن اندازہ کرسکتا ہے؟ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول علیہ السلام ہی ان کی قدر ومنزلت
کماحقہ آگاہ ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز جیسی اہم عبادت اور رکن اسلام
امت کی امامت اور اپنی نیابت کا شرف بخشا۔ جبکہ شرعاً افضل ترین ذات کے ہی یہ منصب
یان اور لائق ہوتا ہے اور اسی کو ہی یہ منصب دینا لازم ہے تو جن کو نبی مکرم افضل سمجھیں اور عملی
پر بھی ان کی أعلمیت وأعرفیت اور افضلیت کا اظہار فرمادیں تو ان کے اس خداداد امتیاز
ں کس مومن کو شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ خصوصاً آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے دعوے داروں کو اپنے
امجد اور مورثِ اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور روش کریمہ کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو مینار نور
ھتے ہوئے اقتباس نور وضیاء میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہیے اور دوسروں کے لیے قابلِ تقلید
ونہ بننا چاہیے۔ واللہ الموفق

(6) امام جلیل محی السنۃ حسین بن مسعود بغوی فرماتے ہیں:

من یطع اللّٰہ فی أداء الفرائض والرسول فی السنن فأولئک مع الذین أنعم
اللّٰہ علیہم من النبیین أی لا تفوتہم رؤیۃ الأنبیاء ومجالستہم لأنہم یرفعون الی
درجۃ الأنبیاء علیہم السلام والصدیقین وہم أفاضل أصحاب النبی ﷺ والصدیق
البالغ فی الصدق والشہدآء قیل ہم الذین استشہدوا فی یوم أحد وقیل الذین
استشہدوا فی سبیل اللّٰہ وقال عکرمۃ النبیون ہہنا محمد والصدیق أبوبکر
والشہدآء عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم والصالحین سائرالصحابۃ رضی اللّٰہ
عنہم۔ (جلد۱ ص ۴۵۰)

یعنی جس شخص نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی فرائض کی ادائیگی میں اور رسول مکرم ﷺ کی
آپ کی سنتوں میں پس وہ ان حضرات کی معیت میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے یعنی انبیاء
علیہم السلام کی زیارت اور ہم نشینی سے محروم نہیں ہوگا کیونکہ ایسے لوگوں کو (زیارت و دیدار سے
مشرف کرنے کے لیے) درجات انبیاء تک بلندی پر پہنچادیا جائے گا -اورصدیقین (کی
زیارت سے محروم نہیں ہوں گے) اور وہ اصحاب نبی ﷺ کے اصحاب میں سے افضل ترین صحابہ
ہیں اور صدیق اس کو کہا جاتا ہے جو صداقت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو- اور نہ زیارات شہداء سے محروم
ہوں گے اور ان سے مراد جنگِ احد میں شہید ہونے والے حضرات ہیں- دوسرا قول یہ ہے کہ
مطلقاً راہِ خدا میں شہادت پانے والے حضرات مراد ہیں اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
النبیین سے یہاں پر محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں (کیونکہ وہ جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں) اور
صدیقین سے مراد ابوبکر صدیق ہیں (کیونکہ صداقت میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں گویا سب
صدیقین کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور شہداء سے مراد حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی
رضی اللہ عنہم ہیں اور صالحین سے مراد بقیہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں-)

اقول:

عمومی طور پر صدیقین مراد ہوں تو بھی سرفہرست آپ ہیں اس لحاظ سے بھی انبیاء علیہم السلام کے بعد دوسرا مرتبہ ودرجہ آپ کا متحقق ہوگیا اور حضرتِ عکرمہ کے قول کے مطابق بالخصوص آپ نبی الانبیاء ﷺ کے متصل بعد اس درجۂ علیا کے مالک ثابت ہوگئے اور ترتیبِ ذکری چونکہ ترتیبِ رتبی پر دال ہے تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر اور تمام دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر آپ کی افضلیت ثابت ہوگئی اور اہل سنت کا عقیدہ مکمل طور پر اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوگیا یعنی

أفضل البشر بعدالأنبياء أبوبكر ن الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ثم على المرتضى رضى الله عنهم۔

(7) علامہ آلوسی کی تحقیق:

خاتمة المحققين عمدة المدققين حضرت علامه أبوالفضل شهاب الدين سيد محمود الآلوسى البغدادى "روح المعانى" میں فرماتے ہیں:

من يطع الله بالانقياد لأمره ونهيه والرسول المبلغ ما أوحى اليه منه باتباع شريعته والرضاء بحكمه والكلام مستأنف فيه فضل ترغيب فى الطاعة ومزيد تشويق اليها ببيان أن نتيجتها أقصى ما تنتهى اليه همم الأمم وأرفع ما تمتد اليه أعناق أمانيهم وتشرأب اليه أعين عزائمهم من مجاورة أعظم الخلائق مقدارًاوأرفعهم منارًاومتضمن لتفسيرما ربهم وتفصيل ما أجمل فى جواب الشرطية السابقة (الىٰ)فاولئك مع الذين انعم الله عليهم بما تقصر العبارة عن تفصيله وبيانه ـمن النبيين بيان للمنعم عليهم (الىٰ)والتعرض لمعية الأنبياء دون نبينا ﷺ خاصة مع أن الكلام فى بيان حكم طاعته لجريان ذكرهم فى سبب النزول مع الاشارة الى

أن طاعته متضمنة لطاعتهم - (جلد ۵ ص۶۸)

جس شخص نے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس کے امر ونہی کی اتباع میں اور رسول معظم ﷺ کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کے مبلغ ہیں ان کی شریعت کی اتباع اور ان کے حکم پر رضامندی ظاہر کی، یہ علیحدہ کلام ہے اور اس میں اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ کی بہت زیادہ ترغیب ہے اور اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ کا نتیجہ ذکر کر کے اس کا بہت شدید اشتیاق دلایا گیا ہے (اور وہ نتیجہ وہ چیز ہے) جو ان کی ہمتوں کا نقطۂ انتہاء اور وہ بلند ترین مقام ہے جس کی طرف ان کی آرزئیں گردن کشاں رہتی ہیں اور ان کے عزائم کی آنکھیں جن کی منتظر ہیں، یعنی تمام مخلوقات میں عظیم ترین درجات والوں اور بلند ترین مرتبہ ومقام والوں کی مجاورت اور ان کا پڑوس۔

یہ کلام اس مبہم امر کی تفسیر اور مجمل امر کی تفصیل پر مشتمل ہے جو سابقہ شرطیہ کے جواب میں وارد ہے (تا) فاولئك مع الذين (الآیۃ) میں اس انعام کو بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل بیان کرنے سے عبارت اور قال قاصر ہے۔ من النبيين (الآیۃ) یہ انعام یافتہ خوش نصیب حضرات کا بیان ہے (تا) اس مقام میں تمام انبیاء علیہم السلام کی معیت (کا مژدہ سنانے کا) قصد وارادہ فرمایا گیا ہے حالانکہ یہ مقام ہمارے نبی ﷺ کے بالخصوص ذکر کا متقاضی تھا کیونکہ کلام ان کی اطاعتِ حکم میں تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شان نزول میں صحابۂ کرام نے جنت میں آپ کے درجات کا انبیاء علیہم السلام کے درجات کے ساتھ بلند تر ہونے کا اور اپنے جنت میں جانے پر بھی محروم دید ار رہنے کا خدشہ ظاہر کیا تھا تو ان کے اس انداز سے ذکر کیے جانے پر آیتِ کریمہ میں بھی ان کا ذکر کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ کی اطاعت ان سب کی اطاعت کو متضمن ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

(تـا) بـدأ بـذكـر النبيين لعلو درجتهم وارتفاعهم على من عداهم وقد نقل
شعرانی عن مولانا الشيخ الأكبر قدس سره أنه قال فتح لی قدرخرم أبرة من مقام
نبوة تحليًا لا دخولًا فكدت أحترق ثم عطف عليه على سبيل التولى قوله سبحانه
الصديقين والشهداء والصالحين والمنازل أربعة بعضها دون بعض :

أول:

منـازل الأنبيـاء وهـم الـذيـن تـمدهم قوة الٰهية وتصحبهم نفس فی أعلی
مراتـب الـقـدسية ومثـلهـم كمن يرى الشئى عيانًا من قريب ولذالك قال تعالى فی
صفته نبينا ﷺ افتمارونه على مايرى

الثانی :

منـهـج الـصـديـقيـن وهـم الـذين يتأخرون على الأنبياء عليهم السلام فی
معرفة ومثـلهـم كـمن يرى الشئى عيانًا عن بعيد واياه عنی علیّ كرم اللّٰه وجهه
كريم حيث قيل له هل رء يت اللّٰه تعالے فقال ما كنت لأعبد ربًالم أره ثم قال لم تره
عيون بشواهد العيان ولكن رأته القلوب بحقائق الايمان ـ

الثالث:

منازل الشهداء وهم الذين يعرفون الشئى بالبراهين مثلهم كمن يرى الشئى
فی الـمـرآة مـن مـكان قريب كماقال من قال كأنی أنظر الى عرش ربی بارزًاواياه
قصدالنبی ﷺ بقوله أعبد اللّٰه كأنك تراه

والرابع:

مـنـازل الصالحين وهم الذين يعلمون الشيئ بالتقليد الجازم ومثلهم كمن
يرى الشيئ من بعيد فی مرآة واياه قصد النبی ﷺ بقوله فان لم تكن تراه فانه يراك

قالہ الراغب و نقلہ الطیبی وغیرہ

انبیاء علیہم السلام کے ذکر شریف سے منعم علیہم کی تفصیل کا آغاز فرمایا اس لیے کہ ان کے درجات و مراتب باقیوں سے رفیع اور بلند ہیں، چنانچہ امام شعرانی نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "مجھ پر سوئی کے سوراخ کی مقدار مقامِ نبوت کا انکشاف ہوا بطورِ تجلی کے نہ از روئے اس میں داخل ہونے کے تو قریب تھا کہ میں اس تجلی سے جل جاتا باوجود اس قدر قلیل مقدار ہونے کے" پھر انبیائے کرام کے نچلے درجات بطورِ عطف بیان فرمائے، یعنی صدیقین، شہداء اور صالحین۔

انعام یافتہ لوگوں کے منازل چار ہیں، بعض اوپر بعض نیچے ہیں:

پہلی منزل انبیاء کرام علیہم السلام کی ہے یہ وہ ہستیاں ہیں کہ قوۃِ الهیمان کی امداد و اعانت فرماتی ہے اور ان کے نفوس ان کو اعلیٰ مراتبِ قدسیہ کی طرف پہنچاتے ہیں اور ان کی حالت و کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی کسی چیز کا قریب سے مشاہدہ و معائنہ کر رہا ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے محبوبِ کریم علیہ السلام کے حق میں فرمایا "کیا تم ان کے ساتھ نزاع و خلاف کا اظہار کرتے ہو اس پر جو وہ دیکھتے ہیں"

دوسرا درجہ صدیقین کا ہے یہ وہ مقدس لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے پیچھے پیچھے رہتے ہیں معرفت اور ادراکِ حقائق میں، ان کی حالت و کیفیت ایسے ہوتی ہے جیسے کوئی کسی چیز کا مشاہدہ کرے مگر ذرہ فاصلہ سے اور اسی مرتبہ و مقام کا ارادہ فرمایا مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب کہ آپ سے پوچھا گیا کیا آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے تو آپ نے فرمایا "میرے شایان شان نہیں ہے کہ اس رب کی عبادت کروں جس کو میں نے دیکھا ہی نہیں ہے" پھر فرمایا کہ "اس خداوند قدوس کو آنکھوں نے محسوساتِ اعیانیہ کے انداز میں نہیں دیکھا بلکہ قلوب (کی آنکھوں) نے حقائق ایمان کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے"

تیسرا درجہ منازلِ شہداء کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو اشیاء کا عرفان براہین ودلائل کے ساتھ حاصل کرتے ہیں، ان کی حالت وکیفیت ایسے ہے جیسے کوئی کسی چیز کا قریب سے آئینہ میں مشاہدہ کر رہا ہو جیسے کہ کہنے والے نے کہا ''گویا کہ میں عرش ربانی کو کھلم کھلا دیکھ رہا ہوں'' اور اسی مقام ومرتبہ کا قصد فرمایا نبی مکرم ﷺ نے اس ارشاد میں ''تو عبادت کر اللہ تعالیٰ کی گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے''

چوتھا مرتبہ صالحین کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو حقائقِ اشیاء کا عرفان وادراک تقلیدِ جازم کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اور ان کی حالت وکیفیت ایسی ہے جیسے کوئی دور سے آئینہ میں کسی چیز کا مشاہدہ کر رہا ہو اور اس مقام کا قصد وارادہ فرمایا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول میں ''پس اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے'' یہ قول ہے امام راغب کا اور انہیں سے علامہ طیبی وغیرہ نے نقل فرمایا۔ (علامہ آلوسی کی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

(8) حضرت مولانا شیخ خالد نقشبندی رحمہ اللہ کا نظریہ:

انہ قرر یومًا أن مراتب الکمل أربعة نبوة وقطب مدارها نبینا ﷺ ثم صدیقیة وقطب مدارها أبوبکر الصدیق ثم شهادة وقطب مدارها عمر الفاروق رضی اللہ عنه ثم ولایة وقطب مدارها علی کرم اللہ وجهه الکریم وان الصلاح فی الآیة اشارة الی الولایة فسأله بعض الحاضرین عن عثمان رضی اللہ عنه فی أی مرتبة هو من المراتب الثلاثة بعد النبوة فقال انه رضی اللہ عنه قد نال حظا من رتبة الشهادة وحظا من رتبة الولایة وان معنی کونه ذوالنورین هو ذاك عندالعارفین۔

''حضرت شیخ کے بعد تلامذہ نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک دن یوں تقریر فرمائی کہ کاملین کے مراتب چار ہیں: پہلا مرتبہ نبوت ہے اور اس کے قطبِ مدار ہمارے نبی مکرم ﷺ ہیں

مرتبہ شہادت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، چوتھا مرتبہ ولایت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت علی مرتضٰی ہیں رضی اللہ عنہ ان سے بعض حاضرین خدمت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا کہ نبوت کے بعد والے تین مراتب میں سے ان کا مرتبہ کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ انہوں نے شہادت سے بھی ایک حصہ حاصل فرمایا ہے اور رتبہ ولایت سے بھی ایک حصہ حاصل کیا ہے اور عرفاء کے نزدیک ان کے ذوالنورین ہونے کا یہی معنیٰ ہے یعنی نورِ شہادت اور نورِ ولایت والے" (گویا علمائے ظاہر کے نزدیک نبی مکرم ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے خاوند ہونے کی وجہ سے ذوالنورین کہلاتے ہیں لیکن ہر ظاہر کا باطن بھی ہوتا ہے لہذا کوئی منافات نہیں ہے)

حضرت علامہ آلوسی نے اکابرین سے مستفاد و مستفاض علم و عرفان کے تحت صنف ثانی یعنی صدیقیت کے متعلق اپنا عندیہ بیان فرمایا:

الصنف الثانی الصدیقون وهم المؤمنون بالله ورسله عن قول المخبر لاعن دليل سوى النور الايمانى الذى أعد فى قلوبهم قبل وجود المصدق به المانع لها من تردد أو شك يدخلها فى قول المخبر الرسول ومتعلقه فى الحقيقة الايمان بالرسول ويكون الايمان بالله على وجه القربة لاعلى اثباته اذ كان بعض الصديقين قد ثبت عند هم وجود الحق جل وعلى ضرورة أو نظراً لكن ما ثبت كونه قربة ۔ و ليس بين النبوة والصديقية كما قال حجة الاسلام وغيره مقام من تخطى رقاب الصديقين وقع فى النبوة وهى باب مغلق وأثبت الشيخ الأكبر قدس سره مقاما بينهما سماه مقام القربة وهوا لسر الذى وقر فى قلب أبى بكر رضى الله عنه المشار اليه فى الحديث فليس بين النبى ﷺ وأبى بكر رضى الله عنه رجل أصلا لا أنه ليس بين الصديقية والنبوة مقام ولها أجزاء علىٰ شعب الايمان ۔

(تفسیر روح المعانی جلد ٥ ص ٦٩)

خلاصۂ مفہوم یہ ہے کہ منعم علیہم حضرات کے اصناف میں سے صنفِ ثانی صدیقون ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جو اللہ تعالےٰ پر اور رسل کرام پر قول مخبر کی بنا پر ایمان لاتے ہیں بغیر کسی دلیل کے سوائے نورِ ایمانی کے جوان کے قلوبِ منورہ میں تیار کر دیا گیا مصدق بہ کے وجود سے بھی پہلے جو کہ مانع وحاجب ہوتا ہے قول مخبر یعنی رسول ﷺ کے قول میں ریب وتر دداور شک وشبہ کے حول سے اور حقیقت میں اس کا متعلق ایمان بالرسول ﷺ ہوتا ہے اور ایمان باللہ قربت کے طریقہ پر نہ کہ اثبات بالدلیل اور نظر وفکر کے طریقہ پر کیونکہ بعض صدیقین کے ہاں وجود حق ال وعلیٰ ضرورۃً وبداھۃً یا نظر واستدلال کے طور پر ثابت ہو چکا تھا لیکن اس کا قربت ہونا ثابت نہ ہوا۔

نبوت وصدیقیت کا اتصال:

امام حجۃ الاسلام امام غزالی اور دیگر حضرات کے نزدیک نبوت اور صدیقیت کے درمیان کوئی مقام اور امر فاصل نہیں ہے لہذا جو شخص بھی صدیقین کے کندھوں اور گردنوں سے بلندی کی طرف ترقی کرے گا تو وہ احاطۂ نبوت میں داخل ہو جائے گا لیکن یہ باب بند ہو چکا ہے لیکن شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے نبوت وصدیقیت کے درمیان ایک مقام اور واسطہ ثابت کیا ہے جس کو مقام قربت کا نام دیا ہے اور وہ سر مخفی اور رازِ حقیقت ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب مطہر میں قرار پذیر ہے جس کی طرف حدیثِ نبوی میں اشارہ گیا گیا ہے (کہ ابو بکر صدیق تم سے نماز روزہ کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے بلکہ اس امر کی بدولت سبقت لے گئے اور تمام امتوں میں سے بلند ترین مقام پر فائز ہو گئے ہیں جو ان کے دل میں قرار پذیر ہے) لہذا نبی الانبیاء ﷺ کے درمیان اور حضرت ابو بکر صدیق کے درمیان کوئی آدمی حائل نہیں ہے قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ مطلق صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں

ہے بلکہ مطلق صدیقیت کے اجزاء اس قدر ہیں جس قدر ایمان کے شعبے ہیں۔

بعض صوفیائے کرام کا تفضیلِ مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ اور اس کا ردِ بلیغ:

حضرت امام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کا اور حضرت شیخ قدس سرہ کا نظریہ نبوت وصدیقیت کے باہمی ربط واتصال کے متعلق معلوم ہو چکا تو اب چند صوفیاء کرام کا اس سے اختلاف وانحراف بھی ملاحظہ فرمالیں اور پھر اس کا جواب بھی۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ:

بہت سے صوفیائے کرام کا کلام بھی (اہل تشیع کی مانند) رسول معظم ﷺ کے بعد مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن ان صوفیہ کے نزدیک آپ کی یہ خلافت باطنہ ہے جو کہ خلافت الارشاد والتربیۃ اور روحانی امداد وتصرف کے معنیٰ میں ہے نہ کہ خلافتِ صوریہ ہے جو کہ نام ہے اقامتِ حدودِ ظاہرہ کا اور جیوش وعساکر کے کفار کے خلاف جہاد کے لیے تیار کرنے کا، مملکتِ اسلام کے تحفظ اور کفار کی مدافعت کا اور دشمنانِ اسلام کے خلاف سیف وسنان کے ساتھ جہاد وقتال کرنے کا۔ کیونکہ یہ خلافت صوریہ ظاہرہ ان کے نزدیک فی الواقع اور عنداللہ اسی ترتیب پر ہے جس ترتیب پر وقوع پذیر ہوئی جیسے کہ اہل السنۃ کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک دونوں خلافتوں کا باہمی فرق خول اور مغز (چھلکے اور لباب والا ہے) پس خلافتِ باطنہ خلافتِ ظاہرہ کا لباب اور مغز ہے، خلافتِ باطنہ کے ذریعے اسلام کی حقیقت کا دفاع کیا جاتا ہے جبکہ خلافتِ ظاہرہ کے ذریعے صورتِ اسلام کا تحفظ اور اس کا دفاع کیا جاتا ہے۔

و ھی مرتبۃ القطب فی کل عصر وقد تجتمع مع الخلافۃ الظاہرۃ الـ

خلافتِ باطنہ ہر دور کے قطب کا مرتبہ ومقام ہے اور کبھی کبھار خلافتِ ظاہرہ کے ساتھ جمع بھی ہو جاتی ہے جیسے کہ مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ان میں مجتمع تھی اور حضرت مہدی کے ظہور پر ان میں مجتمع ہوں گی، نبوت اور خلافتِ باطنہ ایک سرچشمۂ فیض سے مستفیض

ہیں ،اسی امر کی طرف اشارہ ہے اس روایت میں جس کو صوفیہ نبی مکرم ﷺ سے روایت
تے ہیں :خلقت وعلی من نور واحد میں اور علی ایک نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور یہ
ت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ میں اکمل واتم طریقہ پر موجود تھی -اسی لیے اہل اللہ کے سلاسل
تک ہی پہنچتے ہیں ماسوائے ان کے جو بیض انوق سے بھی نادر الوجود اور کم یاب ہیں تو وہ
ت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں جیسے کہ ہمارے ساداتِ نقشبندیہ کا سلسلہ بایں ہمہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی وارد ہوتا ہے-

خلافت کی اسی تقسیم اور دو قسموں کی طرف منقسم ہونے کی بدولت بعض عارفین نے
دی اور توافق پیدا کیا ہے ان احادیث میں جو ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی تصریح یا
طرف اشعار و دلالت پر مشتمل ہیں کہ رسول گرامی ﷺ کے بعد یہ حضرات خلفاء ہیں اور
ان احادیث میں جن میں حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خلافتِ نبویہ کی تصریح یا اشارہ ہے
کی خلافت بلافصل کی طرف چنانچہ جو احادیث خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر دلالت کرتی تھیں
خلافتِ ظاہرہ پر حمل کر دیا اور جو حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کرتی تھیں ان کو
کی خلافتِ باطنہ پر محمول کر دیا اور کسی روایت وحدیث کو معطل نہیں چھوڑا اور چاروں حضرات
لافت کا اقرار و اعتراف کیا-

ی مفسدہ بلکہ مفاسدِ لازمہ:

أنت تعلم أن هذا مشعر بأفضلية الأمير كرم الله وجهه الكريم على
لفاء الثلاثه وبعضهم يصرح بذالك ويقول بجواز خلافة المفضول خلافة
ورية مع وجود الفاضل لكن قد قدمنا عن الشيخ الأكبر قدس سره العزيز أنه قال
س بين رسول الله ﷺ وبين أبي بكر الصديق رضي الله عنه رجل وليس مقصوده
ى بيان المرتبة في الفضل فافهم - (تفسير روح المعانی جلدص١٦٦)

اے مخاطب! تواس امر سے بخوبی واقف ہے کہ یہ تقریر، طرزِ فکراوراندازِ تطبیق اس امر
مُشعر ہے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اور بعض نے اس
کی تصریح بھی کردی ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مفضول کی خلافت بصورتِ افضل کی موجودگی
میں جائز ہے لیکن ہم نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کی زبانی پہلے ذکر کردیا ہے کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم
اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی مرد کا واسطہ نہیں ہے اور آپ کا مقصودِ اصلی صرف اور
صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شرف وفضل میں علومِ مرتبت بیان کرنا ہے (لہذا بعض
صوفیہ کا یہ نظریہ بھی اور ان کی یہ وجہ تطبیق بھی نا قابل قبول ہے)

فائدہ عظیمہ:

بالعموم صدیقیت اور نبوت کے درمیان واسطہ نہ ہو یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کی صدیقیت اور مقامِ نبوت کے درمیان واسطہ نہ ہوتو اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کے مرتبہ ومقام کی رفعت وبلندی اور ان کا بے مثل وبے مثال ہونا دوپہر کے آفتاب کی طرح
واضح اور روشن ہوگیا اور نہ صرف علمائے ظاہر کے نزدیک بلکہ عرفان وحقائق شناسی میں صفِ اول
کے اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کے نزدیک بھی۔ نیز یہی صدیقیت صدیق کے مرتبہ ومقام
کی امتیازی حیثیت تھی کہ آپ کے اور آپ کے خلفائے ثلاثہ کے جبل احد پر قدم رنجہ فرمانے اور
اس کے فرحت وشادمانی سے جھوم اٹھنے کی صورت میں فرمایا:

اسكن احد فانما عليك نبى وصديق وشهيدان

''اے احد پرسکون ہوجا تجھ پر صرف ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہی ہیں''

(تیرا ذوق وشوق معلوم ہوگیا اب مزید وجد ورقص کی بدولت اپنے محبوبوں کو مشقت
میں نہ ڈال تب وہ پرسکون ہوگیا)

حالانکہ حضرتِ عمر اور حضرتِ عثمان بالعموم صدیقیت کے مقام پر بھی فائز تھے جیسا کہ

علامہ آلوسی نے اس مقام کی وسعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن نبی الانبیاء ﷺ صدیقیت میں ان کے امتیاز اور مقامِ شہادت میں حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت ذوالنورین کی امتیازی شان کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے تھے اس لیے الگ الگ تذکرہ فرمایا۔

اقول (فوائد ثمانیہ):

حضرت علامہ نے صوفیہ کے جواب میں ان کے شیخ اکبر کا قول پیش کردیا ہے جو ہر منصف مزاج اور صاحبِ بصیرت کے لیے کافی ہے لیکن مزید برآں ان امور پر بھی غور کریں تو حق روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گا اور حقیقت بے غبار ہوکر محسوس و مشہود ہوجائے گی۔

(۱) ان صوفیہ نے ہر دور کے قطب کے لیے یہ خلافتِ باطنیہ ثابت کی ہے اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو خلافتِ ظاہرہ قرار دیا جو کہ پہلی خلافت کے مقابل چھلکے اور خول کی مانند ہے اور کوئی دور بھی قطبِ وقت سے خالی نہیں ہوسکتا تو ان سب اقطاب کا خلفائے ثلاثہ سے افضل ہونا لازم آئے گا حالانکہ خلفائے اربعہ کے أفضل البشر بعدالأنبياء ہونے پر اجماع ہے پھر ان کے بعد بقیہ چھ حضرات کے عشرۂ مبشرہ میں سے افضل البشر ہونے پر اجماع ہے۔ پھر ان چالیس کے افضل البشر ہونے پر اجماع جن کے عدد کے متمم سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہم ہیں پھر اہل بدر (۳۱۳) پھر اہل حدیبیہ (۱۴۰۰) کے افضل البشر ہونے پر اتفاق ہے اور ان سب کو خلافتِ ظاہرہ تو حاصل نہیں تھی تو کیا باطنی خلافت کی بنا پر ان کو افضل تسلیم کیا گیا تو پھر بیک وقت کتنے قطب تسلیم کرنے لازم ہوں گے؟ اگر سینکڑوں اقطاب بیک وقت موجود ہوسکتے ہیں تو صرف چار قطب کیوں نہیں موجود ہوسکتے؟

(۲) حضراتِ شیخین کے افضل علی الاطلاق ہونے پر امت کے خیر القرون کا اجماع ہے اور سوادِ اعظم حضرت عثمان ذوالنورین کو مولائے مرتضٰی سے افضل مانتے ہیں تو کیا اس خیر امت کے خیر القرون کا اجماع اور سوادِ اعظم کا اتفاق خطا پر اور ضلال پر

ہوسکتا ہے؟

نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

لا تجتمع أمتی علی الضلالة

اور فرمایا:

اتبعوا السواد الأعظم فانه من شذ شذ فی النار۔

بلکہ اللہ کریم کا فرمانِ ذیشان ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيرًا
(النساء، 115:4)

''جو شخص (رسول کریم ﷺ کی مخالفت کرے گا ہدایت کے اس پر واضح ہوجانے کے بعد) اور مومنین کی راہ کے ماسوا کی اتباع کرے گا تو ہم اس کو اُدھر ہی پھیر دیں گے جدھر پھرے گا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے''

لہٰذا اس اجماع کے انعقاد کے بعد اور اس کے معلوم ہونے کے باوجود مسلمان کو دوسری جانب کا تصور اور خیال بھی زیبا نہیں چہ جائے کہ مخالف جانب کو اختیار کرنا۔

(۳) حضرت مولائے مرتضٰی کو خلافتِ باطنہ کا حاصل ہونا اور اس کا نبوت کی مانند ہونا اور خلافتِ ظاہرہ کے لیے مغزولب کی مانند ہونا کیا خود مولائے مرتضٰی کو معلوم تھا یا نہیں؟ دوسری شق کا علی تقدیر الثبوت کوئی عقل مند انسان بھی قائل نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ کوئی مسلمان، چہ جائے کہ کوئی صوفی صاحبِ عرفان۔ کیونکہ اپنی خداداد صفاتِ کمال کا اللہ والوں کو علم حضوری ہوتا ہے، نیز ان صوفیہ کا اس سرچشمۂ ولایت یعنی علی مرتضٰی پر علم وآگہی اور عرفان میں فائق اور بہت ہی فائق ہونا لازم آجائے گا کہ انہیں اپنے ساتھ قائم صفت کمال کا علم نہ ہوسکا اور انہیں ان کی اس امتیازی شان کا علم آگیا۔ نعوذ باللہ من ذالك

اور اگر علم تھا اور یقیناً ہونا چاہیے تھا تو اس کا اظہار کیوں نہ فرمایا؟ حتیٰ کہ اپنے لختِ جگر
ر نظر جانثار بیٹے محمد بن حنفیہ کے استفسار پر بھی فرمایا: رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل
وبکر ہیں پوچھا پھر کون؟ تو فرمایا: عمر بن الخطاب افضل ہیں، جب ان کو اندیشہ لاحق ہوا کے میں
ی انداز میں سوال کروں تو آپ تیسرے نمبر پر حضرت عثمان کا ذکر نہ کر دیں تو اندازِ سوال بدل کر
رض کیا پھر آپ افضل ہیں؟ تو فرمایا میں عام سا بندہ ہوں اہل اسلام میں سے۔ یہ تو ہے آپ کا
عاملہ گھر والوں سے اور برسر منبر اعلان فرما رہے ہیں:

خیر هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر وعمر۔

''نبی مکرم ﷺ کے بعد اس امت میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سب سے افضل ہیں''

''اور جو مجھے ان پر فضیلت دے گا اس کو اسی کوڑے بھی لگاؤں گا اور اس کی شہادت بھی
یشہ کے لیے رد کر دوں گا''

اور جب اس اعلان کے بعد ایک شخص کے متعلق ایسی شہادت مل گئی تو آپ نے عملی طور
راس کو اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا بھی دی اور اس کی شہادت کو بھی رد کر دیا مزید ارشادات کا بیان
اب سوم میں ملاحظہ فرمائیے۔

بہرکیف جس نظریہ کا انکشاف اتنی سنگین سزا کا موجب ہوا اس کو کون عقل مند انسان اپنا
سکتا ہے؟ حضرت علی جیسے ولی نے ان کی شان کو پہچانا کیونکہ:

ولی را ولی می شناسد

اور ان کے خداداد مرتبہ ومقام کو واضح فرمایا نہ صرف واضح کیا بلکہ اپنی ولایت وخلافت
سے انکی ولایت کو بہت ارفع واعلیٰ قرار دیا اور یہ سوال وجواب چونکہ آپ کی خلافت کے دور میں
وقوع پذیر ہوئے جبکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بارگاہِ خداوند تعالیٰ میں پہنچ چکے تھے تو یہاں
شیعہ کے لیے تو تقیہ کا بہانہ کرنے کی گنجائش نہیں ہو سکتی تھی تو ان حضرات کے لیے تقیہ اور

کتمان کا قول کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ اگر بالفرض آپ نے اپنے لختِ جگر سے بھی اس حقیقت کو پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھا تو ان صوفیاء حضرات کو اس رازِ مخفی کا علم کیسے ہو گیا اور اسے اگلنا کیوں ضروری سمجھا؟

کیا صرف اس لیے کہ لوگ بظاہر شیعہ نہیں بنتے تو ان کو باطنی طور پر شیعہ بنا دیا جائے جس طرح آج ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اور شاہ عبدالقادر قادری صاحب نے یہ ذمہ داری سنبھال رکھی ہے، اور خصوصاً نئی پود کو اہل سنت کے صراطِ مستقیم سے ہٹا رہے ہیں۔

(۴) قرآن مجید نے کھلے کھلے الفاظ میں اعلان فرمادیا ہے:

فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ

اے میرے محبوب! اعلان کردو کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ نیز مرتدین کے خلاف جہاد و قتال کرنے والوں کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ "اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں"

تو جو ان کے بھی سرخیل اور مقتدا و پیشوا ہیں ان کی شانِ محبوبیت کیا ہوگی؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ

(یونس، 62:10)

جب عام اہل ایمان اور متقی حضرات اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں تو جو ایمان و تقویٰ کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہیں اور سرِ قلب سے اور نورِ فراست کی آنکھ سے مشاہدۂ حقائق کرنے والے ہیں اور اَلْاَتقی کی شان والے ہیں ان کے محبوبیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ اور اطاعت اللہ اور اطاعتِ رسول کے پیکرانِ مجسم کو جنت میں جن کے

اور شرف ملاقات کی بشارات سنائی جارہی ہیں ان صدیقین اور شہداء اور صالحین کی عظمت بلکہ ان اصناف کے بھی سرداروں اور پیشواؤں کی شان کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے؟

(۵) تحقیق یہ ہے کہ رسول معظم ﷺ کے بعد پہلے قطب حضرت صدیق اکبر ے حضرت عمر فاروق تیسرے حضرت عثمان اور چوتھے علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر امام پھر امامِ حسین پھر امام زین العابدین الخ رضی اللہ عنہم۔ لہذا ان تینوں حضرات میں بھی ت باطنہ اور خلافتِ ظاہرہ جمع تھیں۔ ان کو خلافتِ باطنہ سے خالی سمجھنا بالکل غلط اور خلاف ق ہے۔ مزید تفصیل آخر میں مذکور ہوگی۔

(۶) یہ بہانہ کہ افضل کے ہوتے ہوئے صورت ظاہرہ کے لحاظ سے مفضول کی ت جائز ہے اس کی بنیاد یہ غلط مفروضہ ہے کہ افضلیت خلافت کی فرع ہے حالانکہ افضلیت ہے اور خلافت اس کی فرع ہے، مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا فرمان

رضینا لدنیانا من رضیه رسول الله ﷺ لدیننا،

"دین کا معاملہ اہم ہے تو جب رسول محتشم ﷺ نے حضرتِ صدیق کو منصبِ امامت ے لیے منتخب فرمایا تو ہم بھی اپنی دنیا کے لیے ان کو منتخب کرتے ہیں اور خلیفہ بناتے ہیں"

اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انصار کے سامنے یہی دلیل پیش فرمائی کہ جس کو ول کریم علیہ السلام نے مقدم اور امام ٹھہرایا تو میں کون ان کو پیچھے ہٹانے کی جرأت و جسارت رے گا تو انہوں نے کہا: "ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اس کو مؤخر کریں جسے رسول للہ ﷺ نے مقدم ٹھہرایا"۔

(۷) افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو حکومت دینا بحالتِ مجبوری جائز ہوتا ہے نہ کہ بحالتِ اختیار تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کون سی ظاہری طاقت اور پاور تھی جس کے تحت قریش اور مہاجرین و انصار دبک گئے اگر طاقت و پاور تھی تو عنداللہ کرامت اور

عندالرسول ﷺ قربت ومنزلت کی ہی طاقت وپاور تھی- اسی پاور نے سب قریش، بنو ہاشم بنو عبدالمطلب بالخصوص مولائے مرتضیٰ، سیدنا عباس اور تمام مہاجرین وانصار کو اوران کے متبعین بالاحسان کو انہیں امام وخلیفہ تسلیم کرنے کا پابند کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ تھا جس کے آگے سب کو سر نیاز خم کرنا پڑا جیسے کہ رسول معظم ﷺ نے آپ کے حق میں خلافت کی وصیت لکھنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے فرمایا: یأبی اللہ والمؤمنون الا أبابکر-

"اللہ تعالیٰ اور تمام مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو امام وخلیفہ ماننے سے انکار کرتے ہیں اور انکار کر دیں گے"

(مفصل بحث بعد میں آتی ہے)

(۸) حضرت شیخ اکبر کے کلام سے حضرت ابوبکر صدیق کی صدیقیت کا افضل ہونا اور رسول کائنات اور آپ کے درمیان کسی بھی شخص کا حائل نہ ہونا اور اس شخص کا رتبہ ودرجہ ان کے بین بین ہونے کی نفی واضح طور پر ثابت ہوگئی- لہذا یہ کہنا کہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے نزدیک خلافت خلفاء کی ترتیب زمانی ہے رتبی نہیں ہے جیسے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے دعویٰ کیا ہے ملاحظہ ہو (زبدۃ التحقیق) اوراس پر یہ نظریہ متفرع کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صرف زمانۃ خلافت متاخر ہے اوراس سے مرتبے میں تاخر لازم نہیں آتا بلکہ حضرت رتبہ میں مقدم ہیں گو زمانہ کے لحاظ سے متاخر بھی ہیں-

یہ شاہ جی کی خواہش نفس اور ہوس باطن کا اظہار ہے اور حضرت شیخ اکبر پر بہتان عظیم ہے ان کی تصریح کو نظر انداز کر دینا اور اپنی طرف سے کشید کردہ معنیٰ ومفہوم ان کے ذمے لگا دینا علمائے حق اور خاندانی لوگوں کی شان سے بعید ہے مزید برآں کیا مولائے مرتضیٰ کو جھٹلانا بھی محبت وعقیدت ہے؟

شیخ قدس سرہ کا مطلب ومقصد واضح طور پر سامنے آجاتا ہے کہ جب ان چاروں

حضرات خلفاء راشدین کی خلافت موعود من اللہ ہے تو اگر پہلے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ خلیفہ بن جاتے تو ان کو معزول کیا نہیں جا سکتا تھا تو بقیہ تینوں حضرات اس موعودہ خلافت سے محروم رہ جاتے، لہٰذا اللہ تعالےٰ نے ان کو خلافتیں عطا کرنے میں ان کی عمروں کا بھی لحاظ رکھا تاکہ میرا ان کے ساتھ وعدۂ خلافت بھی پورا ہوجائے اور ان میں شرف وفضل کے لحاظ سے ترتیب کو بھی ساتھ ساتھ ملحوظ رکھ لیا جائے، کیا حیات وزندگی کی ترتیب اور شرف وفضل کی ترتیب میں باہم منافات ہے؟ اور ان کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے؟ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اہل سنت کے اجماعی عقیدہ ونظریہ کی مخالفت کی جائے اور ایسے بے جا توہمات کی بناپر۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

افضلیت صدیق اکبر پر آٹھویں قرآنی دلیل

الآیۃالثامنۃ :قال اللہ تبارک وتعالی:

اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَاِنْ تَظَاھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَمَوْلَاہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذَالِکَ ظَھِیْرٌ۔(التحریم،66:4)

''اگرتم دونوں (اے عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور رجوع کرلو(تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل حق وصواب سے مائل ہو چکے ہیں اور اگرتم دونوں باہم متحد و متفق ہو جاؤ محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے خلاف (توانہیں کوئی ضرر ونقصان نہیں پہنچا سکتیں) کیونکہ اللہ تعالےٰ ان کا حامی وناصر ہے اور جبریل اور صالح مومن ان کے مددگار ہیں اوران کے علاوہ سارے فرشتے ان کے معاون ومددگار ہیں''

اقول:

محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی محبت والفت اورآپ کی زیادہ سے زیادہ صحبت کا شرف حاصل کرنے کے لیے اور اس راہ کی رکاوٹیں مکمل طور پر دور کرانے کے لیے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے باہم اتحاد واتفاق کر رکھا تھا اوراس مقصد ومطلب کے حصول کے لیے باہم یک جان دو قالب بن چکی تھیں اور نبی مکرم ﷺ بھی ان کی دلجوئی اور تسکین قلب کو محبوب رکھتے تھے تو اسی ضمن میں آپ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا یا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد نوش فرمانے پر بھی قسم اٹھالی اور حضرت حفصہ کو بھی اس حقیقت سے آگاہ فرمادیا اور ساتھ ہی ان کو خوش کرنے کے لیے یہ انکشاف بھی فرمادیا کہ

رے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد تیرے ابا جان عمر
وق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے، اور ساتھ کتمان و اخفاء کا انہیں پابند فرمایا۔
لیکن وہ اس راز کو راز نہ رکھ سکیں اور حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا کو مطلع کر دیا
س پر نبیء مکرم ﷺ کی طبیعتِ اقدس پر بوجھ پڑا اور ناگواری اور ناپسندیدگی لاحق ہوئی حتی
بعض روایات کے مطابق آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق بھی دے دی،
ن اللہ تعالیٰ نے آپ کا اپنے مرغوب اور پسندیدہ امور سے اپنے آپ کو محروم رکھنا پسند نہ فرمایا
آپ کو فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (الآیۃ)۔ یعنی آپ اپنے آپ کو اس
ف کا پابند ٹھہراتے ہوئے شہد استعمال کرنے سے یا ماریہ قبطیہ سے اجتناب کا پابند نہ ٹھہرائیں
قسم توڑ دیں اور ساتھ ہی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم بھی آپ
دیا اور فرمایا وہ نماز و روزہ کی پابند ہیں اور جنت میں تمہاری بیوی ہیں۔

پھر ازواجِ مطہرات میں سے ان دو کو بالخصوص فہمائش فرمائی اور بالعموم بھی بارگاہ
ی کی عظمت شان کو ہمہ وقت مدنظر رکھنے اور نبیء مکرم ﷺ کے پسندیدہ امور کو پسند کرنے
رنا پسندیدہ امور کو ناپسند سمجھنے کی تلقین فرمائی اور ان کی بے بسی و بے چارگی کو یہاں تک واضح اور
وشن فرمایا کہ محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اگر تم سے روگردانی کر لیں اور تعلق
ڑلیں تو تمہارا ہے کون؟ نہ اللہ تعالیٰ نہ جبرئیل نہ تمہارے ماں باپ بالخصوص اور نہ عام صالح
ومنین کا بالعموم تم سے تعلق، نہ ملائکہ کو تم سے کوئی تعلق و واسطہ بلکہ یہ سبھی صرف اور صرف محبوبِ
کریم ﷺ کے حامی و ناصر اور معاون و مددگار ہوں گے تو اس قدر خسران و حرمان نصیب بننا
تمہیں کیوں کر گوارا ہو سکتا ہے؟ لہذا محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی رضا جوئی اور ان
کی موافقت و متابعت کو اپنے اوپر لازم کر لو اور آپ کی اطاعت و اتباع کو فرضِ اولین سمجھا کرو

وجہِ استدلال:

مرفوع احادیث سے نیز صحابۂ کرام اور تابعین علیہم الرضوان کے ارشادات سے بھی ثابت ہے کہ صالح مومنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں:

(۱) قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما أراد بصالح المومنین أبابکر وعمر رضی اللّٰہ عنہما وقد روی ذالك مرفوعا الی النبی ﷺ و به قال عکرمة ومقاتل وھو اللائق بتوسیطه بین جبرئیل والملائکة علیھم السلام فانه جمع بین الظھیر المعنوی والظھیر الصوری کیف لا و ان جبرئیل ظھیر له علیھما السلام یؤیده بالتائیدات الالٰھیة وھما وزیراہ وظھیراہ فی تدبیر أمور الرسالة وتمشیة أحکامھا الظاھرة ولأن بیان مظاھر تھما له علیه الصلوة والسلام أشد تأثیرا فی قلوب بنتیھما وتوھینا لأمرھما فکان حقیقًا با لتقدیم بخلاف ما اذا أرید به جنس الصالحین کما ھو المشھور۔

(تفسیر أبی السعود تحت سورة التحریم حلد ۸ ص۲٦۷)

حضرت علامه قاضی القضاة الامام أبو السعود محمد بن محمد العمادی تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم میں فرماتے ہیں:

حضرت مفسرامت حبر صحابه حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے صالح المومنین سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما مراد لیے ہیں- اور یہی قول حضرت عکرمہ اور حضرت مقاتل کا ہے اور صالح المومنین کے حضرت جبرئیل اور ملائکہ کے درمیان ذکر کرنے کے لائق بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معنوی ظھیر اور صوری ظھیر کو جمع فرمادیا ہے کس طرح صالح المومنین سے ان مقدس حضرات کا ارادہ موزوں ومناسب نہ ہو حالانکہ حضرت جبرائیل آنحضرت ﷺ کے ممد ومعاون ہیں آپ کی تائیداتِ الٰہیہ کے ساتھ تقویت وتائید فرماتے ہیں اور شیخین رضی اللہ عنہما آپ کے

زیراور معاون ہیں اور رسالت کی تدبیر میں اور اس کے احکام ظاہرہ کے جاری کرنے میں آپ کی امداد واعانت فرماتے ہیں۔ نیز اس لیے ان کا مراد ہونا زیادہ موزوں ومناسب ہے کہ ان دونوں حضرات کا رسول معظم ﷺ کا ظہیر ومعاون ہونا ان کی بیٹیوں کے دلوں میں زیادہ موثر ہوگا اور ان کے معاملہ کو زیادہ سے زیادہ کم زور کرنے کا موجب ہوگا اس لیے صالح المومنین کا ملائکہ کے ذکر سے پہلے ذکر کرنا زیادہ لائق اور مناسب تھا بخلاف اس کے جب اس سے صالحین کی جنس مراد لی جائے جیسے کہ مشہور قول ہے۔

فائدہ:

گویا ان دونوں بیویوں کی سرزنش یہ کی جارہی ہے کہ رسول گرامی ﷺ کے خلاف اتحاد واتفاق کی صورت میں تم نہ صرف اللہ تعالیٰ اور جبرئیل امین کی امداد واعانت سے محروم رہوگی بلکہ اپنے والدین کی امداد واعانت سے بھی اور سب ملائکہ کی امداد واعانت سے بھی محروم رہوگی اور وہ بھی محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے معاون ومددگار رہوں گے اور تمہارے مخالف، لھذا اس حرمان وخسران کو کوئی عقل مند قبول نہیں کرسکتا۔

(۲) حضرت علامہ القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی اپنی معروف تفسیر تفسیرِ مظھری میں فرماتے ہیں:

روی عن ابن مسعود وأبی بن کعب أن صالح المومنین أبوبکر وعمر وکذا روی عن ابن مسعود وأبوأمامة عن النبی ﷺ وعن ابن عمر و عن ابن عباس وسعید بن جبیر أنھا نزلت فی أبی بکر وعمر۔ (جلد۹ ص۳۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صالح المومنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور ایسے ہی حضرت ابن

عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت
ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

گویا مرفوع روایات سے بھی اور ارشاداتِ صحابۂ کرام سے بھی ثابت ہوگیا کہ صا
المومنین شیخین رضی اللہ عنہما ہیں۔ نیز مشہور قول بھی حضرت قاضی علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا ہے یعنی

من صلح من المومنين أجمعين أتباعه و أعوانه و مواليه قال الكلبى هـ
الذين هم مخلصون ليسوا بمنافقين۔(جلد ۹ ص ۳۴۳)

یعنی تمام تر مومنین میں سے جن میں صلاح وتقویٰ متحقق ہے خواہ وہ آپ کے متبعین ہ
یا معاونین ومؤیدین اور آپ کے موالی اور آزاد کردہ غلام ہیں۔

کلبی فرماتے ہیں کہ صالح المومنین سے مراد سبھی مخلص مومنین ہیں کہ نفاق جن کے گ
دامن کو بھی نہیں چھوسکتا۔

(۳) تفسير معالم التنزيل للامام الحليل محى السنة أبو محمد حس
بن مسعود الفراء البغوی میں منقول ہے:

روى عن عبدالله بن مسعود و أبى بن كعب و صالح المومنين أبو ب
وعمر رضى الله عنهماقال الكلبى هم المخلصون الذين ليسوا بمنافقين۔

(ص٦٦ جلد٤ و كذا فى التفسير الخازن ص٤٨٦ جلد٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ص
المومنین سے حضرت صدیق اور حضرت فاروق مراد ہیں اور کلبی کہتے ہیں کہ سبھی مخلص، نفاق
پاک مومن مراد ہیں۔

(٤) حضرت فخرالمفسرین حضرت امام رازی علیه الرحمه فر
ہیں: قوله تعالىٰ و صالح المومنين قال ابن عباس يريد أبابكر وعمر موليى

صلی اللہ علیه وعلیهما وسلم علی من عاداه وناصرین له وهو قول المقاتل ۔وقال ضحاك خیارالمؤمنین وقیل من صلح من المومنین أی كل من آمن وعمل صالحاً۔وقیل من برئی منهم من النفاق وقیل الأنبیاء كلهم علیهم السلام و قیل خلفاء وقیل الصحابة (تفسیر كبیر ص ۵۷۰ جلد ۳۰)

(۵) روی عن بن مسعود وأبی بن كعب صالح المومنین أبوبكر عمر وقیل هم المخلصون من المؤمنین الذین لیسوا بمنافقین وقیل هم الأنبیاء ۔

(تفسیر الخازن جلد رابع ص۲۸٦)

(٦) حضرت علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

صالح المومنین أبوبكر وعمر زادالحسن البصری وعثمان وقال لیث بن سلیم عن مجاهد وصالح المومنین علی بن أبی طالب رضی الله عنهم الخ۔

(ص۳۸۹ جلد رابع)

گویاصالح المومنین سے مرادخلفاء اربعہ ہیں۔

(۷) حاشیه شهاب علی البیضاوی میں اگرچہ علامہ قاضی بیضاوی کی طرح صالح المومنین میں عموم کوترجیح دی ہے لیکن حضرت ابن عباس اور دیگر اکابر سے اس کا نزول حضرت صدیق اور حضرت فاروق کے حق میں بھی تسلیم کیا ہےاوران کا اس عموم میں دخول اولیت کے طور پر تسلیم کیا ہے:

وان روی عن بن عباس رضی الله عنهما أن صالح المومنین عنها أبوبكر عمر ورفع ذالك الی النبی ﷺ وقد ذهب الیه قتادة وعكرمة وهو مناسب لذكر جبرئیل والملائكة فان المراد دخولهما بالطریق الأولی لا التخصیص

(ص۲۱۲ جلد ۸)

(۸) تفسیر الحداد یعنی کشف التنزیل فی تحقیق المباحث والتاویل لابی بکر الحداد الیمنی الحنفی میں فرمایا:

وصالح المومنين أبو بكر وعمر يتوليانه وينصرانه على من عاداه ۔

(ص ۳۵ جلد سابع)

الغرض صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مرفوع روایات واحادیث سے اور موقوف روایات سے بھی اور اکابر تابعین کے اقوال سے بھی ثابت ہوگیا کہ صالح المومنین کا مصداق بالخصوص شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ہیں یا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور اگر اس لفظ کو عموم پر رکھا جائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دخول اوّلی کے طور پر صالح المومنین میں داخل ہیں۔تو جب اللہ تعالیٰ ان کے صالح المومنین ہونے کی شہادت دے تو کون سا مسلمان اور مومن ان کے صالح المومنین ہونے میں شک وشبہ کرسکتا ہے؟

نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان کے اخلاص اور کامل ترین محبِ رسول ﷺ ہونے کی شہادت ہے کہ اولاد کی محبت نبیٔ مکرم ﷺ کی محبت کے مقابل ان کے نزدیک قابل توجہ ہی نہیں چہ جائے کہ آپ کی محبت کے مساوی ہو یا بڑھ کر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے یہ شہادت دی ہے جبکہ وہ علیم بکل شیئ ہے اور من کل وجہ علیم ہے اور کوئی لچک اور تردد اس میں ان کے متعلق ظاہر نہیں فرمایا اور اس باہمی تظاہر و تعاون پر اڑے رہنے کی صورت میں کتنا بھیانک انجام ان کا ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے ان کے اخلاص اور حبِ کامل کے لیے دعا کرنا بھی قطعاً ثابت نہیں جبکہ نوح علیہ السلام نے خود دعا فرمائی تھی: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا کوئی کافر روئے زمین پر زندہ نہ چھوڑ مگر بیٹا کفر پر اڑ گیا اور باپ پر ایمان لانے اور حلقۂ غلامی میں داخل ہونے سے صاف انکاری ہے مگر پھر پدری شفقت جوش مارتی

وراس کو بچانے کے لیے عرض کرتے ہیں:

اِنَّ ابْنِی مِنْ اَھْلِی وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ (ھود، 45:11)

''میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا میرے اہل کو بچانے کا وعدہ برحق ہے''

لہٰذا اس کو بچا! تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی میری مراد اہل سے روحانی رشتہ والی
تھی نہ کہ خونی اور جسمانی رشتہ والی۔ شفقت پدری کا جوش سببِ ذہول بن گیا۔ اگر چہ بڑی
بڑی شان والے امتی کا کسی بھی نبی سے مساوات یا افضلیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن
دونوں حضرات کا فنا فی الرسول بقاء بالرسول کا مقام بہرحال ظاہر ہے اور واجب
احترام والتسلیم ہے، جس کے مقابل اپنی ذات کے خیال کی بھی گنجائش نہیں ہوتی چہ جائے
اولاد کا خیال دل ودماغ پر نقش رہے۔ الٹا حضرت عمر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنی
ازواج کو طلاق دے دی ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے

فان اللّٰہ معك والملائکة وجبرئیل ومیکائل وأبوبکر والمؤمنون معك
وقلما تکلمت وأحمد اللّٰہ بکلام الا رجوت أن یکون اللّٰہ یصدق قولی الذی أقول
فنزلت عسی ربه ان طلقکن أن یبد له أزواجا خیرًا منکن ۔الآیة

(تفسیر مظھری بروایة الامام البخاری جلد ۹ ص ۳۴۳)

کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور تمام ملائکہ بالخصوص جبرئیل ومیکائل اور ابوبکر
اور مومنین آپ کے ساتھ ہیں اور معاون ومددگار ہیں اور بہت کم میں نے کوئی کلام کی مگر الحمد للہ
میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا تھا کہ وہ میری کہی ہوئی بات کی تصدیق فرمادے گا تو اللہ تعالیٰ نے
یہ مقدس کلمات نازل فرمائے۔ ''قریب ہے کہ اگر رسول گرامی ﷺ تمہیں طلاق دے دیں تو اللہ
تعالیٰ انہیں تمہاری نسبت بہتر بیویاں عطا فرمادے گا''

نیز یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہے جبرئیل امین، صالح المومنین اور سبھی ملائکہ ان

کے معاون ومددگار ہیں۔

اہم سوال وجواب:

ایک طرف سے دوعورتیں ہیں اوران کے والدین بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں توان کے مقابل نبی مکرم ﷺ کے اس قدر کثیر التعداد معاونین ومددگار ذکر کرنے کی کوئی اہمیت معلوم نہیں ہوتی؟ آپ اکیلے ان کی تادیب کے لیے کافی تھے، پھر اللہ تعالیٰ کی ذات والا کے بعد کس کی معاونت کی ضرورت کیونکر محسوس ہوسکتی ہے؟

جواب:

یہ ہے کہ رسول محتشم ﷺ کے مدمقابل کی قوت وطاقت مدنظر نہیں ہے بلکہ عظمتِ رسول ﷺ کو واضح کرنا مقصود ہے کہ کسی مسلمان کو خواب میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ہم رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی مرضی کے برعکس اپنے اتحاد واتفاق کی بدولت اپنی مرضی منوا سکیں گے اوران کو اپنی خواہش اور دلی تمنا کے مطابق عمل پیرا ہونے پر مجبور کرسکیں گے اس لیے اس قدر معاونین وموالیوں کا ذکر فرمایا ھذا واللہ ورسولہ أعلم۔

کیا نبی مکرم ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو یا کسی ایک بیوی کو طلاق دی تھی؟

قبل ازیں عرض کیا جاچکا ہے کہ صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک رجعی طلاق دی تھی جبکہ اس میں بھی اختلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے امر سے آپ نے اس سے رجوع فرمالیا تھا اور یہاں پر مشروط حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر تم سب کو طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو عطا کرے گا وہ تمہیں زوجیت میں رکھنے پر مجبور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماذون اور مختار ہیں، لھذا تم اپنے اس اعزاز اور شان امتیاز کو بحال رکھنے کے لیے محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی رضامندی اور پسندیدگی کو مقدم رکھو اور

پنی انانیت اور خواہش نفس کو مکمل طور پر ختم کر دو۔

اہم سوال:

روئے زمین پر ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وعلیہنّ وسلّم کی خداداد شان اور مرتبہ مقام کی برابری کرنے والی جب کوئی عورت ہے ہی نہیں، کما قال تعالیٰ: یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب، 32:33) تو ان سے خیر و برتر اور افضل و اعلیٰ مرتبہ والی ازواج کا تصور کیسے ہو سکتا ہے ؟

جواب:

حضرت محی الدین شیخ زادہ حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

فان المذهب أنه ليس على وجه الأرض نساء خير من أمهات المومنين الا انه عليه الصلوة والسلام اذا طلقهن لعصيانهن له وايذاءهن اياه كان غيرهن من الموصوفين بهذه الصفات مع الطاعة خيرًا منهن وهذه الخيرية لما علّقت بما لم يقع لم تكن واقعة فى نفسها وكان الله عالمًا بأنه عليه الصلوة والسلام لا يطلقهن لكن أخبرعن قدرته على أنه ان طلقهنّ أبد لهٗ خيرًا منهنّ تخويفًا لهنّ كقوله تعالى وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ ۔

(ص ۲۰۹ جلد ثامن)

"مذہب حق یہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی عورت نہیں ہے جو ازواجِ مطہرات سے افضل ہو (یا ان کی شان کی برابری کر سکے) مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کو طلاق دے دیں ان کے عصیان کے اور ان کی اذیت پہنچانے کی وجہ سے تو پھر ان کی بجائے ان صفاتِ مذکورہ کے ساتھ موصوف اور آپ کی اطاعت گزار ان امہات المومنین سے ضرور بہتر ہوں گی۔ لیکن یہ فضیلت

وخیریت چونکہ معلق ومشروط ہے اس امر کے ساتھ جو وقوع پذیر نہیں ہوا تو دوسری عورتوں کا فی الواقع ازواج مطہرات سے بہتر اور افضل ہونا ثابت نہیں ہوسکا۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ رسولِ محترم ﷺ ان کو طلاق نہیں دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بارے میں ان کو آگاہ کردیا اگر آپ ﷺ تمہیں طلاق دے دیں تو تمہارے بدلے میں ان کو بہتر بیویاں عطا کردوں گا ان کے ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لیے، یہ اس طرح فرمایا جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ۔ اگر تم پیٹھ پھیرو گے اور دین اسلام سے روگرانی کرو گے تو تمہارے بدلے دوسری قوم کو اللہ تعالیٰ لائے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔ الغرض نہ ازواج مطہرات کی طلاق وقوع پذیر ہوئی اور نہ ہی کسی عورت کا ان سے افضل یا مساوی مرتبہ والا ہونا ثابت ہوا۔

اہم سوال وجواب:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انعام یافتہ حضرات کے چار طبقات ذکر فرمائے ہیں:

فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ جبکہ صالحین کا چوتھا درجہ ہے اور صدیقین دوسرے درجہ میں ہیں، لیکن آیتِ کریمہ سے ان کا صدیقیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی بجائے چوتھے درجہ میں ہونا لازم آرہا ہے تو یہ استدلال پہلے دلائل کے خلاف بھی ہوگیا اور آپ کے مرتبہ کی تنزلی کو بھی مستلزم ہوگیا تو اس کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہوا بلکہ نقصان لازم آیا؟

جواب:

صالح کا لقب اگر دوسرے القاب کے ساتھ مذکور ہو تو پھر چوتھے مرتبہ پر دلالت

کرتا ہے اور نسبتًا تنزل کی دلیل ہوتا ہے- لیکن جب مطلق ذکر کیا جائے تو خداداد مرتبہ ومقام
یں درجہ کمال پر فائز ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے- معراج شریف کے موقع پر جب رسول محتشم
ﷺ کی آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی اور آپ نے ان کو فرداً فرداً اسلام دیا
ورانہوں نے سلام کا جواب بھی دیا تو بعض نے مرحبا بالنبی الصالح والأخ الصالح کہا اور
عض نے مرحباً بالنبی الصالح والابن الصالح کہا، حالانکہ وہ آپ کی اقتداء میں بیت
لمقدس میں نماز بھی پڑھ آئے ہیں اور آپ کی جسمانی ترقی اور بلند پروازی کا اور جبرئیل علیہ
لسلام کی خادمیت کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں- لہذا یہاں صالح سے مراد نبوت کا کامل واکمل
درجہ ہوگا اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کے لیے صدیقیت کا اعلیٰ درجہ اور حضرت عمر فاروق اعظم
کے لیے شہادت کا اعلیٰ درجہ مراد ہوگا- ھذا ما عندی واللہ ورسولہ أعلم -

خلافت بلا فصل کا بیان بزبانِ رسالت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثاً فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ
بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ
الْخَبِيرُ (التحریم، 3:66)

اس دوران حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی دور کرنے کے لیے نبی مکرم ﷺ نے
ان کو بتلایا کہ میں نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا ہے اور یہ کہ ان أبابکر یلی الخلافة
من بعدی ثم أبوك

''بے شک ابوبکر صدیق میرے بعد خلیفہ ہوں گے پھر تمہارے والد گرامی اس منصب
پر فائز ہوں گے اور اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کرنا''

لیکن نسوانی اور بشری کمزوری کے تحت ان سے ضبط نہ ہوسکا اور حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا کو آگاہ کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے ماریہ قبطیہ کی تحریم کے راز کے افشا کرنے کا گلہ فرمایا، لیکن خلافت والے راز کے افشاء کے بارے میں چشم پوشی اور روگردانی فرمائی جس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ انکشاف نگاہِ نبوت میں ناپسندیدہ امر نہیں تھا اور اس کے شیوع اور شہرت میں کوئی حرج آپ نے محسوس نہ فرمایا۔

نیز جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خوش کرنے اور ان کے دل پر سے گرانی اور ناگواری کو دور کرنے کے لیے یہ مژدہ سنایا جا رہا تھا تو اس کا وقوع پذیر ہونا بھی یقینی تھا اور اس خلافت کا خلافتِ حقہ اور موھوب من اللہ ہونا بھی یقینی تھا کیونکہ غاصبانہ اور ظالمانہ خلافت کا خوشخبری کے مقام میں ذکر کیے جانے کا کون عقلمند تصور کر سکتا ہے؟

لھذا خلافت کا برحق ہونا بھی ثابت ہو گیا اور آپ نے خداداد علمِ غیب کے تحت اس کی خبر دی تھی تو اس کا ازلی اور عرشی فیصلہ ہونا بھی حتمی قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔لہذا اُس کو محض بندوں کا انتخاب قرار دینا جیسے کہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اس قسم کے وساوس لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں ڈال رہے ہیں، سراسر بے بنیاد اوہام ووساوس ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ ازلی اور عرشی فیصلے ظاہر بندوں کے ذریعے ہو جائیں، رسول گرامی ﷺ نے کاغذ اور قلم ودوات طلب فرمائے تا کہ ابوبکر صدیق کے لیے خلافتی آرڈر لکھ دیں پھر خداداد علم کے مطابق فرمادیا یأبی اللہ والمؤمنون الا أبابکر "اللہ تعالیٰ اور مومنین سوائے ابوبکر صدیق کے کسی پر راضی نہیں ہوں گے لہذا تحریر کی ضرورت نہیں ہے"

الغرض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عند اللہ اور عند الرسول ﷺ خلیفۂ برحق اور خلیفۂ بلافصل ہونا بھی واضح طور پر ثابت ہو گیا اور اس کو ظالمانہ اور غاصبانہ قرار دینے کا بطلان بھی واضح ہو گیا اور محض بندوں کا انتخاب قرار دینے کا بطلان بھی واضح ہو گیا۔

افضلیتِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نویں قرآنی دلیل

ة التاسعة:

قولِ باری تعالٰے ہے:

اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ (6) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ غَيرِ المَغضُوبِ

ـمْ وَلاَ الضَّالِّينَ (7) (الفاتحة)

ومِ آیہ:

(اے اِن صفاتِ کمال کے موصوفِ برحق! معبودِ برحق! حاجت روائے خلق اور

ات کشائے ہمہ!) ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا! یعنی منعم علیہم حضرات کی شاہراہِ ہدایت پر

ن فرما! جو تیرے قہر وغضب سے سالم ومحفوظ ہیں اور ضلالت وگمراہی سے دامن بچانے

لے ہیں"

اللہ تبارک وتعالٰے نے اس سورۂ کریمہ میں اہم دعا کی تعلیم دی اور اس کا طریقہ وسلیقہ بھی

فرمایا، یعنی میری حمد وثناء کرو میرے صفاتِ کمال کے ساتھ، پھر اپنے عابد ہونے اور میرے

ودِ یکتا ہونے کا اظہار کرو، میرے ساتھ اپنا ظاہری وباطنی روحانی وجسمانی تواضع وانکساری

عبادت وریاضت والا تعلق ظاہر کرو، پھر اپنی حاجت اور ضرورت میری بارگاہ میں پیش کرتے

ئے یوں عرض کرو کہ ہمیں صراطِ مستقیم تک واصل فرما اور اس پر گامزن فرما یعنی ان مقدس

تیوں کی شاہراہِ حیات پر جن پر تیرا انعام ہے جو قہر وغضب سے محفوظ اور ضلالت وگمراہی سے

چنے والے ہیں۔

القرآن یفسر بعضه بعضا کے تحت قرآن مجید اپنی تفسیر آپ بتلاتا ہے تو ان انعام یافتہ حضرات کی بھی قرآن مجید نے خود تفصیل بتلادی ہے کما قال اللہ تعالیٰ من یطع اللہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے گا تو وہ اطاعت گزار لوگ ان مقدس حضرات کی معیت میں ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء کرام علیهم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ایک طریقہ اس مصاحبت ومرافقت کے حصول کا اطاعتِ الٰہیہ اور اطاعتِ مصطفوی بیان فرمایا تو دوسرا طریقہ اس انداز سے دعا کرنے کا بتلایا جو عنداللہ مقبول ومستجاب طریقہ ہے کیونکہ اپنی عبادت کو مقبولان بارگاہ کی عبادت میں ملا کر اور اپنی حاجت کو ان کی حاجت میں ملا کر جب پیش کیا جائے تو وہ عبادت اُن کی عبادات کے طفیل اس بے نیاز کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پالیتی ہے اور وہ حاجت ان کی حاجات کے طفیل اس کریم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں شرف اجابت حاصل کرلیتی ہے۔

اس لیے نماز باجماعت کا حکم دیا گیا ہے اور اجتماعی حج کا تا کہ جب یہ عبادات بارگاہ صمدیت میں اکٹھی پیش ہوں تو کاملین واکملین کے طفیل ناقص مسلمانوں کی یہ عبادات بھی شرف قبولیت حاصل کرلیں۔

پھر سورت کی تلاوت واجب ہے نوافل وسنن اور وتر کی ہر رکعت میں اور فرض منفرد طور پر ادا کرنے پر بھی ہر رکعت میں تلاوت کی جائے گی اور باجماعت ادائیگی کی صورت میں بعض ائمہ کے نزدیک امام مقتدیوں کی اس ذمہ داری کو ادا کرے گا جیسے کہ حدیث میں ہے من کان له امام فقراءة الامام له قراءة یعنی جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو امام کی قراءت اس کی قراءت بن جائے گی جیسے کوئی امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجائے تو اس کی رکعت

پوری طرح ادا ہوگئی اور بعض ائمہ حضرات فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے بھی لازم ٹھہراتے ہیں جیسے کہ کتبِ فقہ میں اس کو مفصل اور مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تہجد خوان حضرات تہجد کے نوافل میں اور رمضان شریف میں تراویح کے اندر اس سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس میں اس دعا کو بار بار دہرایا جاتا ہے تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس دعا کی شریعتِ مطہرہ اور اس دینِ متین میں کتنی اہمیت ہے اور یہ کس قدر مؤکد ہے۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوۃ الابفاتحة الكتاب کوئی نماز سورۂ فاتحہ کے بغیر جائز نہیں ہے یا اس کے بغیر کامل و اکمل طور پر ادا نہیں ہو سکتی ہے تو اس سے صراط مستقیم اور منعم علیہم حضرات کی شاہراہِ حیات اور اس پر گامزن ہونے کا وجوب و لزوم اور ضرورت و فرضیت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے اور اس سے انحراف و عدول کی ذرہ بھر گنجائش باقی نہیں رہتی۔

النبیین میں سرفہرست خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ان کی بعثت کے بعد پیغمبرانِ کرام علیہم السلام کو اطاعت و اتباع اور نصرت و امداد کے بغیر چارہ نہیں ہے کما قال تعالیٰ: ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه (ال عمران، 81:3) اور ان کی شریعتوں کا کوئی حکم جو اسلامی احکام کے موافق و مطابق نہ ہو قطعاً قابلِ قبول اور لائقِ اتباع نہیں ہے، کما قال تعالیٰ: ان الدین عندالله الاسلام- وقال تعالیٰ: و من یبتغ غیرالاسلام دینافلن یقبل منه (ال عمران، 85:3) البتہ ان کے جو احکام اور اعمال و اخلاق اسلام کے خلاف نہیں اور ان کے امتیازی شان اور انفرادی کمال سے تعلق رکھتے ہیں وہ سبھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندر جمع فرما لیے اور جامع جمیع کمالاتِ انبیاء علیہ وعلیہم السلام بن گئے، کما قال تعالی اولئك الذین هدیٰ اللّٰه فبهداهم اقتده (الشوری، 32:42) تو اندریں صورت آپ کی اتباع گویا تمام پیغمبرانِ کرام اور سب انبیاء و رسل علیہم السلام کی اتباع ہے اور سب کی اطاعت و پیروی ہے۔

صدیقین وشہداء اور صالحین کے متعلق پہلی امم وملل کے اس مرتبہ ومقام والے حضرات کے اقوال بھی بعض مفسرین کرام نے ذکر فرمائے ہیں لیکن قطعاً یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ صرف اور صرف پہلی امتوں کے صدیقین اور شہداء وصالحین کی راہِ ہدایت تک وصول اور اس پر چلنے کی توفیق اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے کیونکہ یہ امت خیر امم ہے جو لوگوں کی خیر اور بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے اور قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اپنے فریضۂ نبوت کی ادائیگی کے حق میں اور کافر امتوں کے انکار کے رد وابطال میں اس امت کو گواہ کے طور پر پیش کریں گے اور رسول گرامی ﷺ ان کی صفائی کے گواہ ہوں گے امر خداوندی کے مطابق انہیں کی شہادت قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش انبیاء کرام کے حق میں فیصلہ فرمائے گا اور قرآن مجید فرقان حمید ان کی یہ امتیازی شان بیان کر رہا ہے کما قال تعالیٰ: کنتم خیر امة اخرجت الناس(ال عمران، 110:3) وقال فی مقام آخر: و کذالك جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداً(البقرہ، 143:2)۔ نیز دنیا میں ظہور کے لحاظ سے سب انبیاء وامم ان سے سابق اور مقدم ہوں گے لیکن آخرت میں آپ ﷺ بھی انبیاء کرام علیہم السلام سے مقدم ہوں گے اور آپ کی امت بھی تمام امتوں سے دخول جنت میں سابق اور مقدم ہوگی۔ ارشادِ نبوی ہے: ان الله حرم الجنة علی الانبیاء حتی ادخلها وعلی الامم حتی تدخلها امتی۔ وغیر ذالك من الاختصاصات و الامتیازات تو اس خیر امت کے صدیقین وشہداء اور صالحین کی اقتداء واتباع اور ان کے مدارج ہدایت اور معارج عرفان جیسے مدارج ومعارج کی طلب وآرزو اور ان کے مطابق وموافق نظریات وعقائد اور اعمال واخلاق اور روش وکردار کی تمنا اور خواہش سے کون سا مسلم ومومن خالی ہوسکتا ہے۔

لہٰذا اولین درجہ اور مرتبہ میں اس امت عظیمہ کے ان عظیم المرتبت مقتداؤں اور

نماؤں کی شاہراہ ہدایت پر ہی چلنا ارفع واعلیٰ مقصد اور اہم ترین مدعا اور مطلب ہے اور اگر
ری امتوں کے صدیقین وشہداء اور صالحین مراد ہوں تو بھی ان کے طفیلیوں اور تبعین کی طرح
راد ہوں گے جیسے کہ خود ان کے مقتدایانِ کرام اور متبوعین عظام یعنی انبیاء ورسل سابقین علیہم
ام کی شان اور مقام ہے کہ نبی الانبیاء ﷺ کے تبعین میں شامل ہیں اور نماز اسراء اس کی شاہد
ق ہے

نماز اسراء میں تھا یہی سر، عیاں ہو معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب تصریحات اکابر ملاحظہ فرماویں

حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی الجامع
کام القرآن میں فرماتے ہیں:

اختلف الناس فی المنعم علیهم فقال الجمهور من المفسرین انه أراد
اط النبین والصدیقین والشهداء والصالحین وانتزعوا ذالك من قوله تعالے : و من
ع الله والرسول فاولئك مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین
شهداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا ۔فالآیة تقتضی ان هولاء علی صراط
تقیم وهو المطلوب فی آیة الحمد وجمیع ما قیل الی هذا یرجع فلامعنٰی لتعدید
وال والله المستعان (جلد اول ص ۱۹۳)

منعم علیہم کے بیان مصداق میں لوگوں کا اختلاف ہے پس جمہور مفسرین کا قول یہ
ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس سے انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین وشہداء اور صالحین کی راہ کا ارادہ
ایا ہے اور ان مفسرین کرام نے اپنے اس نظریہ کو ارشاد خداوند تعالےٰ: و من یطع اللّٰہ
رسول فاولئك مع الذین انعم اللہ سے اخذ کیا ہے۔

لہذا یہ آیت کریمہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ حضرات صراط مستقیم پر ہیں اور یہی امر سورۂ حمد کی اس آیت کریمہ میں بھی مطلوب و مقصود ہے اور منعم علیہم کے مصداق میں جس جس نے جو جو قول بھی کیا ہے وہ سبھی اس قول جمہور کی طرف راجع ہے اور اسی میں مندرج ہے لہذا ان سب کی گنتی کی اور الگ الگ ذکر کی ضرورت نہیں۔ واللہ المستعان۔

یہی مفسر عظیم الصراط المستقیم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال عاصم الأحول عن أبی العالية الصراط المستقيم رسول الله ﷺ وصاحباه من بعده قال عاصم فقلت للحسن ان أبا العالية يقول الصراط المستقيم رسول الله ﷺ وصاحباه قال صدق ونصح۔ (ص ۱۹۲)

عاصم احول نے کہا ابو العالیہ سے روایت کرتے ہوئے کہ الصراط المستقیم رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے بعد ان کے دونوں صاحب یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔ عاصم نے کہا پس میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا بیشک ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صراط مستقیم کا مصداق رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے دونوں مصاحب ہیں تو آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے اور سراسر خلوص و صحیح نظریہ کا اظہار کیا ہے۔

اقول:

صراط الذين انعمت عليهم۔ جب الصراط المستقیم سے بدل کل ہے تو اس کا مصداق بھی ان حضرات کے نزدیک رسول مکرم ﷺ اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ہوں گے اور ظاہر ہے ماسوا کی نفی کے طور پر نہیں بلکہ اولیت اور اولویت کے طور پر۔ کیونکہ پہلے انبیاء و رسل علیہم السلام رسول اکرم ﷺ کے متبعین ہیں اور پہلی امتوں کے کاملین اس صدیق اکبر اور شہید اعظم کے تابع ہیں۔ لہذا ان کے اس امتیاز و اختصاص پر تنبیہ کے لیے ان کو نامزد کیا گیا ہے جیسے کہ رسول کریم ﷺ کی اسی متبوعیت اور اصالت پر تنبیہ کے لیے آپ کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ لہذا ان

ان ہستیوں کی اولیت اور افضلیت ثابت ہوگئی۔

)حضرت علامہ الحافظ عمادالدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی دمشقی اپنی معروف زمانہ تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں:

اختلف عبارات السلف والخلف من المفسرین فی تفسیر الصراط وان کان یرجع حاصلها الی شئی واحد وهو المتابعة لله وللرسول الخ۔

"مفسرین کرام میں سے سلف وخلف کی عبارات اس صراط کی تفسیر میں مختلف ہیں اگرچہ ان کا حاصل امر واحد ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی متابعت"

پہلا اور دوسرا قول:

اس سے مراد کتاب اللہ ہے جیسے کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف طور پر منقول ہے۔دوسرا یہ ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن مسعود اور چند دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے۔

تیسرا اور چوتھا قول:

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حق ہے جیسے کے مجاہد سے منقول اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول معظم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں جیسے کہ عاصم احول کے واسطہ سے ابو العالیہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے (اور قرطبی کے حوالے سے عبارت ذکر کی جا چکی ہے)

حضرت علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

کل هذه الأقوال صحیحة وهی متلازمة فان من اتبع النبی ﷺ واقتدی بالذین من بعده أبی بکر وعمر رضی الله عنهما فقد اتبع الحق و من اتبع الحق فقد

اتبع الاسلام ومن اتبع الاسلام فقد اتبع القرآن وهو كتاب الله وحبله المتين وصراطه المستقيم فكلها صحيحة يصدق بعضها بعضا۔

(جلد اول ص ۲۷،۲۸)

"یہ سبھی اقوال صحیح ہیں اور یہ باہم متلازم ہیں کیونکہ جس نے نبی مکرم ﷺ کی اتباع کی اور آپ کے بعد والے حضرات یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اقتداء کی تو اس نے حق کی اتباع کی اور جس نے حق کی اتباع کی تحقیق اس نے دین اسلام کی اتباع کی اور جس نے اسلام کی اتباع کی تو اس نے قرآن یعنی کتاب اللہ کی اتباع کی جو کہ اللہ تعالیٰ کی جبل متین اور مضبوط نورانی رسہ ہے جو متمسک لوگوں کو ذات باری تک رسائی بخشنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا صراط مستقیم ہے۔لہذا یہ سبھی اقوال صحیح ہیں اور واقعہ کے مطابق ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے ہیں"

قول باری تعالی صراط الذين انعمت عليهم کی تفسیر میں فرمایا:

والذين أنعم الله عليهم المذكورون فی سورة النساء حيث قال ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين۔الآية الخ

جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ وہی حضرات ہیں جن کا سورت نساء میں ذکر کیا گیا ہے جس مقام پر فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کی معیت میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی معیت میں ہوگا اور وہ بہت اچھے اور مستحسن رفقاء ہیں اور وہ عظیم فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے از روئے علیم ہونے کے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

صراط الذین انعمت علیهم بطاعتك وعبادتك یعنی ملائکتك وانبیائك والصدیقین والشهداء والصالحین وذالك نظیر قوله تعالی من یطع الله والرسول۔

یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا اپنی اطاعت کے طفیل اور عبادت کے سبب یعنی اپنے ملائکہ اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء وصالحین کی راہ یہ قول باری تعالیٰ نظیر ہے اس کی جو اللہ رب العزت نے فرمایا جس نے اطاعت کی اللہ اور رسول اللہ کی تو وہ ان کی معیت میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے-الخ

ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ الذین انعمت علیهم سے انبیاء کرام مراد ہیں-ابن جریج حضرت ابن عباس سے ناقل ہیں اس سے مومنین مراد ہیں اور ایسے ہی مجاہد نے بھی نقل کیا ہے اور عبدالرحمن ابن زید ابن اسلم سے مروی ہے هم النبی ﷺ ومن معه اس سے مراد نبی مکرم ﷺ اور جو حضرات آپ کے ساتھ ہیں مگر حضرت ابن عباس والا پہلا قول اعم اور اشمل ہے تفسیر بغوی میں ان اقوال کے علاوہ عبدالرحمن بن زید ان سے یوں منقول ہے: رسول الله و أهل بیته اور شہر بن حوشب نے کہا: هم أصحاب رسول الله ﷺ و أهل بیته۔

اقول:

سرورِ عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''میں تم میں دو قیمتی چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک ان سے وابستہ رہو گے گمراہ نہیں ہو گے، ایک قرآن مجید اور دوسری چیز اہل بیت اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتی کہ مل کے میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے''

اور فرمایا:

فرقہ جنتی ہوگا جو میری راہ اور میرے صحابہ کی راہ کو اپنائے ہوئے ہوگا“

اور یہ بھی باہم متلازم ہیں اور سب تفسیریں صحیح ہیں کما قال ابن کثیر

قول باری تعالےٰ صراط الذین انعمت علیھم صراط مستقیم کے لیے مفسّر ہے اور وہ نحویوں کے نزدیک صراط مستقیم سے بدل ہے اور اس کو عطف بیان بنانا بھی جائز ہے۔

اقول:

جب ثابت ہو چکا کہ اتباع نبی ﷺ اور اقتدائے شیخین حق کی اتباع واقتداء ہے اور اتباع حق دینِ اسلام کی اتباع ہے اور دینِ اسلام کی اتباع قرآن مجید کی اتباع ہے اور جب قول باری تعالے صراط الذین انعمت علیھم بدل کل یا عطفِ بیان ہے تو ان دونوں کی تفاسیر میں بھی لامحالہ تلازم ثابت ہو جائے گا۔

نبی مکرم ﷺ کی اتباع اور شیخین رضی اللہ عنہما کی اقتداء انبیاء کرام جملہ صدیقین اور تمام شہداء وصالحین کی اتباع واقتداء کو مستلزم ہو جائے گی۔ تو اس سے عظمتِ رسول ﷺ اور عظمت شیخین واضح طور پر ثابت ہو جائے گی اور مقام صدیقیتِ صدیق، سید عالم ﷺ کی نبوت کے ساتھ بلاتفرقہ وفاصلہ متصل ولاحق ہے تو ان کی اعظمیت وافضلیت بعداز رسول مکرم ﷺ نیم روز کی طرح واضح ہوگئی۔ والحمدللہ تعالے

(۳) فخرالمفسرین حضرت امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فائدہ :

قولہ تعالے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یدل علی امامۃ أبی بکر رضی اللہ عنہ لأنا ذکرنا أن تقدیر الآیۃ اھدنا صراط الذین أنعمت علیھم واللہ قد بین فی آیۃ أخری ان الذین أنعم اللہ علیھم من ھم ؟فقال فأولئك مع الذین أنعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین ولا شك أن رأس الصدیقین ورئیسھم

بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ فکان معنی الآیة أن اللّٰہ أمرنا أن نطلب الهدایة التی ان علیها أبو بکر الصدیق و سائر الصدیقین ولو کان أبو بکر ظالما لما جاز الاقتداء ثبت بما ذکرناہ دلالة هذه الآیة علی امامة أبی بکر رضی اللّٰہ عنہ۔

(تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۲۲۱)

سرا فائدہ:

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی اهدنا الصراط المستقیم الخ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مت پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ ہمیں چلا انعام ہ حضرات کی راہ پر اور اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت کریمہ میں بیان فرمادیا کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا ام ہے وہ کون ہیں، پس فرمایا وہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے ی انبیاء اور صدیقین۔ اور اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ صدیقین کے راس ورئیس ابوبکر دیق ہیں تو اس آیتِ کریمہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور دیگر صدیقین تھے اور اگر وبکر صدیق رضی اللہ عنہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء قطعاً جائز ہی نہ ہوتی۔ تو ہمارے اس مذکور یان سے ثابت ہو گیا اس آیتِ کریمہ کا حضرت ابوبکر صدیق کی امامت کی دلیل و برہان ہونا۔

قول:

امامت صغریٰ بھی ہوتی ہے اور کبریٰ بھی۔ اور دونوں میں اصل یہی ہے کہ امام سب سے افضل ہونا چاہیے اور خاص طور پر خلافت و امامت کا تیس سالہ دور خلافتِ نبوت کا دور ہے تو اس میں بلاشک وشبہ حضرات شیخین بالاجماع افضل علی الاطلاق ہیں اور عند الجمهور حضرت عثمان مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور باری باری امامت صغریٰ بھی انہیں

کے پاس رہی اور امامت کبریٰ بھی اور قول باری تعالے واجعلنا للمتقین اماماً۔

دونوں طرح کی امامت کی افضلیت کی روشن دلیل ہے نبی مکرم ﷺ نے نماز جیسے اہم دینی رکن میں حضرت صدیق کو منصب نیابت سونپا۔ نیز فرمایا کہ جس قوم میں ابوبکر صدیق موجود ہوں ان کی شان کے یہ لائق نہیں کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے کو امام بنائیں اور اسی امامت سے امامت کبریٰ کے لیے حضرت صدیق کی اولویت اور اولیت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا اور انصارِ مدینہ سبھی ان سے متفق ہو گئے کہ ہم اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں کہ جس کو رسول گرامی ﷺ نے مقدم اور سابق ٹھہرایا ہے ہم اس کو پیچھے ہٹادیں اور اسی کو مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دلیل بناتے ہوئے فرمایا :رضینا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ ﷺ لدیننا۔

"ہم اپنی دنیا کے لیے بھی اسی ہستی کی امامت وحکومت پر راضی ہیں جس کو رسولِ گرامی ﷺ نے ہمارے دین کا امام وپیشوا بنادیا"

اور اسی خداداد علم کے تحت کہ ابوبکر صدیق دونوں طرح کی امامت کے ساتھ موصوف ومتصف ہو جائیں گے اور کوئی شخص بھی ان کے مزاحم ومخالف نہیں ہوگا فرمادیا کہ میرے ان کے لیے خلافت اور امامت کبریٰ کی وصیت لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ (یابی اللہ والمومنون الاابابکر) اللہ تعالےٰ بھی اور تمام اہل ایمان بھی ابوبکر کے علاوہ کسی دوسرے کو یہ منصب سونپنے سے انکار کردیں گے۔

نکتۂ لطیفہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ دعامانگا کرتے تھے واجعلنا للمتقین اماما تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کو کیا قبولیت اور پذیرائی بخشی کہ خیر القرون کے متقی حضرات کے لیے ان کو امام بنادیا اور دونوں طرح کی امامتیں ان کو عطا فرمادیں جیسے کہ

خیر القرون والے حضرات کی اس دعا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے قطبِ مدار نبوت سید الانبیاء ﷺ کی اور قطب مدار صدیقیت اور قطب مدار شہادت اور قطب مدار صالحیت وولایت کے راہِ راست اور صراطِ مستقیم کی ان کو اقتداء واتباع کی توفیق بخشی۔ والحمدللہ علی ذالك

نیز اللہ تعالیٰ کا اپنے عبادت گزار بندوں کو دوران نماز اس انداز سے دعا کرنے کی تعلیم دینا اس طرح کی تمنا و آرزو بارگاہِ اقدس میں پیش کرنے کا حکم دینا اس حقیقت کی بین دلیل اور روشن برہان ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح ہدایت کے اعلیٰ ترین مقام ومرتبہ پر فائز ہیں اسی طرح درجہ بدرجہ صدیقین وشہداء اور صالحین بھی ہدایت کے اعلیٰ مراتب ومدارج پر فائز ہیں لھذا ہر عبادت گزار کی نظر ان کے عنداللہ درجات ومراتب پر رہنی چاہیے اور اس قسم کی ہدایت کی اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرتے رہنا چاہیے بالخصوص نبوت کے قطب مدار اور صدیقیت کے قطب مدار اور ولایت وصالحیت کے قطب مدار جیسی ہدایت کی تو اگر ان حضرات کو نمازی اور دعا کرنے والے اپنے سے افضل واعلیٰ اور خیر وبرتر نہ سمجھیں گے تو ایسی دعا کیوں کر کریں گے حالانکہ یہ دعا کرنا ان پر واجب ولازم ہے تو لامحالہ ان کی افضلیت وسربلندی کا عقیدہ رکھنا بھی واجب ولازم ہے۔ البتہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ عالی مرتبت حضرات سیر الی اللہ کی تکمیل کے بعد سیر فی اللہ کے مقام بالا پر فائز ہو چکے اور دولت وصل اور معائنہ ومشاہدہ اور بقاء باللہ کے درجات عالیہ پر فائز ہو چکے تو ان کی اس قدر کامل واکمل ترین ہدایت جیسی ہدایت کی طلب اپنی استعداد اور صلاحیت سے بڑا مطالبہ ہے اور ایاز قدر خود بشناس کے بظاہر خلاف ہے تو جواب یہ ہے کہ یہاں ذاتی استعداد پر مدار نہیں ہے بلکہ اس کریم کے کرم اور اس کے جود ونوال پر دار ومدار ہے اور اس کی قدرت سے بعید نہیں ہے کہ وہ ان مقدس ہستیوں کے طفیل اور ان کے وسیلۂ جلیلہ سے اور ان کی تبعیت ومظہریت کے طور پر ہم ضعفاء اور ناتوانوں کو بھی اس مقام بالا پر فائز

فرمائے

همت بلند دار که نز دِ خدا و خلق　　باشدبقدر همت تواعتبارتو

گر نشاید بد وست ره بردن　　شرط عشق است در طلب مردن

نیز نبوت کا دروازہ بند ہے لیکن بقیہ کمالات کے حصول میں کوئی بندش نہیں ہے اور اگر بندش ہوتی تو اللہ تعالےٰ اس طرح دعا کرنے کی تعلیم ہی کیوں دیتا اور اس کو واجب ولازم ہی کیوں ٹھہراتا۔فتأمل حق التأمل

افضلیت حضرت ابوبکر صدیق کی دسویں قرآنی دلیل

الآیة العاشرة :

یرفع الله الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔

(سورہ محادلة، 57:11)

"بلند فرمائے گا اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان کے جو علم عطا کیے گئے درجات"

اس ارشاد خداوند تعالےٰ سے معلوم ہوا کہ ایمان اور علم درجات کی بلندی کے سببِ کامل ہیں اور بذاتِ خود ایمان کے درجات بھی مختلف ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین تو جو ہستی ایمان میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہوگی اس کا درجہ و مرتبہ دوسرے مراتب ایمانیہ کے مالک حضرات سے ارفع و اعلیٰ ہوگا اور علم کے درجات و مراتب بھی مختلف ہیں کوئی علم بالشرائع میں درجہ کمال پر فائز ہوتا ہے تو کوئی اس کے ساتھ ساتھ ان احکام کے اسرار و رموز پر بھی کماحقہ مطلع ہوتا ہے تو اس کا درجہ و مرتبہ پہلے قسم کے حضرات سے بہت بلند ہوگا اور جب قوت یقین اور علم ظاہر و باطن میں حصول کمال کے بعد اعمالِ شرعیہ پر عمل ہوگا تو وہ عمل بھی بہت زیادہ رفعت درجت اور بلندی مرتبت کا موجب بن جائے گا اور خوش قسمتی سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قوتِ ایمانیہ اور کمالِ یقین کے لحاظ سے بھی تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان پر سبقت لے جانے والے تھے اور رموز و اسرارِ شریعت اور احکامِ خداوندی اور احکامِ رسالت مآب ﷺ کی کنہ و حقیقت تک رسائی حاصل کیے ہوئے تھے جس تک دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی رسائی نہیں تھی۔لہذا آپ کا درجہ و مرتبہ اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ارفع و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق کا قوتِ یقین میں کمال:

(ا) ارشادِ مصطفوی ہے ما فضلکم أبو بکر بکثرة صوم ولا صلوة ولکن بشیء وقر فی صدره۔ (بهجة النفوس ص : ۸۹)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تم سے سبقت اور فضیلت نہیں لے گئے روزوں کی کثرت اور نمازوں کی کثرت سے بلکہ ان کے فضل وشرف کا مدار وہ شے ہے جو ان کے سینۂ اقدس اور قلب اطہر میں قرار پذیر ہے۔ (کذا فی المرقاة شرح المشکوة)

حضرت ابو جمرہ اندلسی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

قد يريد به اليقين لأنه معنى من المعانی ويكسب به أعلى الدرجات والمقامات يشهد لهذا قوله عليه السلام فی حق أبی بكر: مافضلكم أبو بكر بكثرة صوم ولا صلوة ولكن بشیء وقر فی صدره والشی الذی كان وقر فی صدره هو قوة اليقين فنال أبو بكر رضی اللّٰه عنه أعلى المقامات وفضل غيره بذالك المعنى الذی وقر فی صدره دون تعب فی العمل بحارحة ۔ وهذا يسر لا شك فيه ۔

یعنی کبھی الدین یسر میں دین سے مراد یقین والا معنی لیا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی معانی میں سے ایک معنی ہے اور اس کے ذریعے اعلیٰ درجات ومقامات حاصل کیے جاتے ہیں اور اس کا شاہد صادق اور برہانِ ناطق سرورِ عالم ﷺ کا حضرت صدیق کے حق میں یہ ارشاد گرامی ہے:

ابو بکر تم سے فضیلت نہیں پا گئے اور سبقت نہیں لے گئے صیام کی کثرت سے اور نہ صلوات کی کثرت سے لیکن ان کا فضل وسبق تم پر ہے بسبب اس چیز کے جو ان کے سینہ مبارک اور قلب منور میں جا گزیں اور قرار پذیر ہے۔

اور وہ شے جو صدر شریف اور قلب انور میں قرار پذیر اور حلول فرما تھی وہ قوت یقین ہے پس اسی کی بدولت پا'' یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلیٰ مقامات اور شرف وفضل کو دیگر تمام صحابہ

کرام پر اسی معنی کی وجہ سے جوان کے سینہ میں قرار پذیر تھا بغیر اعضاء اور جوارح کے ساتھ مشقت اٹھائے اعمال شرعیہ میں اور یہ سراسر یسر ہے جس میں ریب وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فائدۂ عظیمہ:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان بلکہ تمام امت بلکہ تمام امم سے افضل واعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونا ثابت ہوگیا کیونکہ جمع مخاطب کی ضمیر سب صحابہ کو شامل ہے اور کوئی تخصیص اور استثناء مذکور نہیں اور وہ اس امت سے بھی افضل ہیں اور امم سابقہ سے بھی اور جو افضل سے بھی افضل ہیں ان کا افضل علی الاطلاق ہونا واضح طور پر ثابت ہوگیا۔

نیز جب اس فضل وشرف کا سبب موجب قوۃِ یقین ہے تو اس میں بھی آپ کی انفرادیت اور امتیازی شان ظاہر ہوگئی۔ اگر دیگر حضرات بھی قوت یقین میں آپ کے شریک ہوتے تو علت میں اشتراک معلول ومسبب میں اشتراک کو مستلزم ہوجاتا تو آپ کا علیٰ الاطلاق افضل واکرم ہونا ثابت نہ ہوسکتا۔ فتأمل حق التأمل۔

(۲) دوسری حدیث:

بخاری شریف، مسلم شریف اور مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص گائے کو ہانک کر لے جارہا تھا جب چلتے چلتے تھک گیا تو گائے پر سوار ہوگیا تو اس نے کہا:

انا لم نخلق لهذا انما خلقنا لحراثة الأرض فقال الناس سبحان الله بقرة تكلم۔

ہماری جنس سواری کے لیے نہیں پیدا کی گئی ہم صرف کھیتی باڑی (اور اس کے متعلقہ امور) کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو حاضرین مجلس نے یہ ارشاد نبوی اور حکایت سن کر ازراہِ تعجب

کہا سبحان اللہ گائے بولتی ہے (اور وہ بھی انسانی بولی کے طور پر) فقال رسول اللہ ﷺ فانی أومن به أنا وأبوبکر وعمر وما هما ثمه - تو رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

"پس تحقیق میں خود اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی"

پھر آپ نے فرمایا:

اس دوران کہ ایک شخص اپنی بھیڑ بکریوں میں موجود تھا تو ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اور اسے اپنی گرفت میں لے لیا تو چرواہے نے اپنی بکری تک رسائی حاصل کر لی اور اس کو بھیڑیے سے چھڑا لیا تو بھیڑیے نے کہا:

فمن لها يوم السبع يوم لا راعی لها غيری فقال الناس سبحان الله ذئب يتكلم فقال أومن به أنا وأبوبكر وعمر وما هما ثمة۔ (متفق عليه)

"کون ہوگا اس بکری کے لیے سبع کے دن جب کہ میرے سوا اس کا کوئی نگران نہیں ہوگا تو حاضرین مجلس اقدس نے ازرہِ تعجب کہا: سبحان اللہ بھیڑیا بولتا ہے (انسانی بولی) تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا: میں بھی اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی حالانکہ وہ دونوں حضرات وہاں پر موجود نہیں تھے"

وجہ استدلال:

صحابۂ کرام کا سید عالم ﷺ کی زبانی یہ دونوں واقعات سن کر ریب و تردد کا شکار ہونا تو ناممکن ہے کیونکہ وہ حضرات آپ کے ہر فرمان پر ایمان لاتے تھے اور ان کو علم الیقین حاصل ہوتا تھا لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو صفتِ ایمان میں اپنے ساتھ ملا کر ان کے عین الیقین بلکہ حق الیقین تک رسائی کا اعلان و اظہار فرمایا اور ان سے تعجب کی نفی حتمی انداز میں فرما دی کہ تعجب امور غریبہ کے ادراک کا نام ہے- اور وہ دونوں حضرات میرے طفیل حقائق شناس اور خفیہ امور کا کامل عرفان رکھنے والے ہیں- لہذا وہ ان واقعات پر ذرہ بھر تعجب کا اظہار نہ کرتے جیسے کہ

تعجب کا اظہار کر رہے ہو۔

علامہ تورپشتی نے فرمایا:

انما أراد بذالك تخصيصهما بالتصديق الذی بلغ عين اليقين و كوشف صاحبه بالحقيقة التی ليس وراء ها للتعجب محال ۔

"حضرات شیخین کو اپنے ساتھ وصف ایمان میں شریک ٹھہرانے مقصود ان دونوں حضرات کو اس تصدیق کے ساتھ مخصوص ٹھہرانا ہے جو عین الیقین کے درجہ تک واصل ہو اور اس تصدیق والے پر اس حقیقت کو منکشف کر دیا گیا ہو جس انکشاف کے بعد وہاں تعجب کی مجال ہی نہ ہے"

ابن الملک فرماتے ہیں:

قوله به أی أصدق أنا بما أخبرنی به الملك من تكلم البقر وأبوبكر وعمر لقوة ايمانهما بما أخبرت ۔

میں اس پر ایمان رکھتا ہوں یعنی اس کی تصدیق کرتا ہوں جس کی فرشتہ نے مجھے خبر دی ہے یعنی بیل کے کلام کرنے کی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا بھی اس پر ایمان ہے اس لیے کہ ان کا میری دی ہوئی خبر پر قوی ایمان ہے۔

قال ابن حجر: هو محمول على أنه ﷺ كان أخبرهما به فصدقاه أو أطلق ذالك لما اطلع عليه من أنهما يصدقان بذالك ولا يتردد ان فيه والأخير هو الصحيح لما يدل عليه مقام المدح و كما يشعر اليه قول الراوی وماهما ثم والا فكل مومن يصدق النبی فيما أخبره فلا بد من وجه يميزهما عن غيرهما كما يشير اليه مشاركتهما فی الايمان المنسوب اليه ﷺ ۔

(مرقاۃ المفاتیح جلد ۱۱ ص ۳۱۲، ۳۱۳)

"ابنِ حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ حدیث محمول ہے اس صورت پر کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ خبر دی تھی پس دونوں حضرات نے آپ کی تصدیق فرمائی یا آپ نے اس خبر پر ایمان لانے کا اظہار فرمایا اس لیے کہ آپ ﷺ اس امر پر مطلع تھے کہ وہ اس پر ایمان لائیں گے اور تصدیق کریں گے اور ذرہ بھر تردد اور تذبذب کا شکار نہیں ہوں گے اور آخری وجہ ہی صحیح اور مختار ہے کیونکہ یہ حدیثِ پاک شیخین کی مدح کے مقام میں مذکور ہے اور مقام کا تقاضا بھی یہی ہے اور راوی کا قول کہ "وہ دونوں حضرات وہاں موجود نہیں تھے" بھی اسی طرف مشعر ہے کہ ایمان و تصدیق میں وہ دونوں حضرات امتیازی اور انفرادی مقام رکھتے تھے، ورنہ ہر مومن نبی مکرم ﷺ کی ہر خبر کی تصدیق کرتا ہے تو ایسی وجہ کا پایا جانا ضروری ہے جو ان کو اغیار سے ممتاز کرے جیسا کہ ان دونوں حضرات کو اس ایمان میں شریک ٹھہرانا جو آپ کی طرف مسند اور منسوب ہے اس امتیاز طرف اشارہ کرتا ہے" (یعنی ایمان کامل و اکمل جو عین الیقین بلکہ حق الیقین کے قبیل سے ہے)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی اشعة اللمعات میں فرماتے ہیں:

تخصیص ایشاں بذکر از برائے اشارت است بقوت و کمال ایمان ایشاں اگر گویند کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما آنرا نداستند و نشنید ند و صادر نشد ازایشاں ایمان بداں، پس چوں فرمود ایمان می آرند بداں ابوبکر و عمر ؟

جوابش آنکہ مراد آنست کہ ایں امر یست کہ از شان او آنست کہ اگر مطلع شوند برآں ایمان آرند بآں و تصدیق کنند بداں و تردد و شک نکنند درآں وماھما ثم ۔نہ بودند ابوبکر وعمر آنجا حاضر۔ایں مبالغہ است در مدح وقدر ایشاں یعنی اگر حاضر می بودند او احتمال داشت کہ تخصیص ذکر ایشاں اتفاقی بتقریب حضور ایشاں می بود وچوں مدح و ذکر ایشاں دریں باب غائبانہ کرد ادخل شد در مقصود و صریح شد درآنکہ ذکر بجہت کمال وقوت ایمان

ت۔ (جلد ٤، ص ٤٦٣)

"حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے اس ارشاد کو جانا اور نہ ہی
اور ان کی طرف سے اس حکایت کے ساتھ ایمان صادر اور وقوع پذیر بھی نہ ہوا تو آنحضرت
ﷺ نے کیسے فرمادیا کہ اس واقعہ پر ابوبکر و عمر ایمان رکھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ
واضح اور بدیہی امر ہے کہ اس کی شان سے یہ ہے کہ اگر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس پر مطلع ہوں
ضرور ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں اور اس میں ذرہ بھر شک و تردد سے کام نہ لیں
ماھما ثم "وہ دونوں حضرات آپ کے ساتھ اس ارشاد کے موقعہ پر وہاں موجود نہیں تھے" یہ
ان کی مدح شان اور ان کی قدر و منزلت کے بیان میں مبالغہ ہے یعنی اگر وہ حاضر ہوتے تو
ل تھا کہ ان کا بالخصوص ذکر کیا جانا اتفاقاً تھا کیونکہ وہ مجلس شریف میں موجود تھے اور جب آپ
ان کی مدح و ثناء اور ان کا ذکر خیر غائبانہ اور ان کی عدم موجودگی میں فرمایا تو اس کا مقصود یعنی
حتِ شیخین اور ان کی افضلیت کے بیان میں زیادہ دخل اور تاثیر ثابت ہوگئی اور صراحت کے
ر پر ثابت ہوگیا کہ ان کا بالخصوص ذکر ان کے کمال ایمان اور اس کی قوت کی بنا پر ہے۔

(۳) تیسری دلیل:

محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے امداد و اعانت
ں کا حکم دیا تو ہر صحابی نے گھر کی ضروریات اور واپسی تک بال بچے کے اخراجات کے لیے مال
یا حتی کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جذبہ کے ساتھ گھر مال لینے کے لیے گئے تھے کہ آج
رے گھر میں بہت سا مال پڑا ہے اگر میں کبھی بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے
سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہی ہوسکتا ہے چنانچہ آدھا مال گھر رکھا اور آدھا سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ
ں پیش کردیا۔ آپ نے دریافت فرمایا گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کیا آدھا۔ اتنے
ں حضرت صدیق حاضر ہوگئے اس حال میں کہ گھر کی ساری پونجی اور اثاثہ حتی کہ بدن کے اچھے

کپڑے بھی پیش کر دیے اور کانٹوں کے بٹنوں والی عبا میں حاضر خدمت ہوئے تو رحمتِ مجسم ﷺ نے دریافت فرمایا: "تم نے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟" تو عرض کیا أبقیت لھم اللہ ورسولہ ، میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کو اور رسول مقبول ﷺ کو چھوڑا ہے، مال دنیا ان کے لیے نہیں چھوڑا۔ آپ نے فرمایا: بینکما مابین کلمتیکما "تمہارے درجات ومراتب کے درمیان وہی فرق ہے جو تمہارے جوابوں میں فرق ہے"

وجہ استدلال:

سفر کی طوالت بھی حضرت صدیق کو معلوم تھی اور وہاں جنگ کے دوران شہید ہو جانے کا امکان بھی تھا اور بیوی بچیاں تو کمانے کے قابل ہی نہیں تھیں اور بچے بھی چھوٹے اور نا تجربہ کار تھے۔ لیکن گھر والوں کے لیے ایک وقت کا کھانا بھی نہیں رکھا بلکہ سوئی دھاگہ بھی بچا نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ کی شان رزاقی پر کمال ایقان اور اعلیٰ ایمان کا مظاہرہ کیا اور نبی مکرم ﷺ کی نگاہِ کرم اور شان رحمۃ للعالمینی پر کامل بھروسہ اور وثوق کا مظاہرہ کیا جس سے آپ کا کمال ایمان اور قوۃ ایقان میں جملہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے سابق اور افضل ہونا ظاہر اور واضح ہو گیا۔ تفصیل روایات احادیث والے باب میں ملاحظہ فرماویں۔

فائدہ:

پچھلی روایت میں عطف کے طور پر دونوں حضرات کا ذکر کمالِ ایمان اور قوت یقین میں مساوات اور برابری پر دال نہیں ہے جس طرح کہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ عین الیقین اور حق الیقین کے درجاتِ ایمانیہ میں مساوات کو مستلزم نہیں بلکہ تقدم فی الذکر تقدم فی الرتبہ کی دلیل ہوتا ہے۔ لہذا حضرت صدیق اکبر کا حضرت فاروق اعظم سے افضل ہونا جیسے کہ سرور عالم ﷺ کا حضرت صدیق سے افضل ہونا واضح ہے اور نبی اکرم ﷺ کے مطالبہ پر سب کچھ

ن کر دینا اور بال بچوں کا خیال بھی نہ رکھنا بلکہ اپنا خیال بھی نہ رکھنا حضرت صدیق کے کمال
ں اور قوۃِ ایقان میں منفرد اور ممتاز مقام کے مالک ہونے کی واضح دلیل اور بین برہان ہے۔

ل علمی میں امتیاز صدیق:

دلیل:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ
م علیهم الرضوان کوخطاب فرمایا: وقال ان اللّٰہ خیر عبداً بین الدنیا و بین ما عندہ
ر ذالك العبد ما عند اللّٰہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور اپنے پاس موجود بے مثال نعمتوں میں
دیا تو اس بندۂ خاص نے ان نعمتوں کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ تو حضرت
رو پڑے ہم ان کے رونے پر حیرت زدہ ہو گئے کہ رسول مکرم ﷺ کسی بندے کو اختیار دیے
کی بات کر رہے ہیں فکان رسول اللّٰہ ﷺ هو المخیر و کان أبوبکر أعلمنا (تو
کے جلد وصال فرما جانے پر ہمیں معلوم ہوا کہ خود رسول کریم علیہ السلام ہی عبد مخیّر تھے اور
صدیق سب سے زیادہ علم والے تھے بعض روایات میں قلت فی نفسی اور بعض میں ہے
الناس انظروا الی هذا الشیخ ۔یخبر رسول اللّٰہ ﷺ عن عبد وهو یقول فدیناك
ت ابوسعید نے اپنے دل میں کہا اور دوسری روایت کے مطابق لوگوں نے کہا اس بزرگ کو
رسول خدا ﷺ کسی بندے کے متعلق فرمارہے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم آپ پر اپنے آباؤ
ت کو فدا کرتے ہیں اور باہم تطبیق ان میں یہ ہے کہ حضرت ابوسعید نے بھی اپنے دل میں یہ
اور دوسرے حضرات کی طرف سے بھی یہ ردعمل ظاہر ہوا تو دونو ملا کر عجبنا لبکائه سے تعبیر
یا گیا۔ فکان أبوبکر أعلمنا فی روایة مالك کان أبوبکر هو أعلمنا به أی بالنبی

أو بـالـمـراد مـن الـكـلام الـمذكور "ابوبکر ہم سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے" اور مالک کی
روایت میں أعـلمنا بہ وارد ہے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ نبی اکرم کے متعلق زیادہ علم والے تھے یا اس کلام
مذکور کی مراد کو ہم سب سے زیادہ جاننے والے تھے"

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۰)

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی نے مرقاۃ میں فرمایا:

فبـكـى أبوبكر أى لكمال فهمه وادراكه حيث عرف مفارقته ﷺ من الدنيا
بقرينة المرض أو لأن اختيار ما عندالله وترك زهرة الدنيا بحسب الظاهر من مقدمات
مـراتـب الأولـيـاء ومـن الـمـعـلوم أنه لايناسب مقام سيدالأنبياء فانتقل الى أن معناه
بطريق الاشارة اختيار الموت واللقاء وترك الحياة والبقاء۔

(جلد ۱۱ ص ۲۳۶)

"پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے یعنی کمال فہم وادراک کی وجہ سے جس مقام
انہوں نے جان لیا، رسول کریم ﷺ کی دنیا سے مفارقت کو حالت مرض کے قرینہ سے یا اس
سے کہ ما عند اللہ کو اختیار کرنا اور دنیوی زیبائش وآرائش کو ترک کرنا باعتبار ظاہر کے اولیاء کرام
مقدمات مراتب سے۔ جبکہ ہر ایک معلوم ہے کہ وہ سید الانبیاء ﷺ کے مقام بالا کے مناسب نہ
ہے تو آپ کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ آپ بطور اشارہ موت کو اور لقائے باری تعالی کو اختیار
کرنے کی خبر دے رہے ہیں اور حیاتِ دنیا اور اس میں بقا کے ترک کی خبر دے رہے ہیں"

كـان أبـوبـكر أعلمنا أى أكثر علمًامنا حيث علم اولا ان المخيرهو رسول
الـلّـه ﷺ فـأعـلـم اسـم تـفـضيل ولا يبعد أن يكون فعلاً ماضيًاأى وقد كان أعلم
بالقضية لكنا ما فهمنا ها بالكلية (جلد ۱۱ ص ۲۳۷)

ابوبکر صدیق اعـلـم تھے یعنی از روئے علم ہم سے اکثر تھے جس مقام پر انہوں نے

م میں معلوم کرلیا کہ عبد مخیر رسول گرامی ﷺ ہیں لھـذا اندریں صورت اعـلـم اسم تفضیل کا
ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ فعل ماضی کا صیغہ ہو یعنی حضرت صدیق نے ہمیں آگاہ کردیا اصل
و مراد رسول علیہ السلام سے لیکن ہم اس کو بالکل سمجھ نہ سکے۔

ں:

دوسرا معنی پہلے کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کی فرع اور اس کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ زیادہ علم
تھے اور ارشادات نبویہ کے حقائق سے آگاہ تھے تبھی فوراً مرادِ رسول علیہ السلام کو سمجھ بھی لیا
ترین مجلس صحابہ کو آگاہ بھی کردیا۔

تدلال:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سب حضرات پر حضرت صدیق کی اعلمیت کا اعلان
ہے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں تو گویا یہ اجماعی امر ہوگیا کہ حضرت ابوبکر
أعلم الصحابہ ہیں، رضی اللہ عنہ وعنہم
سنن دارمی کی روایت میں یوں منقول ہے:

ان عبداً عـرضـت عـلـيـه الـدنـيـا وزينتهـا فاختار الآخرة قال فلم يفطن لها
غير أبي بـكـر فـذرفت عيناه وبكى ثم قال بل نفديك بآبائنا وأمهاتنا وأنفسنا
نا يا رسول الله!

"بے شک ایک بندے پر پیش کی گئی دنیا اور اس کی زینت تو اس نے آخرت کو اختیار

ابوسعید فرماتے ہیں کہ مرادِ رسول ﷺ کو نہ سمجھا کوئی بھی سوائے ابوبکر صدیق کے پس
آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور روئے - پھر کہا بلکہ ہم فدا کرتے ہیں آپ پر اپنے آباؤ

وامہات کواور اپنی ذاتوں کواور اپنے اموال کو یارسول اللہ ﷺ۔

اس روایت میں تصریح موجود ہے کہ سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی شخص بھ
حاضرین محفل اقدس سے مرادِ رسول اللہ ﷺ کو نہ سمجھ سکا۔

حضرت علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

نبی مکرم ﷺ نے عبد مبہم (کوئی بندہ کے الفاظ) سے اپنی ذات کو تعبیر فرمایا:

ليظهر فهم أهل المعرفة ونباهة أصحاب الحذق كان ذالك فى مرض مو
ولما كان أبو بكر أعلم الصحابه اذلم ينكر أحدمنهم ممن حضر حين قال أبو سع
و كان أبو بكر أعلمنا اختصه الشارع بالخصوصية العظمى۔

"تاکہ اہل فہم کا مقام فہم اور اہل مہارت کی عمدگی اور بلندیٔ مرتبت ظاہر ہو جائے او
ارشاد آپ سے صادر ہوا مرض موت میں پس جب کہ ابوبکر سب صحابہ سے زیادہ علم والے
کیونکہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے بھی حضرت ابوسعید پر انکار واعتراض نہیں کیا جب انہ
نے کہا ابوبکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ تو سید عالم ﷺ نے انہیں مزید خصوصیتِ عظمیٰ
ساتھ نوازتے ہوئے فرمایا سب سے بڑا مجھ پر احسان کرنے والا اپنی صحبت اور مال کے لحاظ
ابوبکر ہے اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن اخوتِ اسلامی
مودتِ ایمانی ہم میں موجود ہے مسجد شریف میں کوئی دروازہ باقی نہ رکھا جائے بلکہ بند کر دیا جا
سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔ (عمدة القاری جلد ٤ ص ٢٤٣،٢٤٤)

فظهر أن للصديق من الفضائل والحقوق مالايشاركه فى ذالك مخلو
پس ظاہر ہو گیا کہ حضرت صدیق کے لیے فضائل اور حقوق ہیں جن میں دوسری کوئی مخلوق ان
ساتھ شریک اور حصہ دار نہیں ہے۔

فوائد حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الخامسة ان فیه دلیلاً علی أن أبابکر أعلم الصحابة۔

(جلد٤ ص ٢٤٦)

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اس میں دلیل ہے اس امر پر کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ
سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اعلم ہیں یعنی زیادہ علم والے ہیں اور چونکہ آپ کا نماز میں
بنایا جانا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا آخری عمل ہے اور قاعدۂ حدیثیہ یہی ہے
یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ یعنی آپ ﷺ کے آخری عمل کو واجب الاتباع
لائق اطاعت سمجھنا چاہیے۔لہٰذا بالفرض والتقدیر، أبی بن کعب رضی اللہ عنہ آپ
اقرأ ہوں بھی تو آپ کی تقدیم اعلم کی تقدیم کی بین اور نا قابل نسخ دلیل ہے۔فتامل حق
مل۔

) دوسری دلیل:

منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد میں صحابہ کرام علیہم الرضوان ریب وتردد کا شکار ہوئے حتیٰ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے ان کے ساتھ نرمی برتنے کا مشورہ دیا تو آپ نے انہیں
یہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جاہلیت میں بہت دلیر اور بہادر تھے اور اب اسلام میں کمزوری کا
اہرہ کررہے ہو۔نماز اللہ تعالےٰ کا بدن میں حق ہے اور زکوٰۃ اس کا مال میں حق ہے اور اس نے
وں کو اکٹھا ذکر کیا ہے۔لہذا جن دو حقوق کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھا لازم ٹھہرایا ہے ابوبکر ان میں تفریق
جدائی کیسے پیدا کرے اگر وہ لوگ جو پہلے زکوٰۃ کے جانور کا رسہ بھی ساتھ دیتے تھے اب جانور تو
یں لیکن رسہ نہ دیں تو میں ان کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔دین تام اور کامل ہو چکا اور وحی منقطع
ہو چکی تو اس میں کیا میرے جیتے جی نقص اور کمی واقع ہو سکتی ہے؟ قطعاً نہیں۔بالآخر سب صحابۂ
کرام آپ کے ساتھ اس نظریہ میں متفق ہو گئے اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور حضرت
ابوبکر صدیق کی مدح وتحسین فرمائی۔اس سے بھی واضح طور پر ثابت ہوا کہ آپ کے احکام شرع کی

کُنہ حقائق پر ایسی نظر تھی کہ دوسرے صحابۂ کرام کی اس طرح پر گہری نظر نہیں ہوتی تھی۔

(۳) تیسری دلیل:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ والے لشکر کو روک لینے پر سارے صحابۂ کرام مُصر تھے کہ ہمیں خود شہر مدینہ میں خطرات کا سامنا ہے، ارتداد نے تمام علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے سوائے مدینہ اور مکہ اور جواثا کے اور مدینہ شریف کے قرب و جوار میں مرتدین کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ وہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، لہـــذا وہ لشکر اپنی مہم پر روانہ نہ کیا جائے لیکن حضرت صدیق نے کہا: جس لشکر کی روانگی کا حکم رسول خدا ﷺ دیں اور اس کا عَلَم اپنے دست اقدس سے آپ باندھیں ابوبکر (رضی اللّٰہ عنہ) کی مجال نہیں کہ اس لشکر کو روکے یا اس پرچم کو کھولے، خواہ ہمیں جیسے شدائد و مشکلات سے دوچار کیوں نہ ہونا پڑے۔

گویا جو حکمت رسولِ گرامی ﷺ کے پیش نظر تھی حضرت صدیق اس کو سمجھتے تھے اور دوسرے حضرات کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ چنانچہ جب شاہِ روم کے خلاف کاروائی کے لیے یہ لشکر روانہ ہوا، راستے میں موجود قبائل جو ارتداد کے لیے تیار ہو رہے تھے ان کو دیکھتے تو حیرت زدہ ہو جاتے کہ ہم سمجھے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ان میں اب دم خم باقی نہیں رہا اور یہ بے جان مجسموں کی مانند ہو چکے ہیں، لیکن ان میں تو جرءت و جسارت اور طاقت و توانائی اسی طرح موجود ہے کہ پادشاہِ روم کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔ ذرا ان کا انجام دیکھ لو اگر مغلوب ہو جاتے ہیں تو اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ جانا اور اگر غالب و فاتح بن کر لوٹتے ہیں تو اسلام پر ثابت قدم رہنا۔ چنانچہ جب وہ لشکر کامیاب و کامران ہو کر اور فتح یاب ہو کر لوٹا تو وہ سبھی قبائل اسلام پر ثابت قدم ہو گئے اور دیگر مرتدین بھی نیست و نابود کر دیے گئے یا دوبارہ اسلام کی چوکھٹ پر سرنگوں کر دیے گئے اور حضرت صدیق کی اس کاروائی کو سابق انبیاء علیہم السلام کی کاروائیوں کی مانند قرار دیا گیا۔

(۴) صلح حدیبیہ کے موقع پر نبوی سوچ اور صدیقی سوچ کا باہمی توافق:

نبی مکرم ﷺ نے غزوۂ خندق سے اگلے سال عمرے کا پروگرام بنالیا اور چودہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی آپ کی معیت میں یہ شرف حاصل کرنے کے لیے ساتھ ہو لیے مگر کفار نے رکاوٹ پیدا کردی اور عمرہ کی ادائیگی میں مانع ہوئے- ہر طرح کی سعی اور کوشش کے باوجود وہ اس سال عمرہ کرنے کی اجازت دینے سے انکاری رہے کہ اس سے ہماری بہت بے عزتی اور ہتکِ عزت ہے تم ہمارے دشمن ہو اور مخالف- اور ہماری اجازت کے بغیر عمرہ کرنے آگئے ہو، اگر تم نے عمرہ کرلیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی، لہـــــذا اس سال واپس چلے جاؤ مصالحت کا معاہدہ تحریر ہو جائے اس کے تحت اگلے سال عمرہ کرلینا-

معاہدہ کے شرائط یہ تھے:

(۱) مشرکین میں سے جو شخص تمہارے پاس آئے وہ واپس ہمارے حوالے کرنا ہوگا اور جو مسلمان ہمارے پاس آجائے ہم اسے واپس نہیں کریں گے-

(۲) اگلے سال مکہ میں داخل ہوں گے اور صرف تین دن ٹھہر سکیں گے-

(۳) ہتھیار ساتھ ہوں تو اپنے تھیلوں میں بند ہوں ان کو ظاہر نہیں کیا جائے گا-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار پر شدید اور سخت ہونے کی وجہ سے مصطفوی بارگاہ میں اس عہد کو ختم کرانے کے ارادے سے حاضر ہوئے اور عرض کیا، کیا آپ برحق نبی نہیں ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں- کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! اسی طرح ہے- حضرت عمر نے عرض کیا: فلم نعطی الدنیة فی دیننا اذًا ؟ پھر ہم کیوں اپنے دین میں کمزوری پیدا کر رہے ہیں؟ (اور کفار کی مرضی کی شرائط تسلیم کر رہے ہیں؟)

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانبرداری نہیں

شریف میں حاضر ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے (پھر حاضری بھی نہیں ہوئی اور نہ طواف کیا اور واپسی کا ارادہ کر رہے ہیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں میں نے یوں کہا تھا، کعبہ کی زیارت اور طواف کا کہا لیکن کیا اس سال کا کہا تھا؟ حضرت عمر نے عرض کیا: نہیں، یہ تو نہیں فرمایا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم ضرور بیت اللہ شریف میں حاضر ہو گے اور طواف کرو گے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں: پھر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: اے ابو بکر! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا بالکل برحق رسول ہیں۔ میں نے کہا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور ہمارے دشمن بالکل ناحق نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں ایسے ہی ہے۔ تو میں نے کہا: ہم اپنے دین میں کمزوری کیوں پیدا کر رہے ہیں؟ ابو بکر صدیق نے فرمایا: أيها الرجل! انه رسول الله ﷺ وليس يعصى ربه وهو ناصره اے جوان! وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانبرداری نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہے فاستمسك بغرزه فوالله انه على الحق — لہذا ان کی رکاب تھام پس بخدا وہ حق پر ہیں!

میں نے عرض کیا، کیا آپ ﷺ فرماتے نہیں تھے ہم بیت اللہ کے پاس حاضر ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے، تو آپ نے فرمایا: ہاں فرماتے تھے لیکن کیا یہ بھی فرماتے تھے کہ اس سال بیت اللہ کو آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ میں نے کہا: نہیں! اس سال کی بات تو نہیں کرتے تھے۔ تو حضرت صدیق نے فرمایا: تو ضرور بالضرور بیت اللہ شریف کے پاس حاضر ہوگا اور طواف بھی کرے گا۔

علامہ علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

أما جواب أبي بكر لعمر رضي الله عنهما بمثل جواب النبي ﷺ فهو من الدلائل الظاهرة على عظم فضله وبارع علمه وزيادة عرفانه ورسوخه وزيادته في كل ذالك على غيره ۔ (مرقاة جلد ٨ ص ٨٤)

"ابوبکر صدیق کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو نبی مکرم ﷺ کے جواب کے مماثل ومطابق جواب دینا حضرت صدیق کے فضل عظیم اور اعلیٰ وفائق علم اور کمالِ عرفان اور اس کے رسوخ اور فراوانی کے دلائل ظاہرہ میں سے ہے جو ان کی ان امور میں دوسرے حضرات پر سبقت اور فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔

اقول:

اس صلح میں جو مصلحتیں اور حکمتیں اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو انعام فرمائیں جو بظاہر کمزور معلوم ہوتی تھیں اور درحقیقت غلبہ اور تقویت کا موجب تھیں ان کا فیضان حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی فرمادیا: کما قال ﷺ ما صب اللّٰہ فی صدری شیئا الا وقد صب فی قلب أبی بکر کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز میرے سینہ میں القاء فرمائی تو اسے ابوبکر صدیق کے سینہ میں بھی القاء فرمادیا۔

تنبیہ نبیہ:

قال العلماء لم یکن سوال عمر رضی اللّٰہ عنہ و کلامہ المذکور شکاً بل طلبًا لکشف ما خفی وحثًا علی اذلالہ للکفار وظہور الاسلام کماعرف فی خلقہ وقوتہ فی نصرۃ الدین واذلال المبطلین۔

علمائے اعلام نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال اور کلام مذکور شک وشبہ کی بنا پر ان سے سرزد نہیں ہوا تھا بلکہ مخفی حقیقت کے انکشاف کے لیے تھا اور کفار کی تذلیل پر برانگیختہ کرنے کے لیے تھا اور اسلام کے غلبہ وبرتری کے لیے تھا جیسے کہ آپ کی معروف خصلت وعادت تھی شدت علی الکفار اور نصرت دین اور مبطلین کی تذلیل میں قوت وتوانائی۔

اقول:

جیسے ابراہیم علیہ السلام نے باری تعالیٰ کے احیائے اموات پر قادر ہونے کے علم یقینی ہونے کے باوجود اس کا مشاہدہ کرنے کا مطالبہ کر دیا تا کہ اطمینان قلب اور عین الیقین حاصل ہو جائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اور مکالمہ نبی مکرم ﷺ اور حضرت صدیق کے ساتھ اس قبیل سے ہے اور اس سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلے سے اس اعلیٰ درجۂ یقین پر فائز ہونا ثابت ہو گیا جو کہ ان کے علمی تفوق اور کمال عرفان بلکہ فنا فی الرسول کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی بین دلیل ہے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت صدیق کے اپنے آپ سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کا یقین رکھتے تھے اور اصل فضیلت علمی فضیلت ہے تو اس سلسلے میں کمال اطمینان اور اعلیٰ درجہ کا ایقان حاصل ہو گیا کہ حضرت صدیق صاحب سر رسول اللہ ہیں اور علمی لحاظ سے سرور انبیاء کے مظہر کامل ہیں۔

(۵) پانچویں دلیل:

نبی مکرم ﷺ کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو منصبِ امامت سونپنا اور اپنا مصلی ان کے سپرد فرمانا ان کے أعلم الصحابہ ہونے اور أفضل الصحابہ ہونے کی دلیلِ محکم ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عنوان بھی یہی قائم فرمایا ہے:

أهل العلم و الفضل أحق بالامامة اور اس کے تحت پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں پہلی حدیث حالت اشتداد مرض میں فرمانا

(۱) مروا أبابكر فليصل بالناس الخ ذکر فرمائی جس کی شرح میں علامہ زین العابدین ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

استدل البخاری بهذا الحديث على أن أهل الفضل و العلم أحق بالامامة من غيرهم فان النبی ﷺ أمر أبابكر من بين الصحابة كلهم بالصلوة بالناس وراجع فی ذالك مرارا وهو يأبى الاتقديمه فی الصلوة على غيره من الصحابة و انما قدمه

علمه وفضله ـ فأما فضله على سائر الصحابة فهو مما اجتمع عليه أهل السنة والجماعة وأما علمه فكذالك وقد حكى أبوبكر بن السمعانى وغيره اجماع أهل السنة عليه أيضًا ـ

(فتح البارى شرح البخارى للامام العلامه ابن رجب الحنبلى جلد ٤ ص ١١)

"امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث سے اس امر پر استدلال فرمایا کہ اہل فضل اور اہل علم دوسروں کی نسبت امامت کے زیادہ حقدار ہیں، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے تمام صحابۂ کرام میں سے ابوبکر صدیق کو لوگوں کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا- حالانکہ آپ سے اس حکم میں نظر ثانی کے لیے بار بار رجوع کیا گیا جبکہ آپ ﷺ نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ماسوا صحابہ کی تقدیم سے انکار فرماتے رہے اور آپ کو کیوں مقدم ٹھہرایا آپ کے علم اور فضل کی وجہ سے- رہا آپ کا سب صحابہ پر فضل وشرف تو وہ اس قبیل سے ہے جس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے، آپ کا علم میں (صحابہ سے) فائق ہونا بھی اسی طرح (متفق علیہ) ہے، ابوبکر بن السمعانی وغیرہ نے اس پر بھی أهل السنة کا اجماع نقل کیا ہے"

(۲) علامہ شہاب الدین قسطلانی ارشاد الساری میں اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

مطابقة الحديث للترجمة ظاهرة فان أبابكر أفضل الصحابة وأعلمهم وافقههم كمايدل عليه مراجعة الشارع فانه هو الذى يصلى والأصح أن الأفقه أولى بالامامة من الأقرأ والأورع۔ (جلد ٢ ص ٣٢١)

"حدیث شریف کی مطابقت عنوان کے ساتھ ظاہر ہے، کیونکہ ابوبکر صدیق سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل اور اعلم اور افقہ ہیں جیسے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اہل مراجعت کو یہی جواب دیا کہ ابوبکر ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور اصح یہی ہے کہ افقہ

شخص امامت کا زیادہ حقدار ہے، بنسبت اقرأ اوراورع کے"

(۳) علامہ کرمانی علیہ الرحمہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

لما کان النبی ﷺ لا یستحق أن یتقدمہ أحد فی الصلوۃ وجعل ما کان الیہ بمحضر من الصحابۃ لأبی بکر کان جمیع أمورہ تبعًا للصلوۃ فھو أفضل الأمۃ۔

(جلد خامس ص ٦١)

"جب نبی کریم ﷺ پر نماز میں کوئی شخص سبقت کا مستحق نہیں تھا اور آپ نے اپنے استحقاق کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق کے حوالے فرمادیا اور باقی تمام دینی معاملات نماز کے تابع تھے تو آپ کا افضل الامت ہونا ثابت ہوگیا"

(۴) حضرت علامہ ابن بطال "مستحق امامت کون ہے" کے متعلق مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فأما وقت قولہ ﷺ مروا أبا بکر یصلی بالناس فقد کان تقرر الاسلام وکثر حفاظ القرآن وتفقھوا فیہ فلم یکن الصدیق رضی اللّٰہ عنہ علی جلالتہ وثاقب فھمہ وتقدمہ فی کل خیر یتأخر عن مساواۃ القراء بل فضلھم بعلمہ وتقدمھم فی کل أمرہ ألا تری قول أبی سعید وکان أبوبکر أعلمنا۔

(جلد۲ ص۲۹۹)

"لیکن نبی مکرم ﷺ کے اس فرمان کے وقت کہ "ابوبکر کو پابند کرو کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں" اسلام متقرر اور پائیدار ہو چکا تھا اور حفاظِ قرآن کثیر التعداد ہو چکے تھے اور قرآن مجید میں فقاہت حاصل کر چکے تھے پس نہیں تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی جلالت قوت اور مضبوط فہم ودانش کے اور ہر امر خیر میں مقدم اور سابق ہونے کے کہ وہ قراء کی برابری سے قاصر

ں بلکہ ان پر علم کی وجہ سے بھی فضیلت رکھتے تھے اور اپنے تمام امور میں ان پر مقدم تھے کیا تو یکھتا نہیں ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ حضرت ابو بکر صدیق ہم سب سے زیادہ علم الے تھے"

نیز فرمایا:

صح أنه أفضل الأمة بعده لقيام الحجة بأن أولى البرية بعقد الخلافة فضلهم وأقومهم بالحق وأعدلهم و أوفرهم أمانة و أحسنهم على حجة الحق ستقامة و كذالك كان الصديق رضى الله عنه۔ (جلد ۲ ص ۳۰۰)

"یہ حقیقت پایہ صحت اور واقعیت کو پہنچی ہوئی ہے کہ ابو بکر صدیق رسول گرامی ﷺ کے ند افضل الامت ہیں واسطے قائم ہونے حجت و برہان کے اس امر پر کہ ساری مخلوق میں عقد لافت اور عہد امامت کا زیادہ حقدار وہی ہوتا ہے جو ان سب سے افضل ہو اور حق کو زیادہ سے یادہ قائم اور برقرار رکھنے والا ہو اور سب سے زیادہ عادل ہو اور وافر امانت والا ہو اور شاہراہِ حق خوب ترین استقامت کا مالک ہو اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی انہیں صفات کے ساتھ موصوف تھے اور انہی اخلاق سے متخلق تھے"

الغرض اس آیت کریمہ اور حقائق و واقعات کی تائید و تصدیق سے اور اکابرین ملت کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق کمال ایمان اور قوت عرفان کے لحاظ اور کمال علم اور معلومات میں وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

والظاهر أن النبى ﷺ انما قدم أبابكر لكونه جامعًا للقرآن والسنة والسبق والهجرة والسن والورع وغير ذالك مما لم يجتمع فى غيره من الصحابة وبهذا صار

أفضلهم ولاينافی أن يكون فی المفضول مزية من وجه على الأفضل فتأمل فانه موضع زلل ومحل خطل۔ (مرقاة جلد ۳ ص ۸۱)

”اور ظاہر یہ ہے کہ بے شک نبیء کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے کیا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث کے جمع کرنے والے ہیں اور سبقت بالایمان، ہجرت، پرہیز گاری اور عمر کی وجہ سے اس کے علاوہ ان امور کی وجہ سے جو آپ کے علاوہ کسی میں جمع نہیں ہوئے، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہو گئے اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ مفضول میں ایسی جزوی فضیلت ہو جو افضل میں نہ ہو پس تو غور کر کیونکہ یہ پھسلنے کا مقام ہے اور لغزش کی جگہ۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وشیخ ابن الهمام گفته كه أقرأو أعلم بكتاب بود چنانكه دعوی كرده اند وانچه حديث دلالت دارد بران آنست كه اگر در قرأت وعلم باحكام كتاب برابر بود پس امامت كند آنكه أعلم بكتاب بسنت است ونيز گفته اند كه بهترين انچه استدلال كرده شود بدان بر تقديم اعلم براقرأحديث تقديم ابی بكر ست درايام مرض باوجودآنكه درصحابی اقرأ ازوی بودند نه اعلم دليل اول قول آنحضرت ﷺ اقرأ كم أبی ودليل ثانی قول ابی سعيد كان أبوبكر أعلمنااين در آخر امر بود از آنحضرت كذا قال الشيخ۔

(اشعةاللمعات جلد اول ص ۵۱۴)

”شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قاری اور سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے جس طرح انہوں نے دعویٰ کیا ہے وہ بات کہ جس پر حدیث دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر علم قرات اور علم احکام کتاب جاننے والے برابر ہو جائیں

شخص جو اعلم بالکتاب ہے امامت کروائے اور علمائے اعلام نے یہ بھی فرمایا کہ بہترین
دلال اعلم کو اقرا پر مقدم کرنے پر حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ حالت مرض میں رسول اکرم ﷺ
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے مقدم کیا حالانکہ صدیق اکبر سے أقرا صحابہ کرام رضوان
علیہم اجمعین موجود تھے (نہ کہ اعلم) امر اول کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان أقرأ کم
ہے اور امر ثانی کی دلیل ابو سعید کا قول کان أبو بکر أعلمنا ہے اور یہ آپ ﷺ کے آخری
میں تھا اور ایسے ہی شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے"

الغرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان وایقان اور علم وعرفان کے اعلیٰ ترین
تب پر فائز ہیں اور اس ارشادِ خداوندی کے مطابق رفعتِ درجات اور بلندیٔ مراتب کے لحاظ
سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے رفیع الدرجات اور أعلی المراتب ہیں۔

تلك عشرة كاملة والحمدلله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد
رسلین وآله وأصحابه أجمعين۔

بابِ ثانی

افضلیتِ سیدنا ابوبکر صدیق از روئے احادیثِ رسول ﷺ

قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کی چند آیاتِ مبارکہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کردی اور اجماعِ امت کی اساس اول اور بنیاد پر تنبیہ کردی۔ اگرچہ اکابرین نے مزید بہت سی آیاتِ مقدسہ سے استدلال واستشہاد فرمایا لیکن بندہ اربابِ دانش وبینش اور اہل عدل وانصاف اور نظر بصیرت کے مالک حضرات کی توجہ کے لیے اسی مقدار کو کافی ووافی سمجھتا ہے۔

تمہیدی مقدمہ: (سنتِ رسول ﷺ کی حجیت قرآن وسنت کی روشنی میں):

کتاب اللہ کے بعد درجہ سنتِ مصطفویہ اور ارشاداتِ نبویہ علی مصدرھا الصلاۃ والسلام کا ہے اور اہل اسلام کے لیے ان سے راہنمائی اور نورِ ہدایت حاصل کرنا ضروری ہے۔ امت بیان رسول ﷺ کے بغیر قرآن حکیم سے قطعاً راہنمائی حاصل نہیں کرسکتی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لتبین للناس مانزل الیھم۔(النحل،16:44)

"اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت کو نازل فرمایا تاکہ تم لوگوں کو بیان کرو جوان کے لیے نازل کیا گیا"

نیز فرمایا:

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔(التغابن،64:12)

"اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

و ماآتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم عنہ فانتہوا(الحشر،7:59)

''جس بات کا رسول اکرم ﷺ تمہیں حکم دیں اس کی پابندی کرو اور جس عمل وفعل سے ... اس سے رک جاؤ''

فرمان رب العزت ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ (الاحزاب،21:33)

''البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں اچھی اقتداء اور پیروی ہے''

بلکہ اطاعتِ خداوندی بھی اطاعتِ رسول ﷺ میں منحصر ہے، کماقال اللّٰہ تعالی:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

''جس نے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''

وغیر ذالك من الآیات البینات۔

لھذا کسی مسلمان کے لیے ازروئے قرآن حضورِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آپ کے ...ات اور اعمالِ حسنہ اور اعمالِ مشروعہ سے روگردانی اور سرتابی کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز رسول ... ﷺ نے اپنے اقوال واعمال اور اسوۂ حسنہ اور سنتِ سنیہ کی عظمت اور اہمیت اور اس کی ... کے وجوب ولزوم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ:

أما بعد فان خیرالحدیث کتاب اللّٰہ وخیرالھدی ھدی محمد ... الأمور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ...: بعد (حمد وثنائے خداوند وصلوٰۃ وسلام بر ذات مصطفیٰ کے) پس تحقیق بہترین حدیث وکلام

کتاب اللہ ہے اور بہترین طریقہ اور پسندیدہ سیرت، طریقہ وسیرت محمدیہ ہے اور بدترین امور اوراشیاء نو پیدا امور واشیاء ہیں اور ہر بدعت ضلالت وگمراہی ہے (یعنی بدعتِ سیئہ وغیر شرعیہ جس کی بنیاد کتاب وسنت پر نہ ہو)

(۲) عن جابر رضی اللہ عنہ جاءت ملائکۃ الی النبی ﷺ وھو نائم (الیٰ) فمن أطاع محمداً فقد أطاع اللہ ومن عصی محمداً فقد عصی اللہ ومحمد فرق بین الناس۔ (رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرشتے رسولِ گرامی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ سوئے ہوئے تھے (تا) تو انہوں نے کہا:

’’جس شخص نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس شخص نے محمد ﷺ کی مخالفت اور عصیان سے کام لیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانبرداری کی اور محمد ﷺ فرق وامتیاز قائم کرنے والے ہیں (مومن وکافر اور مطیع وفاسق کے درمیان)‘‘

(۳) عن مقدام بن معدیکرب قال رسول اللہ ﷺ:

ألا انی أوتیت القرآن ومثلہ معہ (الحدیث)

(رواہ ابو دائود)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

’’آگاہ رہو اور غور سے سنو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ‘‘

(٤) عن مالك بن أنس مرسلا قال قال رسول اللہ ﷺ:

ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ ﷺ۔ (رواہ فی الموطا)

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے تم میں دو امر اور دو چیزیں چھوڑی ہیں، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے جب تک ان سے وابستہ رہو گے ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول علیه الصلوٰة والسلام ہے''

(٥) عن أنس رضی اللّٰه عنه قال قال لی رسول اللّٰه ﷺ:

یابنی ان قدرت أن تصبح وتمسی ولیس فی قلبك غش لأحد فافعل ثم قال یابنی وذالك من سنتی ومن أحب سنتی فقدأحبنی ومن أحبنی کان معی فی الجنة۔(رواہ الترمذی)

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

''اے میرے بیٹے! اگر تو اس پر قدرت رکھے کہ صبح کرے اور شام کرے اس حال میں کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کینہ اور کھوٹ نہ ہو تو ضرور اس طرح کر!

پھر فرمایا:

''اے میرے بیٹے! وہ عظیم امر میری سنت سے ہے اور جو میری سنت سے محبت رکھے تو اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جو میرے ساتھ محبت رکھے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''

قیاس اقترانی کی شکل اول کے مطابق نتیجہ یہ نکلا کہ جس نے میری سنت سے محبت کی اسے جنت میں میری معیت حاصل ہوگی اور یہ کتنا بڑا اعزاز و اکرام ہے محبِ سنت کے لیے۔

(٦) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملةً وتفترق أمتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة ۔ کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا: من هی یا رسول اللّٰه ﷺ قال ماأنا علیه وأصحابی۔ (رواہ الترمذی)

"بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی- وہ سبھی دوزخ میں ہوں گے سوائے ملتِ واحدہ کے- صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: وہ نجات پانے والی اور جنت میں جانے والی ملت کون سی ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں جس راہ پر ہوں اور میرے صحابہ جس راہ پر ہیں" (اس کو اپنانے والی ملت جنت میں ہوگی)

(۷) حضرت عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافًا کثیرًا- فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھاوعضواعلیھابالنواجذ۔الحدیث

(رواہ احمد وابو دائود والترمذی وابن ماجة)

"تحقیق جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا- پس تم لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا- اس کو ہاتھوں کے ساتھ تھامنے کی کوشش کرنا (اگر ہاتھوں سے نکلتی محسوس ہو تو) ڈاڑھوں کے ساتھ اسے قابو کرنا"

(۸) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ

اتبعوا السواد الأعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔

(رواہ ابن ماجة من حدیث انس رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

"عظیم ترین جماعت (جس میں اکثر علماء ہوں) کی اتباع کرو کیونکہ جو جماعت سے الگ ہوگا تو اس کو آتش دوزخ کا ایندھن بنادیا جائے گا"

اس روایت کو ابن ماجہ نے حضرت انس سے نقل کیا ہے-

فائدہ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے سوادِ اعظم کا محمل اس جماعتِ عظیمہ کو قرار د

جس میں علمائے کرام کثرت سے ہوں، کیونکہ ظاہر ہے کہ عوام کالأنعام کی اکثریت کا
ار نہیں کیا جاسکتا (اور صحابہ کرام میں سے بھی قدیم الصحبت حضرات کے ساتھ علمی لحاظ
آخر آخر میں ایمان لانے اور شرفِ صحبت حاصل کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے)

(۹) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ گرامی ﷺ نے
یا:

"شیطان انسانوں کے لیے بھیڑیا ہے جس طرح کہ بھیڑ بکریوں کے لیے بھیڑیے
تے ہیں جو گلہ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے اور گلہ سے دور چلی جانے والی
گلے سے ایک جانب پر رہنے والی کو

وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة۔ (رواه أحمد)

لهــــذا تم بھی شیطان کے تسلط سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو مختلف گھاٹیوں میں
ندگی سے بچاؤ اور اہلِ اسلام کی جماعت اور ان کی اکثریت کو لازم پکڑو۔

رہ:

اشارت است بآنکه معتبر اتباع اکثر و جمهور است چه اتفاق کل درهمه
کام واقع نه بلکه ممکن نیست۔

"جماعت اور عامہ کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ معتبر اکثریت اور جمہور کی اتباع ہے
نکہ سب کے سب حضرات کا اتفاق و اجماع تمام احکام میں نہ فی الواقع پایا گیا ہے اور نہ ہی
کا کوئی امکان ہے" (لھذا جمہور کا اور وہ بھی اہلِ علم جمہور اور سوادِ اعظم کا دامن تھامنا اور ان کی
وروش کو اپنانا لازم ہے)

(۱۰) عن أبی ذر رضی اللـه عنه قال قال رسول الله ﷺ: من فارق
جماعة شبرًا فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه۔ (رواه احمد وابوداؤد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو بالشت بھر بھی اہل اسلام کی جماعت سے الگ ہوا تو اس نے اسلام والی رسی اپنی گردن سے اتار دی''

فائدہ:

ان احادیثِ مبارکہ سے سنت کی اہمیت اور اس کی اتباع کا وجوب ولزوم بھی ثابت ہو گیا اور خلفائے راشدین کی سنت کا لزومِ اتباع بھی اور سوادِ اعظم اور جمہور اہل اسلام اور ارباب علم کی اتباع کا وجوب ولزوم بھی ثابت ہو گیا- اور چونکہ محبوب کریم ﷺ کے ارشاد سے اس اتباع کا وجُوب ولزوم ثابت ہو رہا ہے تو یہ بھی دراصل سنتِ رسول ﷺ کی اتباع ہے-

نیز جمہور ارباب علم کے مقابل دو چار افراد کی اتباع کو اختیار کرنا اور اس اتباع کو جمہور کے مقابل جائز سمجھنا جیسے شاہ عبدالقادر صاحب نے بدعت ایجاد کی ہے وہ بوجہ مخالفتِ ارشادِ نبوی بدعتِ سیئہ کے قبیل سے ہے اور امتِ مصطفویہ پر افتراق کی راہیں بند کرنے کی بجائے ان کو مزید وسیع کر کے انتشار وافتراق سے دوچار کرنے کی مذموم کوشش ہے-

افضلیت شیخین پر احادیثِ جلیلہ:

اب احادیثِ رسول ﷺ اس اجماعی نظریہ وعقیدہ پر بطور شہادت پیش کی جاتی ہیں اور تائید وتقویت اور جزم واطمینان کا سامان کیا جاتا ہے اور ریب وتردد اور شکوک وشبہات کی راہیں مسدود کی جاتی ہیں اور اوہام ووساوس کی گرد وغبار دور کی جاتی ہے-

أما المذهب عند أهل السنة ما روى الحاكم وابن عدى والخطيب عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: أبو بكر وعمر خير الأولين والآخرين وخير أهل السموات وخير أهل الأرضين الا النبيين والمرسلين

(النبراس شرح شرح عقائد ص٤٨٤ و کذا فی الصواعق المحرقة ص٧٦)

"بے شک اہل سنت کا مذہب یہ ہے جس کو حاکم ابن عدی اور خطیب رحمہم اللہ تعالیٰ
نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
"ابوبکر و عمر تمام پہلوں اور پچھلوں سے افضل ہیں اور تمام آسمان والوں سے افضل اور
تمام زمین والوں سے افضل ہیں سوائے انبیاء اور مرسلین علیهم الصلوة والسلام کے"

پہلی حدیث:

(١) عن أنس رضی اللّٰه عنه قال رسول اللّٰه ﷺ :أبو بکر وعمر
سیدا کهول أهل الجنة من الأولین والآخرین الاالنبیین والمرسلین۔

(رواه الترمذی وابن ماجة عن علی رضی الله عنه مشکوة شریف ص ٥٦٠)

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام ابن ماجہ نے اس
حدیث کو حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بزرگ اور عمر رسیدہ جنتیوں کے سردار ہیں، خواہ وہ اولین امم
سے ہوں یا آخری امت سے سوائے انبیاء و مرسلین کے"

(و کذاأخرجه أحمد عن علی وابن ماجة عن أبی جحیفة و أبویعلی فی مسنده وأیضا
فی المختارة عن أنس۔والطبرانی فی الأوسط عن جابروعن أبی سعید رضی اللّٰه عنهم)

اور خطیب نے اپنی تاریخ میں اس روایت کے بعد یہ اضافہ نقل فرمایا ہے وان
ابابکرفی الجنة مثل الثریا فی السماء۔ (صواعق ص٧٨)

"تحقیق ابوبکر جنت میں مرتبہ و مقام کے لحاظ سے مانند ثریا کے ہوں گے آسمان
میں" (بہ نسبت زمین کے)

اقول:

جب بزرگ اہلِ جنت سے افضلیت اور رفعت و برتری ثابت ہوگئی تو نوجوان اور نوخیزوں سے بطریقِ اولیٰ ثابت ہو جائے گی۔ اور پہلی روایت اسی عموم پر صراحتاً دلالت کر رہی ہے اور عبارت النص کے طریق پر۔ لہذا ان میں کسی قسم کی تخصیص و تقیید کی گنجائش نہیں ہے گویا اہل سنت کا عقیدہ و نظریہ خود نبی کریم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ثابت ہوگیا:

أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكر ن الصديق ثم عمر الفاروق اور اس سے انحراف راہِ نبوت سے انحراف ہے، العیاذ باللہ

دوسری حدیث:

(۲) عن حذيفة قا ل قال رسول الله ﷺ :

انی لاأدری ما بقائی فیكم فاقتدوا بالذين من بعدی أبی بكروعمر

(رواه ترمذی مشكوة ص ٥٦٠)

حضرت سیدنا حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"میں (بذاتِ خود بلا اطلاع باری تعالیٰ) نہیں جانتا کہ میری تمہارے اندر بقیہ زندگی کتنی ہے؟ لہذا اقتداء کروان دو حضرات کی جو میرے بعد ہیں، یعنی ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی"

طبرانی میں اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

فانهما حبل الله الممدود من تمسك بهما فقد تمسك بالعروة الوثقى لاانفصام لها وله طرق أخرى۔ (صواعق محرقة ص ٧٧)

"وہ دونوں اللہ تعالیٰ کا نورانی اور روحانی رسہ ہیں جو اس نے لٹکایا ہوا ہے (لامکان سے اس مکان کی طرف) جس نے بھی ان دونوں مقتداؤں کا دامن تھام لیا تو اس نے مضبوط ترین حلقہ کو تھام لیا"

فائدہ عظیمہ:

نبی مکرم ﷺ نے عمومی طور پر صحابۂ کرام اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو ان دونوں حضرات کی اقتداء اور پیروی کا اور ان کے احکام کی اتباع واطاعت کا حکم دیا جس سے ان دونوں کا ساری امت سے افضل ہونا واضح ہو گیا اور حضرت ابوبکر کو پہلے ذکر فرما کر ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شرف وفضل کو واضح فرما دیا۔ نیز ان دونوں حضرات کے بارے میں خداداد علم کے مطابق واضح فرما دیا کہ وہ میرے بعد زندہ رہیں گے اور وہ میرے نائب اور خلیفہ ہیں میرے وصال شریف کے بعد۔

اگر حضور اکرم ﷺ نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت اور نیابت کا اعلان فرما دیا تھا تو پھر اس اعلان کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟ نیز شیعہ اور سنی تفاسیر میں قول باری تعالٰی :واذاسرالنبی الی بعض ازواجہ حدیثا(التحریم، 3:66) کے تحت تصریح کی گئی ہے کہ جو بات بطورِ راز نبی رحمت ﷺ نے حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بتلائی تھی اس میں یہ بشارت دی تھی:

ان أبا بکر یلی الخلافۃ من بعدی ثم أبوك

"بے شک ابوبکر صدیق میرے بعد بلا فصل خلیفہ ہوں گے پھر عمر بن خطاب خلیفہ ہوں گے"، رضی اللہ عنہما

اس رازِ سربستہ میں نبی مکرم ﷺ نے اللہ رب العزت کا ازلی فیصلہ بھی انہیں بتلایا اور اس خلافت کا خلافت حقہ ہونا بھی واضح فرمادیا، کیونکہ ام المومنین حضرت حفصہ کا غم غلط کرنا اور ان کو خوشی ومسرت عطا کرنا مقصود تھا اور ظالمانہ خلافت سے تو یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا، لہذا واضح فرما دیا کہ وہ خلافت حقہ ہے، خلافت نبوت ہے اور سراسر رحمت ہے اور ان کی اتباع واقتدا کا سب حضرات صحابہ واہل بیت کرام علیہم الرضوان کو پابند فرما دیا جو ان کے افضل الامۃ ہونے

کی واضح دلیل ہے، کیونکہ افضل کو مفضول کی اقتداء کا پابند کرنا قطعاً مناسب نہیں ہو سکتا۔

نیز حبل اللّٰہ المدود قرار دیا اور قرآن مجید کو بھی حبل ممدود من السماء الی الارض فرمایا تو واضح فرما دیا کہ ان کی راہ سراسر قرآن کریم والی راہ ہے۔

تیسری حدیث:

(۳) أخرج الترمذی عن أبی سعید الخدری أن النبی ﷺ قال:

مامن نبی الا ولہ وزیران من أھل السماء ووزیران من أھل الأرض فأما وزیرای من أھل السما فجبرائیل ومیکائیل وأما وزیرای من أھل الأرض فأبوبکر وعمر رضی اللہ عنھما۔

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

”ہر نبی کے لیے دو، دو وزیر ہیں زمین والوں سے بھی اور آسمان والوں سے بھی۔ اور میرے بھی دو وزیر آسمان والوں میں سے حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ہیں ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما“

فائدہ:

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ان دو حضرات کو تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تمام امت پر شرف وافضلیت حاصل ہے کیونکہ بادشاہ کے وزراء کو تمام رعیت پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ نیز حضرت جبرائیل کو میکائیل علیہما السلام پر بھی اور دیگر ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے تو حضرت صدیق کی حضرت عمر فاروق پر اور دوسرے تمام صحابہ پر بھی فضیلت ثابت ہوگی رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ ذکر میں تقدم وسبقت شرف اور فضل میں تقدم کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ نیز اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جو مقام حضرت جبرائیل کو ملائکہ میں حاصل ہے وہی مرتبہ ومقام حضرت صدیق کو

ابہ کرام علیہم الرضوان میں حاصل ہے سفر معراج میں حضرت جبرائیل کی رفاقت اور سفر ہجرت
ں حضرت صدیق کی رفاقت اس باہمی مناسبت اور معنوی قربت کی واضح دلیل ہے۔

تھی حدیث:

(٤) وعن محمد بن الحنفية قال: قلت لأبی أی الناس خير بعد النبی
ﷺ؟ قال: أبوبكر، قلت: ثم من؟ قال: عمر و خشيت أن يقول عثمان قلت: ثم
ت؟ قال ما أنا الا رجل من المسلمين۔

(رواه البخاری و مشكوة شريف ص ٥٥٥)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لختِ جگر اور نورِ نظر اور حسنین کریمین کے بھائی
ضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے روایت نقل کی ہے کہ

"میں نے والد گرامی مولا علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ تمام انسانوں میں سے نبی
کرم ﷺ کے بعد کون سا انسان افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب
سے افضل انسان ابوبکر صدیق ہیں۔ میں نے عرض کیا ان کے بعد افضل کون ہیں؟ تو آپ نے
فرمایا: عمر فاروق اور مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ تیسرے درجے میں عثمان ذوالنورین نہ کہہ دیں
تو میں نے سوالیہ انداز بدل کر عرض کیا کہ پھر عمر فاروق کے بعد آپ افضل ہیں؟ تو آپ نے فرمایا
میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان فرد ہوں"

فائدہ:

اس حدیث سے یہ حقیقت حضرت حیدر کرار کی زبانی اور ان کے لختِ جگر کے واسطہ
سے ثابت ہوگئی کہ نبی مکرم ﷺ کی امت میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور
ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بطور اشارۃ النص حضرت عثمان ذوالنورین کا

تیسرے درجے میں ہونا بھی ثابت ہو گیا تو جب مولائے مرتضی خود افضل البشر بعد الانبیاء علیہم السلام ابو بکر صدیق پھر عمر فاروق کے قائل ہوں تو مولائے مرتضی کے محبِ صادق و مخلص غلام اور مرید کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مولا و مرشد کو جھٹلائے اور ان کے عقیدہ کے برعکس اعتقاد رکھے اور نظریہ اپنائے۔ نیز معلوم ہوا کہ آپ صرف عوام کو ہی اپنا یہ نظریہ نہیں بتلاتے تھے بلکہ گھر والوں کو علیحدگی میں بھی اپنا عقیدہ بتلاتے تھے۔لھذا آپ کے حق میں دو طرح کے بیان اور نظریات ثابت کرنا کہ عوام کو اپنے ساتھ منسلک رکھنے کے لیے کھلے عام شیخین کی تعریفیں کرتے تھے اور خواص کے سامنے ان کی مذمت کرتے تھے یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

پانچویں حدیث:

(۵)　عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال عمر لأبی بکر یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ اما انک ان قلت ذالک فلقد سمعت رسول اللہ ﷺ یقول:

ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔

(رواہ ترمذی و مشکوۃ شریف ص ۵۵۸)

سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کہا:

”رسول گرامی ﷺ کے علاوہ تمام انسانوں سے خیر و بہتر اور افضل و برتر آپ کی شخصیت ہے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا: اگر تم نے یہ کہا (اور میری خداداد شان بیان کی ہے تو مجھ سے بھی اپنی خداداد شان جو زبان رسالت مآب ﷺ سے ثابت ہے وہ سن لو) پس تحقیق میں نے رسول پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا ہے“

فائدہ:

مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی زبان حق ترجمان سے ثابت ہو چکا کہ حضرت صدیق کے بعد حضرت عمر سب سے افضل ہیں۔لہذا اس روایت کے پچھلے حصے کا مرام ومقصود آپ کے فرمان سے واضح ہو گیا کہ یہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد والی افضلیت ہے، اور نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ان اللّٰہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ۔

(رواہ الترمذی)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر فاروق کی زبان اور دل میں پیدا کر دیا ہے''

یہ تو امام ترمذی کی روایت ہے اور ابوداؤد شریف میں حضرت أبو ذر رضی اللّٰہ عنہ سے مروی ہے:

ان اللّٰہ وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ۔

رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر فاروق کی زبان پر رکھ دیا ہے لہذا وہ اس کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور وہی حق ان کی زبان سے جاری وساری رہتا ہے''

لہذا جو کچھ ان کی زبان سے صادر ہوا اور حضرت صدیق کو اس کے ساتھ مخاطب ٹھہرایا وہ سراسر حق ہے اور جو اس فرمان کو برحق نہ مانے اس نے خود رسالت مآب ﷺ کی تکذیب کی۔گویا محمد ﷺ کا بھی باغی اور نافرمانبردار ہو گیا اور مولائے مرتضٰی کا بھی۔نیز اس میں خیر الناس کے لفظ سے اور بعد رسول اللّٰہ ﷺ کی تقیید سے واضح ہو گیا کہ اگر مستثنیٰ ہیں تو صرف نبی کریم ﷺ باقی سب امت پر آپ کو فوقیت و برتری حاصل ہے اور جب اس امت سے

چھٹی حدیث:

(٦) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ:

أتانی جبرائيل أخذ بيدی و أرانی باب الجنة الذی يدخل منه أمتی فقال أبوبكر يا رسول اللهﷺ وددت أنی كنت معك حتی أنظر اليه فقال رسول اللهﷺ أما أنك يا أبا بكر أول من يدخل الجنة من أمتی

(رواه ابوداؤدمشکوۃ شریف ص٥٥٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول محتشمﷺ نے فرمایا:

''میرے پاس جبرائیل آئے اور میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ کاش میں اس وقت آپ کے پاس ہوتا یہ میری دلی تمنا اور قلبی آرزو ہے کہ میں بھی اس دروازہ کو دیکھ لیتا تو آپ نے فرمایا آگاہ رہو اے ابوبکر! بے شک تم جنت میں داخل ہونے والی میری ساری امت سے پہلے شخص ہوگے جو جنت میں (اس دروازہ سے) داخل ہوگی''

اس روایت کو امام ابوداؤد نے روایت کیا۔

فائدہ:

ساری امت اجابت سے پہلے پہل جنت میں داخل ہونے والے جب آپ ہیں تو ساری امت پر آپ کی فضیلت بھی ثابت ہوگئی جیسا کہ یہ امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی اور رسول گرامیﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے نبی کریمﷺ نے فرمایا:

ان اللّٰه حرم الجنة على الأنبياء حتى أدخلها و على الأمم حتى تدخلها

أمتی

"اللہ تعالیٰ نے جنت تمام انبیاء پر حرام کردی ہے جب تک کہ میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں اور تمام امتوں پر حرام کردی ہے جب تک کہ میری امت جنت میں داخل نہیں ہو گی"

الغرض نبی اکرم ﷺ کی یہ سبقت آپ کی سب انبیاء پر افضیلت کی دلیل ہے اور آپ کی امت کی دوسری امتوں پر دخول جنت میں سبقت ان امتوں سے افضل ہونے کی دلیل ہے تو بالحالہ حضرت صدیق کا اس امت پر دخول جنت میں سبقت لے جانا ان کے ساری امت محمد یہ سے افضل ہونے بلکہ تمام امم واقوام سے افضل ہونے کی واضح دلیل اور بین برہان ہے۔

علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فیہ دلیل علی أنہ أفضل الأمۃ والا لما سبقھم فی دخول الجنۃ و ایماء الی أنہ أسبق الأمۃ ایماناً لقولہ تعالی والسابقون السابقون أولئك المقربون فی جنات النعیم۔

اس حدیث پاک میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اس امت میں سے افضل ہیں ورنہ ان سے جنت میں داخل ہونے میں سبقت نہ لے جاتے نیز اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ساری امت سے ایمان میں سبقت لے جانے والے ہیں بسبب باری تعالیٰ کے اس فرمان واجب الاذعان کے کہ سبقت لے جانے والے (اس جہان میں ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ) سبقت لے جانے والے ہیں اس جہان میں (درجات ومراتب کے لحاظ سے اور اول اول جنت میں داخل ہونے کے لحاظ سے) وہی لوگ مقام قرب پر فائز کیے جانے والے ہیں عظیم نعمتوں والے باغات آخرت میں۔

اقول:

اللہ عنہ کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ حضرت صدیق سے تین دن پہلے ایمان لائے بطور معارضہ قابل اعتناء اور لائق اعتبار نہیں علاوہ ازیں آپ دعوی نبوت کے وقت آٹھ یا دس سال کی عمر میں تھے اور آپ پرورش بھی سید عالم ﷺ کے ہاں پا رہے تھے اور آپ کے مرہون منت تھے تو آپ کا ایمان لانا قریش کی نظروں میں کس اہمیت کا حامل ہوگا جب کہ حضرت صدیق کی عمر اس وقت اڑتیس سال کے قریب تھی اور تاجر ہونے کی وجہ سے امیر کبیر تھے اور دوسرے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور ایمان لاتے ہی مبلغ اسلام بن گئے آپ کی تبلیغ سے ہی حضرت عثمان حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشرف باسلام ہوئے جب کہ یہ بھی جنت کی بشارت پانے والے ہیں (اصابہ لابن حجر جلد۲ ص ۱۰۹۱) اور دیگر حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور مالی وجانی قربانیاں دینے لگے نیز تین دن کے وقفہ کی وجہ آپ کا سفر پر ہونا یا مطلع نہ ہونا بھی ہوسکتا ہے اطلاع ملتے ہی فوراً آپ ﷺ کے غلام بے دام بن گئے بلکہ بقول بعض حضرات آپ بہت پہلے وقت سے آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے جب کہ بحیرہ راہب نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ان کو خوشخبری دی تھی جبکہ حضرت صدیق تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں تھے اور نبی مکرم ﷺ بیس سال کی عمر میں تھے، چنانچہ ابو نعیم نے فرات بن السائب کے واسطہ سے حضرت میمون بن مہران سے نقل کیا ہے:

واللہ لقد آمن أبوبكر بالنبی ﷺ زمن بحيرة الراهب حين مرّبه

(صواعق محرقة ص ٧٦)

"بخدا! ابوبکر صدیق نبی مکرم ﷺ پر ایمان لا چکے تھے بحیرہ راہب کے زمانہ سے (جبکہ) اس کے پاس سے آپ کا گزر ہوا"

لہذا اہم اولیت اور لائق اعتداد و اعتبار یہ اولیت ہے جو حضرت صدیق کو ایمان لانے میں حاصل ہوئی تھی۔علامہ طیبی اس مقام پر فرماتے ہیں اور علی قاری اسے نقل کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

لما تمنی رضی اللہ عنہ بقولہ وددت والتمنی انما یستعمل فیما لایستدعی امکان حصولہ قیل لاتتمن النظر الی الباب فان لك ما ھو أعلی منہ و أجل وھو دخولك فیہ اولامتی و حرف التنبیہ ینبئك علی الرمزۃ التی لوحنابھا۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ)

"جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمنا اور آرزو ظاہر کی ان الفاظ سے وددت اور تمنا استعمال ہوتی ہے ان امور میں جن کے حصول کے امکان کا مقتضی بھی موجود ہونا ضروری نہ ہو تو ان سے کہا گیا ایسی تمنا آرزو کی آپ کو ضرورت نہیں ہے کہ کاش میں جنت کا دروازہ دیکھ لیتا کیونکہ آپ کو اس سے اعلیٰ اور جلیل ترین مقام حاصل ہے اور وہ ہے تمہارا جنت میں میری تمام امت سے پہلے داخل ہونا اور حرف التنبیہ (أما) اس مقام پر ذکر کیا جانا اسی نکتے اور راز کی طرف راہنمائی کر رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے"

ساتویں حدیث:

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے امام ترمذی نے یہ روایت اپنی سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ

لاینبغی لقوم فیھم أبوبکر أن یؤمھم غیرہ۔

(مشکوۃ شریف، ص:555)

رسول محتشم ﷺ نے فرمایا:

"اس قوم کے لائق اور مناسب حال نہیں جن میں ابوبکر صدیق موجود ہوں کہ ان کی

فائدہ:

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

فیہ دلیل علی فضلہ فی الدین علی جمیع الصحابۃ فکان تقدیمہ فی الخلافۃ أیضًا أولی و أفضل ولھذا قال سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ قد مك رسول اللہ ﷺ فی أمر دیننا فمن الذی یوء خرك فی دنیانا۔

چنانچہ ابونعیم نے فرات بن السائب کے واسطہ سے حضرت میمون بن مہران سے نقل کیا ہے

واللہ لقد آمن أبوبکر بالنبی ﷺ زمن بحیرۃ الراھب حین مربہ ۔

(صواعق محرقۃ ص: ٧٦)

"بخدا! ابوبکر صدیق نبی مکرم ﷺ پر ایمان لا چکے تھے بحیرہ راہب کے زمانہ سے جبکہ اس کے پاس سے آپ کا گزر ہوا"

"اس حدیث شریف میں حضرت صدیق کے تمام صحابہ کرام پر دین و ایمان میں افضل ہونے کی دلیل ہے لہذا ان کا خلافت اور سلطنت اسلامیہ کے نظم و نسق میں بھی مقدم رکھنا اولی اور افضل ہے، اسی لیے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمارے دینی امر میں مقدم فرمایا اور امام بنایا کون ہوتا ہے وہ شخص جو آپ کو ہماری دنیا کے معاملہ میں پیچھے ہٹائے اور امامت و خلافت سے باز رکھے"

علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فیہ دلیل علی أنہ أفضل جمیع الصحابۃ فاذاثبت ھذا فقد ثبت استحقاق الخلافۃ ولا ینبغی أن یجعل المفضول خلیفۃ مع وجود الأفضل۔

اس حدیث پاک میں اس امر پر واضح دلیل موجود ہے کہ حضرت صدیق تمام صحابہ

رام علیہم الرضوان سے افضل ہیں جب یہ امر ثابت ہوگیا تو ان کا مستحق خلافت ہونا بھی ثابت
کیا اور یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول اور کم مرتبہ شخص کو خلیفہ
یا جائے۔

ل:

یہ صرف بیٹی کی باپ کے حق میں اس فضیلت و برتری کی شہادت نہیں بلکہ نبی مکرم ﷺ
مرض وصال میں ازروئے حکم نبوت مصلائے امامت پر حضرت صدیق اکبر کو فائز فرمایا اور
بۂ کرام کو پابند کیا اور مامور فرمایا کہ ابوبکر صدیق کو پابند کرو کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔

مروا أبا بکر فلیصل بالناس۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

قال العلماء فی هذاالحدیث أوضح دلالة علی أن الصدیق أفضل الصحابة
ی الاطلاق وأحقهم بالخلافة وأولاهم بالامامة۔

(تاریخ الخلفاء ص ۵۲)

"اس حدیث میں واضح ترین دلالت موجود ہے اس حقیقت پر کہ ابوبکر صدیق سب
بہ سے افضل علی الاطلاق ہیں اور سب سے خلافت کے بھی زیادہ حقدار ہیں اور امامت کے بھی
دہ حقدار اور اہل ہیں"

قد استدل الصحابة أنفسهم بهذا علی أنه أحق بالخلافة منهم عمر وعلی
ی اللہ عنه

"تحقیق صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اس حدیث سے بذات خود حضرت صدیق کے
افت کے زیادہ حقدار ہونے پر استدلال کیا جن میں حضرت عمر فاروق بھی شامل ہیں اور مولیٰ
ضیٰ بھی رضی اللہ عنہما۔

قال العلماء قد کان معروفاً بأھلیۃ الامامۃ فی زمان النبی ﷺ ۔

(تاریخ الخلفاء ۵۲،۵۳)

"علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق زمانہ رسول ﷺ میں امامت کی اہلیت کے ساتھ معروف تھے"

مولائے مرتضٰی کی طرف سے اس حقیقت کا اقرار واعتراف آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جبکہ اھلِ تشیع کے نزدیک نماز میں بھی امام معصوم ہونا ضروری ہے تو گویا نبی الانبیاء ﷺ کی نظر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا معصوم اور محفوظ کوئی نہیں تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الاتقی کا عظیم وجلیل لقب ان کو عطا فرمایا اور ساری امت سے ان کو بڑا اتقی قرار دیا اور جو بڑا اتقی ہوگا وہی سب سے زیادہ عنداللہ عزت وکرامت والا ہوگا اور وہ ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور واضح فرمایا کہ وہ مال کو بانٹتے ہیں نفس کا تزکیہ حاصل کرنے کے لیے بلکہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ سب لوگوں میں بانٹتے ہیں اور بارگاہ مصطفیٰ کریم میں پیش کردیتے ہیں تاکہ آپ خود اپنی صوابدید کے مطابق جہاد وغیرہ کی تیاری اور مجاہدین کی ضروریات میں صرف کریں حتی کہ بدن کے اچھے کپڑے بھی اتار کر دے دیتے ہیں اور ٹاٹ وغیرہ استعمال کر لیتے ہیں اور اہل خانہ کے لیے بھی کچھ نہیں بچاتے اور اگر محبوب کریم ﷺ دریافت فرمادیں مـا ابـقیت لاھلك تم نے گھر والوں کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے تو وہ عرض کرتے ہیں: ابـقیت لھم اللہ ورسولہ ﷺ میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑا حتی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: مانفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر۔

(رواہ ترمذی)

مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا کہ ابو بکر صدیق کے مال نے نفع دیا ہے وما
لاحد عندہ من نعمة تجزی الاابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی "اور کسی کی نعمت
اس کے پاس نہیں جس کی جزا ان کی طرف سے دی جارہی ہے سوائے اپنے رب اعلیٰ کی رضا
طلب کرنے کے اور وہ ضرور بالضرور ان سے راضی ہو جائیں گے"۔ بچپن میں بھی بت کے آگے
سجدہ نہیں کیا جب کہ اس کی تعظیم وتکریم کے لیے ان کو اپنے والد گرامی جناب ابو قحافہ نے انگلی پکڑ
کر ساتھ لے جا کر کہا یہ تمہارا خدا ہے جو تمہیں کھلاتا پلاتا ہے لہذا اس کی عبادت کرو وہ آگے نکل
گئے تو فرماتے ہیں کہ میں نے اس بت سے کہا انی جائع فاطعمنی فلم یجب میں بھوکا ہوں
مجھے کھانا کھلا اس نے جواب نہ دیا میں نے کہا انی عطشان فاسقنی فلم یجب میں
پیاسا ہوں مجھے پلا تو اس نے جواب نہ دیا تو میں نے کہا انی عار فاکسنی فلم یجب میں
برہنہ ہوں مجھے لباس پہنا تو اس نے جواب نہ دیا آپ نے فرمایا انی ملق علیك هذا
الحجر فان کنت الها فامنع نفسك عنی فلم یجب۔ میں پتھر مارنے لگا ہوں اگر تو خدا
ہے تو اپنے آپ کو بچا لے تب بھی اس نے کوئی جواب نہ دیا فالقیت علیه الصخرة
فخر لوجهه میں نے اس پر پتھر گرا دیا تو وہ منہ کے بل گر گیا (گویا اس کو اپنے قدموں میں سجدہ
ریز کر دیا) اسی دوران میرا باپ پہنچ گیا اس نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا هو الذی
تری یہ وہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو وہ مجھے میری ماں کے پاس لے گئے اور ان سے صورتحال کہی تو
اس نے کہا اس بچے کو مت چھیڑو یہ وہ بچہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا
حضرت صدیق فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ میرے بارے میں کیا

کلام فرمایا تو انہوں نے کہا کہ جب مجھ پر زچگی کا عالم طاری ہوا تو میرے پاس کوئی فرد انسا
موجود نہیں تھا تو میں نے ہاتف غیبی کو یوں کہتے ہوئے سنا :یاأمة اللّٰه علی التحقیق أبشری
بالولدالعتیق اسمه فی السماء الصدیق لمحمد صاحب ورفیق

"اے اللہ کی برحق باندی بشارت قبول کر ایسے بچے کی جو صاحب کمال ہے او
آبرومند ہے یا بے عیب نسب والا ہے اس کا نام آسمان میں صدیق ہے وہ محمد ﷺ کا مصاحب
اور رفیق ہے"

فلما انقضی کلام ابی بکرنزل جبرئیل وقال صدق ابوبکر۔

جب حضرت صدیق کا کلام ختم ہوا تو جبرائیل نازل ہوئے اور کہا ابوبکر صدیق رض
اللہ عنہ نے سچ بیان کیا ہے۔

علامہ زبیدی نے معالی العرش الی عوالی الفرش نامی کتاب میں حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم نبی کریم علیہ
الصلوۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں جمع تھے فقال أبوبکر وعیشك یا رسول اللّٰه ﷺ
لم أسجد لصنم قط و کنت فی الجاهلیة کذا و کذا الخ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے آپ کی حیاتِ مقدس
کی قسم میں نے کبھی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا اور میں جاہلیت کے دور میں ایسا تھا یعنی لغویات او
بے ہودگیوں سے منزہ ومبرا تھا" (جو اہل جاہلیت میں روزمرہ کا معمول تھا)

آپ نے بت کے آگے اپنی طرف سے سجدہ نہ کرنے بلکہ توہین وتذلیل کرنے
تفصیل یوں بیان فرمائی کہ آپ نے ملتِ ابراہیمی کو مبداء ولادت سے ہی اپنا رکھا تھا اور بت

رست نہیں بلکہ بت شکن بنے ہوئے تھے اور آپ ایسے کیوں نہ ہوتے جب کے اللہ تعالیٰ نے ن کا نام آسمانوں میں صدیق لکھوادیا تھا اور ان کے لیے محمد مصطفی علیہ التحیۃ و شناء کی مصاحبت ورفاقت کا فیصلہ فرمادیا تھا۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے نقل فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

واللہ ماقال ابوبکر شعرا لافی الجاھلیۃ ولافی الاسلام

"بخدا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی شعر نہیں کہے نہ جاہلیت کے دور میں اور نہ سلام میں"

گویا طبعی طور پر نبوی سنت وطریقہ پر کاربند تھے کیونکہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی شعر نہیں کہتے تھے نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت، کما قال اللہ تعالی:

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ (یٰسین،69:36)

"ہم نے ان کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا تھا اور نہ ہی یہ امر ان کے شایان شان تھا"

و لقد ترک ھو وعثمان شرب الخمر فی الجاھلیۃ۔

(أخرجہ ابن عساکر بسند صحیح)

فائدہ:

حالانکہ شراب نوشی کی حرمت آغاز اسلام میں نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ بہت بعد میں اور وہ بھی مرحلہ وار حتی کہ پہلے پہل صرف حالت نماز میں نشہ والی حالت پر ہونے سے منع فرمایا گیا تھا یعنی اس وقت میں مت پیا کرو کہ نماز کے وقت تک نشہ باقی رہے بلکہ اس وقت حالت صحو ہونی ضروری ہے تاکہ پتہ ہو منہ سے کیا بول رہے ہو؟ قال اللہ تعالی: لاتقربوا الصلوۃ وأنتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون۔ (النساء،43:4) اور کافی عرصہ بعد اس کو رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ (المائدہ،90:5) فرما کر ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا کہ شراب

پلید ہے شیطانی عمل ہے اس سے پرہیز کرو، لیکن ان دونوں حضرات نے اپنے آپ کو فطری طہارت و پاکیزگی کے تحت دور جاہلیت میں ہی اس کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا کر فطرتِ اسلام پر ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا و غیر ذالك۔

الغرض اسی معصومیت و محفوظیت کی وجہ سے ان کو سید الانبیاء ﷺ نے سیادت المسلمین کا صرف اہل ہی نہ سمجھا بلکہ ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو امامت کا اہل نہ سمجھا اور بالخصوص اپنے مصلے پر امامت کا اہل بھی ان کی موجودگی میں دوسرے کسی کو نہ سمجھا حتی کہ مرض الوصال میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے مصلے پر کھڑے ہو کر امامت کرانے سے روک دیا اور حضرت صدیق کو ہی اس منصب پر فائز فرمایا:

أخرج أبو بكر الشافعي في الغيلانيات وابن عساكر عن حفصة رضي الله عنها أنها قالت للنبي ﷺ اذا أنت مرضت قدمت أبابكر قال لست أنا أقدمه ولكن الله يقدمه۔ (تاریخ الخلفاء ص :٥٣)

''حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ بیمار ہونے کی حالت میں ابو بکر صدیق کو ہی امام اور مقدم ٹھہراتے ہیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو مقدم ٹھہراتا ہے''

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا میں نے تین مرتبہ تیری تقدیم کا مطالبہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کے ماسوا کی تقدیم سے انکار فرما دیا:

أخرج الدار قطني والخطيب وابن عساكر عن علي رضي الله عنه سألت الله أن يقدمك فأبى الله الا تقديم أبي بكر رضي الله عنه

(تاریخ الخلفاء ص ٥٣)

تنبیہ:

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث شریف کے متعلق فرمایا:

هذا حديث غريب لیکن یادرہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی، یہ محدثین کی
اصطلاح می ناس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کا راوی ایک ایک ہو، پھر واقعاتی شہادت نے اس
کے مضمون کی تاکیدا کیدا اور تسدید وتصدیق کر دی، لهذا کسی سنی کہلانے والے اور ام المومنین رضی
اللہ عنہا کے باوفا اور باحیا بیٹے کو اس کا انکار زیبا نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث:

(۸) عن عائشة رضى اللّٰه عنها قالت بينا رأس رسول اللهﷺ فی
حجری فی ليلة ضاحية اذقلت يا رسول الله! هل يكون لأحد من الحسنات
عددنجوم السماء ؟ قال : نعم عمر، قلت: فأين حسنا ت أبی بكر؟ قال: انما جميع
حسنات عمر كحسنة واحدة من حسنات أبی بكر۔ (رواه رزين)

"ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس دوران کہ رسول محترم
ﷺ کا سر ناز ایک چاندنی رات میں میری گود میں تھا تو میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ! ﷺ آیا کسی شخص کی حسنات وخیرات آسمان کے تاروں کے برابر ہوں
گی؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں وہ شخص عمر فاروق ہے رضی اللہ عنہ۔ میں نے (حیرت زدہ ہوکر) کہا
ابوبکر صدیق کی نیکیاں کہاں؟ یعنی ان کی نسبت حضرت عمر کی نیکیوں کے ساتھ کیا ہوگی؟ آپ
نے فرمایا:

"عمر کی ساری نیکیاں ابوبکر صدیق کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی مانند ہیں"

فائدہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدِ عالم ﷺ کو تفصیلی طور پر امت کے اعمال معلوم ہیں
تبھی ان میں توازن قائم فرمایا ورنہ لاعلمی کی صورت میں اس طرح کے موازنہ کا کوئی امکان نہیں

تھا- نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آپ کے خداداد علم کی وسعت کا عقیدہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ امت کے اعمال کی تعداد اور ان کے شمار سے باخبر ہیں- خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے متعلق عقیدہ بھی واضح ہو گیا کیونکہ اگر آپ کو اس قدر تفصیلی علم نہ تھا، نہ آسمان کے تاروں کی گنتی معلوم تھی نہ امت کے اعمال کی گنتی اور شمار اور نہ ان کی قدر و قیمت اور ان کا عنداللہ وزن اور ان میں کارفرما روح اخلاص کا علم تھا تو اس طرح کا موازنہ کیونکر فرماتے؟

عظیم ترین فائدہ:

اس سے معلوم ہوا کہ فضیلتِ حقیقی کثرت ثواب کے لحاظ سے ہے نہ کہ نسبی حسبی قرابت سے اور نہ بظاہر حسنات کی کثرت تعداد سے- کیونکہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اور مولائے مرتضیٰ کی زبانی ان دونوں حضرات کی افضیلت علی الترتیب معلوم ہو چکی اور ان حضرات کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب وحسب کے لحاظ سے وہ قربت حاصل نہیں تھی جو مولائے مرتضیٰ، حضرت عقیل اور حضرت عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم کو حاصل تھی تو گویا وہ فضیلتِ جزوی جزوی فضائل میں سے ہے جس طرح حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ابا جان جیسے مولا علی کے ابا نہیں ہیں اور نہ ان کی امی جیسی آپ کی امی ہے اور نہ ان کی نانی جیسی آپ کی نانی ہے اور نہ ان کے نانا جیسے آپ کے نانا ہیں تو وہ اس اعتبار سے مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہو جائیں گے مگر یہ جزوی فضیلت ہے اور فضیلتِ مطلقہ کثرتِ ثواب اور علوِ درجات اور عنداللہ منزلت والی فضیلت ہے اور اس میں ان دونوں شہزادوں کو آپ سے مساوات اور برابری بھی حاصل نہیں چہ جائے کہ فوقیت اور برتری حاصل ہو-

الغرض جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں حضرت صدیق کی صرف ایک نیکی کی مانند ہیں حالانکہ آپ کا ایمان لانا اسلام کے لیے اعزاز اور غلبہ کا موجب اور ایمان اور کفر میں تفرقہ کا موجب ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر بھی ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے داماد بھی

کہ آپ نے ان کو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا سے پیدا ہونے والی اپنی لختِ جگر حضرت ام
م کا رشتہ دیا تھا جو اہلِ تشیع کے ہاں بھی مسلم ہے اور آپ کی خلافت کے دوران قیصر و کسریٰ کا
ا ہوگیا، ہزاروں شہروں میں سلطنتِ اسلامیہ قائم ہوئی ہزاروں مساجد بنیں، لاکھوں لوگ
اسلام میں داخل ہوئے، بالخصوص قبلۂ اول بیت المقدس فتح ہوا اور ان لوگوں نے آپ کو
تے ہی اپنی کتبِ سماویہ کی تصریحات کی رو سے پہچان لیا کہ خداوندی فیصلہ کے مطابق یہ اس
کے فاتح اور حاکم ہیں، لھـذا لڑائی بے سود اور بیکار ہے، قلعہ بند شہر کے دروازے کھول دیے
پ کو اور آپ کے لشکر کو خوش آمدید کہا تو ان علاقوں میں جہاں صلیب کی پوجا ہوتی تھی اور
ں پرستی ہوتی تھی اس شرک کو بھی ملیا میٹ کیا اور ربِ واحد کی توحید و عبادت کی بنیاد رکھی اور
و کسریٰ سے خوف و خطر کی بنیادیں ختم کر کے رکھ دیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمانِ عالی
:

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا

ر، 55:24)

"خلفائے نبی ﷺ کے دورِ خلافت میں ان کا دین مضبوط کر دوں گا، اور ان کے خوف کو
میں بدل دوں گا" (مفہوم)

کی صداقت عملی طور پر واضح فرما دی - لہذا ان علاقوں میں جب تک ایمان و اسلام
ہے گا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی رہے گی سب لوگوں کے مجموعی ثواب کے برابر اکیلے سیدنا
ضی اللہ عنہ کو اس قدر اجر و ثواب ملتا رہے گا اور تراویح کا با جماعت اور مشترکہ طور پر اور بیس
ت کی تعداد میں ادا کرنا جب سے جاری ہے اور جب تک جاری رہے گا حضرت عمر فاروق
اللہ عنہ کو تمام نمازیوں کے برابر اجر و ثواب ملتا رہا ہے اور ملتا رہے گا وغیرہ وغیرہ لیکن اس کے
جود سید عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

''عمر رضی اللہ عنہ کی ساری نیکیاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک نیکی کی مانند ہیں''

تو پھر آپ کی تمام نیکیوں کے اجر و ثواب اور ان کی بدولت حاصل ہونے والے اعلیٰ درجات و مراتب کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور اس کی عطا سے اس کے محبوب محمدِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ ﷺ کو ہے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسے نبی مکرم ﷺ کی شان یہ ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اسی طرح آپ کی شان بھی یہی ہے

بعد از انبیاء بزرگ توئی قصہ مختصر

والحمدللہ علی ذالک

نویں حدیث مبارکہ:

(۹) حدیث بالا کی تائید و تصدیق اور اس میں مذکور سید عالم ﷺ کے فرمان کی روایت و حکایت کو نظر انداز کرنے اور بیٹی کے باپ کی شان میں مبالغہ آرائی پر محمول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود حضرت صدیق کے ایک دن کی نیکی یا ایک رات کی نیکی کے بدلے زندگی بھر کی نیکیاں پیش کر دینے کی حسرت اور تمنا رکھتے تھے، چنانچہ روایت ملاحظہ فرماویں:

عن عمر رضی اللہ عنه قد ذکر عنده أبوبکر رضی اللہ عنه فبکی و قال وددت أن عملی کله مثل عمله یوما واحداً من أیامه ولیلة واحدة من لیالیه

(الحدیث)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ ان کے سامنے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ رو پڑے اور فرمایا:

”میری دلی تمنا ہے کہ میرے تمام تر اعمال خیر ان کے ایام زیست میں سے ایک دن
کے برابر ہو جاتے یا ان کے دور اقدس کی راتوں میں سے ایک رات کے عمل کی مانند ہو جاتے“
پھر اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا،
”ان کی رات جو قابل رشک ہے وہ ہے جس میں وہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ (ہجرت
کے موقعہ پر) غار ثور کی طرف نکلے جب وہاں پہنچ گئے تو حضرت صدیق نے عرض کیا:

واللّٰه لا تدخل حتى أدخل قبلك فان كان فيه شى أصابنى دونك

بخدا! آپ اس میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میں آپ سے پہلے داخل ہوں
اگر کوئی موذی اور مہلک چیز ہو تو اس کا نقصان اور خسارہ اور ایذاء وہلاکت مجھے پہنچے نہ کہ آپ کو“
چنانچہ غار میں داخل ہوئے پس اس کو صاف کیا یعنی روڑے پتھر اور خار وخس وغیرہ دور
کئے اسی دوران غار کی جانب سوراخ اور بلیں دیکھیں تو اپنی چادر کے زائد حصے کو پھاڑا اور ان کو
بند کیا اور دو باقی بچ گئیں، فالقمهما رجليه ثم قال للرسول ﷺ أدخل
ان کیلئے اپنے دونوں پاؤں کو لقمہ بنا دیا اور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ!
ﷺ آپ اندر تشریف لایئے (گویا میں نے موذیوں کی آپ تک رسائی کا سد باب کر دیا ہے
لہذا بے خطر اندر تشریف لایئے)
چنانچہ محبوب خدا عليه التحية والثناء اندر تشریف لائے تو آپ نے ان کے لیے گود
پھیلادی ،

ووضع رأسه فى حجره ونام ولدغ أبوبكر فى رجليه من الحجر ولم
يتحرك مخافة أن ينتبه الرسول ﷺ فسقطت دموعه على وجه رسول الله ﷺ

اور آپ نے اپنا سر ناز صدیق کی گود میں رکھ دیا اور سو گئے، صدیق ڈسے گئے دونوں
پاؤں میں اس بل سے جس کے آگے پاؤں دے رکھے تھے اور (درد کی شدت اور جانکنی کے عالم

میں بھی) بدن پر جنبش نہ آنے دی اس خوف اور اندیشہ سے کہ (آپ ﷺ کی نیند میں خلل پڑے گا) آپ ﷺ بیدار ہو جائیں گے تو آپ کے آنسو بے اختیار بہہ نکلے اور رسول گرامی ﷺ کے چہرۂ اقدس پر گرے، اور آپ جاگ پڑے اور دریافت فرمایا: فقال مالك یا ابا بکر! اے ابو بکر آپ کو کیا ہوا (رو کیوں رہے ہو) عرض کیا: لدغت فداك أبی و أمی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں تو ڈسا گیا ہوں، فتفل رسول اللہ ﷺ فذهب ما یحده ثم انتقض علیه فکان سبب موته رضی اللہ عنه تو محبوب کریم ﷺ نے اس جگہ پر لعاب دہن لگا دیا تو جو درد اور تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ زائل ہو گئی پھر وہی زخم وصال شریف کے وقت پھوٹ پڑا اور آپ کی موت کا سبب بنا اور صدیقیت کے ساتھ ساتھ شہادت کی موت بھی نصیب ہو گئی۔

أما یومه فلما قبض رسول اللہ ﷺ ارتدت العرب و قالوا لا نؤدی الزکوۃ فقال لو منعونی عقالًا لجاهدتهم علیه فقلت یا خلیفة رسول اللہ ﷺ تألف الناس و ارفق بهم فقال أجبارٌ فی الجاهلیة و خوارٌ فی الاسلام انه قد انقطع الوحی و تم الدین أینقص و أنا حی ؟ (رواہ رزین مشکوٰۃ شریف ص۵۵٦)

"اور ان کا دن جو قابل صد رشک ہے وہ دن ہے جس میں رسول گرامی ﷺ کے وصال شریف کے بعد عربوں میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا ہم زکوٰۃ نہیں دیتے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ (جانور بطور زکوٰۃ تو دیں لیکن اس کے باندھنے کا جو رسہ دیا کرتے تھے وہ) رسہ اب نہیں دیں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ تو میں نے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول ﷺ ان سے الفت و شفقت کا مظاہرہ کیجیے! تو آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم دور جاہلیت میں جبار اور بہت بہادر تھے اسلام میں بزدلی اور کمزوری ظاہر کرتے ہو (حالانکہ تمہاری شان اشداء علی الکفار رحماء بینهم ہے یعنی کافروں کے خلاف شدت و سختی کے مالک مانند حدید کے اور آپس میں رحیم و کریم مانند موم کے) تحقیق صورت حال

یہ ہے کہ وصالِ مصطفوی ﷺ کی بعد وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین تام اور کامل ہو چکا (آپ
وصال شریف سے قبل) کیا اب آپ کے وصال شریف کے بعد اس میں کمی اور تخفیف
و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ میں زندہ موجود ہوں (ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا)

الفوائد:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس آرزو اور تمنا سے اور زندگی بھر کے اعمال خیر ایک
ت اور ایک دن کے صدیقی عمل پر قربان کر دینے کے جذبے سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی
یت کے مضمون و مفہوم کی مکمل تائید و تصدیق ہو گئی اور اس رات اور دن کے عمل کی قدر و قیمت
زن و رجحان پر دوپہر کے وقت زمین پر سورج کے عکس و پرتو کی طرح روشنی پڑ رہی ہے۔
نیز ایک نیکی جس کی طرف رسولِ گرامی ﷺ نے اشارہ فرمایا اس کی کسی حد تک
احت و صراحت ہو گئی اور بیک وقت دونوں طرح کی نیکیاں مراد لینے اور واو کو واصلہ بنانے کی
ئے او فاصلہ کے معنیٰ میں ہونے کی حدیث رسول ﷺ سے صراحت ہو گئی۔
اس موقع پر صرف دونوں حضرات میں یہ موازنہ پایا جانا اور کسی ہستی کا تذکرہ نہ ہونا بھی
الترتیب ان حضرات کے باقی تمام امت پر بالعموم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر بالخصوص
ضلیت پر بھی واضح دلالت موجود ہے۔
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی جانثاری اس روایت سے ظاہر ہے کہ بیوی بچوں اور
وں کو کفار و مشرکین کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس کٹھن سفر میں نبی رحمت ﷺ کی رفاقت اختیار کر
ہے ہیں اور اسے کما حقہ نبھا رہے ہیں اور اپنی جان کو بھی ہتھیلی پر رکھ رہے ہیں۔ کیوں کہ یہ
یقت کسی عقل مند شخص سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ کفار و مشرکین سید عالم ﷺ کو اپنے گھر پر نہ پا کر
ضرت ابوبکر کے گھر سے تلاش کریں گے اور گھر والوں پر ظلم و تعدی اور تغلیظ و تشدید کریں
گے اور وہاں نہ پا کر تعاقب کریں گے اور ظلم و ستم کی انتہاء کر دیں گے اور ایسے ہی ہوا بلکہ حضرت

ابوبکر کو نبی مکرم ﷺ کے ادعائے نبوت اور شرک کی مذمت اور توحید کی دعوت کا محرک سمجھیں گے (جیسا کہ بعد میں اس کی تصریح شیعی کتب سے عرض کی جائے گی) اور ان کو زیادہ سخت اور سنگین سزا کا مستحق سمجھیں گے چنانچہ غار تک بھی کافر جا پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ان ہستیوں کا تحفظ فرمایا مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بنا دیا اور کبوتری نے گھونسلا بنا کر انڈے دے دیے اور کفار کو گمان بھی نہ ہونے دیا کہ ایسی صورتحال میں بندے بھی غار کے اندر ہو سکتے ہیں۔

تنبیہ:

جو لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر روئے اور چیخے چلائے تا کہ کافر ان کی آواز سن کر نبی مکرم ﷺ کو پکڑ لیں ان کی اس طرح کی سوچیں قابل افسوس ہیں، کافر تو اس قدر قریب ہونے کے باوجود وہ آواز نہ سن سکے مگر ان لوگوں کو صدیوں بعد اس قدر دور دراز علاقوں میں ابوبکر صدیق کی چیخ و پکار سنائی دے گئی۔ نیز نبی مکرم ﷺ کو بھی یہ آواز سنائی نہ دے سکی ورنہ لا تبك و لا تصح فرماتے، یعنی "نہ رو نہ چیخ نہ چلانہ" کہ لا تحزن فرماتے۔ جب کہ حزن قلبی اضطراب اور پریشانی ہوتی ہے۔ اسی لیے اولیاء کرام کے حق میں فرمایا الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم و لا هم یحزنون نیز حضرت صدیق کے اس غلط ارادہ کے باوجود ان کو یہ بشارت سنانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا: لا تحزن ان اللہ معنا (التوبہ، 9:40) غم زدہ مت ہونا کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

نیز شیعی کتب میں مروی ہے کہ راستہ میں لوگ حضرت ابوبکر صدیق سے جان پہچان رکھنے والے ملتے تھے تو دریافت کرتے تھے کہ

من معك ؟یقول هذا رجل یهدینی السبیل

تمہارے ساتھ جو جوان ہے وہ کون ہے؟ تو آپ کہتے یہ وہ مرد ہے جو مجھے راہ دکھلاتا ہے اور رہبری کرتا ہے۔

وہ سمجھتے تھے کہ زمینی راستہ دکھلانے والا واقف کار شخص ساتھ لیے ہوئے ہیں اور آپ کا
مد ہوتا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی راہ دکھلانے والی ہستی ہمارے ساتھ ہے تا کہ جھوٹ بولنے پر
یقیت میں خلل نہ آجائے اور سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی اس عظیم امانت میں خیانت نہ لازم
ئے، لھذا ذو معنیین لفظ بولا جس کو اصطلاحی طور پر توریہ کہا جاتا ہے اگر نیت میں فتور ہوتا
ں موقع پر آپ کا تعارف کرا کر اور آپ کو پکڑوا کر اور کفار سے بھی اور ابو جہل سے بھی انعام
م وصول کر لیتے یا جب سراقہ ابن مالک تعاقب کرتے ہوئے قریب پہنچ گیا تھا تو اس کی امداد
نت کر دیتے، نعوذ باللہ

اللہ تعالیٰ ایمان لیتا ہے تو عقلیں بھی ماؤف فرما دیتا ہے اور انسانوں کو حیـــوان لا
ں بنا دیتا ہے۔

غار میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت انتہائی امتیازی اور انفرادی حیثیت کی
اور بے مثال خدمت فالتو کپڑے پھاڑ کر سوراخوں اور بلوں کو بند کرنا اور دو بچ جانے والے
ں کا منہ اپنے قدموں سے بند کرنا بھی عظیم فدا کاری ہے پھر سانپ کی موجودگی کا احساس
نے پر آپ کو جگایا نہیں اور باہر نکلنے کا مشورہ نہیں دیا بلکہ آپ کی نیند پر اپنی جانِ عزیز کو اپنی
ف سے قربان کر دیا، امامِ اہلِ سنت نے مولائے مرتضیٰ کی قربانی اور حضرت صدیق کی قربانی
وازنہ کرتے ہوئے بہت پیارا انداز و اسلوب اختیار فرمایا ہے:

مولیٰ علی نے واری تیری نیند پر نماز اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں ان پہ دے چکے اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

اور برحق فیصلہ فرمایا کہ مولا علی کی قربانی بھی عظیم ہے کہ نماز عصر جیسی تاکیدی نماز نبی
رم ﷺ کی نیند پر قربان کر دی مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سب فرائض سے جو اہم

اور مقدم فریضہ ہے یعنی جان کی حفاظت (اسی لیے جہاں جان کو خطرہ ہو نماز ادا کرنا درست نہیں ہوتا) اس کو نبی مکرم ﷺ کی نیند اور آرام پر قربان کر دیا لہذا ان کی قربانی بے نظیر و بے مثال ہے۔

سوال:

کسی کی بھی کوئی قربانی نہیں ہے کیونکہ دعا کر کے سورج الٹا پھروا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضا نماز کو ادا کروا دیا اور لعاب دہن لگا کر صدیق کی جاتی جان واپس کر دی گئی؟

جواب:

امام اہل سنت نے اس کا جواب بہت پیارے انداز میں دیا کہ رسالت مآب ﷺ نے حضرت صدیق کو جان لوٹا دی مگر انہوں نے یہ قربانی اس علم و اعتقاد پر نہیں دی تھی کہ آپ میری جاتی جان واپس کر دیں گے اور مولائے مرتضی کی نماز لوٹا دی گئی لیکن انہوں نے یہ قربانی اس نیت اور ارادے پر نہیں دی تھی کہ میری نماز ادا کروا دی جائے گی اور وہ اپنی طرف سے جان قربان کر چکے تھے اور یہ نماز اور اہم ترین نماز قربان کر چکے تھے۔

اہم نکتہ:

جو لوگ نماز میں نبی مکرم ﷺ کی طرف توجہ کو توحید کے منافی سمجھتے ہیں اور اسے شرک قرار دیتے ہیں ان کو ان دونوں عظیم ہستیوں کے اس عمل میں غور فکر کرنا چاہیے اور نبی مکرم ﷺ کے ردِ عمل پر بھی کہ ان کو زجر و توبیخ نہیں فرمائی بلکہ ان کی بہت عزت افزائی فرمائی ہے۔ تو کیا تینوں مقدس ہستیاں توحید کے اسرار و رموز سے لاعلم اور بے خبر تھیں؟ اور تینوں مشرک ہو[illegible] العیاذ باللہ۔

مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کا آپ کے بستر پر سونا اور پہرہ دینے والے کفار کو غلط [illegible] میں ڈالنا بھی اہم کارنامہ ہے لیکن اگر کافروں نے سونے کی حالت میں حملہ کرنا ہوتا تو سا[illegible]

رات انتظار میں کیوں گزارتے؟ نیز مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے گھر اور قبیلہ میں ہیں تو آپ کے لیے اتنے خطرات نہیں ہیں جتنے کہ سفر ہجرت کے طویل ترین ہونے اور دقت طلب سفر میں خطرات تھے اور حضرت صدیق نے اس میں یہ عظیم ترین قربانی دی۔

نیز معلوم ہوا کہ صرف زور بازو اور شمشیر زنی ہی کمال نہیں ہے بلکہ حکمت اور تدبیر اور عاقبت اندیشی میں بھی بہت کمال ہے۔ جس طرح حضرت صدیق نے آنحضرت ﷺ کا دفاع اس طرح کیا کہ یہ ہمیں راہ دکھانے والے جوان ہیں ورنہ آپ کے لیے خطرات پیدا ہو جاتے۔

حضرت صدیق کی شان شجاعت اس رفاقت سے بھی ظاہر ہے اور جھوٹے نبیوں اور مرتدوں کے خلاف جہاد میں بھی اور زکوٰۃ میں صرف جانور کا رسہ دینے سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کا اعلان اور دین اسلام کو اپنی اصلی اور کامل و اکمل حالت پر بحال کرنا اور آنے والے خلفاء کے لیے داخلی طور پر استحکام پیدا کر کے عظیم فتوحات کی راہ ہموار کرنا بھی عظیم ترین کارنامہ ہے۔ جبکہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دورانیہ میں بھی مجبوراً ان کے ہی سنن و طرائق اور اعمال و کردار اور سیرت و اخلاق پر عمل کرتے تھے اور آپ کو خطرہ تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو ذرا بھی اس راہ سے انحراف کا حکم دوں تو میرا سارا لشکر مجھ سے منحرف ہو جائے گا اور میں اکیلا رہ جاؤں گا (جیسے کہ تحفہ حسینیہ میں بندہ نے مفصل طور پر اس کو بیان کر دیا ہے)

اور مزید برآں یہ کہ ان خلفاء کو بھی اور ان کے متبعین کو مرتد بھی سمجھتے تھے لیکن رعیت کو خوش رکھنے اور اپنے ساتھ ہم نوا اور معاون و مددگار بنانے کے لیے خلفاء ثلاثہ بالخصوص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت و مطابقت کا تاثر دیتے رہے اور حرب و قتال میں ان کے سپاہی بن کر کبھی ان کے وزیر و مشیر اور نائب و خلیفہ بن کر ان کا ساتھ دیتے رہے اور نمازوں میں ان کی اقتدا کرتے رہے تو اگر وہ مرتد ہو چکے تھے العیاذ باللہ اور

صراط مستقیم کو چھوڑ چکے تھے تو ان کی مطابقت و موافقت اور متابعت و مطابعت آپ کی شان (اسد اللٰھی کے قطعاً موافق نہیں تھی بلکہ اپنے آپ کو بھی اس گمراہی میں مبتلا کرنے کی موجب تھی لہٰذا ہمارا عقیدہ ان سب کی شان کے لائق ہے کہ حق علی کے ساتھ ہے اور علی ان کے ساتھ، لہٰذا حق بھی ان کے ساتھ اور قرآن علی مرتضی کے ساتھ اور علی مرتضی ان کے ساتھ، لہٰذا قرآن بھی ان کے ساتھ۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ ارتداد کے خلاف جہاد کرنے والے عظیم المرتبت صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور اللہ تعالےٰ نے ارتداد کا خیال رکھنے والوں کو پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا:

یاأیھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتی الله بقوم یحبھم و یحبونه اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم ذالك فضل الله یوتیه من یشاء والله واسع علیم (سورہ مائدہ، 5:54)

"اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص بھی دین اسلام سے مرتد ہوا تو ضرور بالضرور ایسے لوگوں کے خلاف اللہ تعالےٰ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان کو محبوب رکھتا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے، مومنین کے حق میں سراپا تواضع اور نرم و گداز ہوں گے جبکہ کفار پر غالب و قاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور کسی ملامت اور طنز و تشنیع کرنے والے سے خوفزدہ نہیں ہوں گے وہ عظیم فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شی کو محیط ہے ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے ہر شے کا بذات خود علم رکھنے والا ہے"

لامحالہ جھوٹے نبیوں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے خلاف، آباؤ اجداد کے شرک والے دین کی طرف لوٹنے والوں کے خلاف اور زکوۃ کی معمولی مقدار بھی ادا کرنے سے انکار کرنے والوں کے خلاف حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امارت و خلافت میں آپ

حکم کے مطابق عظیم ترین جہاد کیا گیا - لھــــذا یہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں
اس کے محبِ صادق بھی، اور دیگر مذکورہ بالا صفاتِ کاملہ کے مالک بھی - تو جو ان کا امام و حاکم
مقتداء و پیشوا ہے اور اس معاملہ میں انتہائی ثابت قدم اور عالی ہمت اور بلند حوصلہ جس نے
رینِ زکوٰۃ کے خلاف فی الحال نرمی برتنے اور بیک وقت اتنے کثیر اور متعدد محاذ نہ کھولنے کا جو
رات مشورہ دے رہے تھے ان کو بھی ڈانٹ پلا دی اور عزم صمیم اور جذبۂ مستقیم کا مظاہرہ فرمایا
جیتے جی دینِ متین میں ذرا بھر بھی نقص اور نقض برداشت نہ کرنے کا اعلان عظیم اور اس راہ میں
جان تک کو قربان کر دینے کا جذبۂ صادقہ ظاہر فرمایا اور بالآخر اسلام کو دوبارہ اصلی حالت پر
ل کر دکھلایا اور ختمِ نبوت کے حصین قلعہ میں دراڑیں ڈالنے والوں کا صفایا کر کے دینِ متین کی
ۃ ثانیہ کے موجب بنے اور لومۃ لائم کو خاطر میں نہ لائے تو وہ یقیناً ان سب حضرات کے
صفاتِ کمال میں سرخیل اور امام ہیں اور اعلیٰ مرتبہ و مقام پر فائز ہیں، لھذا ہمارا عقیدہ افضل
شر بعد الانبیاء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث سے بڑی صراحت و
احت کیساتھ ثابت ہو گیا، والحمدللہ

یہ حقیقت محتاج وضاحت نہیں ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں سے مہاجرین کو
سرے حضرات پر فوقیت و فضیلت حاصل ہے اور مہاجرین میں سے سابقین کو رضی اللّٰہ
ھم - اور رسول معظم ﷺ کے اول المهاجرین اسبق السابقین ہونے میں کسی کو کلام نہیں
سکتا تو پھر امت میں سے بالعموم اور صحابۂ کرام میں سے بالخصوص اور مہاجرین میں سے اخص
وص حضرت صدیق کے اول المهاجرین اور اسبق السابقین مہاجر ہونے میں کس کو شک و
ہو سکتا ہے اور صرف ہجرت میں ہی معیت و رفاقت نہیں بلکہ غار میں تین دن حضرت صدیق
کے بیٹے اور غلام خدمت کرتے رہے - اور غارِ ثور سے مدینۂ منورہ تک پندرہ دن حضرت صدیق
کبر رضی اللہ عنہ خدمت کرتے رہے اور راہ پر بسنے والے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی وجہ

سے خورد ونوش کا انتظام واہتمام کرتے رہے اور خطرات سے تحفظ کی سعی بلیغ فرماتے رہے تو ان کی افضلیت میں کسی منصف اور بیدار مغز مسلمان کو شک وشبہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

جیسا کہ ارشاد خداوند تعالی ہے:

والسابقون السابقون اولئك المقربون فی جنات النعیم

(الواقعه، 10,11,12:56)

یعنی جو اس جہان میں سبقت لے جانے والے ہیں وہ اگلے جہان میں بھی سبقت لے جانے والے ہیں اور وہی لوگ جناتِ نعیم میں قرب خداوندی کے مرتبہ اور درجۂ رفیعہ پر فائز ہونے والے ہیں—والحمدللہ علی ذالك۔

حضرت صدیق اکبر کا رفاقت ہجرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ان کا عہد وفا، اس کا کما حقہ ایفاء اور اس کی عظیم جزاء:

حضرت سیدنا امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی تفسیر مطبوعہ ایران (ص: ۱۶۴،۱۶۵) پر یہ روایت منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور عرض کیا:

ان العلی الأعلی یقرئك السلام و یأمرك أن تستصحب أبابكر فانه ان آنسك و أسعدك ووازرك وثبت علی ما یعهدك ویعاقدك كان فی الجنة من رفقاءك و فی غرفاتها من جلسائك۔

"بلند بالا ترین مرتبے والا اللہ تمہیں سلام فرماتا ہے (تا) اور آپ کو اس نے حکم دیا ہے کہ (اس سفر ہجرت میں) ابوبکر کو اپنا مصاحب اور رفیق بنانا پس تحقیق وہ آپ کو انس مہیا کریں اور امداد واعانت کریں اور تائید وتقویت بہم پہنچائیں اور جو آپ سے عہد اور عقد وپیمان کریں اس پر ثابت قدم رہیں تو جنت میں بھی آپ کے رفقاء میں سے ہوں گے اور جنت کے بالا خانوں

ں آپ کے ہم نشینوں میں سے ہوں گے"

(الیٰ)ثم قال رسول اللہ ﷺ لأبی بکر أرضیت أن تکون معی یا أبا بکر
طلب کما أطلب و تعرف بأنك انت الذی تحملنی علی ما ادعیه فتحمل عنی
واع العذاب قال أبوبکر یا رسول اللہ أما أنا لو عشت عمر الدنیا أعذب فی جمیعها
سد عذاب لا ینزل علی موت مریح و لا فرح منیح و کان ذالك فی محبتك لکان
لك أحب الیّ من أن أتنعم فیها و أنا مالك لجمیع مما لیك ملو کها فی مخالفتك
ھل أنا و مالی وو لدی الا فداء ك ـ

"پھر رسول معظم ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کیا تم اس بات پر راضی ہو اور اس امر کو پسند کرتے ہو کہ اس سفر میں میرے ساتھی بنو
ے ابوبکر تیرا اسی طرح تعاقب اور جستجو کی جائے جیسے کہ میرا تعاقب اور جستجو کی جائے بلکہ تیرے
علق یہ نظریہ اپنایا جائے اور اس امر کا عرفان و اذعان رکھا جائے کہ تو ہی مجھے اس امر پر
ارتا اور برانگیختہ کرتا رہا ہے جس کا میں دعویٰ کرتا ہوں یعنی توحید خداوند تعالیٰ اور اپنی رسالت
ں تجھے میری وجہ سے اور میری اس رفاقت کے سبب طرح طرح کے عذاب اور تکالیف وشدائد
داشت کرنے پڑیں؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! توجہ فرمائیں اور غور سے سنیں کہ اگر میں دنیا کی عمر کے برابر یعنی
امت تک زندہ رہوں اور اس قدر طویل عمر اور نہ ختم ہونے والی اس پوری زندگانی میں مجھے سخت
ین عذاب کا نشانہ بنایا جائے نہ موت آئے جو راحت رساں ثابت ہو اور نہ کوئی خوشی اور مسرت
کا لمحہ نصیب ہو لیکن اس دوران آپ کی محبت کا دامن میرے ہاتھ میں ہو اور اس محبت کی وجہ سے
جھے اس عذابِ الیم سے دوچار ہونا پڑے تو یہ قیامت تک کی دراز مصائب وتکالیف سے بھر پور

زندگانی مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ میں اس طویل ترین زندگانی میں ہر طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں جبکہ میں ساری دنیا کے ملوک وسلاطین کی مملکتوں کا مالک ہوں آپ کی مخالفت کرتے ہوئے۔ اور نہیں ہوں میں اور میرا مال اور میری اولاد مگر آپ کے فدائی اور آپ پر قربان ہونے والے"

فقال رسول اللّٰه ﷺ لا جرم ان اطلع اللّٰه علی قلبك ووجده موافقًالما جری علی لسانك جعلك منی بمنزلة السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلة الروح من البدن كعلی الذی هو منی كذالك۔

تو رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل پر مطلع ہوا اور اس عقیدت ومحبت اور عہد و پیمان کو تمہاری زبان پر جاری ہونے والے الفاظ کے مطابق پایا تو تجھے میرے ساتھ وہ قربت عطا کرے گا جو کانوں اور آنکھوں کو سر سے حاصل ہوتی ہے اور سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے جیسے کہ علی مرتضی میرے ساتھ یہی نسبت رکھتے ہیں۔ رضی اللّٰه تعالی عنه

فائدہ:

شیعہ حضرات جو صحابہ کرام کے سراسر مخالف بلکہ دشمن ہیں اور وہ گیارھویں امام حضرت حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت صدیق کے متعلق اتنا کچھ لکھ دیں تو کہنا پڑتا ہے

عمرت دراز باد كه ایں هم غنیمت است

اگر اللہ تعالیٰ کو حضرت صدیق کے متعلق وفائے عہد اور ہر ضروری خدمت اور ہر ضروری حاجت کے پورا کرنے کا قطعی علم نہ ہوتا تو وہ اس کٹھن اور مشکلات سے بھر پور طویل ترین سفر میں ان کو مصاحب اور رفیق بنانے کا حکم کیوں دیتا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ کا محب اکبر ہونے کے باوجود کفار ومشرکین کی ایذا رسانی اور تغلیظ وتشدید سے بچانے کے لیے

جرت کر جانے کا حکم دے لیکن رفیق سفر اور مصاحب ایسا مقرر کر دے جس سے ہر لحہ اور ہر آن
طرۂ جان ہو اور عہد شکنی اور بے وفائی کا غالب گمان ہو تو کیا یہ محبت کا اظہار ہوگا؟ جبکہ اس محبت کا
تقاضا صرف اور صرف ایسا رفیق سفر مہیا کرنا تھا جو سراسر طمانیت قلب اور تسکین روح کا باعث اور
سبب کامل ہو۔ کیا آپ کے لیے وطن عزیز اور وہ بھی مکہ مکرمہ جیسا اور بیت اللہ شریف کے پڑوس
سے، صدیوں پرانے آبائی مسکن اور خویش و اقرباء اور اہل خانہ سے الگ ہونا سینکڑوں میل دور
جا کر نئے قبائل کا مہمان بننا یہ تھوڑے تکلیف دہ امور تھے کہ ادھر ہمراہی اور ساتھی بھی ایسا دے
دیا جائے جو اس رنج والم میں بہت ہی اضافہ کا موجب ہو؟ کوئی عقلمند انسان یہ سوچ سکتا ہے؟

پھر پہلی شرائط میں گویا اللہ تعالیٰ نے حتمی علم سے خود اپنے آپ کو عاری سمجھا اور شک
وشبہ میں مبتلا ہونے کا عندیہ دیا اس لیے اس انس و اخلاص اور اعانت و امداد کو مشکوک انداز میں
ذکر کیا اور جنت کی رفاقت اور بالا خانہائے جنت میں ہم نشینی کو ان مشکوک شرائط کے ساتھ مشروط
مانا۔ کیا کوئی مسلمان کسی کے انجام اور عاقبت کے متعلق اللہ تعالیٰ کو شک وشبہ میں مبتلا سمجھ سکتا ہے؟

نیز نبی مکرم ﷺ کا اللہ تعالےٰ کے حق میں صدیق کے دل اور زبان میں توافق پر مطلع
ہونے میں شک وشبہ کا اظہار کرنا کیا آپ کی شان کے لائق ہے؟ اور آپ کا نبی مکرم ﷺ کے جسم
اقدس اور بدن اطہر کے لیے کان آنکھ اور سر اقدس اور روح انور کی مانند ہونا اس مشکوک امر کے
ساتھ معلق کر دینا کیا آپ کے خداداد وسیع علم اور اللہ تعالےٰ کے علیم بکل شئی ہونے کے
لائق ہو سکتا ہے؟ گویا ان راویوں نے حضرت صدیق کی شان بالا و برتر میں نقص اور کمزوری
ثابت کرنے کی سعی نامسعود میں خود اللہ تعالےٰ کی توہین کر دی اور نبی مکرم ﷺ کا بھی علم باری
کے متعلق ریب وتردد میں مبتلا ہونا ثابت کر دیا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اور کیوں نہ اس طرح
ہوتا کیونکہ صدیق اکبر اللہ تعالےٰ کے محبوب بھی ہیں جیسے کے محب اکبر ہیں اور محبوب کی عداوت
محب کے لیے نا قابل برداشت ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب جو شخص میرے کسی دوست سے بھی عداوت رکھے تو میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔لہذا اللہ تعالےٰ نے واضح فرمادیا کہ میرے اس محبوب کی تنقیص خود میری اور میرے رسول ﷺ کی تنقیص شان ہے۔

الحاصل شرطیہ جملہ میں بھی شرط اور مقدم کا تحقق جب ثابت ہو جائے تو پھر جزا اور تالی میں ریب وتردد ختم ہو جاتا ہے اور جزا کے متعلق حتمی وقطعی علم محقق ہو جاتا ہے جب کوئی کہے ،ان طلعت الشمس فالنهار موجود یعنی اگر سورج طلوع ہوگا تو دن موجود ہوگا تو کیا کوئی ایسا عقل مند بھی ہو سکتا ہے جو"ان" شرطیہ کو دیکھتا رہے اور کہے دن کا موجود ہونا مشکوک ہے کیونکہ یہ"ان" شرطیہ کے ساتھ مشروط ہے اور آنکھیں کھول کر نہیں دیکھے گا کہ شمس عین نصف النہار پر ہے اور پوری دنیا روشن ہے۔ یہاں بھی ہمارے بیان کردہ حقائق کو ملاحظہ کرنے والا قطعا اس امر میں ریب وتردد اور شک وشبہ کا شکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت صدیق نے مال واولاد اور بیوی بچوں کی عزت کو نبی مکرم علیہ السلام پر قربان کیا اپنی جان کو خطرے میں ڈالا نہ صرف کفار ومشرکین کے حملہ آور ہونے کے خوف کی وجہ سے بلکہ اپنی جان کو نبی مکرم ﷺ کی جان کے لیے ڈھال بنا کر اور آپ کی نیند اور آرام وسکون پر قربان کر کے اور تین دن رات غار میں آنحضرت ﷺ کی موجودگی کے وقت سارا گھرانہ مصروف خدمت رہا اور غار سے مدینہ منورہ تک تقریبا دو ہفتے کے سفر میں حضرت صدیق نے ہر طرح کی خدمات انجام دیں امداد واعانت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور خورد ونوش وغیرہ ضروریات کی فراہمی میں مقدور بھر سعی کی، لہذا یقیناً مشروط امور یعنی جنت میں رفاقت اور اس کے بالا خانوں میں مجلس اقدس کی حضوری آپ کو حاصل ہے اور نبی الانبیاء ﷺ کے ساتھ اس نسبت وقربت پر فائز ہونا جو کانوں اور آنکھوں کو بدن کے ساتھ سر کو جسم اور روح کو بدن کے ساتھ ہوتی ہے وہ نسبت بھی آپ کو حاصل ہے اور گویا حضرت صدیق نبی مکرم کے کان اور آنکھیں ہیں اور سر اقدس اور روح ہیں یہ شرف وفضل بھی آپ کو یقیناً حاصل ہے اور

شدائد اور مشکلات ونوائب کے برداشت کرنے کے بعد اس بلند وبالا مقام پر فائز ہونا
رت صدیق کی انتہائی خوش بختی ہے اور اعلیٰ درجہ اور بلندترین مرتبہ پر فائز ہونے کی دلیل
ـ
ث:
اس روایت پر مفصل بحث میری کتاب تحفۂ حُسینیہ (جلد دوم) میں ملاحظہ فرماویں
یہ:
اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی میرے ساتھ اس طرح کی
ت رکھتے ہیں:
چشم ماروشن دل ماشاد
حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے متعلق سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے:
هذان السمع والبصر
"یہ دونوں میرے کان اور میری آنکھیں ہیں"
لیکن مہر نیم روز کی طرح روشن دلائل سے واضح ہو چکا کہ صدیق اکبر کی ایک نیکی کے
اتھ حضرت عمر کی ساری نیکیاں مماثل ہیں اور اس کی مانند ہیں۔ رسول محتشم ﷺ نے بھی فرمایا
ر مولائے مرتضیٰ نے بھی کہ ساری امت سے افضل وبرتر ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق
ضی اللہ عنہما لهذا تشبیہ سے مساواۃ سمجھ لینا بھی ٹھیک نہیں ہوتا چہ جائے کہ فضیلت اور
رتری سمجھ لی جائے۔
مولائے مرتضیٰ شیر خدا ہیں لیکن آپ کی جرات وشجاعت کے ساتھ ان جنگلی شیروں کو
ابری حاصل ہو سکتی ہے؟ لا واللہ، هذا والحمدلله تعالى۔
نیز خود نبی مکرم ﷺ نے اعتراف فرمایا کہ اے ابوبکر! تو صرف میری طرح کفار کو

مطلوب نہیں ہوگا بلکہ تیرے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہوگا کہ محمد بن عبداللہ کو ابوبکر نے ہی ان دعووں پر آمادہ کیا ہے اور اعلان توحید اور ادعائے رسالت پر برانگیختہ کیا ہے اور ہمارے خداؤں کی توہین وتحقیر پر ابھارا ہے اور ہمارے عقائد ونظریات پر ضرب کاری لگانے کا حوصلہ دیا ہے تو اس قسم کے ظنون اور گمانوں کے تحت میری نسبت تیرے زیادہ دشمن بن جائیں گے اور تمہیں زیادہ سے زیادہ آزار اور تکالیف پہنچائیں گے تو تم اس سنگین صورت حال اور درپیش شدائد و تکالیف کو میری خاطر برداشت کرلو گے؟ اور ظاہر ہے کہ جب ان کا نظریہ آپ کے متعلق یہ ہوگا تو ہر طرح کی شدت وسختی کو روا رکھیں گے کسی قسم کے عذاب میں کوتاہی نہ کریں گے، تو جو ہستی اس طرح کے خطرناک حالات میں رفاقتِ نبویہ اور مصاحبتِ مصطفویہ اختیار کرے اس کے فضل وشرف اور افضلیت میں کسی کو شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ اس لیے نبی مکرم ﷺ نے کفار کے غارِ ثور کے سر پر پہنچ جانے کے بعد حضرت صدیق کو غمزدہ اور حزن وملال میں مبتلا دیکھا تو فرمایا:

لاتحزن ان اللہ معنا غمگین نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے

یہ تو قرآن مجید کی شہادت ہے اور حدیث شریف میں ہے:

ماظنک باثنین اللہ ثالثھما "تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا خود اللہ تعالےٰ ہو"

تو کیا شبہات اور ریب وتردد کے شکار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوسکتی ہے؟ اور وہ بھی ایسی معیت جیسی نبی مکرم ﷺ کو حاصل ہے۔ بنی اسرائیل کو فرعون کے لشکر لے کر پیچھے آ پہنچنے پر ہلاکت کا اندیشہ لاحق ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتے کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے، کلا ان معی ربی چھ لاکھ بنی اسرائیل میں سے کسی کو اپنے ساتھ شامل نہیں فرمایا، یہاں محبوب کریم ﷺ کے ساتھ صرف صدیق کی ذات ہے مگر آپ نے ان کو بھی جدا نہیں کیا اور عظیم ترین اور انفرادی اعزاز کے ساتھ مشرف فرمایا والحمدللہ علی

ذالك

سوال یہ ہے کہ اگر آپ سابق الاسلام نہیں تھے، تبلیغ شریعت میں ثانی اثنین نہیں تھے اور رسول گرامی پر اپنے مال و دولت کو نثار کرنے والے نہیں تھے وغیرہ وغیرہ تو کفار و مشرکین کے لیے آپ کے متعلق اس طرح کے جزم واذعان اور ادراک وعرفان کی کیا گنجائش تھی؟

لہذا جن کے متعلق بدترین دشمنان خدا اور اعدائے رسول ﷺ بھی سمجھیں کہ ابوبکر ان کا ساتھ نہ دیتے تو محمد بن عبداللہ نئے دین کے مدعی نہ بنتے، ان کے اخلاص، وفا، جانثاری اور فداکاری میں دوسرے کسی عام مسلمان کو بھی ریب وتردد نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول کو شک وشبہ ہو العیاذ باللہ۔

علاوہ ازیں حضرت صدیق نے عرض کیا کہ قیامت تک عمر لمبی ہو اور شدید ترین عذابوں کا نشانہ بنا رہوں بغیر اس کے کہ موت خلاصی کا موجب بنے یا کوئی سکھ اور سکون کا لمحہ میسر آئے مگر تمہاری محبت کا دامن ہاتھ میں ہو، تو یہ سنگین صورت حال میرے لیے صرف قابل برداشت ہی نہیں بلکہ محبوب تر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں ممالک دنیا کا مالک بنوں شاہان دنیا میرے غلام ہوں اور ہر نعمت وراحت اور ہر طرح کا سکھ وچین میسر ہو مگر تمہارا دامن محبت میرے ہاتھ میں نہ ہو۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف چوری کھانے والے مجنوں نہیں تھے بلکہ دل وجان سے فدائی رسول تھے اور انہیں کونین میں سے صرف اور صرف رسول گرامی کی ذات ہی مطلوب ومقصود تھی اور اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کی محبت جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی بندۂ مومن اعلیٰ درجات اور بلند تر مراتب پر فائز ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کی برابری نہیں ہوسکتی۔

محبوب کریم علیہ السلام غزوۂ تبوک پر چندہ اور مالی تعاون کا حکم دیتے ہیں حضرت صدیق نے دنیوی ساز وسامان میں سے کوئی چیز گھر رکھنا گوارہ نہ کیا اور کہا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ

اوراس کارسول ہی کافی ہیں أبقیت لھم اللہ ورسولہ

بلکہ اس اکمل ترین محبّ کا فیضان یہ ہے کہ سارے گھر والے بیوی بچے اور بچیاں بھی محبت دنیا سے منزہ ومبرا ہو چکے ہیں اور کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ کچھ تو ہمارے لیے چھوڑو ہم نے ہوا کھا کے جینا ہے یا مٹی چاٹ کر جینا ہے۔کوئی ہے نظر انصاف اور چشمِ بصیرت والا جو اس طرح کے واقعاتِ حقہ سے حضرت صدیق کے محبتِ رسول میں اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے اور فنا فی الرسول ﷺ بقابالرسول ﷺ کے مقام بالا پر فائز ہونے کا مشاہدہ کر سکے اور اس اعتراف واقرار میں بھی بخل طبعی اور سینہ کے کینہ کو قطعاً نہ داخل ہونے دے واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم ۔

دسویں حدیث:

(۱۰) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ذات السلاسل والے غزوہ میں امیر عسکر بنایا، فرماتے ہیں اس سے فتح یاب ہو کر جب میں واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا:

فسألت أی الناس أحب الیك قال: عائشة قلت :من الرجال؟ قال أبوھا قلت :ثم من؟ قال :عمر فعد رجالاً فسکت مخافة أن یجعلنی فی آخرھم

(متفق علیه ومشکوۃ شریف ص ٥٥٥)

میں نے عرض کیا کون سا انسان آپ کے نزدیک محبوب ترین ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

میرے نزدیک محبوب ترین انسان عائشہ ہے رضی اللہ عنہا، میں نے عرض کیا مردوں میں سے محبوب ترین کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ان کے باپ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) میں نے عرض کیا: ان کے بعد محبوب ترین کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا عمر فاروق

پس میں اسی طرح سوال کرتا رہا تو آپ نے چند دوسرے اشخاص کا ذکر فرمایا (لیکن
ذکر نہ فرمایا) تو میں نے اس اندیشہ کے تحت خاموشی اختیار کر لی کہ کہیں مجھے ان سب سے
ت میں) موخر ہی نہ ٹھہرا دیں۔

رہ:

أحب اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے اور وہ اضافت کی صورت میں تفضیلِ کل کا فائدہ
ہے، تو گویا سوال ہی یہ ٹھہرا کہ سب اہل اسلام اور ساری امتِ اجابت میں سے آپ کے
حبوب ترین کون ہے؟ تو آپ نے علی الترتیب حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو بکر اور حضرت
ضی اللہ عنہم اور چند دیگر حضرات کا ذکر فرمایا۔

فوائد:

اس روایت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا محبت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونا
ت ہے اسی لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہِ نبویہ میں تحائف و ہدایا پیش کرنے کے لیے
رت عائشہ صدیقہ کی باری کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ تاکہ ان کی باری ہو اور سیدِ عالم ﷺ ان
ہاں قیام پذیر ہوں تو اس وقت یہ نذرانے اور تحفے پیش کریں تاکہ حضرت صدیقہ خوش
جائیں اور ان کی رضا و خوشنودی کے ذریعے رسول گرامی ﷺ کی رضا اور خوشنودی اعلیٰ طریق
اصل ہو جائے گی۔ آپ کے گروپ کے مقابل گروپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا
ں نے حضرت زہرا پاک رضی اللہ عنہا کو سفارش کے لیے بھیجا کہ ابا حضور سے عرض کریں کہ
بہ کرام علیہم الرضوان کو حکم دیں کہ تم نے دراصل یہ تحائف مجھے پیش کرنے ہوتے ہیں لہذا
جس بیوی کے ہاں قیام پذیر ہوں وہیں بھیج دیا کرو اور عائشہ صدیقہ کی باری کا انتظار نہ کیا کرو
نچہ انہوں نے (حضرت فاطمہ زہراء نے) حاضر خدمت ہو کر اپنی ان ماؤں کی سفارش

وشفاعت کرتے ہوئے ان کا مطالبہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

یابنیة أولا تحبین ما أحب قالت :بلی! قال فأحبی هذه (متفق علیه)

اے میری بیٹی! کیا تمہیں اس سے محبت نہیں جس کو میں محبوب رکھتا ہوں؟ عرض کیا ہاں! کیوں نہیں، تو فرمایا اپنی اس امی سے محبت کیا کرو اور اس کی مخالفت مت کیا کرو اور نہ ہی مخالفت میں سفارشی بنا کرو۔

الغرض حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بخاری ومسلم کی اس متفق علیہ روایت سے عندالرسول علیہ السلام أحب الناس ہونا ثابت ہوگیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ محبوب ترین ہونا افضل ترین ہونے کو مستلزم نہیں ہے ورنہ حضرت عائشہ کا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہونا لازم آجائے گا۔ حالانکہ یہ نہ شیعہ کا مذہب ہوسکتا ہے اور نہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ نیز حضرت عائشہ کے علاوہ سب لوگوں سے حضرت صدیق اور حضرت عمر کا محبوب ترین شخصیات ہونا ثابت ہوگیا۔ اگر محبوب ترین شخص ہونا مولائے مرتضیٰ کے حق میں کما فی حدیث الطیر بزعمِ شیعہ افضل ترین ہونے کی دلیل ہے تو پھر اسی طرزِ استدلال اور اندازِ احتجاج کو یہاں بھی بروئے کار لاتے ہوئے حضرت صدیقہ کو افضل علی الاطلاق اور حضرات شیخین کو ان کے بعد افضل الخلائق تسلیم کریں۔

گیارھویں اور بارھویں حدیث:

(۱۱) عن سلیمان بن یسار قال قال رسول اللہ ﷺ:

خصال الخیر ثلاث مائة وستون خصلة اذا أراداللہ بعبد خیراً جعل فیه خصلةً منها یدخل بها الجنة ۔قال أبوبکر یا رسول اللہ أفیّ شئی منها؟

قال: نعم جمعًا من کل۔

(أخرجه ابن ابی الدنیا فی مکارم الاخلاق وابن عساکر من طریق صدقة بن میمون

رشی تاریخ الخلفاء ص٤٩)

(١٢) اخرج ابن عساكرمن طريق أخرى عن صدقة القرشی عن رجل

ل قال رسول الله ﷺ:

خصال الخير ثلاث مائة وستون فقال أبوبكر يا رسول الله ﷺ الی منها

ی ؟قال كلهافيك فهنيئًالك ياأبابكر۔(تاریخ ص٤٩)

دونوں روایات کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا کہ خصال خیر تین سو

اٹھ ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں سے کوئی

صلت اس میں پیدا فرما دیتا ہے جس کی بدولت وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے تو سیدنا صدیق

بر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے اندر ان میں سے کوئی خصلت خیر ہے؟

آپ نے فرمایا: ''تمام خصالِ خیر مجتمع طور پر تجھ میں موجود ہیں'' اور دوسری روایت کے مطابق

رمایا: ''وہ ساری کی ساری خصال خیر تمہارے اندر موجود ہیں پس خوشگواری اور مبارکبادی ہے

یرے لیے اے ابوبکر'' (رضی اللہ عنہ)۔

ائدہ:

جب ان خصال خیر میں سے صرف ایک نیکی دخول جنت کے لیے کافی ہے تو پھر سب کا

جتماعی طور پر جس میں تحقق ہوگا تو وہ لامحالہ اہل جنت کے سرداروں میں سے ہوگا بلکہ تمام امت کا

سردار ہوگا تو اس سے بھی آپ کا افضل الامت ہونا واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے۔

تیرھویں حدیث:

(١٣) أخرج ابن عساكر عن عائشة رضی الله عنهامرفوعًا: الناس

كلهم يحاسبون الا أبابكر۔ (تاريخ الخلفاء ص ٤٩)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع طور پر مروی ہے کہ ''سب

لوگوں سے حساب لیا جائے گا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے"

فائدہ:

جب ایسی خصال خیر کے ساتھ موصوف و متصف ہوں اور وہ بھی مجموعی طور پر تو لامحالہ اس کا ثمرہ یہ ہی ہونا چاہیے کہ بلا حساب جنت میں داخل ہوں اور اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوں اگرچہ آپ کی امت میں سے ہزار ہا لوگ بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے لیکن یہ تخصیص بتلاتی ہے کہ ان سب سے مقدم ہوں گے اور ان کے مقتدا ہوں گے تو صرف ابوبکر صدیق ہوں گے۔

چودھویں حدیث:

(١٤) أخرج ابن عساكر عن أنس رضى الله عنه مرفوعًا: انى لأرجوا لأمتى فى حبهم لأبى بكر وعمر ماأرجولهم فى قول لا اله الاالله۔

(تاريخ الخلفاء ص:٤٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع طور پر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اپنی امت کے لیے البتہ امید رکھتا ہوں ان کے ابوبکر و عمر کے ساتھ محبت کی وجہ سے جو امید رکھتا ہوں ان کے حق میں لا اله الا اللّٰہ کے اذعان و اعتقاد اور اقرار و اعتراف میں"

فائدہ:

سرورِ عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: من قال لا اله الاالله دخل الجنة۔
"جس نے صدق دل سے یہ کلمہ کہا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"

تو اسی طرح یہ ثمرہ و نتیجہ اور جزاء و اجر کا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ محبت کی صورت میں بھی آپ مژدہ سنا رہے ہیں تو اس سے ان کی محبت کی اہمیت اور قدر و قیمت بھی واضح ہوتی ہے نیز محبوں کے لیے اگر یہ جزاء و بدلہ خداوندِ کریم کی طرف سے ہے تو پھر اندازہ کیا جاسکتا ہے

ان محبوبوں کے لیے کیا مژدہ اور کیسی بشارت ہوگی؟

رھویں حدیث:

۱۷) ابن عساکر نے مقدام کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب نے رت ابوبکر صدیق کو سب وشتم کیا لیکن انہوں نے قرابت نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے جوابی روائی سے گریز کیا اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ان کا شکوہ کیا تو آپ نے لوگوں میں خطبہ یتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فقال: ألا تدعون لی صاحبی؟ ماشأنكم وشأنه فوالله مامنكم رجل الاعلى ب بيته ظلمة الاباب أبی بكر فان على بابه النور ولقد قلتم كذبت وقال أبوبكر دقت وأمسكتم الأموال وجادلی بماله وخذلتمونی وواسانی واتبعنی۔

(صواعق ص ۷۲)

"کیا تم میرے اس مصاحب کو میری خاطر چھوڑتے نہیں ہو؟ تمہارا اس سے اور اس م سے کیا مقابلہ وموازنہ ہے؟ تم میں سے ہر آدمی کے گھر کے دروازے پر ظلمت اور تاریکی سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان کے گھر کے دروازے پر نور ہے میرے دعویٰ نبوت م نے کہا تم نے جھوٹ بولا اور غلط دعویٰ کیا اور ابوبکر نے کہا کہ تم نے برحق فرمایا تم نے اپنے مال تاع روک رکھے (اور مجھ پر خرچ نہ کیا) اور انہوں نے اپنے مال کے ساتھ جود وسخا سے کام لیا تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور انہوں نے میری ہمدردی وغمخواری کی اور میری اتباع کی اور رفاقت تیار کی" (اور اسے کما حقہ نبھایا)

ئدہ (۱):

خداداد علمِ غیب کے مالک اور ظواہر وبواطن خلق سے آگاہ نبی کو اگر ہر ایک کے مکان کے دروازے پر ظلمت وتاریکی نظر آتی ہے اور صرف ایک مکان کے دروازے پر نور نظر آتا ہے تو

یہ اس مکان کا تو ذاتی کمال نہیں نہ دوسرے مکانوں میں ذاتی نقص اور عیب ہے بلکہ مکینوں کی بدولت ہی یہ اثرات وثمرات نگاہِ نبوت نے مشاہدہ فرمائے تو اس سے حضرت صدیق کا شان ومقام اور فضل وشرف واضح طور پر سامنے آ گیا۔

(۲) نیز بارگاہِ نبوت کی چاکری ہی عزت وعظمت اور رفعت ودرجت اور بلندی مرتبت کی موجب ہے اور اس میں خود نبی کریم ﷺ ان کو اعلیٰ درجہ اور مقام عطا فرما رہے ہیں۔

(۳) علاوہ ازیں آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق بغیر کسی تردد وتوقف کے دلیل افضلیت ہے اور اس کا ثبوت وتحقق بھی وما ینطق عن الھوی والی زبان حق ترجمان سے ثابت ہو گیا۔

(۴) مزید برآں جتنا بارگاہِ نبوت کا ادب واحترام زیادہ ہوگا اتنا ہی مرتبہ ومقام بلندتر ہوگا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبوی قرابت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت عقیل کے ساتھ بھی جوابی کاروائی جائز نہیں سمجھی تو جب خونی رشتہ میں منسلک حضرات کے ساتھ ادب واحترام کا یہ حال ہے تو خود سید عالم ﷺ کے ساتھ ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کا عالم کیا ہوگا؟

(۵) نبی کریم ﷺ نے بھی آپ کو صاحبی فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو صاحبہ فرمایا اور جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ صاحب کا اعزاز بخشیں اور صرف انہی کے حق میں ہی یہ وصفِ خاص استعمال فرمایا گیا ہو تو اس سے ان کی رفعتِ شان اور افضلیتِ مقام مہر نیم روز کی طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے کیونکہ وقتی طور پر کوئی حاضر خدمت ہو جائے تو اس پر یہ لفظ نہیں بولا جائے گا بلکہ اس کا اطلاق اسی پر ہوگا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حاضر بارگاہ ہو اور مصاحب ہو۔

(۶) پھر صحبت کے لیے اختیار اسی کو کیا جاتا ہے جو اخلاق وعادات اور عمل وکردار اور مزاج شناسی اور محرمیت اسرار میں کامل مناسبت رکھتا ہو تو جب اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کی طرف سے آپ اس منصب کے لیے منتخب ہیں بلکہ مختص ہیں تو اس سے بھی آپ کی عظمت شان اور رفعت

ولت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔

ولھویں حدیث:

(۱۶) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ:

عرج بی الی السماء فما مررت بسماء الاوجدت فیھا اسمی محمد سول اللہ وأبوبکر الصدیق خلفی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول گرامی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے آسمانوں پر چڑھایا گیا تو میں جس آسمان پر گزرا اس میں اپنے نام کو لکھا ہوا پایا ر رسول اللہ اور میرے نام کے بعد ابو بکر صدیق لکھا ہوا پایا"

ئدہ:

ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ مضمون حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ ن عمر حضرت انس حضرت ابو سعید اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف اسانید سے روی و منقول ہے، لھذا تعددِ طرق کی وجہ سے یہ حدیث درجۂ حسن تک پہنچ جائے گی اور ہر سند ں ضعف ہو تو بھی دور ہو جائے گا۔

ترھویں حدیث:

(۱۷) عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قال بعث اللہ نبیہ ﷺ فظھر أمرہ بمکۃ خرجت الی الشام فلما کنت ببصرۃ أتانی جماعۃ من النصاری فقالوا لی أ من أھل لحرم أنت؟ قلت :نعم قالوا أ تعرف ھذا الذی تنبأ فیکم؟ قلت: نعم فاخذوا بیدی وأدخلونی دیرالھم فیہ تماثیل وصور فقالوا انظرھل تری صورۃ ھذا النبی الذی

بعث فیکم فنظرت فلم أر صورته قلت لاأری صورته فأدخلونی دیرا أکبر من ذالك فاذا فیه تماثیل وصور أکثر مما فی ذالك الدیر فقالوا لی أنظر هل تری صورته فنظرت فاذا أنا بصفة رسول الله ﷺ وصورته واذا أنا بصفة أبی بکر وصورته آخذ بعقب رسول الله ﷺ فقالوا لی ۔هل تری صفته قلت نعم ۔قلت لا أخبرهم حتی أعرف ما یقولون ۔قالوا هل هو هذا ؟قلت: نعم فأشاروا الی صفة رسول الله ﷺ فقلت اللهم نعم وأشهد أنه هو قالوا أتعرف الذی آخذ بعقبه ؟قلت نعم ،قالوا نشهد ان هذا صاحبکم وأن هذا الخلیفة من بعده۔

(طبرانی اوسط وطبرانی کبیر وتفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۵۹ ،الوفا لابن الجوزی ص ۵۶، ۵۷)

حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کی نبوت کا مکہ مکرمہ میں چرچا اور شہرہ ہوا تو اس دوران میں شام کی طرف گیا جب میں بصرہ پہنچا تو نصرانیوں کی ایک جماعت میرے پاس آگئی اور مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تو اہل حرم سے ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے سوال کیا کیا تو اس شخص کو جانتا ہے؟ جس نے تم میں سے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے میں نے کہا ہاں! تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے ایک عبادت خانہ میں لے گئے جس میں مورتیاں اور تصویریں تھیں اور مجھ سے دریافت کیا دیکھیے کیا ان صور و تماثیل میں اس نبی کی صورت تمہیں نظر آتی ہے جو تمہارے اندر مبعوث ہوئے ہیں میں نے غور سے دیکھا لیکن مجھے آپ کی تصویر نظر نہ آئی تو میں نے انہیں کہہ دیا کہ مجھے ان کی صورت نظر نہیں آ رہی تو انہوں نے مجھے اس سے بڑے عبادت خانہ میں داخل کیا تو ناگاہ اس میں بہت زیادہ تماثیل و تصاویر تھیں بہ نسبت پہلے عبادت خانہ کے۔تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تجھے یہاں ان کی صورت نظر آ رہی ہے؟ میں نے نگاہ کی تو ناگاہ رسول گرامی

ﷺ کی شکل وصورت والی تصویر میرے سامنے تھی اور ناگاہ ابوبکر صدیق کی شبیہ اور تصویر بھی نظر
پڑی جو کہ رسول مکرم ﷺ کی ایڑی پکڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا کیا تجھے ان
کی صفت اور شکل وصورت نظر آرہی ہے؟ تو میں نے کہاہاں! لیکن میں نے دل میں کہا کہ میں
ان کو پہلے آگاہ نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں معلوم کرلوں کہ وہ کیا کہتے ہیں تو انہوں نے آپ کی
تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا وہ مدعی نبوت یہ ہیں؟ تو میں نے کہاہاں! اور انہوں نے رسول
محتشم ﷺ کی تصویر کی طرف اشارہ کیا تو میں نے کہا کہ بخدا وہ یہی ہیں میں شہادت دیتا ہوں یہ
یہی ہیں پھر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا جو ان کی ایڑی پکڑے ہوئے ہیں ان کو جانتے ہو؟
میں نے کہاہاں! تو انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہی تمہارے صاحب (اور نبی ورسول
ﷺ) ہیں اور یہ ان کے بعد خلیفے ہیں''

فائدہ: (۱)

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اولاد میں سے منصب نبوت پر فائز ہونے والے
حضرات کی تصویریں عطا فرمائیں تھیں جو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہوئے بنی اسرائیل کے
پاس پہنچ گئیں لیکن ان میں کسی دوسرے نبی کے کسی امتی اور خلیفہ کی تصویر ساتھ نہیں تھی صرف نبی
مکرم ﷺ کے اس صاحب ورفیق کی تصویر ساتھ ہے تو اس سے واضح ہوگیا کہ صرف ذات
صدیق ذاتِ رسول ﷺ کی مصاحب نہیں بلکہ آپ کی تصویر بھی تصویر رسول ﷺ کی مصاحب
ہے جس طرح کہ نام صدیق سرور عالم ﷺ کے اسم گرامی کا رفیق ہے اور اللہ تعالیٰ کو گوارا بھی نہیں
ہے کہ ان کے نام کو محبوبِ کریم ﷺ کے نام سے جدا کرے اور تصویر کو تصویر سے جدا کرے۔

(۲) کسی سنی نے تو دھاندلی کر کے نہ صدیق اکبر کا نام نبی مکرم کے نام اقدس کے ساتھ ہر
آسمان پر لکھ دیا تھا اور نہ ہی آپ کی تصویر کے ساتھ تحکم اور سینہ زوری سے ابوبکر کی تصویر کھینچ دی
تھی بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذاتی امر اور معاملہ تھا اور اسی مصاحبت کے ثمرات صرف

ظاہری حیات میں ظاہر نہ ہوئے بلکہ مزارات میں بھی ظاہر ہو رہے ہیں اور مزارات سے اٹھتے وقت بھی کما قال : ھکذا نبعث یوم القیامۃ

دائیں بائیں صدیق وفاروق ہیں اور آپ ان دونوں کے ہاتھ تھامے ہوئے مسجد شریف میں آرہے ہیں ان دونوں حضرات پر آپ کی یہ کرم نوازی اور ان کو اس طرح کا مخصوص شرفِ معیت بخشنے پر صحابۂ کرام حیرت وتعجب کا اظہار کررہے تھے تو فرمایا:

''تم اس معیت ورفاقت پر تعجب کررہے ہو ہم تو قیامت کو بھی اسی طرح اکٹھے اٹھیں گے'' اور فرمایا:

أنت صاحبی علی الحوض و صاحبی فی الغار۔

(اخرجه البخاری واحمد عن عبدالله ابن عمر رضی الله عنهما)

''ابوبکر تم حوضِ کوثر پر بھی میرے مصاحب ہو اور غارِ ثور میں بھی'' گویا ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کو صاحبِ رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل تھا حاصل ہے اور حاصل رہے گا۔

(۳) صاحب فی الغار ہونا صاحب علی الحوض ہونے کا سبب ہے لیکن صاحب علی الحوض ہونا رتبہ و درجہ میں افضل ہے اس لیے ذکر میں اس کو مقدم کردیا ہے اگرچہ ترتیب نفس الامری کے لحاظ سے موخر ہے۔

(۴) نیز اہل کتاب کو جس طرح نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شناخت بھی ہے اور آپ کی نبوت کا یقینی علم بھی اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کی شناخت بھی ہے اور آپ کی خلافت کا علم بھی ہے اور یہ معلومات ان کو اہل سنت کی طرف سے حاصل نہیں ہوئیں بلکہ اپنے انبیائے کرام علیہم السلام اور اپنی سماوی کتب اور صحائف سے حاصل ہوئیں تو معلوم ہوا کہ حضرت صدیق کی خلافتِ بلافصل کا فیصلہ صرف بندوں کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور

(حضرت) صدیق صرف بندوں کا انتخاب نہیں ہیں بلکہ خالق کائنات کا انتخاب ہیں۔

(۵) علاوہ ازیں جن کی خلافت کا اعلان محبوب کریم علیہ السلام کی نبوت کے ساتھ ساتھ ہو (رہا) ہے تو وہ عام سیاسی اقتدار اور دنیوی اقتدار کی رو سے نہیں ہو سکتا بلکہ خلافتِ نبوت اور وہ بھی (اکمل) واعلیٰ درجہ کی خلافت نبوت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے، لہٰذا اس (خ)لافت کو سیاسی اور دنیوی اور بندوں کے انتخاب کی مرہونِ منت اور فرشِ زمین تک محدود قرار (د)ینا جیسا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کا اور شاہ عبدالقادر قادری کا نظریہ ہے سراسر باطل ہے اور (نا) قابلِ التفات۔

(۶) نیز حضرت صدیق کو تصویر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑی ہوئے پکڑے دکھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہِ نبوت میں ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کی عظیم دلیل ہے اور سراپا نیاز واخلاص ہونے کی بین برہان ہے کیونکہ قلمِ قدرت ان کی شانِ نیاز کو ظاہر کر رہی ہے اور انبیاء سابقین پر بھی اور (ا)مم سابقین پر بھی اس کا اظہار پروردگارِ صدیق کی طرف سے کیا جا رہا ہے، تو یہ ان کے أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام ہونے کی بھی واضح دلیل اور بین برہان ہے اور ان کی خلافت کے ظلم وتعدی، جور وجبر، غصبِ حقوق، ترکِ واجبات اور ارتکابِ منہیات سے منزہ ومبرہ ہونے کی بھی بین دلیل ہے۔

اٹھارھویں حدیث:

(۱۸) أخرج ابن عساكر عن أبي حصين قال ما ولد لآدم في ذريته بعد النبيين والمرسلين أفضل من أبي بكر ولقدقام أبوبكر يوم الردة مقام نبي من الأنبياء ﷺ۔

حضرت ابو حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"آدم علیہ السلام کی اولاد میں انبیاء ورسل کے بعد ابوبکر جیسا فضیلت مآب فرزند پیدا نہیں ہوا اور (وصالِ نبوی کے بعد جو) ارتداد کی لہر اٹھی تو اس دوران ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے نبی وقت جیسا کارنامہ سرانجام دیا اور اس طرح کی استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا"

فائدہ:

اولادِ آدم میں بعد الانبیاء ابوبکر صدیق کا فضیلت میں بے مثل ہونا اگر چہ صحابی رسول کا ارشاد ہے، مگر یہ طے شدہ امر ہے کہ صحابی کا ایسا قول جس میں عقل وقیاس کو دخل نہ ہو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے، لھذا یہ بھی حکماً مرفوع حدیث ہے جس سے آپ کا افضل البشر بعد الانبیاء ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔

انیسویں حدیث:

(۲۹) أخرج الشيخان عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ انّ من أمن الناس علّى فى صحبته و ماله أبابكر،لو كنت متخذًا خليلا غيرربى لاتخذت أبابكر خليلًا ولكن أخوة الاسلام ۔ (تاريخ الخلفاء ص ٤٥)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

"مجھ پر بہت زیادہ احسان کرنے والوں میں سے ازروئے مصاحبت کے اور مال صرف کرنے کے ابوبکر صدیق ہیں اور اگر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق کو خلیل بناتا لیکن میرے اور ان کے درمیان اسلامی اخوت ہے"

فائدہ:

خلیل اس دوست کو کہا جاتا ہے جو اپنی محبت ومودت کے لحاظ سے محب کے بدن میں بالعموم اور دل ودماغ میں بالخصوص گھر کرلے اور کسی دوسرے کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑے تو محبوبِ کریم ﷺ کا ایسا خلیل اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بعد مخلوق میں سے کسی میں ایسی صلاحیت واستعداد اور اہلیت ولیاقت خلیل نبوی بننے کی ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت ابوبکر

[صد]یق رضی اللہ عنہ ہیں- گویا بعد از خداوند تعالیٰ اگر آپ کے ہاں محبوب ترین ہیں تو سیدنا صدیق [اکبر] رضی اللہ عنہ- تو یہاں سے ان کی افضلیت و برتری مہر نیم روز کی طرح واضح ہو رہی ہے-

[نو]ٹ:

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن مسعود [حض]رت جندب بن عبداللہ، حضرت براء بن عازب حضرت کعب بن مالک، حضرت جابر بن [عبد]اللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو واقد لیثی، حضرت ابو المعلیٰ، حضرت عائشہ صدیقہ [حض]رت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے- وقد سردت طرقهم [فی] الاحاديث المتواترة میں نے سب کے اسنادات کو "احادیث متواترہ" میں جمع [ک]ردیا ہے- (تاريخ الخلفاء)

لھذا اس قطعی الثبوت حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بارگاہِ نبوی میں بعد از خدا اس [محب]تِ خاصہ کے اہل صدیق اکبر ہیں اور اس وقت نہ آپ صاحبِ اقتدار تھے اور نہ خلافت کی [باگ] ڈور سنبھالی تھی اور نہ حسن تدبیر اور نظم و ضبط کی تمامیت و کمالیت کا مظاہرہ فرمایا تھا، لھذا کسی [ص]احب عقل و خرد اور مالک فہم و دانش کا وہم بھی ادھر نہیں جا سکتا کہ آپ میں خلیل ہونے کی اہلیت [و ص]لاحیت اس لحاظ سے ہے بلکہ ہر مومن یہی سمجھتا ہے کہ آپ کو یہ اعزاز و امتیاز صرف اور صرف [ع]شق کامل، محبتِ وافرہ اور جانی و مالی قربانیوں اور انفرادی خدمات کی وجہ سے حاصل ہوا ہے نیز [آ]پ کی افضلیت کو خلافت میں منحصر کرنے والے نظریے کا بطلان، نیز آپ کی خلافت کو بندوں [کے] انتخاب کا نتیجہ اور اس کے دائرہ کو فرش تک محدود کرنے والوں کے نظریہ کا بطلان بھی روز [ر]وشن کی طرح واضح ہو گیا والحمدلله علىٰ ذالك-

[ب]یسویں حدیث:

(۲۰) أخرج الطبرانی عن سلمة بن الأکوع رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ: أبوبکر الصدیق خیر الناس الا أن یکون نبی وفی الأوسط عن أسود بن ذرارة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ ان روح القدس جبرئیل أخبرنی أن خیر أمتك بعدك أبوبکر (رضی اللہ عنه).

امام طبرانی نے حضرت سلمہ بن اکوع سے نقل کیا کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق سب لوگوں سے افضل ہیں مگر یہ کہ کوئی شخص نبی ہو (تو اس سے افضل نہیں) اور حضرت اسود بن ذرارہ سے نقل کیا کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے روح القدس جبرائیل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ آپ کے علاوہ آپ کی ساری امت سے افضل ابوبکر ہیں رضی اللہ عنہ۔

فائدہ:

جب یہ امت خیر الامم ہے تو جو اس سے افضل ہوگا تو وہ لامحالہ تمام امتوں سے افضل ہوگا تو آپ کا افضل البشر بعد الانبیاء ہونا نبی الانبیاء ﷺ کے نزدیک بھی ثابت ہو گیا اور روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نزدیک بھی ثابت۔ اور جب نبی الانبیاء کی شان اقدس وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم، 3,4:53) ہے اور جبرائیل امین کی شان یہ ہے وما نتنزل الا بامر ربك اور ھم بامرہ یعملون والی شان کے مالک ہیں تو گویا یہ سارا بیان اللہ رب العزت کی طرف سے ہے اور اس کے حکم سے ہے تو گویا یہ نظریہ صرف جبرائیل علیہ السلام کا نہیں اور نہ ہی صرف نبی اکرم ﷺ کا ہے بلکہ خود اللہ رب العزت کا یہی نظریہ ہے تو سنی لوگ بڑے خوش نصیب ہیں اور بلند بخت ہیں جن کو ایسی مقدس ذاتوں کا مقدس نظریہ اپنانا نصیب ہوا ہے، لھذا یہاں اہل اسلام کے لیے ریب وتردد اور شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

اکیسویں حدیث:

(۲۱) ابن السمان نے کتاب الموافقہ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بسندِ صحیح روایت نقل کی انہوں نے محمد باقر سے روایت نقل کی انہوں نے امام زین العابدین سے انہوں نے امام حسین سے اور وہ علی مرتضی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ماطلعت الشمس ولا غربت على أحد أفضل من أبی بکر الا النبیین والمرسلین

اس سند کو سلسلة الذهب سنہری لڑی اور سنہری زنجیر کہا جاتا ہے۔سورج نہ کبھی طلوع ہوا اور نہ کبھی غروب ہوا حضرت ابوبکر صدیق کی ذات سے افضل ذات پر سوائے انبیاء و مرسلین کے علیہم و علیہ الصلوۃ والسلام

بائیسویں حدیث:

(۲۲) عبدالرحمن بن حمید نے اپنی مسند میں اور ابونعیم اور دیگر حضرات محدثین نے کئی اسنادات کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے کہ میں ایک دن ابوبکر صدیق کے آگے آگے راستہ پر چل رہا تھا تو ناگاہ نبی مکرم ﷺ سے ملاقات ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو ایسے شخص کے آگے چل رہا ہے جو تجھ سے دنیا و آخرت میں افضل و برتر ہے"

ان رسول اللہ ﷺ قال: واللہ ماطلعت الشمس ولا غربت على أحد أفضل من أبی بکر الا أن یکون نبی وفی لفظ على أحد من المسلمین بعد النبیین والمرسلین أفضل من أبی بکر۔

رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

"کسی شخص پر بھی سورج طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا جو ابو بکر سے افضل ہو مگر یہ کہ وہ نبی ہو"
اور بعض روایات میں یہ لفظ وارد ہے کہ "کسی مسلمان شخص پر بعد از انبیاء و مرسلین سورج نہ طلوع ہوا نہ غروب ہوا جو ابو بکر صدیق سے افضل ہو" اور طبرانی وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ماطلعت الشمس علی أحد منکم أفضل منہ "تم میں سے کسی پر سورج طلوع نہیں ہوا جو ابو بکر سے افضل ہو"

امام سیوطی فرماتے ہیں:

ولہ شواھد من وجوہ أخر یقتضی لہ بالصحۃ أو الحسن وقد أشار ابن الکثیر الی الحکم بصحتہ۔ (تاریخ الخلفاء ص ٤٠)

"اس روایت کے بہت سے شواہد اور مویدات دوسرے وجوہ و طرق سے ثابت ہیں جو اس کے مضمون کی صحت یا حسن کے مقتضی ہیں اور علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے"

تنبیہِ اول:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل شخص پر سورج کے طلوع و غروب ہونے کی نفی ہے تو اس سے مساوات اور برابری کی بظاہر نفی نہیں ثابت ہوگی لیکن از روئے محاورات حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا سب سے افضل ہونا ہی مراد ہوگا، علامہ تفتازانی نے فرمایا:

ظاھر ھذا الکلام وان کان نفی أفضلیۃ الغیر ولکن انما یساق لاثبات أفضلیۃ المذکور ولھذا أفاد أن أبابکر أفضل من أبی الدرداء والسرفی ذالک أن الغالب من حال کل اثنین ھو التفاضل دون التساوی فاذا نفی أفضلیۃ أحدھما لآخر افضلیۃ الآخر۔ (شرح المقاصد جلد ٢ ص ٢٩٨)

"بظاہر اس کلام سے غیر کے افضل ہونے کی نفی ہے لیکن ایسا کلام مذکور اور ممدوح کی

افضلیت ثابت کرنے کے لیے صادر کیا جاتا ہے اسی لیے اس کلامِ نبوی سے ابوبکر صدیق کا
والدرداء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا اور اس میں راز یہ ہے کہ ہر دو شخص کا غالب حال تفاضل
وتا ہے نہ کہ مساوات پس جب ایک کی افضلیت کی نفی کر دی گئی ہے تو دوسرے کی افضلیت
ابت ہو گئی۔ نیز محلِ بحث افضلیت ہے نہ کہ مساوات۔ نیز دیگر احادیثِ مبارکہ بھی آپ کی
فضیلت پر دلالت کرتی ہیں تو یہاں پر اس توہم کی قطعاً گنجائش نہیں ہے"

تنبیہِ ثانی:

سورج جن پر طلوع و غروب ہوتا ہے ان سب پر آپ کی افضلیت ثابت ہو گئی سوائے
بیاء و مرسلین علیہم السلام کے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر صدیق
یں۔ جو واضح طور پر ثابت ہو گیا کیونکہ امم سابقہ پر بھی اور آخری امت پر طلوع و غروب ہوتا
ہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

یئیسویں حدیث:

(۲۳) زہری سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا
کہ تو نے ابوبکر صدیق کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! تو سرورِ عالم ﷺ نے
رمایا: قل وأنا أسمع فقال: "تو کہہ میں سنتا ہوں"

تو آپ نے یہ کلام سنایا:

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو به اذ صعدوا الجبلا
وکان حب رسول الله قد علموا
من البریة لم یعدل به رجل

"اور بلند مرتبہ غار میں دو میں سے دوسرے تھے جبکہ اعداء نے اس کے گرد چکر لگایا جبکہ وہ پہاڑ پر چڑھے تھے اور ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے جو سبھی کو معلوم ہے اور رسول گرامی ﷺ نے مخلوق میں کسی کو بھی انکے برابر نہیں ٹھہرایا"

فضحك النبی ﷺ حتی بدت نواجذہ ثم قال یاحسان ھو کما قلت

پس آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک نمودار ہو گئیں پھر فرمایا: اے حسان! واقعی ابوبکر صدیق اسی طرح ہیں جس طرح تو نے کہا ہے" أخرجه ابن سعد عن الزھری۔

چوبیسویں حدیث:

(۲٤) أخرج الطبرانی فی الأوسط عن عمّار بن یاسر رضی اللّٰہ عنه قال: من فضل علی أبی بکر وعمر أحداً من أصحاب النبی ﷺ فقد أزری علی المھاجرین والأنصار رضی اللّٰہ عنھم۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"جس نے بھی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر کسی بھی صحابیِ رسول کو فضیلت دی تو اس نے تمام مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کو عیب لگایا اور گناہ گار ٹھہرایا"

فائدہ:

ظاہر ہے کہ من حیث المجموع صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بالخصوص مہاجر وانصار کو خطا کار ٹھہرانے والا گمراہ ہے اور جہنم کی راہ پر چلنے والا ہے، کیونکہ تہتر فرقوں میں سے نا فرقے کے متعلق آپ نے نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: ماأناعلیه وأصحابی "جس راہ پر ہوں اور میرے صحابہ کرام وہ راہ راہِ حق ہے" اور اس کا پابند جنتی ہے اور فرمایا: اتبعوا السوا

لاعظم فانہ من شذ شذ فی النار ''سوادِاعظم اور عظیم اکثریت کی اتباع کرو جس نے سواد
ظم سے عدول وانحراف کیا تو وہ آتش دوزخ کا ایندھن بنے گا'' لھذا ایسے لوگوں کے لیے انجام
اور خراب عاقبت سے بچنے کا صرف اور صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ ماأنا علیه وأصحابی اور
وادِاعظم والی راہ جو کہ راہِ راست، صراطِ مستقیم اور صراط الذین انعمت علیهم ہے اس کو
تیار کریں اور شذوذ وخروج اور رفض وتشیع سے دامن بچائیں۔

ٹ:

اگرچہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں بالخصوص اور خلفاء
بعہ رضی اللہ عنہم کے حق میں سینکڑوں احادیث اکابرینِ ملت نے جمع فرمائی ہیں لیکن بندہ
تصار کے پیش نظر اور اجماع امت کی بنیاد واساس کے طور پر انہیں مرفوعہ احادیث کو کافی سمجھتا
ہے اور چونکہ بندہ کا اصل مقصد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرنا ہے اس
لیے زیادہ تر اسی مضمون کی روایات کو ذکر کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

تذییل الباب الثانی

محل کلام کون سی فضیلت ہے، اس کا کما حقہ علم و عرفان رکھنے والے کون ہیں اور وہ کیا فرماتے ہیں؟

علمائے اہل سنت اور ائمہ کرام اور معظمین ملت کے نزدیک محل بحث اور موضوع کلام وہ فضیلت ہے جو عند اللہ قربت و کرامت اور عز و وقار کے معنیٰ میں ہے نہ کہ حسبی و نسبی اور جزوی امور میں عند الناس معتبر فضیلت۔ چنانچہ علم ظاہر اور علم باطن کے جامع اور ولایت و روحانیت میں اعلیٰ مرتبہ و مقام کے مالک حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اور علامہ سعد الدین تفتازانی ان سے نقل فرماتے ہیں:

حقیقة الفضل ما هو عند الله تعالى و ذالك مما لا يطلع عليه الا رسول الله ﷺ وقد ورد فى الثناء عليه أخبار كثيرة ولا يدرك حقائق الفضل والترتيب فيه الا المشاهدون للوحى والتنزيل بقرائن الأحوال فلولا فهم ذالك لما رتبوا الأمر كذالك اذ كان لاتاخذهم فى الله لومة لائم ولا يصرفهم عن الحق صارف۔

(شرح مقاصد ص جلد ۲ ص ۳۰۲)

”حقیقی فضل و شرف صرف وہ ہے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اور اس پر صرف اور صرف (اصالۃً اور بلاواسطہ) رسول مکرم ﷺ ہی مطلع ہو سکتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اور ان کی تعریف و توصیف میں اور ان کے خداداد شرف و فضل میں بہت سی احادیث اور ارشاداتِ نبویہ ثابت ہیں اور اس شرف و فضل کے حقائق اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں باہم افضلیت کی اس ترتیب کی باریکیوں اور حقائق کا ادراک اور محیط علم صرف انہیں کو ہو سکتا ہے جو وحی خداوند تعالیٰ اور قرآن مجید کی تنزیل کا مشاہدہ کرنے والے تھے اور ان کو علم و عرفان اور ادراک و اذعان وحی و تنزیل کے وقت قرائن احوال سے حاصل ہوا کرتا تھا

اس طرح کی ترتیب اختیار نہ کرتے کیونکہ انہیں اللہ تعالٰی کے حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتی تھی اور نہ ہی کوئی چیز ان کو راہِ حق سے پھیر سکتی تھی۔

اقول:

آیاتِ کلامِ مجید کی دلالت بھی واضح ہو چکی اور ارشاداتِ مصطفویہ علی مصدرھا الصلاۃ والسلام سے بھی راہِ حق روشن ہو چکی تو اب وحی و تنزیل کا مشاہدہ کرنے والوں اور قرائن احوال سے بھی علم و ادراک اور عرفان و اذعان حاصل کرنے والوں کے ہاں جو معروف و معلوم اور مسلم و مصدق ترتیبِ فضیلت ہے وہ بھی معلوم کر لیتے ہیں پھر اس پر مضبوطی سے قائم اور ثابت ہو جاتے ہیں اور اس راہِ راست اور صراطِ مستقیم سے انحراف و انصراف کی راہیں اپنے اوپر بند کر لیتے ہیں —واللہ الموفق

(۱) حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان أبوبكر سيدنا وخيرنا وأحبنا الى رسول الله ﷺ ۔

(أخرجه الترمذی وصاحب المشكوة)

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے سردار تھے اور ہم سب سے افضل و برتر تھے اور بارگاہِ نبوی میں ہم سب سے زیادہ محبوب تھے"

(۲) نیز یہ روایت پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ آپ حضرت صدیق کو یا خیر الناس بعد رسول الله ﷺ کہہ کر پکارتے تھے۔

(۳) أخرج ابن عساكر عن أبی هريرة رضی الله عنه كنا معشر أصحاب النبی ﷺ ونحن متوافرون نقول: أفضل هذه الأمة أبوبكر ثم عمر ثم عثمان رضی الله عنهم ثم نسكت ۔

''ہم اصحاب رسول ﷺ کی جماعت کہا کرتے تھے جب کہ ہم وافر مقدار میں تھے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر ہم خاموش ہو جاتے تھے''

(٤) أخرج البخاری عن جابر رضی اللہ عنه قال عمر بن الخطاب أبوبکر سیدنا ۔ (تاریخ الخلفاء ص ٤٩)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوبکر ہمارے سردار ہیں''

(٥) أخرج البیهقی فی شعب الایمان عن عمر رضی اللہ عنه قال لووزن ایمان أبی بکر بایمان أهل الارض لرجح بهم ۔

(تاریخ الخلفاء ص٤٩)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اگر ابوبکر صدیق کے ایمان کا سب اہل زمین کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو اکیلے آپ کا ایمان سب اہالیان زمین کے ایمان سے وزنی اور بھاری ثابت ہوگا''

(٦) ابن ابی خیثمہ نے اور عبداللہ بن امام أحمد نے زوائد الزهد میں نقل کیا ہے: عن عمر أن أبابکر کان سابقا مبرزاً۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''بے شک ابوبکر صدیق (ہر کام میں) سبقت لے جانے والے تھے اور دوسروں پر برتری اور غلبہ پانے والے تھے''

(٧) قال عمر رضی اللہ عنه وددت أنی شعرة فی صدر أبی بکر ۔أخرجه مسدد فی مسنده ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میری دلی آرزو اور تمنا ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیق کے سینہ کا ایک بال ہوتا"

۸) قال :

وددت أنی من الجنة حیث أری أبابکر (اخرجه ابن ابی الدنیا وابن عساکر)

سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا:

"میری دلی آرزو ہے میں جنت کی ایسی جگہ میں داخل ہوسکوں جہاں سے ابوبکر صدیق کو دیکھ سکوں (چہ جائے کہ ابوبکر صدیق والی جنت میں ان کے مصاحب ہونے کی آرزو اور خواہش کروں۔)

قول:

ان ارشادات کو رسول گرامی ﷺ کے اس فرمان ذیشان کے ساتھ ملا کر نتیجہ اخذ کریں:

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر ۔

"اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان پر رکھ دیا ہے"

لہٰذا ان کی زبان اقدس سے جو بھی صادر ہوا وہ سراسر حق ہے تو حضرت صدیق کی افضلیت دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو جائے گی۔

(۹) أخرج ابن عساکر عن علی رضی اللہ عنه أنه دخل علی أبی بکر وھو مسجّی فقال ماأحد لقی اللہ بصحیفته أحب الی من ھذا المسجی۔

حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ حضرت ابوبکر پر داخل ہوئے جبکہ وہ کفن میں لپیٹے ہوئے پڑے تھے تو فرمایا:

"کوئی شخص بھی جو اپنے نامہ اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہو (خواہ جس قدر اعلیٰ اعمال نامہ کا مالک ہو مگر) وہ میرے نزدیک محبوب تر نہیں ہے بہ نسبت اس کفن پوش شخصیت کے"

گویا یہ بھی محبوب تر ہیں اور ان کا اعمال نامہ بھی میرے نزدیک محبوب تر ہے۔

(۱۰) أخرج أبوالقاسم الطلحی عن عبد خیر صاحب لواء علی رضی اللہ عنہ أن علیا قال ألاأخبرکم بأول من یدخل الجنة من ھذہ الأمة بعد نبیھا فقیل لہ بلی یا أمیرالمومنین قال: أبوبکر ثم عمر قیل فیدخلانھا قبلك یاأمیر المومنین فقال علی أی والذی فلق الحبة وبرأالنسمة لیدخلانھا وانی لمع معاویة موقوف فی الحساب

ابو القاسم طلحی نے مولائے مرتضٰی کے علم بردار شخص عبد خیر سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں نبی مکرم ﷺ کے بعد اس امت میں سے جنت میں داخل ہونے والے پہلے شخص کے بارے میں خبر نہ دوں؟ عرض کیا گیا: ہاں! کیوں نہیں، ضرور بتلائیں! تو آپ نے فرمایا:

سب سے اول شخص جنت میں اس امت میں سے داخل ہونے والا ابوبکر صدیق ہے، ان کے بعد عمر فاروق۔ عرض کیا گیا: اے امیر المومنین! وہ آپ سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور اس سے پودا کو پیدا فرمایا، وہ دونوں ضرور داخل ہوں گے جنت میں جبکہ میں معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ محاسبہ اور جوابدہی کے لیے رکا ہوا ہوں گا"

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص۶۸، ص ۳۱۷)

(۱۱) قال (علی رضی اللہ عنہ):

خیر ھذہ الأمة بعد نبیھا أبوبکر ثم عمر ثم اللہ أعلم بالخیر بعد وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ لو سمّی الثالث لسمّی عثمان رضی اللہ عنھم۔

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص۶۸، ص۳۱۷)

مولائے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس امت میں سب سے افضل و برتر ابو بکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق۔ ان کے بعد
ل کون ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اسی مجلس میں حضرت حسن مجتبیٰ موجود تھے تو انہوں نے
مایا: بخدا!! اگر آپ تیسرے شخص کا ذکر فرماتے تو ضرور عثمان بن عفان کا ذکر فرماتے"

ئدہ اولیٰ:

اہل سنت کا مذہب اور علمِ کلام کی کتابوں میں مذکور ترتیبِ افضلیت حضرت امام حسن
ی اللہ عنہ کے ذریعے ثابت ہوگئی کیونکہ چوتھا نمبر تو مولائے مرتضیٰ کا ہی تھا۔

ئدہ ثانیہ:

حضرت امام حسن جب صرف شیخین کو ہی نہیں بلکہ حضرت عثمان کو بھی مولائے مرتضیٰ
ے افضل مانتے ہیں تو حضرت صدیق اکبر سے آپ کو افضل کیسے مان سکتے ہیں؟ لہذا جناب شاہ
دالقادر صاحب نے جو ان کی طرف تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ کی نسبت کی ہے وہ سراسر غلط
ے اور خلافِ واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اتباعِ حق اور اتباعِ اسلاف کی توفیق عطا فرمائے۔

ئدہ ثالثہ:

متواتر رواه ثمانون نفسًا عن علی منهم ابنه محمد بن الحنفية
ند البخاری الخ۔

"مولائے مرتضیٰ کا یہ ارشاد متواتر ہے جو ان سے اسی (۸۰) حضرات نے روایت
یا ہے جن میں ان کے لختِ جگر حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

(۱۲) ابو عمر نے استیعاب میں حضرت حسن بصری کے واسطہ سے قیس بن عباد سے نقل
کیا ہے کہ مجھے علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم چند دن بیمار

رہے نماز کے لیے آپ کو پکارا جاتا تھا تو آپ فرماتے:

مروا أبابکر یصلی بالناس فلما قبض رسول اللہ ﷺ نظرت فاذا الصلوٰة علم الاسلام وقوام الدین فرضینا لدنیانا من رضی رسول اللہ ﷺ لدیننا فبایعنا أبابکر۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ٦٨)

"ابوبکر کو پابند کرو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے"

"جب محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا وصال ہو گیا (اور خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ درپیش ہوا) تو میں نے اچھی طرح غور و فکر کیا تو ناگاہ عقل و خرد نے فیصلہ یہ دیا کہ نماز دین کا عَلَم اور امتیازی نشان ہے اور دین کا دارومدار ہے (جبکہ حکومت دنیوی معاملہ ہے) تو ہم نے اپنی دنیا کے لیے بھی اس ذاتِ والا صفات کو پسند کر لیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لیے بطور امام پسند فرمایا تھا تو ہم نے ابوبکر صدیق کی بیعت کر لی"

فائدہ:

معلوم ہوا کہ یہ بیعت قہر و جبر پر مبنی نہیں تھی ورنہ اس نظر و فکر اور نبوی عمل و کردار کو اس نظری معاملہ میں رہبر و رہنما بنانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ بلکہ یہ خوشی و خرمی اور مکمل رضامندی کے ساتھ کی جانے والی بیعت تھی۔

(١٣) أخرج الدار قطنی عن بن عمر رضی اللہ عنہما قال:

لما برز أبوبکر واستوی علی راحلته أخذ علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ بزمامها وقال الی أین یا خلیفة رسول اللہ ؟أقول لك ما قال رسول اللہ ﷺ یوم أحد شم سیفك ولا تفجعنا بنفسك ،وارجع الی المدینة فواللہ لئن فجعنا بك لا یکون للاسلام نظام أبداً۔ (تاریخ الخلفاء ص ٦١)

دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرتدین اور منکرین زکواۃ کے خلاف جہاد کے لیے نکلے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:

اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! آپ کدھر جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو رسول کریم ﷺ نے آپ سے میدان احد میں کہی تھی:

اپنی تلوار کو میان میں بند کر لو اور ہمیں اپنی ذات کی جدائی کے صدمہ سے دوچار نہ کرو۔ لہذا آپ مدینہ منورہ کی طرف لوٹیں، بخدا! اگر ہم آپ کی جدائی والے صدمہ سے دوچار ہو گئے تو کبھی بھی اسلام کا نظم ونسق برقرار نہیں رہے گا۔

فائدۂ اولی:

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر کو خلیفۃ رسول اللہ کے عظیم لقب سے پکار رہے ہیں اور ان کے وجودِ مسعود کو اسلام میں نظم ونسق کے بقاء ودوام کا دارومدار قرار دے رہے ہیں تو جو لوگ مانتے ہیں علی مع الحق والحق مع علی انہیں حضرت صدیق کی خلافت کے برحق ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی لازم ہے اور حضرت صدیق کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا بانی اور موسس سمجھنا بھی لازم اور ضروری ہے۔

فائدۂ ثانیہ:

یہ اس موقع کی بات ہے جب آپ مہاجرین وانصار علیہم الرضوان کے ہمراہ مقام فقعاء تک جو نجد کے بالکل قریب ہے مرتدین کے ساتھ محاربہ ومقاتلہ کرتے ہوئے جا پہنچے اور اعراب اپنے بال بچوں سمیت بھاگ نکلے :

فکلم الناس أبابکر وقالوا ارجع الی المدینة والی الذریة والنساء وأمر رجلا علی الجیش ولم یزالوا به حتی رجع وأمر خالدبن الولید رضی اللہ عنه

تو ان مہاجرین وانصار نے آپ کے ساتھ کلام کیا اور عرض کیا کہ آپ مدینہ منورہ کی طرف لوٹیں اور وہاں پر موجود بچوں اور عورتوں کی طرف (ان کی حفاظت کے لیے) لوٹیں اور کسی دوسرے شخص کو امیر لشکر نامزد کردیں چنانچہ جب ان کا اصرار حد سے بڑھا اور ان میں سے مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس انداز میں واپسی پر اصرار فرمایا تو آپ نے خود مراجعت اختیار فرمالی اور حضرت خالد سیف اللہ کو امیر لشکر نامزد فرمادیا۔

فائدۂ ثالثہ:

" اس روایت سے مہاجرین اور انصار کے نزدیک بالعموم اور مولائے مرتضٰی بلکہ سید الانبیاء ﷺ کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق کی شخصیت کی عظمت اور اہمیت مہر نیم روز کی طرح واضح ہے اور آپ کا افضل البشر بعدالانبیاء ہونا ہر صاحب بصر وبصیرت پر واضح ہے۔

(١٤) أخرج البيهقى وابن عساكر عن أبى هريرة رضى الله عنه قال:

. والذى لا اله الا هو لولا أن أبابكر استخلف ما عبدالله ثم قال الثانية ثم قال الثالثة فقيل له مه يا أباهريرة! فقال ان رسول الله ﷺ وجه أسامة بن زيد فى سبع مائة الى الشام فلما نزل بذى خشب قبض النبى ﷺ وارتدت العرب حول المدينة واجتمع اليه أصحاب النبى ﷺ فقالوارد هولاء توجه هولاء الى الروم وقد ارتدت العرب حول المدينة ؟فقال والذى لا اله الا هو لوجرت الكلاب بارجل أزواج النبى ﷺ وعليهن ما رددت جيشا وجهه رسول الله ﷺ ولاحللت لواء عقده فوجه أسامة فجعل لا يمر بقبيل يريدون الارتداد الا قالوا لولا أن لهولاء قوةً ما خرج مثل هولاء من عندهم ولكن ندعهم حتى يلقوا الرّوم ـ فلقوهم فهزموهم وقتلوهم ورجعوا سالمين فثبتوا على الاسلام ـ

(تاريخ الخلفاء ص ٦٠)

امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ
ہوں نے فرمایا:
"اس ذات اقدس کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اگر ابوبکر صدیق کو
لیفہ نہ بنایا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جاسکتی"
دوبارہ اسی طرح کہا، پھر سہ بارہ اسی طرح کہا تو ان سے کہا گیا کہ ایسا قول کیوں کر
ہے ہو؟ اس کی اساس و بنیاد کیا ہے اے ابوہریرہ؟ تو آپ نے فرمایا:
"تحقیق رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سات سو افراد کا قائد
کر شام کی طرف (رومیوں کے ساتھ جہاد کے لیے) بھیجنے کا فیصلہ فرمایا جب وہ ذی خشب
کے مقام پر اترے تو رسول گرامی ﷺ کا وصال ہو گیا اور مدینہ منورہ کے ارد گرد والے لوگ مرتد
گئے اور سب صحابۂ کرام جمع ہو کر حضرت صدیق کے پاس پہنچے اور یہ مطالبہ کیا کہ ان لشکریوں کو
پس بلالو۔ آپ ان کو رومیوں کی جنگ کے لیے روانہ کر رہے ہو جبکہ مدینہ شریف کے ارد گرد
رب مرتد ہو چکے ہیں تو آپ نے فرمایا:
(خدانخواستہ بالفرض والتقدیر) اگر درندے نبی مکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے
ؤں گھسیٹ رہے ہوں (چہ جائیکہ دوسری عورتوں اور چہ جائیکہ مردوں کے خلاف مرتدین عرب
کی طرف سے انتہائی تغلیظ و تشدید ہو رہی ہو) تو بھی میں اس لشکر کو واپس نہیں بلاؤں گا جس کو
سول معظم ﷺ نے ادھر متوجہ فرمایا اور میں کبھی اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول معظم
ﷺ نے باندھا۔
تو حضرت اسامہ اپنی منزل کی طرف لشکر لے کر متوجہ ہو گئے، جس قبیلہ کے پاس سے
گزرتے تو ان قبائل میں سے جو بھی مرتد ہونے کا ارادہ رکھتے وہ کہتے اگر ان میں قوت و طاقت
نہ ہوتی اور روم ختم نہ ہوتا (تو اتنے بڑے صدمہ کے بعد) اتنی تعداد میں یہ لوگ مدینہ سے برآمد نہ

ہوتے لہذا ہم ان کو اپنے حال پر چھوڑتے ہیں (اوران کی مخالفت فی الحال ترک کرتے ہیں) حتیٰ کہ ان کی رومیوں سے مڈبھیڑ ہولے۔ چنانچہ اس لشکر اسلام کا رومیوں سے مقابلہ ہوا اور ان کو شکست دی، تہ تیغ کیا اور صحیح سالم واپس لوٹے تو راستہ والے قبائل اسلام پر ثابت قدم رہے (اور مرتد ہونے سے بچے رہے)

فائدہ عظیمہ:

جس حکمت بالغہ اور مصلحتِ کاملہ کے تحت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو تیار فرمایا اسے یہ رازدارِ نبوت سمجھتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اور کمال ثبات کا مظاہرہ فرما کر اسلام کو مرتدین ومنافقین اور رومیوں وغیرہ کے حملوں سے محفوظ کر دیا اور اسلام کی نشئاۃ ثانیہ کے بانی و مؤسس بن گئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش کا سلسلہ بحال رہا۔ آپ کی جگہ کوئی دوسرا خلیفہ ہوتا تو وہ اس ثابت قدمی اور رسوخ کا مظاہرہ نہ کرسکتا اور اسلام میں رخنہ پیدا ہو جاتا جس طرح حضرت عمر فاروق جیسی ہستی نے بھی عرض کیا کہ فی الحال منکرین زکوۃ کے خلاف محاذ نہ کھولو تو آپ نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

کیا تم جاہلیت کے دور میں بڑے جابر تھے اور اب اسلام لانے کے بعد بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو زکوۃ کا جانور تو یہ منکرین دیں لیکن جو رسہ پہلے دیا کرتے تھے اب وہ نہیں دیں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ اور اسی ثابت قدمی کی بدولت ملک عرب فتنوں سے پاک ہو گیا اور فاروقی و عثمانی دور کی فتوحات، تمکین دین اور خوف کو امن میں تبدیل ہونا نصیب ہو اور حضرت صدیق کا یہ کارنامہ کسی نبی کے دور نبوت کے کارناموں سے کم نہیں، جیسے کہ حضرت ابو حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لقد قام أبو بكر يوم الردة مقام نبي من الأنبياء۔

(أخرجه ابن عساكر، صواعق ص ۸۵)

لهذا ہمارا یہ دعویٰ سراسر حق ہے أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام أبوبكر صديق رضى الله عنه۔

(۱۵) أخرج أبويعلى عن على رضى الله عنه قال:

أعظم الناس أجراً فى المصاحف أبوبكر ان أبابكر كان أول من جمع القرآن بين اللوحين۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''مصاحفِ قرآنیہ کے بارے میں تمام لوگوں کی نسبت عظیم ترین اجر کے مالک ابوبکر ہیں، بے شک ابوبکر صدیق پہلے شخص ہیں جنھوں نے کلامِ مجید کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا''

(تاريخ الخلفاء ص ٦٢)

فائدہ:

اگر مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ قرآن نامکمل ہوتا، محرف ومبدل ہوتا اور ترتیبِ آیات غلط ہوتی تو اس کی بدولت حضرت ابوبکر صدیق کو عظیم ترین اجر کا مالک قرار دینے کی بجائے عذاب الیم کے حق دار ٹھہراتے ۔لهذا ثابت ہوا کہ آپ نے قرآن مجید کے مکمل تحفظ کا انتظام فرمایا اور قیامت تک اس کی تلاوت سے فائدہ اٹھانے والے جتنا اجر وثواب حاصل کریں گے ان کے ثواب کے مجموعے کے برابر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ثواب ملے گا۔

نیز آپ نے یہ قدم حضرت فاروق کے شدید اصرار اور ان کی بار بار کی مراجعت پر اٹھایا۔لهذا یقیناً وہ بھی عظیم ثواب کے مالک ہوں گے۔نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سورتوں کی باہمی ترتیب کے بعد اس کو مرتب فرمایا اور اب تک وہی ترتیب چل رہی ہے، ان کو عظیم اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

(۱٦) (الف) أخرج الطبرانى فى مسنده عن الحسن بن على رضى الله عنهما

قال:

لما احتضر أبوبكر قال يا عائشة أنظری اللقحةالتی كنا نشرب من لبنها والحفنة التی نصطبغ فيها والقطيفة التی كنا نلبسها۔فانا كنا ننتفع بذالك حين كنا نلی أمرالمسلمين فاذا مت فارددیه الی عمر رضی اللّٰه عنه فلما مات أبوبكر أرسلت به الی عمر فقال عمر رحمك اللّٰه يا أبابكر لقد أتعبت من جاء بعلك ۔

(تاريخ الخلفاء ص ٦٣)

طبرانی نے اپنی مسند میں حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ:

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وقتِ وصال آگیا تو آپ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا اس اونٹنی کا خیال رکھنا جس کا ہم دودھ پیا کرتے تھے اور اس پیالہ کا جس میں سالن استعمال کیا کرتے تھے اور وہ کمبل جس کو اوڑھا کرتے تھے۔پس ان اشیاء سے نفع اندوز ہوا کرتے تھے جبکہ ہم امورِ اہل اسلام کے متولی تھے تو میری موت کے بعد (وہ استحقاق ختم ہو جائے گا) لہٰذا ان چیزوں کو عمر فاروق کے حوالے کر دینا چنانچہ جب آپ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ چیزیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیں تو انہوں نے کہا:

اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے اے ابوبکر! تم نے اپنے بعد آنے والے خلفاء و امراء کو سخت مشقت میں ڈال دیا ہے (تیرے تقویٰ کے معیار پر کون پورا اتر سکے گا؟ لہٰذا الاتقی کہلانا انہیں کو زیبا ہے اور فقط انہیں کو)

(ب) امام احمد نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل فرمائی ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہو گیا تو دریافت فرمایا کون سا دن ہے؟ تو عرض کیا گیا سوموار کا دن ہے، تو

پ نے فرمایا:

فـان أنامت من ليلتى فلا تنظروا بى لغد فان أحب الأيام والليالى الىّ أقربها

ن رسول الله ﷺ

"اگر میری موت اس رات میں واقع ہو جائے تو کل کے دن کا میرے لیے انتظار نہ

کرنا کیونکہ تمام دنوں اور راتوں میں میرے نزدیک محبوب ترین وہ رات دن ہے جو رسول مکرم

ﷺ کے قریب تر ہے"

(۱۷) أخرج الحاكم وابن سعد عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه قال :

أفـرس الناس ثلاثة، أبوبكر حين استخلف عمر وصاحبة موسى حين قالت

ستاجره والعزيز حين تفرس فى يوسف فقال لامرء ته أكرمى مثواه ـ

(تاريخ الخلفاء ص٦٦)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے:

"سب لوگوں سے زیادہ فراست اور ذہانت ودانش مندی میں سبقت لے جانے

والے تین اشخاص ہیں:

اول حضرت ابوبکر صدیق جبکہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا، دوسری

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار وصحبت کا شرف

حاصل ہوا تو ابا جان سے عرض کیا ان کو اجرت پر رکھ لو، تیسرا عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام

کی شان کو معلوم کر کے اپنی بیوی کو فرمائش کی کہ ان کو باعزت ٹھکانا دینا (محض غلام اور وہ بھی عام

غلام مت سمجھنا)

(۱۸) ابن عساکر نے یسار بن حمزہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ

عنہ کی طبیعت بوجھل ہوئی تو آپ نے کھڑکی سے لوگوں کو جھانکا اور فرمایا:

أيها الناس انی قد عهدت عهدًا أفترضون به ؟ فقال الناس رضينا يا خليفة رسول الله ﷺ فقام علی رضی الله عنه فقال : لانرضی الایکون عمر قال فانه عمر۔

(تاریخ الخلفاء ص ٦٧)

''اے لوگو! میں نے ایک عہد کر دیا ہے اور اپنی خلافت ایک شخص کو دے دی ہے کیا تم اس پر راضی ہو؟ تو سب لوگوں نے کہا: ہم راضی ہیں اے رسول گرامی ﷺ کے خلیفہ! تو حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک صاحبِ عہد عمر فاروق نہیں ہوں گے تو آپ نے فرمایا: وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ہیں''

فائدہ:

اس روایت سے حضرت شیر خدا کی حضرت صدیق کی خلافت پر رضامندی اور اس کے خلافتِ حقہ ہونے کا عقیدہ بھی واضح ہو گیا اور آپ کے بعد حضرت فاروق اعظم کی خلافت پر بھی رضامندی بلکہ بذاتِ خود ان کو خلیفہ بنانے کا مطالبہ اور ان حضرات کا باہم شیر و شکر ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

(۱۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے محبوب کریم علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:

ماذا أعددت لها؟ قال: لا شيء الا أنی أحب الله ورسوله ﷺ قال: أنت مع من أحببت۔

''تو نے اس کے لیے تیاری کیا کر رکھی ہے؟ عرض کیا کچھ بھی تیار نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سے محبت رکھتا ہوں تو رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا

''تو انہیں کے ساتھ ہو گا جن سے تجھے محبت ہے''

قال أنس فما فرحنا بشيئ فرحنا بقول رسول الله أنت مع من أحببت قال

س فأنا أحب النبی ﷺ وأبابکر وعمر رضی اللہ عنہما وأرجوا أن أکون معھم
حبی ایاھم وان لم أعمل بمثل أعمالھم۔

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص۸۷)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہمیں کسی بھی چیز کے ساتھ فرحت حاصل نہ ہوئی جتنی کہ نبی
کرم ﷺ کے اس قول کے ساتھ فرحت حاصل ہوئی أنت مع من أحببت۔ حضرت انس
رماتے ہیں: پس میں نبی مکرم ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتا ہوں
ور میں امید رکھتا ہوں کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا بسبب ان سے محبت رکھنے کے اگرچہ
یں نے ان جیسے اعمال خیر نہیں اپنائے۔

فائدہ:

آپ رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول بھی ہیں اور دس سال پورے آپ ﷺ کی خدمت میں
گزارنے والے ہیں اور صرف نبی مکرم ﷺ کی محبت پر یہ ثمرہ اور انعام حاصل کرنے پر اکتفا نہیں
فرمارہے بلکہ آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ شیخین کی محبت کا التزام بھی کررہے ہیں اور ان کی
معیت کے حصول کے آرزومند ہیں، جس سے شیخین کی محبت کی اہمیت اور عظمت واضح ہوجاتی
ہے اور آپ کا یہ عقیدہ بھی سمجھ آگیا ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی جنت کے مقاماتِ عالیہ میں نبی
الانبیاء ﷺ کی معیت ورفاقت میں ہوں گے ورنہ تینوں مقدس ہستیوں کی معیت کے امیدوار
ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں ہوسکتا۔والحمدللہ علی ذالك

(۲۰) حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کے ساتھ زمین کی حد براری میں جھگڑا ہوگیا اور آپ کی زبان مبارک سے ان کے خلاف سخت کلمہ
نکل گیا جس پر آپ سخت نادم ہوئے اور انہیں کہا تم میرے حق میں ایسا کلمہ استعمال کرکے اپنا بدلہ
لے لو۔حضرت ربیعہ نے کہا میں قطعاً ایسا کلمہ تمہارے حق میں نہیں کہوں گا اور زمین پر بیٹھ گئے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری کے لیے چلے تا کہ آنحضرت ﷺ سے عرض کریں کہ حضرت ربیعہ کو قصاص لینے پر آمادہ کریں یہ بھی ان کے پیچھے چل پڑے ادھر آپ کی برادری کے لوگ بھی آپ کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے مجھے کہا اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم کرے وہ کس امر میں تمہارے خلاف رسول کریم علیہ السلام سے امداد واعانت طلب کریں گے حالانکہ سخت کلامی اور تغلیظ و تشدید سے خود انہوں نے کام لیا ہے تو آپ نے فرمایا جانتے ہو ابوبکر کون ہیں؟

هذا أبوبكر الصديق ـ هذا ثانی اثنين وهذا ذوشيبة المسلمين۔ اياكم لا يلتفت فيراكم تنصرونی عليه فيغضب فيأتی رسول الله ﷺ فيغضب لغضبه فيغضب الله لغضبهما فيهلك ربيعة، قالوا فماذا تأمرنا قال ارجعوا ،فانطلق أبوبكر الى رسول الله ﷺ فتبعته وحدى حتى أتى النبى ﷺ فحدثه الحديث كما كان فرفع الى رأسه فقال يا ربيعة مالك وللصديق قلت يا رسول الله كان كذا قال لی كلمة كرهها فقال لی قل كما قلت حتى يكون قصاصاً فأبيت فقال رسول الله ﷺ أجل فلا ترد عليه ولكن قل غفر الله لك يا أبابكر فقلت غفر الله لك يا أبابكر قال الحسن فولّى أبو بكر رضی الله عنه وهو يبكى (ازالة الخفاء جلد اول ص ٩٤)

یہ ابوبکر صدیق ہے، یہ ہے ثانی اثنین یعنی غار والے دو مصاحبوں میں سے دوسرا یہ ہے اہل اسلام کا پیر مرد اور شیخ، تم مجھ سے دور ہو جاؤ کہیں ابوبکر صدیق پیچھے متوجہ نہ ہوں اور تمہیں دیکھ لیں کہ تم میری مدد کرتے ہو ان کے خلاف تو وہ ناراض ہو جائیں گے، پس نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ ناز میں حاضر ہو کر (صورتِ حال عرض کر دیں) تو نبی مکرم ﷺ ناراض ہو جائیں گے اور ان دونوں حضرات کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا تو ربیعہ ہلاکت سے دوچار ہو جائے گا تو میرے قبیلہ والوں نے مجھ سے کہا ہمارے لیے تمہارا کیا حکم ہے میں نے کہا تم واپس

چلے جاؤ۔

چنانچہ حضرت ابوبکر بارگاہِ نبوی کی طرف چلے تو میں اکیلا ان کے پیچھے چل پڑا حتی کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال واقعی آپ سے عرض کی تو رسول گرامی ﷺ نے سرِ ناز میری طرف اٹھایا پس فرمایا:

اے ربیعہ! تمہارا ابوبکر صدیق سے کیا معاملہ ہے؟ میں نے باہمی اختلاف اور اس کا پس منظر بیان کیا پھر عرض کیا کہ انہوں نے میرے حق میں ایسا کلمہ کہہ دیا جس کو خود ہی ناپسند کیا پس مجھے کہا کہ تو مجھے اس طرح کہہ لے جس طرح میں نے تجھے کہا تھا تا کہ قصاص بن جائے میں نے اس سے انکار کر دیا، تو رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

ہاں وہ الفاظ ان پر مت لوٹاؤ بلکہ یوں کہہ دو، اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے! تو میں نے حکمِ رسول علیہ السلام کے مطابق کہا: اے ابوبکر! اللہ تعالےٰ تمہیں بخشے! حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اس حال میں کہ رو رہے تھے (اس خوشی پر کہ ربیعہ نے مجھے معاف کر دیا اور دعا دے دی اور اس خوشی میں کہ نبی اکرم ﷺ نے کرم نوازی فرمائی اور باعزت طریقہ پر قصاص دلوا دیا)

فائدۂ اولیٰ:

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے برادری کے سامنے حضرت صدیق کی عظمتِ شان کو اجاگر فرمایا۔ نیز ان کا ساتھ چلنا بھی پسند نہ کیا کہ کہیں ان کی رفاقت حضرت صدیق پر گراں نہ گزرے اور وہ ناراض ہو جائیں جبکہ ان کی ناراضگی رسولِ معظم ﷺ کی ناراضگی کا موجب بن جائے گی اور دونوں ناراضگیاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بن جائیں گی حالانکہ وہ بھی قدیم الصحبت صحابی ہیں لیکن اس قدر صدیقی عظمت ان کے دل میں موجود ہے۔

دور کی بات ہے حضرت صدیق کے کہنے اور بالتکرار و بالاصرار کہنے کے باوجود بدلہ نہیں لے
رہے حضرت صدیق بھی دھمکی دے رہے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوی میں شکایت کروں گا کہ انہوں
نے قصاص نہ لے کر میری غلطی کی معافی تلافی کا سامان نہیں کیا لیکن پھر بھی وہ الفاظ زبان پر لا
صدیق اکبر کے حق میں گوارا نہیں کیا جس سے صحابۂ کرام کے دلوں میں موجود حضرت صدیق
اکبر کی تعظیم و توقیر اور ادب واحترام روز روشن کی طرح نمایاں اور عیاں ہے۔

(۳) بارگاہِ نبوی میں بھی حضرت صدیق کی قدر و منزلت ظاہر ہے کہ ان الفاظ
بطور قصاص بھی حضرت صدیق کے حق میں استعمال کیا جانا آپ نے پسند نہیں فرمایا اور متبادل
صورت بیان فرمادی۔

(۴) نیز معلوم ہوا کہ انسان جتنا بھی بلند تر مرتبہ و مقام پر پہنچ جائے بشری تقاضے
کچھ نہ کچھ باقی رہ ہی جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور سے واپسی پر قوم کو بچھڑا پر
میں مبتلا دیکھا تو تورات کی تختیوں سے کیا سلوک کیا اور حضرت ہارون جو پیغمبر بھی ہیں اور بڑے
بھائی بھی ان کے ساتھ کس شدت سے پیش آئے۔

(۲۱) حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
خلافت پر اجماعِ صحابہ سے استدلال کرتے ہوئے نقل کیا:

عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال مارأى المسلمون حسنًا فهو
عندالله حسن ومارأوه سيئًا فهو عندالله سيئى وقد رأى أصحابه جميعًا
يستخلفوا أبابكر۔ (ازالة الخفاء ص ۷۵)

”جس کو اہل اسلام اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس امر کو
برا اور قبیح سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی برا ہے اور آپ کے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان
نے اسی امر کو پسند کیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں لھذا یہی امر اللہ تعالیٰ کے ہاں

مستحسن اور پسندیدہ ہے"

۲۱:الف) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ابوبکر صدیق کے حق میں بھی کچھ کہا ہے؟ تو آپ نے عرض کیا: میں نے ان کے حق میں یہ اشعار مرتب کیے ہیں اور ان میں یہ بھی شعر تھا:

وكان حب رسول الله قدعلموا من الخلائق لم يعدل به بدلا

فتبسم رسول الله ﷺ۔

اور ابوبکر صدیق رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے مخلوقات میں سے، آپ نے کسی شخص کو ان کا بدل اور مد مقابل نہیں ٹھہرایا۔ یہ سن کر رسول خدا ﷺ نے تبسم فرمایا۔

(ب) حاکم نے ہی نقل کیا ہے کہ شعبی سے أول المسلمین کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا تو نے حضرت حسان کا یہ قول نہیں سنا ہے:

اذاتذكرت شجواًمن أخى ثقة فاذكرأخاك أبابكر بما فعلا

خير البرية أتقاها و أعدلها بعد النبى وأوفاها بما حملا

"اگر تو کسی صاحب وثوق اور قابل اعتماد شخص کے غم واندوہ کو یاد کرے تو (سب سے پہلے اپنے بھائی ابوبکر کو یاد کر۔ ساتھ اس فعل وعمل کے جو ایسے مواقع پر انہوں نے کیا۔ وہ ساری مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں اور سب سے زیادہ متقی اور سب مخلوق سے بڑے عادل بعد نبی کریم علیہ السلام کے اور سب سے زیادہ وفا کرنے والے اس ذمہ داری میں جس کو اپنے اوپر لازم ٹھہرایا"

الثانى التالى المحمود مشهده وأول الناس من صدق الرسلا

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص۹۹)

"دو میں سے دوسرے ہیں اور ہمہ وقت قرآن حکیم کی تلاوت کرنے والے ہیں اور آپ کی ہر معاملہ میں اتباع اور پیروی کرنے والے ہیں اور قابل ستائش ہے ان کی موجودگی۔ اور

ان تمام لوگوں میں اول اور سابق ہیں جنہوں نے رسل وانبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی"

(ج) مجاھد نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ میں نے بذاتِ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا یا میری موجودگی میں آپ سے سوال کیا گیا کہ کون شخص تمام اسلام وایمان لانے والوں میں سے اول اور سابق ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہیں سنا ہے اور اوپر مذکور اشعار پڑھ کر سنائے۔

(د) ابو عمر نے استیعاب میں ذکر کیا ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے حسان بن ثابت سے دریافت فرمایا: کیا تو نے ابوبکر صدیق کے حق میں کچھ اشعار کہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا جی ہاں! اور مذکور بالا تین اشعار پڑھ کر سنائے۔ اور ان میں چوتھا شعر یہ تھا

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذصعدوا الجبلا

فسرالنبی ﷺ بذالك وقال أحسنت یا حسان۔

"اور ابوبکر بلند مرتبت، غار میں دو میں سے دوسرے ہیں درآنحالے کہ دشمن اس غار کے گرد چکر لگا رہے تھے جبکہ پہاڑ پر چڑھے ہوئے تھے"

یہ اشعار سن کر محبوبِ کریم علیہ السلام مسرور ہوئے اور فرمایا اے حسان تو نے خوب کہا اور ان دو اشعار میں پانچواں یہ بھی مروی ہے

وکان حب رسول اللہ قدعلموا خیرالبریة لم یعدل به رجلا

اور ابوبکر صدیق رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے سب کو اس کا یقینی علم ہو چکا۔ ساری مخلوق سے بہتر اور برتر ہیں اور آنحضرت ﷺ نے کسی کو ان کے برابر نہیں ٹھہرایا (چہ جائے کہ افضل ٹھہرائیں)

فائدہ:

ان اشعار میں حضرت حسان کا عقیدہ ونظریہ بھی حضرت صدیق اکبر کے متعلق واضح

ہو گیا اور حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک بھی جو صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ اہل بیتِ کرام میں عظیم مقام کے مالک ہیں اور نبی مکرم ﷺ کے حضرت حسان سے دریافت کرنے میں آپ کی اس امر میں دلچسپی اور اس کی پسندیدگی بھی واضح ہوگئی اور پھر ان کا بارگاہِ صدیقی میں نذرانہ عقیدت بن کر تبسم فرمانا اور داد و تحسین فرمانا آپ کے حضرت صدیق کے متعلق عقیدہ و نظریہ کو روز روشن کی طرح واضح کر رہا ہے تو پھر ہم غلاموں اور نیاز مندوں کو بھی اسی صراطِ مستقیم اور صراط الذین انعمت علیھم پر چلنا لازم ہے۔

نوٹ:

مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول چند روایات افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہاں ذکر ہو چکی ہیں لیکن علی مرتضٰی سے مروی روایات اس ضمن میں بہت زیادہ ہیں جیسے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

أمّا بیان افضلیت شیخین پس ازوے متواتر شده مرفوعًا و موقوفًا هر چند ایں مسئله مذهب جمیع اهل حق است ۔ امّا کسے از صحابه آنرا مصرح تر و محکم ترچوں علی مرتضی رضی الله عنه نیاوره۔

(ازالة الخفاء جلد اول ص ٦٦)

''افضلیت شیخین کا بیان آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے مرفوع احادیث کے ذریعے بھی اور موقوف روایات کے ذریعے بھی۔ اگرچہ یہ نظریہ سب اہل حق کے ہاں مسلم ہے اور ان کا مذہب ہے لیکن صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی نے علی مرتضٰی کی مانند اس کو بہت صراحت و وضاحت کے ساتھ اور کامل تر استحکام اور مضبوطی کے ساتھ ذکر نہیں کیا''

لہٰذا آپ کے ارشادات کو ذرا بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اہل السنّت کے قلوب و اذہان کو تسکین و طمانیت حاصل ہو جائے اور جھوٹے مدعیان محبت و تولّی کی بے لگام

زبانوں کو لگام دی جا سکے اور آپ کے علاوہ دوسرے اکابرین اہل بیت کے ارشادات کا علم وادراک بھی مزید اطمینان وسکون کا موجب ہوگا تو اس لیے ان کو آپ کے ارشادات کے بعد ذکر کرنا ضروری سمجھا۔

نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ محبوب ترین ہونا افضل ترین ہونے کو مستلزم نہیں ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ نہ شیعہ کا مذہب ہو سکتا ہے اور نہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب لوگوں سے حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا محبوب ترین شخصیات ہونا ثابت ہو گیا اگر محبوب ترین شخص ہونا حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں کما فی حدیث الطیر بزعم الشیعة افضل ترین ہونے کی دلیل ہے تو پھر اسی طرز استدلال اور انداز احتجاج کو یہاں بھی بروئے کار لاتے ہوئے حضرت صدیقہ کو افضل علی الاطلاق اور حضرات شیخین کو ان کے بعد افضل الخلائق تسلیم کریں۔

(۱۲) قال علی رضی اللہ تعالے عنہ خیر النا س بعد النبیین أبو بکر ثم عمر ثم اللہ أعلم (شرح مواقف شرح مقاصد و کذا فی الاستیعاب)

مولائے مرتضیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں بعد ازاں عمر فاروق افضل ہیں پھر ان کے بعد افضل کون ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر طور پر جانتا ہے"

فائدہ:

کیا محبان مرتضیٰ ان کو جھٹلانے کی جسارت کر سکتے ہیں؟ جب نہیں تو پھر آپ کے فرمان کے مطابق سب لوگوں سے افضل و برتر ماننا حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا لازم اور ضروری ہے۔ مولائے مرتضیٰ کا یہ ارشاد آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور تقریبا

بیاسی (۸۲) حضرات نے آپ سے اس کو نقل فرمایا ہے کمافی الصواعق المحرقه۔

(۱۳) قیل له أما توصی و تعین من یقوم مقامك بعدك؟ قال: ما أوصی رسول الله ﷺ حتی أوصی ولکن ان اراد الله بالناس خیرًا جمعهم علی خیرهم کما جمعهم بعد نبیهم علی خیرهم۔ (شرح مواقف ص ۷٤۱)

حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کیا آپ وصیت نہیں فرماتے اور اپنے بعد اپنا قائم مقام مقرر نہیں فرماتے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"رسول ثقلین ﷺ نے وصیت نہیں فرمائی تھی تو میں کیسے وصیت کروں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا تو ان کو ان میں سے بہتر اور برتر پر جمع فرمادے گا جیسے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد انہیں سب سے بہتر و برتر پر جمع فرمادیا تھا"

فائدہ:

مولائے مرتضی سب صحابہ پر حضرت صدیق کو افضلیت دے رہے ہیں کیونکہ انہیں پر اللہ تعالیٰ نے سب صحابۂ کرام کو متفق فرمایا تو کیا ان کو سچا نہ مانا جائے؟ اور کیا حضرت صدیق کو تمام اصحابِ رسول علیہ السلام سے خیر اور افضل تسلیم نہ کیا جائے؟

نیز معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک افضلیت بنائے خلافت ہے نہ کہ خلافت بنائے افضلیت جیسے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو مولائے مرتضی سے بھی زیادہ عقل مند اور حقائق شناس سمجھ رکھا ہے۔

نہج البلاغہ سے مولا علی کے ایک خط کا اقتباس:

(١٤) قال علی رضی الله تعالے عنه فی جواب کتاب أمیر معاویة رضی الله عنه کان أفضلهم فی الاسلام کما زعمت و أنصحهم لله ولرسوله الخلیفة الصدیق ثم

خلیفة الخلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله و جزاهما بأحسن ما عملا الخ۔

(نهج البلاغه مع شرح ابن میثم جلد٤ ص ٣٦٢ نهج البلاغه مع شرح حدیدی جلد ١٥ ص ٧٦)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے معاویہ! واقعی ان میں سے افضل ذات اسلام میں جیسے تو نے کہا اور عندیہ ظاہر کیا اور سب سے زیادہ مخلص اللہ تعالیٰ کے حق میں اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے حق میں تھے خلیفہ صدیق اور اس خلیفہ کے خلیفہ عمر الفاروق رضی اللہ عنہما، مجھے میری زندگی کے خالق کی قسم ان دونوں کا مرتبہ و مقام اسلام میں عظیم ترین ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے بہت بڑا کاری زخم ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کے احسن ترین اعمال کی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ الیٰ اخر ماقال

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شیخین اور مولائے مرتضی کے درمیان تقابل و توازن قائم کرتے ہوئے ان کو آپ سے افضل کہا تھا تو آپ نے اس پر ردوقدح نہیں فرمایا بلکہ ان کی شان وعظمت کا اقرار واعتراف فرمایا اور ان کے وصال کو اسلام کے لیے شدید زخم اور عظیم نقصان و خسارہ قرار دیا- تو پچھلی روایات کی طرح اس سے بھی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کا افضل الامت ہونا واضح ہوگیا کیونکہ آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس نظریہ و عقیدہ میں موافقت فرمائی اور ان کی تائید وتصدیق فرمادی۔ کان افضلهم الخ جملہ مستانفہ ہونے کی صورت میں آپ کا اپنی طرف سے ان کا افضل الناس اور انصح ہونے کا اعتراف واقرار ہے اور بصورت دیگر سکوت فی معرض البیان بیان محل بیان اور مقام نزاع میں خاموشی ہی بیان و اظہار ہوا کرتی ہے۔

فی اور تلخیص سے مولائے مرتضی کا ایک خطبہ:

۱) ان علیا علیہ السلام قال فی خطبتہ خیر ھذہ الأمة بعد نبیھا أبوبکر
عمر رضی اللہ عنھماو فی بعض الأخبار أنہ علیہ السلام خطب بذالك بعد ما انھی
ہ أن رجلا تناول ابابکروعمر بالشتیمة فدعی بہ و تقدم بعقوبتہ بعد أن شھدوا
ہ بذالك (شافی وتلخیص شافی جلددوم ص ٤٢٨ مطبوعہ نجف اشرف)

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا:

"اس امت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب سے خیر و برتر ابوبکر اور عمر ہیں رضی اللہ
"

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کے اس خطبہ کا پس منظر اور باعث و موجب یہ ہے
آپ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما
توہین و تحقیر کی ہے اور ان پر سب و شتم کیا ہے تو آپ نے اسے بلایا اور شہادتیں مل جانے پر اس
اپنے ہاتھ مبارک سے تادیب و تعزیر فرمائی اور بعد ازاں ان کی عظمت بیان کرتے ہوئے اس
ح خطاب فرمایا۔

ضلیت شیخین کے منکر کے لیے مولائے مرتضی کی سزا:

۱ :ب) قال علی رضی اللہ عنہ:

لا یفضلنی أحد علی أبی بکرو عمر الا جلدتہ حدالمفتری۔

(الاستیعاب جلد اول ص ٥٨٣)

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جو شخص بھی مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے گا میں اس کو

افتراء پردازی اور بہتان تراشی والی حد (اسی کوڑے) لگاؤں گا"

فائدہ:

اگر آپ کو ان دو حضرات پر فضیلت دینا مباح ہوتا یا صرف مکروہ ہوتا تو مفتری والی حد لگانے کے اعلان کا اور عملی طور پر حد لگانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ لہـــذا ثابت ہوا کہ آپ کی نظر میں یہ عمل اور قول اشد حرام اعمال واقوال میں سے ہے- نیز اگر ان کی افضلیت قطعی نہ ہوتی تو حد لگانے کا کیا جواز تھا-

(١٦) روی عن جعفر بن محمد عن أبیه أن رجلًا من قریش جاء الی أمیر المومنین علیه السلام فقال سمعتك فی خطبتك تقول: اللهم أصلحنا بما أصلحت به الخلفاء الراشدین فمن هما؟ قال هما حبیبای و عماك أبو بكر و عمر اماما الهدی و شیخا الاسلام و رجلا قریش المقتدی بهما بعد رسول الله ﷺ من اقتدیٰ بهما عصم و من اتبع آثارهما هدی الی صراط مستقیم

(شافی لعلم الهدی و تلخیص شافی لمحقق طوسی جلد٢ ص٤٦٨)

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں ایک قریشی آدمی امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے آپ سے دوران خطبہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

اے اللہ! ہماری ان امور اور اعمال کے ساتھ اصلاح فرما جن کے ساتھ تو نے خلفاء راشدین کی اصلاح فرمائی ہے تو وہ دونوں کون ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

"وہ دونوں میرے حبیب اور تمہارے چچا ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں جو ہدایت کے امام اور اسلام (اور اہل اسلام) میں بزرگ ہستیاں ہیں اور قریش میں سے دو مرد ہیں اور رسول مکرم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بعد مقتداء اور پیشوا ہیں (اہل اسلام کے) جس

نے ان کی اقتداء واتباع کی وہ (شرِ شیطان) سے محفوظ رہا اور جس نے ان کے آثار اور نقوش قدام کی پیروی کی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی"

(١٧) روی جعفر بن محمدعن أبيه عن جابر بن عبدالله (رضی الله عنهم) قال ما غسل عمر و كفن دخل علی عليه السلام فقال ﷺ ماعلی الأرض أحد أحب الیّ من أن ألقی الله بصحيفته من هذا المسجی بين أظهر كم -

(شافی و تلخيص شافی جلد٢ ص ٤٢٨)

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو غسل دے دیا اور کفن پہنا دیا گیا تو اس دوران علی المرتضیٰ تشریف لائے پس کہا:

"اللہ تعالےٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اب روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں رہ گیا کہ مجھے یہ امر محبوب ہو اور مجھے اس امر کی تمنا اور آرزو ہو کہ میں بھی مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں اور اس کی بارگاہ میں حاضری دوں اس کے صحیفہ اعمال جیسے صحیفہ کے ساتھ بنسبت اس کفن پوش کے جو تمہارے سامنے کفن میں لپٹا ہوا موجود ہے"

بیانِ فوائد:

شیعی کتب کے حوالے سے درج کردہ یہ روایات اور سنی کتب سے منقول سابقہ روایات سے واضح ہوگیا کہ خود مولائے علی مرتضی رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کو افضل الامت بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء سمجھتے تھے اگر ان کو اپنی ذات سے بھی افضل نہ سمجھتے تو ان کے اعمال جیسے اعمال اور ان کے نامہائے اعمال جیسے نامہ عمل اپنے لیے کیوں طلب کرتے اور اس کو محبوب کیوں سمجھتے؟

اگر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا صحیفۂ اعمال آپ کے لیے قابل رشک ہے جن کی

تمام عمر کی نیکیاں حضرت صدیق اکبر کی ایک نیکی کے برابر ہیں جیسے کہ بزبانِ رسالت مآب ﷺ ذکر کیا جاچکا اور بزبانِ فاروق اعظم بھی ان کے ایک دن یا ایک رات کی نیکی کے برابر ہونے کی تمنا اور آرزو قبل ازیں ذکر کی جاچکی ہے۔ تو پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اعمال نامہ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کس قدر قابلِ رشک ہوگا لھـــذا ان ارشاداتِ مرتضویہ سے ان دونوں حضرات کی افضلیت دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ واضح ہوکر اہلِ اسلام اور اربابِ ایمان کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ ھو الھادی الی سبیل الرشاد

نیز مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق ثابت ہوگیا کہ وہ صرف اس نظریہ وعقیدہ پر قائم نہیں تھے بلکہ اس کے مبلغ اور پرچارک بھی تھے تو ایسے عقیدہ کی مخالفت کرنے والوں کا یا اس کو ترک کرنے والوں کا مولائے مرتضیٰ کے ساتھ کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ جبکہ وہ آپ کو جھٹلانے والے لوگ ہیں۔

شیعہ کی تاویلات اور مذہبِ اہلِ سنت کی حقانیت

بعض شیعہ علماء نے کہا کہ یہ روایات تو اہل سنت کی ہیں صاحب شافی نے تو ان پر ردو ح کرنے کے لیے ان کو ذکر کیا اور بعض نے کہا یہ اقوال تو واقعی آپ کے ہیں لیکن آپ عوام کو اپنی رعیت کو مطمئن کرنے کے لیے اور اپنے ساتھ مددگار اور معاون بنائے رکھنے کے لیے یہ یوں فرماتے تھے لیکن اپنا اصلی عقیدہ جو خواص کے سامنے ظاہر کرتے تھے وہ اس سے مختلف گویا اسداللہ الغالب رعیت کے علیحدہ ہو جانے کے ڈر سے بطور تقیہ اس طرح علانیہ کہتے تے تھے (پوری تفصیل مذہبِ شیعہ مصنفہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی قدس سرہ میں اور ہ کی کتاب تحفۂ حسینہ میں ملاحظہ فرماویں)

پہلی صورت میں ان ارشادات اور روایات سے اہل سنت کا مذہب تحقیقی اور برھانی از میں ثابت ہو جائے گا یعنی واقعہ میں اہل سنت کے کثیر التعداد روایات سے حضرت علی کے یک حضرت ابوبکر صدیق کا افضل الامت ہونا اور ان کے بعد حضرت عمر کا افضل الامت نا مسلم حقیقت ہے اور خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی یہی ہے تو اس کے خلاف ھی قول ہوگا تو وہ اجماع صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی رو سے مردود ہوگا اور اس کا قائل کسی ورت میں بھی سنی نہیں سمجھا جائے گا اور دوسری صورت میں جدلی انداز میں اور الزامی طریقہ پر ظریہ اور عقیدہ ثابت ہو جائے گا کہ تمہاری مذہبی کتب اور مسلم اکابرین کی نقل کردہ ان روایات سے بھی اہل سنت کے مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے تو تمہیں اہل نت کی مخالفت کا کیا حق پہنچتا ہے؟

جن کی افضلیت علی الاطلاق کے قائل ہو وہ خود تمہیں جھٹلا رہے ہیں اور ان دونوں ضرات کی بالخصوص حضرت صدیق کی افضلیتِ مطلقہ کا اعلان فرماتے رہتے تھے۔

کیا دو اسلام جاری کرنا امام برحق کی شان کے لائق ہے؟

اگر شیعی تاویل کے مطابق علانیہ اور ظاہر و باہر مذہب و مسلک آپ کا اہل سنت والا مسلک تھا اور آپ اس کے پرچارک تھے اور باطنی اور خفیہ مذہب اہل تشیع والا تھا اور آپ نے دو اسلام جاری کر رکھے تھے تو آپ امام الہدیٰ شیر خدا اور اسد اللہ الغالب کیسے ہو سکتے ہیں؟

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

الغرض سنی شیعہ کتب کی روایات سے، کلام مجید سے اور احادیثِ رسول ﷺ سے حضرت صدیق اکبر کا أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام ہونا ثابت ہو گیا اور ان کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا پھر حضرت عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

کیا یہ ترتیب فضائل ظنی ہے اور اعتقاد و عمل میں کارآمد نہیں ہے؟

علامہ تفتازانی اور بعض دیگر حضرات کی عبارات سے تاثر یہ ملتا ہے کہ یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے اور نہ ہی اعمال میں مفید و کارآمد ہے اور نہ بابِ عقائد میں اور نہ واجباتِ شریعہ اس مسئلہ کی تحقیق پر موقوف ہیں جب کہ متنازع فریقین کے دلائل باہم متعارض ہیں۔ گویا تین طرح کے شکوک وشبہات یہاں پر وارد کیے جا سکتے ہیں:

اول فریقین کے دلائل کا تعارض۔

ثانی یہ مسئلہ عملی نہیں ہے بلکہ اعتقادی ہے اور ظن پر اکتفاء عملیات میں جائز ہے نہ کہ اعتقادیات میں۔

ثالث اس مسئلہ میں توقف اور سکوت سے کام لینا واجبات شرع میں کسی طرح بھی مضر اور خلل انداز نہیں ہے۔

حضرت علامہ محمد عبدلعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں شکوک وشبہات اور وساوس کا احسن انداز میں محاسبہ کیا ہے اور ان کو بیخ و بن سے اکھیڑا ہے:

(۱) جواب الاول کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت کے دلائل میں (کلام
کے دلائل کے ساتھ ساتھ) احادیثِ صحیحہ اور واضح دلائل موجود ہیں (جیسے کہ بطور نمونہ چند
یث ذکر کی گئیں ہیں اور خود مولائے مرتضی کے اعترافات) جب کہ شیعہ کے دلائل
وعات کے قبیل سے ہیں یا غیر واضح ہیں از روئے دلالت بر مدعا- (جیسے کہ علامہ تفتازانی
مقاصد اور شرح مقاصد میں ان پر اجمالی تبصرہ کیا ہے) اور کتبِ احادیث میں درج احادیث
حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا اولین و آخرین اور اهل
اوات اور اهل ارضین پر افضل ہونا ماسوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے وغیرہ
ہ محقق انداز سے ثابت ہے- لیکن علمائے کلام علمِ حدیث سے کئی مراحل دور ہوتے ہیں ورنہ
ن و حدیث کے دلائل جو اقاویلِ سلف یعنی صحابۂ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے اجماع و
ق کی بنیاد ہیں اور اہل سنت والجماعت کہلانے کی اساس و بنیاد ہیں اسلاف کے ساتھ محض
ن ظن کی بنا پر ان سے ثابت اس نظریہ کو تسلیم کرنے کا کیا مطلب؟

اور محدثین کرام کے ان احادیث کو جمع کرنے کا کیا فائدہ اور ان کو اس خاص ترتیب
ے ذکر کر کے بیان کرنے کا کیا ثمرہ؟ گویا وہ سبھی عبث و بے کار کوشش اور بے ثمر اور بے نتیجہ
و جہد اور سعی کرتے رہے بلکہ امتِ محمدیہ کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے رہے، معاذ اللہ-

(۲) جواب الثانی:

یہ دعوی کرنا کہ اعتقادیات میں ظن کار آمد نہیں ہے علی الاطلاق درست نہیں ہے لأنا
جد علماء السنة سلفًا و خلفًا یذکرون فی کتب الاعتقادات مسائل مظنونه
یونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کے علمائے سلف ہوں یا علمائے خلف وہ اپنی کتب عقائد میں ظنی
سائل ذکر فرماتے رہتے ہیں، مثلا

(۱) انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں یا ملائکہ ان سے افضل ہیں؟

(۲) ہمارے نبی مکرم ﷺ کے بعد سب انبیاء میں سے افضل حضرت آدم ہیں حضرت ابراہیم یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام؟

(۳) صحابۂ کرام میں سے عشرۂ مبشرہ افضل ہیں پھر اہل بدر پھر اہل احد پھر اصحابِ شجرہ اور اہل حدیبیہ۔

(۴) خلافتِ حقہ متواترہ ومتواصلہ تیس (۳۰) سال تک ہے۔

(۵) ہر مجتہد مخطی اور مصیب ہوتا ہے یا ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

(۶) انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت میں اقوال مضطربہ کا ذکر۔

(۷) ایمان زائد یا ناقص ہوتا ہے یا نہیں و غیر ذالك۔

ورنہ ان مسائل اعتقادیہ کو کتبِ عقائد میں ذکر کرنا اور موضوع بحث بنانا عبث بن جائے گا:

فعلم أن عدم جواز الظن فی العقائد انما ہو حیث یطلب الیقین کالتوحید والرسالة و اذا کان الظن فاسداً کظن المشرکین الذین نعی علیہم القرآن اتباع الظن و أما اذاأفاد الدلیل الظنی مسئلة اعتقادیة جاز تسلیمہا علی حسب ظن بل وجب ذالك للقطع بان الدلیل قدأفاد الظن بکونہاحقا ولئلایلزم اہمال کثیر من الأحادیث الافراد المرویة فی الاعتقادیات و جعل و جودہا کعدمہا کتفصیل بعض أحادیث أحوال القبر و الحشر۔

''الحاصل معلوم ہوگیا کہ بابِ عقائد میں ظن کا جائز نہ ہونا صرف اور صرف وہاں ہے جہاں پر یقین مطلوب ہو جیسے کہ توحید ورسالت کا نظریہ وعقیدہ یا اس صورت میں جب کہ ظن فاسد ہو جس طرح مشرکین کے ظن جس کی اتباع پر قرآن مجید نے ان کی مذمت کی ہے۔لیکن جب دلیل ظنی اعتقادی مسئلہ کا افادہ کرے تو اس کا تسلیم کرنا بھی علی حسب الظن

ز ہوگا (کیونکہ عقائد قطعیہ بھی ہوتے ہیں جن کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے اور ظنی بھی ہوتے ہیں
ں کا انکار فسق اور بدعت قرار پاتا ہے اس ظنی کو عوام کے نظریہ کی طرح شک وشبہ اور وسوسہ کے
ں میں لینا کسی عقل مند کے نزدیک جائز نہیں ہے) بلکہ اس کو تسلیم کرنا واجب ہے کیونکہ یہ امر
ں ہے کہ اس دلیل نے اس مسئلہ اعتقادیہ کے برحق ہونے کا فائدہ دیا نیز ظن کا باب عقائد میں
ار نہ کرنے کی صورت میں بہت سے اخبار آحاد وافراد جو بابِ اعتقادیات میں مروی ہیں ان
مل ہونا اور بے فائدہ و بے مقصد ہونا لازم آئے گا اور ان کے وجود کو بمنزلۂ عدم ٹھہرانا لازم
ئے گا جس طرح قبر و حشر کے بعض احوال کی تفصیل (لہذا جس طرح اعمال کے دلائل کبھی عمل
رضیت کا فائدہ دیتے ہیں اور کبھی وجوب کا تو باب عقائد میں اس طرح کے مراتب و درجات
تبار کیوں نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی وہ فرائض کے درجات میں ہوں جن کا انکار کفر بن جائے
توحید و رسالت اور حشر و نشر وغیرہ اور کبھی واجبات کے درجہ میں ہوں اور ان سے انحراف فسق
لت اور ابتداع کا موجب ہوجائے جبکہ یقین اعتقاد جازم مطابق للواقع ثابت کا نام ہے تو
م نہ ہوا تو شک بن جائے گا مطابق واقعہ کے نہ ہوا تو جہل مرکب بن جائے گا اور ثابت نہ ہوا
تشکیک مشلک سے زائل ہوگیا تو تقلید کہلائے گا تو تقلید والی صورت میں اعتقاد و تصدیق
ہے جازم ہوتی ہے اور تقلید مصیب واقع کے مطابق بھی ہوتی ہے صرف اتنی لچک اس میں
ہے کہ شکوک وشبہات ڈالنے سے زائل ہوسکتی ہے تو ایسے عقائد درجہ تقلید مصیب میں
ئیں گی نہ کہ سرے سے عقائد ہی نہ رہیں گے۔ فتأمل حق التأمل- سیالوی غفرلہ
ب الثالث:

فلأن المسائل التی یتوقف علیها الواجبات قلیلة جدا فعلم أن فائدة
تقادیات لیست محصورة فی توقف الواجبات علیها بل الاعتقاد مقصود
فسه ولو سلم فنقول هذه المسئلة یدور علیها ابطال مذهب الشیعه فان أول

أصولهم أن علیارضی اللہ عنه أفضل الکل ثم یفرعون علیه أنه أشبه الصحابة بالنبی ﷺ فهو الخلیفة و أن مذهبه هو الحق لا مذهب غیره و أن الصحابة ظلموه حیث استخلفوا غیره مع أنه أفضل و أعلم و أشجع و أن الظالمین غیر عدل فلا یصح روایة الحدیث عنهم فیبطل کل حدیث رواه أهل السنة و هذا هو ترتیبهم فی تضلیل ضعفاء المسلمین و فساده أشد من مفاسد مذهب المعتزلة و الجبریة و أشباههم فیجب علی العلماء الاهتمام بمسئلة الافضیلة۔

(نبراس ص٤٨٩، ٤٩٠)

’’تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے جن مسائل اعتقادیہ پر واجبات موقوف ہیں وہ بہت قلیل ہیں، لھذا معلوم ہوگیا کہ اعتقادیات کا فائدہ صرف یہ نہیں ہے کہ واجبات ان پر موقوف ہوں (جس طرح توحید و رسالت پر) بلکہ اعتقادیات اور ان کے ساتھ اعتقاد بذات خود بھی مقصود ہوتے ہیں (کیونکہ باطن کے تزکیہ و تصفیہ میں بالخصوص وہ بہت مفید و مفیض ہوتے ہیں) اور اگر علیٰ سبیل التنزل اور علی الاحتمال الأ بعد تسلیم کر بھی لیں تو ہم کہتے ہیں (اس نظریہ پر بہت بڑے واجب امر کا دارومدار ہے) یعنی یہ کہ اس مسئلہ پر اہل تشیع کے مذہب ابطال موقوف ہے کیونکہ ان کے مذہب کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ علی مرتضی افضل الکل ہیں پھر اس پر یہ تفریعات مرتب کرتے ہیں کہ وہ سب صحابہ کی نسبت نبی کریم ﷺ کے زیادہ مشابہ ہیں لھذا وہی آپ کے بعد خلیفہ ہیں اور انہی کا مذہب برحق ہے نہ کہ دوسرے صحابہ کا اور یہ صحابہ نے ان پر ظلم کیا جبکہ ان کے ہوتے ہوئے دوسروں کو خلیفہ بناتے رہے حالانکہ وہ افضل تھے اور اعلم و اشجع بھی اور یہ امور خلافت کے اہم ارکان اور موقوف علیہ ہیں) اور یہ کہ عدالت سے محروم ہوتے ہیں لھذا ان سے احادیث روایت کرنا بھی درست نہیں تو اس کا نتیجہ نکلے گا کہ ہر وہ حدیث باطل ہو کر رہ جائے گی جس کو اہل سنت نے روایت کیا ہے۔ یہ ہے ان

رف سے ترتیب ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اجماعی راستہ اور صراط مستقیم سے دور
رنے کی اور اس مذہب کے مفاسد معتزلہ اور جبریہ وقدریہ کے مذہبی مفاسد سے بڑھ کر ہیں
ا علمائے کرام پر فرض ہے کہ وہ افضلیت والے اپنے نظریہ کو اہمیت دیں اور اس کو اہم ترین
جبات میں سے شمار کریں اور اسکی تقریری وتحریری اور تدریسی انداز میں اشاعت کریں"

ول پن اور سادگی کی انتہا یا شیعی مذہب سے ناواقفیت:

یہ سمجھ لینا اور تقریری اور تحریری طور پر بیان کرنا ہم نے فریقین کے دلائل کو متعارض پایا
ت ہی عجیب ترین دعویٰ ہے کیونکہ افضلیت میں نزاع واختلاف فضیلت کی نفی نہیں کرتا چنانچہ
ل السنت حضرت صدیق کو افضل ماننے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب
کے دل وجان سے معترف ہیں اور ان کی محبت کو روح ایمان اور جان اسلام سمجھتے ہیں علیٰ
القیاس جو اہل سنت کا شرذمۂ قلیلہ حضرت علی المرتضی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت
تا ہے وہ سیدنا عثمان کے فضائل اور مناقب کے بھی معترف ومعتقد ہیں لھذا یہاں پر دلائل کا
لمی جائزہ لیا جا سکتا ہے اور راجح مرجوح، صحیح اور اصح اور قوی واقویٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ
یا جائے گا اور صحیح نظریہ وعندیہ اپنایا جائے گا۔

لیکن یہاں پر فریق ثانی شیعہ اور روافض ہیں اور وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مرتد اور
افق اور ظالم اور غاصب تسلیم کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی تنقید کرتے ہیں تو ان کو اہل
ت کے مقابل فریق ماننا اور ان کے پیش کردہ دلائل کو اہل سنت کے دلائل کا معارض سمجھنا کب
کن ہے؟ پھر وہ اس قرآن پاک کو اصلی قرآن ہی نہیں تسلیم کرتے بلکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اصلی
رآن حضرت مہدی اپنے پاس چھپائے ہوئے ہیں آئیں گے تو لائیں گے، اور اس میں طرح
رح کی غلطیاں نکالتے ہیں جب اصل دلیل قرآن ہے اور اس کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے تو
یگر دلائل کا حال کیا ہوگا؟ جو کہ موضوعات ومخترعات کا مجموعہ ہے یا پھر ہماری ہی کتب حدیث کی

روایات ہوتی ہیں جو ان کی طرف سے گویا الزام وجدل کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

تعارض کا امکان اس وقت ہوتا جب وہ لوگ حضرات خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان بلکہ بالعموم صحابہ کے ایمان واخلاص کے قائل ہوتے حالانکہ ان کا عقیدہ ہے ارتد الناس الا ثلاثة سلمان وأبو ذر والمقداد رضی اللہ عنهم یعنی وصال نبوی کے بعد سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے ماسوائے سلمان فارسی ابوذر غفاری اور مقداد رضی اللہ عنہم کے۔ تو دلائل تفضیل میں تعارض کا یہاں پر تصور ہی کون کر سکتا ہے؟ فتأمل حق التأمل

نیز جب ایک فریق شیعہ اور رافضی ہیں اور دوسرا فریق اہل سنت ہیں خلفائے اربعہ میں سے افضل کون ہے اس میں ان کے درمیان اختلاف ہے تو جب کہیں ہم نے فریقین کے دلائل کو باہم متناقض ومتعارض پایا تو یہ کہنے والے خود کس کھاتے میں پڑ گئے؟ نہ شیعہ بنے نہ سنی رہے، نعوذ باللہ اور مانتے بھی ہوں ہمارے سلف یعنی صحابہ اور تابعین کا اتفاق اس ترتیب پر ہے تو ان کا صحابۂ کرام اور تابعین عظام والے راہِ راست اور صراط سے انحراف واجتناب لازم آ گیا تو ان جیسے ذمہ دار علامہ کا یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ کلام ہے خدا جانے اس کلام کے مفاسد ان سے کیوں اوجھل رہے؟ کیا کسی شیعہ عالم نے بھی اس قسم کی لچک دکھائی ہے اور ہمارے دلائل کو اپنے دلائل کے معارض ٹھہرایا ہے؟ بالکل نہیں۔

مبحث تفضیل میں فضیلت سے کیا مراد ہے؟

یہ امر بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ موضوع بحث اور محل کلام میں وہ فضیلت مراد ہے جو کثرتِ ثواب اور عند اللہ کرامت وعزت کے معنیٰ میں ہے۔ لہذا بعض حسبی ونسبی اور جزوی فضائل میں مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کو صرف مساوات ہی نہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے افضلیت بھی حاصل ہے، مثلاً نسبی قربت وقرابت، زوج بتول ہونا، حسنین کریمین کے والد ہونا اور فاتح خیبر ہونا وغیرہ وغیرہ لیکن اس طرح جزوی فضائل میں دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی

ذن اللہ قاسم الخیرات نبی ﷺ نے اعزازات اور امتیازات بخشے ہیں۔

ض صحابۂ کرام کے جزوی فضائل بزبانِ رسالت مآب ﷺ:

(۱) چنانچہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

ان لکل نبی حواریاوحواری الزبیر(رواه البخاری)

غزوۂ خندق جس کو غزوۃ الأحزاب بھی کہا جاتا ہے جبکہ سارے کافر متفق ہو کر حملہ آور گئے تھے اور صورتحال انتہائی سنگین ہوگئی تھی تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو قوم کفار ں خبر لادے اور ان کی جاسوسی کرے؟ تو حضرت زبیر نے کہا میں ان کی خبر لاتا ہوں! رحمتِ دو لم ﷺ نے فرمایا:

ہر نبی کے لیے کوئی نہ کوئی انتہائی مخلص وفادار اور فداکار معاون و مددگار رہتا ہے اور میرا ا معاون و مددگار اور مجسمۂ وفا اور فداکار (حضرت) زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔

(۲) نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس جائے اور ان کے ازشیوں کی خبر لائے؟ (جو غزوۂ خندق کے موقع پر عہد شکنی کرتے ہوئے کافروں کا ساتھ دے ہے تھے) حضرت زبیر فرماتے ہیں: میں گیا اور ان کی مساعئ مذمومہ اور سازشوں وغیرہ کا جائزہ لے کر جب واپس حاضر ہوا تو

فجمع لی رسول الله ﷺ أبویه وقال فداك أبی وأمی (متفق علیه)

رسولِ رحمت ﷺ نے میرے لیے اپنے والدین کریمین کو اکٹھا کرتے ہوئے کہا "تجھ میرے ماں باپ فدا ہوں" (حالانکہ ماں باپ کا اکرام و احترام کتنا ضروری ہے) اور وہ بھی سید المرسلین ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما۔

(۳) مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسولِ گرامی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح کرتے اور کہتے نہیں سنا کہ اپنے ماں اور باپ دونوں کو اکٹھا ذکر

کر کے کہا ہو فداك أمی و أبی سوائے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے، ان کے حق میں میں نے احد کی جنگ کے موقع پر آپ کو فرماتے ہوئے سنا ارم فداك أبی و أمی (متفق علیه)

''تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں''

فائدہ:

مرتضی کریم رضی اللہ عنہ نے اپنے براہِ راست سننے کی نفی کی ہے، لہذا یہ روایت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد حدیث کے معارض ومناقض نہیں ہو سکتی۔

عن أنس رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول الله ﷺ ﴿لکل امة امین و امین هذه الامة ابوعبیدة بن الحراح رضی الله عنه۔

رسول گرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت کے لیے امین ہے (جیسے امین ہونے کا حق ہے) اس امت (جو خیر امم ہے اس کے لیے) امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں علیہ الرضوان۔

(۵) عن أنس رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ أرحم أمتی بأمتی أبوبکر وأشدهم فی أمر الله عمر و أصدقهم حیاء عثمان و أفرضهم زید بن ثابت و أقرأهم أبی بن کعب و أعلمهم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل و لکل أمة أمین وأمین هذه الأمة أبو عبیدة بن الحراح رواه أحمدوالترمذی وقال هذاحدیث حسن صحیح و روی عن قتاده مرسلاً أقضاهم علی رضی اللّٰہ تعالی عنهم۔

خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری ساری امت میں سے میری امت کے ساتھ شان رحیمی سے پیش آنے والے ابوبکر ہیں، اور امر خداوند تعالی میں سب سے سخت اور ثابت قدم عمر ہیں۔ اور ان سب میں صفت حیا (جو ایمان کا عظیم شعبہ کما قال النبی ﷺ الحیاء شعبة من الایمان) میں صادق و راسخ عثمان ہیں، اور امت میں سب سے زیادہ علم میراث میں مہارت رکھنے والے زید بن ثابت

اور سب سے بڑے کلامِ مجید کے قاری ابی بن کعب ہیں- ساری امت میں حلال وحرام کا
دہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں اور ہر امت کے لیے امین ہے اور اس امت مرحومہ کے
ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں- اس حدیث کو امام احمد نے اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام
ذی نے اس کو حسن صحیح قرار دیا اور قتادہ سے مرسل طور پر اسی حدیث میں مروی ہے کہ ساری
ت سے بڑے فیصل علی ہیں رضی اللہ عنہم-

دہ عظیمہ:

ان احادیثِ مبارکہ سے اور اس طرح کی دیگر کتب صحاح میں مروی احادیث سے
ح ہوگیا کہ جزوی فضائل میں دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی اعلیٰ مرتبہ اور بلند مقام پر
ہیں اور ہر ایک کسی نہ کسی فضیلت اور امتیازی حیثیت کا مالک ہے- لیکن موضوع بحث اور محل
م فضیلت بمعنی کثرتِ ثواب اور عند اللہ اعلیٰ درجات اور عزت وکرامت کا مالک ہونا ہے اور
میں اس ترتیب پر اجماع امت ہے یا سوادِ اعظم اور جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک یہ مسلم
یقت ہے یعنی

أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على المرتضى رضى
له عنهم۔ والحاصل أن الأحاديث متعارضة و الأدلة متناقضة فالعبرة بما اتفق عليه
مهور الصحابة و بما أجمع عليه أئمة أهل السنة و مع هذا فالمسئلة ظنية لا يقينية
لا فالمن خالف (مرقات جلد ۱۱ ص ۳۶۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احادیث متعارض ہیں اور دلائل متناقض ہیں، لہٰذا اعتبار اس عقیدہ
ظریہ کا ہے جس پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم متفق ہیں اور ائمۂ اہل سنت کا اجماع ہے بایں ہمہ یہ
سئلہ ظنی ہے نہ کہ یقینی بخلاف اہل اختلاف کے اس میں یقین نہ مطلوب ہے نہ حاصل
وسکتا ہے (لہٰذا اسکو یقینی سمجھ لینا جیسا کہ شیعہ نے سمجھ رکھا ہے سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور مزید

برآں تفضیلِ علی کو تسلیم نہ کرنے پر پھر خلیفہ بلا فصل نہ بنانے پر سارے صحابہ کرام کو مرتد قرار دینا بہت بڑی ضلالت اور گمراہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت اور خلافت قطعاً جائز نہیں ہے)

سوال:

جب احادیث متعارض اور دلائل متناقض ہیں تو پھر سب احادیث کو نا قابلِ اعتبار سمجھنا اور نا قابلِ التفات سمجھتے ہوئے ان کے مطابق عقیدہ و نظریہ رکھنا سرے سے جائز ہی نہیں ہونا چاہیے- قاعدہ متعارض دلائل کے بارے میں یہی ہے اذا تعارضا تساقطا متعارض دلائل ساقط از اعتبار و استدلال ہو جاتے ہیں-

جواب:

دلائل اور احادیث میں جو تناقض ہے وہ صرف بظاہر اور سرسری نگاہ میں دیکھنے میں ہے اور جہاتِ مختلفہ اعتبار نہ کرنے کی وجہ سے ہے- جب ان جہات کو ملحوظ رکھا جائے تو باہم توافق پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں حالانکہ جنت میں سبھی لوگ جوان ہوں گے تو علی المرتضی رضی اللہ عنہم پر بھی ان کی فضیلت ثابت ہو جائے گی اور اس کا نہ کوئی سنی قائل ہے اور نہ کوئی شیعہ قائل ہو سکتا ہے- تو کیا اس حدیث کو قابلِ اعتبار اور لائق التفات نہیں سمجھا جائے گا یا حضرت علی کی افضلیت کا دعویٰ نا قابلِ اعتبار ہو جائے گا اور ایسی متعارض احادیث ذکر کرنا محدثینِ کرام کی طرف سے امت محمدیہ پر بہت بڑی زیادتی بن جائے گی؟ نعوذ باللہ- قطعاً نہیں! بلکہ تطبیق یوں دی جائے گی کہ جو دنیا میں جوان اور کم عمر تھے ان کے سردار حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ہوں گے اور جو عمر رسیدہ ہو

ر رحلت فرما ہوئے ان سے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین اور علی المرتضی رضی
د عنہم افضل ہوں گے۔ کیونکہ کہولت کی صورت میں علم ودانش اور تجربہ ومہارت اور ملکہ کاملہ اور
سال صالحہ کی کثرت ہوگی تو وہ درجہ شباب کے درجہ سے اعلیٰ ہوگا تو اس طرح سے خلفائے اربعہ کا
ں سے افضل ہونا ثابت ہوجائے گا۔

نیز سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ نے فرمایا:

ان ابنی ھذا سید لعل اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلین۔

(رواہ البخاری)

میرا یہ بیٹا سردار ہے عالی ہمت ہے اور بلند حوصلہ ہے عن قریب اللہ تعالیٰ اس کی
ولت اہل اسلام کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح وآشتی پیدا فرمادے گا اور آپ نے اس غیبی
مان کو سچ اور برحق ثابت کردیا اور دوسری طرف مولائے مرتضیٰ اور سیدہ زھرا اور حسنین
ریمین رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمایا:

أنا حرب لمن حاربھم۔ (رواہ الترمذی)

''میں سراسر حرب وقتال ہوں اس شخص کے لیے جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ
رب وقتال کیا''

حالانکہ نبی معظم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنا کفر ہے تو حضرت علی المرتضی کے ساتھ قتال
رنے والے کافر ہونے چاہییں تو پھر ان کو مسلمانوں کی جماعت کہنے کا کیا جواز تھا؟ حضرت
سن مجتبیٰ کی ان کے ساتھ مصالحت کا کیا جواز تھا؟ نیز حدیثِ قدسی ہے:

من عاد لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب ''جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے تو میری
رف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے'' اور علی المرتضی ولیوں کے سردار ہیں تو ان کے خلاف
صرف دلوں میں عداوت والے ہی نہ ہوں بلکہ علی الاعلان جنگ کرنے والے ہوں تو لامحالہ ان

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی جنگ ہوگی تو پھر ان سے مصالحت گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہوگی تو ان میں بھی تعارض وتناقض پیدا ہوا یا نہیں؟ جب بظاہر تعارض ہے تو امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ بشارت اور ان کے لیے اس اعزاز وامتیاز کے اثبات کا جواز کیا ہوگا؟ تو یہ تعارض وتناقض کیا ان کی اس امتیازی خوبی اور اکمل ترین جود وسخا کو ختم نہیں کر دے گا؟ بالکل نہیں! قطعاً نہیں! کیونکہ ان سے محاربت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت محاربت اور کفر ہے جبکہ اس لیے ہو کہ یہ ان کے اہل بیت کیوں ہیں اور ان کا ان سے روحانی وایمانی تعلق کیوں ہے؟ اگر ذاتی وجوہ مغالطوں کی وجہ سے ہو اور خطا اجتہادی کی بنا پر ہو تو وہ معاملہ الگ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ طور سے واپسی پر جو سلوک کر رہے تھے تو کیا وہ محبت کی بنا پر تھا؟ اس وقت تو حضرت ہارون کو بہت بڑا مجرم سمجھ کر ان کو اپنے غصہ اور عتاب اور تادیبی اور تعزیری کاروائی کا نشانہ بنا رہے تھے۔ تو ان کی یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ نہیں بن جائے گی؟ بالکل نہیں! قطعاً نہیں! کیوں کہ یہ کاروائی اس غلط فہمی کی بنیاد پر تھی کہ حضرت ہارون کا اس شرکیہ عمل میں دخل ہے اسی طرح یہاں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں لیا جا رہا تھا تو اس خلیفۂ برحق کے حق میں حضرت مرتضی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے تساہل وتغافل کے گمان پر یہ جنگیں سرزد ہوئیں تھیں نہ کہ ذاتی عناد اور عدوات اور بغض وکینہ کی وجہ سے۔ لھـــذا ان کے حق میں نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حرب وقتال کا ارتکاب نہیں لازم آئیگا نہ انا حرب لمن حاربھم اور نہ ہی فقد آذنتہ بالحرب میں ریب وتردد اور شک وارتیاب پیدا ہوگا اور نہ ہی ان ابنی ھذا سید میں کیونکہ حقیقت میں تعارض وتخالف ہے ہی نہیں بلکہ صرف بظاہر اور سطحی نظر میں ہے۔

ایک طرف ارشادِ باری تعالیٰ ہے: تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض اور فرمان خداوند تعالیٰ ہے ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض جن سے رسل کرام اور انبیاء

عظام علیہم السلام میں باہم تفاضل وتفوق ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن یہ بھی ارشادِ الٰہی ہے لانفرق بین احد من رسلہ یعنی ہم انبیاء ورسل کے درمیان فرق مراتب نہیں کرتے۔ نیز سید عالم ﷺ نے اپنے متعلق اعلان فرمایا: انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ''میں قیامت کے دن ساری نسل انسانی کا سردار ہوں گا'' ما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الاتحت لوائی ''تمام انبیاء علیہم السلام قیامت کے دن حضرت آدم ہوں یا ان کے ماسوا وہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے'' اور دوسری طرف آپ کا فرمان ذی شان ہے: لا تخیروا بین الأنبیاء نیز لاتفضلوا بین أنبیاء اللہ تو کیا ان آیات واحادیث کو باہم متعارض ومتناقض سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے گا؟ اور انبیاء و رسل کے باہمی درجات ومراتب میں تفاوت کو مظنون ومشکوک ٹھہرا دیا جائے گا؟ قطعاً نہیں! کیونکہ ان میں باہم تطبیق وتوفیق ممکن ہے۔ جیسا کہ عن قریب ان وجوہ کا بیان آرہا ہے۔

لہذا علمائے اعلام اور ائمۂ کرام کا ان کے متعلق تعارض وتخالف اور تضاد وتناقض کا لفظ بول دینے سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ان سے استدلال درست نہیں اور اس نظریہ وعقیدہ کا وجوب ولزوم ان سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

بلکہ میں ان اکابر سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ انہیں مطلقاً تعارض وتناقض کے الفاظ استعمال ہی نہیں کرنے چاہییں، خاص طور پر شیعی دلائل کے مقابل۔ کیونکہ سطحی ذہن اور سرسری سوچ کے مالک اس سے غلط تاثر لے سکتے تھے بلکہ لے رہے ہیں اور شہادتی اور محرمی واعظین لوگوں کو شیعہ کی گود میں ڈال رہے ہیں اور مفت میں ان کے مشن کی تبلیغ اور تکمیل کر رہے ہیں۔ اگرچہ عوام کالانعام کی طرف سے ان پر نوٹوں کی برسات ہوتی ہی رہتی ہے اور فقط یہی مفاد ان کے پیش نظر ہوتا ہے اور دیگر نقصانات اور مفاسد کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔

کثرۃِ ثواب اور عند اللہ عزت وکرامت میں زائد ہونا غیبی امر ہے:

رہا یہ توہم کہ عند اللہ کون زیادہ عزت وکرامت اور اجر وثواب کا حق دار ہے یہ غیبی

امر ہے تو اس کا فیصلہ کون کر سکتا ہے؟

تو اس کا جواب واضح ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت وارشاد اور فلاح و بہبود کے لیے مبعوث فرمایا ان کو اِن غیوب پر بھی مطلع فرمایا اور انہوں نے ہی ہمیں آگاہ فرمایا۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما کر اور تعلیم دے کر اور اپنے خداداد علوم وافرہ کثیرہ کے تحت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا و کلاو عدالله الحسنیٰ ۔

نہیں برابر ہو سکتے تم سے وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور قتال کیا (ان لوگوں کے ساتھ جو بعد میں ایمان لائے) وہ لوگ بہت عظیم درجات پر فائز ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے بعد میں اپنے اموال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد وقتال کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے ساتھ جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ لہذا یہ حقیقت واجب التسلیم ہے کہ فتح مکہ سے پہلے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے اور انفاق مال اور جہاد کرنے والے پچھلوں سے بہت افضل ہیں اور بعد والے حضرات ان درجات ومراتب میں ان کی برابری نہیں کر سکتے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہیں۔

(۲) السابقون السابقون اولئك المقربون فی جنت النعیم

دنیا میں ایمان واسلام اور اعمال صالحہ میں سبقت لے جانے والے آخرت میں بھی سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ جنات نعیم میں مقام قربت وکرامت میں تشریف فرما ہوں گے۔ لہذا ہر صاحب عقل ودانش سمجھ سکتا ہے اور یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ جو لوگ کفار مکہ کے جبر وتشدد اور ظلم وتعدی کا عرصے تک نشانہ بنے رہے صرف حلقۂ اسلام میں داخل ہونے اور غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پٹہ گلے میں ڈالنے کی وجہ سے اور ہجرت کی اجازت ملنے پر مال ودولت اور گھر بار

ور خویش واقرباء کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں غنی اور امیر ہونے کے باوجود اب فقیر ومسکین بن کر اہل
دینہ کے ہاں پناہ لے رہے ہیں تو غیر مہاجران کی برابری کیسے کر سکتے ہیں؟ اور جن انصار نے
ود فقیر اور درویش ہونے کے باوجود ان مہاجرین کو اپنے ہاں ٹھہرایا مہمان گرامی بنایا اور اپنی
اتوں پر خورد ونوش اسباب معیشت میں مہاجرین کو ترجیح دیتے رہے یوثرون علی انفسهم
لو کان بهم خصاصة ان کے نفوس اور بواطن بخل اور کنجوسی سے پاک ہیں فا ولئك هم
مفلحون پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ تو کیا بعد والے ان کے برابر ہو سکتے ہیں؟
لکہ پچھلوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ ان مہاجرین اور
نصار اور سابقین کی اتباع و پیروی کریں کما قال تعالی :والذین اتبعو هم باحسان رضی
لله عنهم و رضوا عنه تو کیا تابعین اپنے متبوعین کے برابر بھی ہو سکتے ہیں چہ جائیکہ کہ ان
سے افضل ہوں؟ اور کیا قرآن کریم کے ان فرمودات اور اس مضمون کے دوسرے ارشادات پر
یمان لانا ضروری نہیں ہے؟ یقیناً واجب ولازم ہے۔

(۳) محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوأن أحد كم أنفق مثل جبل أحد ذهبًا مابلغ مد أحدهم و لانصيفه
(میرے صحابہ کی عزت کیا کرو کیوں کہ وہ تم سے بہتر و برتر ہیں) اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ
جتنا سونا خرچ کرے تو وہ ان کے خرچ کیے ہوئے سیر یا آدھ سیر جو کھجور کی برابری نہیں کر سکتا۔

تو حضرات صحابۂ کرام کے خرچ کیے ہوئے ہزاروں دیناروں اور لاکھوں دراہم اور
سینکڑوں ہزاروں سواریوں کا راہِ خدا اور جہاد فی سبیل اللہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے
وصال شریف کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنهن کے اخراجات کی کفالت کرنا کسی چشم
بینا سے اور صاحبِ علم ودانش سے مخفی رہ سکتا ہے؟ اور ان کے اجر وثواب کا افضل واعلیٰ اور
غیر محدود وغیر محصور ہونا کسی صاحبِ خرد سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ لوگوں کے لاکھوں احد پہاڑوں

کے برابر خرچ کیے ہوئے سونے ان کی مالی خدمات کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۔مولائے مرتضٰی کا انگوٹھی صدقہ کرنا تو یاد رہے اور یہ مالی قربانیاں لائق توجہ اور قابل التفات ہی نہ ہوں تو یہ سراسر ناانصافی اور ظلمِ عظیم اور احسان فراموشی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

(۴) خود نبی مکرم ﷺ کو اعتراف ہے:

ان من أمن الناس علی فی صحبته و ماله أبابکر سب سے زیادہ میرے حق میں مصاحبت کے لحاظ سے اور مال خرچ کرنے کے لحاظ سے اور بڑے محسن لوگوں میں سے ابوبکر صدیق ہیں۔ما نفعنی مال أحد قط مانفعنی مال أبی بکر مجھے کسی کے مال نے وہ نفع نہیں دیا جو ابوبکر صدیق کے مال نے نفع دیا۔تو حضرت صدیق نے رو کر عرض کیا ما أنا و مالی الالك میں اور میرا مال بلکہ میرا سب کچھ آپ کے لیے ہی ہے یا رسول اللہ

(أخرجه أحمد و أبو حاتم ابن ماجه)

عن عروة أسلم أبوبکر وله أربعون ألفا أنفقها کلها علی رسول الله و فی سبیل الله ـ أخرجه أبو عمر و ـ

حضرت صدیق اسلام لائے تو اس وقت آپ کے پاس چالیس ہزار (دینار یا درہم) تھے جو سب کے سب آپ نے رسول گرامی ﷺ پر اور راہِ خداوند تعالیٰ میں خرچ کر دیے۔

(۵) غزوۂ تبوک کے موقع پر گھر کا سارا مال ساری دولت حتی کے بدن کے اچھے کپڑے بھی راہِ خداوند تعالیٰ میں خرچ کر دیے اور سرکار کے استفسار پر کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے، عرض کیا: أبقیت لهم الله و رسوله میں نے ان (کی کفالت و کفایت) کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔

(۶) اسماعیل بن قیس سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے عاشق زار و پروانہ شمع نبوت حضرت بلال کفار کے غلام تھے نبی پاک کی غلامی اختیار کرنے پر ان کے مالک شدید ایذائیں اور سخت

زائیں دیتے تھے تو حضرت صدیق نے انہیں پچاس اوقیہ سونا دے کر خرید لیا (جبکہ ایک اوقیہ
لیس درہم کے برابر ہوتا ہے) قالوا لولا ابيت اوقية لبعناكه قال لو ابيتم الامائة اوقية
خذته (أخرجه فى الصفوة/مرقاة ۱۱ ص ۲۸٦)

انہوں نے کہا کہ اگر تم صرف ایک اوقیہ کے ساتھ خریدنے پر مصر ہوتے تو ہم ایک
قیہ میں بھی آپ کو دے دیتے آپ نے فرمایا اگر تم سو اوقیہ میں اس پروانہ شمع نبوت کو فروخت
رنے پر ڈٹ جاتے تو بھی میں خریدنے سے گریز نہ کرتا۔

ئدہ:

گویا صرف خدا کی راہ اور ذاتِ رسول پر ہی نہیں بلکہ ان کی رضا حاصل کرنے کے لیے
للہ کے مخلص بندوں اور نبی پاک کے غلاموں پر بھی دولت نثار کرتے رہتے تھے۔

۷) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی خدمات اور بارگاہِ نبوت میں قبولیت اور یہ اعزاز
لهم ارض عن عثمان فانى عنه راض اور یہ شہادت ما ضر عثمان ماعمل بعد هذا
ے اللہ! عثمان سے راضی ہوجا کیونکہ میں اس سے راضی ہو چکا ہوں (اور ظاہر ہے کہ جس سے
سول گرامی راضی ہوں اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور از راہِ کرم اس سے راضی ہوگا كما يدل عليه
ولـه تعالى ولسوف يعطيك ربك فترضى) نیز یہ صرف غیبی خبر ہی نہیں بلکہ قبولیت کا اعلیٰ
رتبہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عثمان آج کے بعد کچھ بھی کرے اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا جیسے کہ
حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے حق میں فرمایا ليغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وما
تاخر اس ارشادِ باری میں آپ کے لیے ذنب ثابت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ کرم عمیم بیان کرنا
مقصود ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس مال کثیر جمع ہو گیا تو آدھا راہ خدا میں صرف
کر دیا اور بارگاہِ نبوی میں بطورِ نذرانہ پیش کر دیا جبکہ ان پر اعتراضات اور تنقیدات کرنے والے

زکوۃ بھی نہیں دیتے اور نہ اس کو فرض سمجھتے ہیں، صدر ایوب یہ حکم نافذ کرنا چاہتا تھا تو شیعہ لوگوں نے کہا تھا ہمارے مذہب میں زکوۃ نہیں ہے- الغرض صرف مالی قربانیوں کے لحاظ سے ان کے مخالفین ہزاروں لاکھوں احد پہاڑوں کے برابر سونا خرچ کرنے کے باوجود ان لوگوں کے ثواب عظیم اور اجر جمیل کی برابری نہیں کر سکتے اور یہ اس غیب دان نبی کی طرف سے بشارت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے علمك مالم تكن تعلم اور اوحی الی عبده ما اوحی کا اعزاز و امتیاز بخشا ہے اور ما کان و مایکون پر ان کا علم محیط ہے-

(۹) آپ علیہ السلام سب کی نیکیاں بھی جانتے ہیں اور عند اللہ ان کی قدر و قیمت بھی جانتے ہیں جیسے کہ ذکر کیا جو چکا ہے کہ آسمان پر چمکتے ستاروں کے برابر حضرت عمر کی نیکیاں ہیں اور ان کی تمام نیکیاں حضرت صدیق کی ایک نیکی کے برابر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ انبیاء و مرسلین کے علاوہ جنت میں داخل ہونے والے بزرگ اور عمر رسیدہ حضرات میں سے ابوبکر اور عمر افضل ہیں- و غیر ذالك كما ذكرنا

(۱۰) مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو سر چشمہ ولایت ہیں اور عظیم فراست قلب کے مالک ہیں اور مقام محبوبیت پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں بھی نورِ خداوند تعالیٰ سے منور اور قلب اقدس اور باطن انور بھی نور خداوند تعالیٰ سے منور ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے:

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله یعنی مومن کی فراست اور نورِ قلب سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے اور حدیثِ قدسی میں ہے :كنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصره به(الی) فواده الذی یعقل به (مشکوۃ)

یعنی نفلی عبادت کی کثرت کی بدولت جبکہ فرائض بھی کما حقہ ادا کرے تو بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ منصبِ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے اور اس منصب پر فائز ہونے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے کان میں ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور آنکھیں

ں ہوتا ہوں جن سے دیکھتا ہے اور ہاتھ میں ہوتا ہوں جن سے پکڑتا ہے اور پاؤں میں ہوتا ہوں
ں سے چلتا ہے اور زبان میں ہوتا ہوں جس سے بولتا ہے اور دل و دماغ میں ہوتا ہوں جس
ے سوچتا ہے۔ تو مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ محبوبیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں تو کیا مولائے
ٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعد والے حضرات کی نورِ فراست میں اور نورِ خداوندیؑ سے منور
ھوں اور منور ترین دل کا مالک ہونے میں کوئی برابری ہو سکتی ہے بلکہ کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو
ر الانبیاء ﷺ اور سید الاولیاء رضی اللہ عنہ کی معین فرمودہ راہ کو چھوڑ کر جو حقائق شناس ہیں اور
قبِ امور سے باذن اللہ آگاہ ہیں ان کی شہادت اور شیخین کی افضلیت کے اعلانات کو نظر
از کرنے اور نا قابلِ اعتبار سمجھنے اور ذاتی اجتہادات اور نفسانی اہواء و خواہشات کے مطابق عمل
ہونے کا کیا جواز ہے؟ بلکہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان جو امت میں اپنی مثال آپ ہیں ان
راہ چھوڑ کر اور تابعین کرام جو صحابہ کرام کے انوار کے مظاہر ہیں ان کی اجماعی راہ چھوڑ کر
ری راہ پر چلنا بہت بڑے حرمان اور خسران کا موجب ہے۔ پھر نمازوں میں اھدنا الصراط
مستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی دعائیں کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی مزاح اور
ہزاء کے مترادف ہے۔

م سوال:

ہم یہ دعا ہر وقت زبان پر لاتے ہیں تو دل و دماغ میں اس وقت کوئی تصور بھی ہوتا ہو گا
کیا ہے کہ ان کے اعمال ظاہرہ جو فرائض کے قبیل سے ہوں اور ان کے عقائد جو قطعیات اور
ینیات کے قبیل سے ہوں صرف ان کو اپنانے کی توفیق عطا فرما۔ یا بالعموم عقائد صحیحہ واقعیہ اور
لہ اعمال خیر میں ان کی اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرما! جب یقیناً اور قطعاً دوسری صورت متعین
ہے تو نماز سے باہر تاویلات و تسویلات اور پیچ و تاب اور حیرت و اضطراب اور تردد و ارتیاب میں
نے کا کیا مطلب؟ اور تخصیصات و تقییدات کے درپے ہونے کی گنجائش ہے؟ بلکہ اسی

عموم واطلاق کوملحوظ رکھتے ہوئے جملہ عقائد ونظریات اور تمام تر اعمال صالحہ میں ان کی اقتداء کی توفیق اور ان کے راہِ راست کی اتباع اور ان کے صراط مستقیم کی ہدایت کی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہیے اور اس راہ کی پیروی کرنی چاہیے تا کہ دعا والتجاء اور عمل وکردار کا تخالف اللہ تعالےٰ کے ساتھ استہزاء اور مذاق نہ بن کر رہ جائے۔العیاذ باللّٰہ تعالے ۔

ضروری احتیاط، ادب حسن اور خلق جمیل کا بیان:

انبیاء ومرسلین علیہم السلام میں باہمی فرق مراتب اور تفاوت درجات مسلم حقیقت ہے کما قال تعالی: تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض نیز ارشاد فرمایا: ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض لیکن اس کو ایسے انداز میں بیان کرنا کہ دوسرے حضرات کی توہین تحقیر لازم آئے قطعاً جائز نہیں ہے۔اس لیے محبوب کریم علیہ السلام نے فرمایا:

كمارواه أبو سعيد لا تخيروا بين الأنبياء متفق عليه وفى روايته لا تفضلوا بين أنبياء الله تعالى

یعنی انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض کو بعض پر ترجیح اور تفضیل نہ دو۔ اور کلام مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: لا نفرق بين احد من رسله ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

فائدۂ عظیمہ:

ان دونوں طرح کی آیات میں تعارض اور تناقض بیان کر کے اس مسئلہ کو ظنی نہیں بنادیا گیا اور نہ اس طرح کی احادیث جن میں تفضیل وتفرقہ سے منع کیا گیا اور دوسری طرف سے عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات: أنا سيدولد آدم يوم القيامة۔

أنا أول شافع وأول مشفع ۔

مامن نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی۔

(مشکوۃ، باب فضائل سید المرسلین۔)

میں اولادِ آدم اور نسل انسانی کا سردار ہوں قیامت کے دن۔
میں سب سے پہلا خلق خدا کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مقبول الشفاعت بھی۔
اور روز قیامت ہر نبی خواہ آدم خواہ ان کے بعد والے سبھی میرے پرچم کے نیچے ہوں گے (جیسے سپاہی امیر کے زیر لوا ہوا کرتے ہیں)

ان میں تعارض وتناقض ثابت کر کے ان کی اہمیت کو گھٹایا نہیں گیا بلکہ ان میں مختلف وجوہ سے باہم تطبیق دے دی گئی ہے، چنانچہ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

انما نهى النبى ﷺ عن التفضيل بين الأنبياء عليهم الصلوة والسلام من يقول ذالك من رأيه لا من يقول بدليل أو من يقول بحيث يؤدى الى تنقيص المفضول أو يحر الى الخصومة أوالمراد لا تفضلوا بحميع أنواع الفضائل بحيث لا يبقیٰ للمفضول فضيلة أوأراد النهى عن التفضيل فى نفس النبوة فانهم متساوون فيها وانما التفاضل بخصائص و فضائل أخرى قال الله تعالى: تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض، و قال الله تعالى :و لقد فضلنا بعض النبيين على بعض۔

(مرقات جلد ۱۱ ص ۱۶)

(۱) نبی کریم ﷺ نے انبیاء علیہم السلام میں باہم فضیلت دینے سے منع فرمایا تو صرف اور صرف ان کو جو اس طرح کی تفضیل اپنی ذاتی رائے اور قیاس کے تحت بیان کریں نہ کہ دلیل و برہان کی بناء پر۔

(۲) یا جو شخص ان میں باہم فضیلت بیان کرے اس انداز سے کہ مفضول نبی میں نقص اور رتی حقارت سامنے آ جائے۔

(۳) اس انداز سے فضیلت دے کہ موجبِ خصومت بن جائے۔

(۴) یا مراد یہ ہے کہ تمام انواع فضائل میں بعض کو بعض پر اس طرح فضیلت دے کہ مفضول کے لیے سرے سے کوئی فضیلت ہی باقی نہ رہ جائے۔

(۵) یا آنحضرت ﷺ کا ارادہ یہ ہے کہ نفس نبوت میں ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت نہ دی جائے کیونکہ وہ سبھی اصل نبوت اور نفس رسالت میں مساوی ہیں اور جو تفاضل اور ایک دوسرے پر باہمی تفوق و برتری ان میں پائی گئی ہے تو وہ دوسرے خصائص اور فضائل کے اعتبار سے ہے نہ کہ نفس نبوت ورسالت میں۔

یونس بن متی علیہ السلام کے متعلق سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

لاأقول ان أحداأفضل من يونس بن متى۔ میں نہیں کہتا کہ کوئی شخص حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے:

أى لا أقول من تلقاء نفسى ولاأفضل أحداًعليه من حيث النبوة والرسالة فان شانهما لا يختلف باختلاف الأشخاص بل نقول كل من أكرم بالنبوة فانهم سواء فيما جاؤوا به عن الله تعالى وان اختلفت مراتبهم و كذالك من أكرم بالرسالة واليه الاشارة بقوله سبحانه لانفرق بين احد من رسله۔

(مرقاۃ جلد ۱۱ ص ۱۶)

یعنی میں اپنے طور پر نہیں کہتا اور نہ میں ان پر کسی کو نبوت ورسالت والی فضیلت میں فوقیت دیتا ہوں کیونکہ رسالت ونبوت کا شان ومقام اشخاص وافراد کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوجاتا بلکہ ہم کہتے ہیں جس ہستی کو بھی نبوت کی کرامت وعزت کے ساتھ نوازا گیا تو وہ سبھی ان امورِ تبلیغیہ میں برابر ہیں جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور ایسے ہی جن کو رسالت والی فضیلت سے مشرف فرمایا اور اسی نفس نبوت ورسالت میں برابری کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ

کے اس قول میں کہ ''ہم حضرات انبیاء کے درمیان تفریق نہیں کرتے'' لھـــذا ارشادات خداوند تعالیٰ میں تعارض اور فرموداتِ رسالت مآب ﷺ میں باہم تعارض وتناقض لازم نہیں آئے گا اور اس بہانے انبیاء علیہم السلام کے باہمی تفاوتِ درجات اور تفاضلِ مراتب کو مظنون ومشکوک ٹھہرا دیا جائے گا- ایسے ہی صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں نفس صحابیت میں اشتراک ثابت کرنے کے ساتھ تفاوتِ درجات اور تفاضلِ مراتب کو تعارض وتناقض کی آڑ میں مظنون ومشکوک ٹھہرانے کا قطعا کوئی جواز نہیں ہے، البتہ تفضیل میں آداب مذکورہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے- آمدیم بر سر مطلب

الغرض ثابت ہو گیا کہ خداداد مراتب ومدارج اور خصائص وفضائل بیان کرتے وقت معاملہ انبیاء علیہم السلام کا ہو یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یا اولیاء کرام کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور کسی کے خداداد مرتبہ ومقام کے اعتراف وتسلیم میں ضیق صدر، تنگ دلی اور بخیلی کو اپنے قریب پھٹکنے بھی نہیں دینا چاہیے- دوسرے حضرات کے خصائص وفضائل بھی بیان کیے جائیں اور افضل ہستیوں کے وجوہِ فضیلت بھی- نیز بغیر ضرورت اور مجبوری کے تناقض اور تعارض کی آڑ میں ان دلائل میں ضعف اور نقص نکالنے کے درپے بھی نہیں ہونا چاہیے اور منعم علیھم حضرات کے راہِ راست اور صراطِ مستقیم پر صدقِ دل اور اخلاص نیت کے ساتھ عمل پیرا رہنا چاہیے اور ضلالت وگمرہی کے شکار لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا نشانہ بنے ہوئے لوگوں کی راہ سے اجتناب واحتراز کو لازم اور فرض سمجھنا چاہیے-

الباب الثالث

افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر

ازروئے ارشاداتِ اہل بیت کرام علیہم الرضوان

محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے:

انی تارك فیکم ماان تمسکتم به لن تضلوا بعدی أحدهما أعظم من الآخر کتاب اللّٰه حبل ممدود من السماء الی الأرض وعترتی أهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض (رواه الترمذی)

''میں تم میں دوایسی چیزیں چھوڑنے والا ہوں جن سے وابستہ رہو گے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے ان میں سے ایک بہت عظمت والی ہے دوسری سے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے اور دوسری چیز میری عترت میرے اہل بیت ہیں اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے حتی کہ دونوں مل کر میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ عترتِ رسول ﷺ اور اہل بیتِ کرام سے وابستگی حصول ہدایت اور اس پر دوام وثبات کے لیے ضروری ہے۔ (جیسا کہ سنتِ رسول ﷺ کی اتباع واطاعت ضروری ہے) چند آیاتِ مقدسہ کا بیان بھی آ گیا اور کچھ احادیثِ مبارکہ کا ذکر بھی آچکا تو اب ہم اہل بیتِ کرام اور عترتِ رسول ﷺ کے ارشادات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں تا کہ راہِ ہدایت مکمل طور پر واضح ہو جائے اور اہل سنت کے مسلک کی حقانیت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

مولائے مرتضی کا ارشاد:

(۱) أخرج الدار قطنی وروی معناه من طرق کثیرة عن علی رضی اللّٰه عنه أنه قال:

والذی فلق الحبة و برأ النسمة لوعهد الیّ رسول اللہ ﷺ عهداً لجاهدت
علیه ولولم أجد الا ردائی ولم أترك ابن أبی قحافة یصعد درجة واحدة من منبره
ﷺ ولکنه ﷺ رآی موضعی وموضعه فقال قم فصل بالناس وترکنی فرضینا به
لدنیانا کمارضی به رسول اللہ ﷺ لدیننا۔ (صواعق ص ٦٢)

دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی اور اس کا معنیٰ و مفہوم بہت طرق
و اسنادات سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اُس ذات اقدس کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا اگر رسول کریم ﷺ
کی طرف سے میرے لیے عہدِ امامت اور خلافت ہوتا تو میں اس پر جہاد کرتا اگر چہ میں سوائے
اپنی اوڑھنے والی چادر کے سوا کچھ (ہتھیار وغیرہ) نہ پاتا اور میں کبھی بھی ابن ابی قحافہ کو منبر رسول
ﷺ کے ایک درجہ اور پایہ پر بھی نہ چڑھنے دیتا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے مجھے بھی اپنی جگہ پر
موجود دیکھا اور ان کو بھی اپنی نشست گاہ میں دیکھا اور ان کو فرمایا اٹھو اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ اور
مجھے چھوڑ دیا (اور اس معاملہ میں) نظر انداز فرمایا۔ لہذا ہم ابوبکر پر راضی ہیں اپنی دنیا کے لیے
جیسے کہ رسول گرامی ﷺ ان پر راضی ہوئے ہمارے دین کے لیے"

ایک اور ارشادِ گرامی:

(۲) أخرج الحاکم عن النزال بن سمرة قلنالعلی رضی اللہ عنه یا أمیر
المومنین أخبرناعن أبی بکر فقال:

ذاك امرؤ سماه اللہ الصدیق علی لسان محمد ﷺ لأنه خلیفة رسول اللہ
ﷺ رضیه لدیننا فرضیناه لدنیانااسناده جید وصح عن حکم بن سعید و سمعت
علیا یحلف لأ نزل اللہ اسم أبی بکر من السماء الصدیق۔ (صواعق ص ٧٠)

حاکم نے نزال بن سمرہ سے نقل کیا کہ ہم نے علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

ہمیں ابوبکر کے متعلق کچھ بتلایئے، تو آپ نے فرمایا:

"وہ ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبان رسول ﷺ پر صدیق کا لقب دیا ہے کیونکہ وہ رسول کریم کے خلیفہ ہیں آپ نے ان کو ہمارے دین کے لیے چن لیا اور منتخب فرمالیا تو ہم نے ان کو اپنی دنیا کے لیے منتخب کرلیا"

اس روایت کی سند عمدہ ہے اور حکم بن سعید سے صحیح روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حلفی طور پر فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے نازل فرمایا۔

حضرت علی اور حضرت زبیر کا فرمان:

(۳) أخرج ابن عساكر عن علی والزبير معاأن النبی ﷺ قال:

خير أمتی بعدی أبو بكر وعمر رضی الله عنهما (ص۷۸ صواعق)

ابن عساکر نے حضرت علی اور حضرت زبیر دونوں سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

"میری امت میں میرے بعد ابوبکر اور عمر سب سے افضل ہیں"

ابوبکر ہر بھلائی میں ہم سے آگے ہیں:

(٤) أخرج الطبرانی عن علی رضی الله عنه قال:

والذی نفسی بيده ما استبقنا الی خير قط الا سبقنا اليه أبو بكر

(ص ۸۵ صواعق)

علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہم جب بھی کسی

خیر کی طرف بڑھے تو ابو بکر صدیق اس کی طرف ہم سے سبقت لے جا چکے ہوتے تھے (گویا
سابقون کا مظہر اور مصداق برحق تھے)

ب سے بڑے بہادر کا تعارف بزبان علی:

(۵) عن علی رضی اللہ عنہ قال:

أیھاالناس أخبرونی بأشجع الناس قالوا لا نعلم فمن ؟قال أبوبکر لقد رأیت
ول اللہ ﷺ وأخذہ قریش فھذا یحبیہ وھذا یتلتلہ وھم یقولون أنت الذی
علت الآلھة الھا واحداً ،قال فواللہ ما دنا منا أحد الا أبابکر یضرب ھذا و یحبی
ا ویتلتل ھذا وھو یقول ویلکم أتقتلون رجلا أن یقول ربی اللہ ثم رفع علی بردۃ
انت علیہ فبکی حتی ابتلت لحیتہ ثم قال أنشدکم باللہ أمومن آل فرعون خیر أم
بکر فسکت القوم فقال ألا تحیبونی فواللہ لساعة من أبی بکر خیر من مثل مومن
فرعون وذاك رجل یکتم ایمانہ وھذا رجل أظھر ایمانہ ۔(ازالۃ الخفاء ص ۲۹۱)

امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

اے لوگو! مجھے بتلاؤ سب سے بہادر شخص کے بارے میں- حاضرین محفل نے کہا ہمیں
وم نہیں ہے آپ ہی بتلائیں وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ ہے ابو بکر صدیق -البتہ تحقیق
ں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو جبکہ قریش نے آپ کو پکڑ رکھا تھا تو ان میں سے ایک آپ کو پیٹھ
ے بل گراتا تھا تو دوسرا منہ کے بل گراتا تھا جبکہ وہ کہہ رہے تھے: کیا تو ہی ہے جس نے سب
اؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم میں سے کوئی شخص بھی بخدا رسول کریم ﷺ کے
یب نہ گیا سوائے ابو بکر صدیق کے- ان کفار میں سے ایک کو مارتے تھے دوسرے کو پیٹھ کے
ل گراتے تھے اور تیسرے کو منہ کے بل گراتے تھے اور فرماتے تھے: ہلاکت ہو تمہارے لیے کیا تم
ک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے رب میرا اللہ ہے؟

پھر مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی اوپر والی چادر اٹھائی جو آپ پر تھی پس روئے اس قدر وافر مقدار میں کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا آل فرعون میں سے ایمان لانے والا شخص افضل ہے (جس نے موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی تشدید وتغلیظ سے تحفظ کیا تھا) یا ابوبکر صدیق افضل ہیں تو قوم نے سکوت سے کام لیا تو آپ نے فرمایا: مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ بخدا ابوبکر صدیق کی زندگی مبارک کی ایک گھڑی آل فرعون کے مومن جیسے لوگوں کی ساری زندگی سے بہتر ہے، وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا (اور اسے فرعون اور اس کی قوم کی تغلیظ وتشدید کا اندیشہ نہیں تھا) جبکہ ابوبکر صدیق نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا ہوا تھا (اور کفار قریش کی طرف سے سخت ترین رد عمل کا اندیشہ ہی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر خود اس تشدد کا نشانہ بنے مگر نبی مکرم ﷺ کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنالیا)

چند دن بیعت کی تاخیر کا عذر بیان کرتے ہوئے مولائے مرتضی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا:

(٦) ما غضبنا الا أنا أخرنا عن المشورة وانا نرى أبابكر أحق الناس بها بعد رسول الله ﷺ ۔انه لصاحب الغار وثاني اثنين وانا لنعلم شرفه و كبره ولقد أمره رسول الله ﷺ بالصلوة بالناس وهو حي ۔

(أخرجه الحاكم ازالة الخفاء ص٣١٢)

"ہمیں ناراضگی اور ارمان صرف یہ تھا کہ ہمیں مشاورت سے بھی موخر کر دیا گیا (اس قدر غیر اہم سمجھ لیا گیا) اور بے شک ہم ابوبکر صدیق کو رسول گرامی ﷺ کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، بے شک وہ غارِ ثور میں آپ کے مصاحب ہیں اور دو مصاحبوں میں سے دوسرے ہیں اور بے شک ہم ان کے شرف اور بزرگی کا کامل یقین رکھتے ہیں اور البتہ تحقیق

ن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امامتِ نماز کے ساتھ مامور فرمایا اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ میں (جبکہ دین کی امامت دنیا کی امامت سے افضل ہے)

سولا علی کا عقیدہ:

(۷) دار قطنی نے ابو جحیفہ سے روایت نقل کی ہے ان کا نظریہ تھا کہ افضل لامت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں:

فسمع أقواما يخالفونه فحزن حزنًا شديدًا فقال له على بعد أن أخذ بيده أدخله بيته ماأحزنك يا أبا جحيفة فذكر له الخبر فقال الا أخبرك بخير هذه الأمة خيرها أبوبكر ثم عمر قال أبو جحيفة فأعطيت الله عهدًا أن لا أكتم هذا الحديث بعد أن شافهني به على مابقيت۔ (صواعق ص ٦١)

تو کئی اقوام کو سنا کہ وہ اس قول اور نظریہ میں اس کے مخالف تھے تو بہت ہی غمگین ہو گیا تو امیر المومنین نے ان کا ہاتھ پکڑنے اور اپنے مکان میں اسے داخل کرنے کے بعد فرمایا:

''اے ابو جحیفہ تجھے کون سا امر حزن وملال میں ڈالے ہوئے ہے؟ تو انہوں نے وہ سبب بتلایا تو آپ نے فرمایا: کیا میں خود تجھے اس امت سے افضل شخص کے بارے میں نہ بتلا دوں اس میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہما''

ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا کہ میں اس حدیث کو ہرگز نہیں چھپاؤں گا جب تک زندہ رہا بعد اس کے علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے بالمشافہ مجھے بیان فرمائی ہے اسی مضمون کی روایت دار قطنی کے علاوہ ابو ذر مهروی وغیرہ نے متعدد طرق سے ذکر کی ہے کہ ابو جحیفہ مولائے مرتضی کی خدمت میں ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، اور کہا:

يا خير الناس بعد رسول الله ﷺ فقال لهذا يا أبا جحيفة ألا أخبرك

بخیرالناس بعدرسول اللہ ﷺ أبوبکر وعمر یا أبا جحیفة لا یجتمع حبی وبغض أبی بکر وعمر فی قلب مؤمن۔ (ص ۱۶۱)

اے رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بعد سب سے افضل ہستی! تو آپ نے فرمایا: اے ابو جحیفہ آہستگی سے کام لے کیا میں خود تجھے نہ بتلاؤں کہ رسول معظم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہیں وہ ہیں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔ اے ابو جحیفہ تجھ پر افسوس ہے میری محبت اور ابوبکر وعمر کا بغض مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

نیز ابوبکر آجری نے اسی ابو جحیفہ سے نقل کیا سمعت علیا علی منبر الکوفة یقول: ان خیر هذه الأمة بعد نبیها أبوبکر ثم خیرهم عمر۔ (صواعق)

میں نے علی مرتضی کو کوفہ کے منبر پر فرماتے ہوئے سنا:

''اس امت میں نبی مکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق ان کے بعد خیر امت عمر ہیں رضی اللہ عنہما''

بارگاہِ صدیقی میں حضرت مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کا ہدیۂ اخلاص اور یادگار نذرانۂ عقیدت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال شریف پر جو کیفیت اہل مدینہ کی تھی اور بالخصوص مولائے مرتضی پر جو کیفیت طاری تھی اور آپ نے بارگاہِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں جس انداز سے اپنا ہدیۂ اخلاص اور نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہم وہ ہدیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تا کہ اہل بیتِ کرام علیہم الرضوان کے اس سربراہ اور سردار کی زبانی ان کے حق میں اہل بیت کا بالعموم اور بابِ مدینۃ العلم اور الحق مع علی کے اعزاز کے ساتھ معزز اور امتیاز کے ساتھ ممتاز اور منفرد شخصیت اور منزلۃ ہارونی کے مالک اور من کنت مولاہ فعلی

ــولاہ۔ کی شان والے کی زبانی بالخصوص حضرت صدیق کی بلندیٔ درجت اور رفعتِ منزلت کا
ان حق ترجمان سن کر اہل السنّت کے قلوب کو ٹھنڈک اور ارواح کو تسکین وطمانیت نصیب ہو
مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کے جھوٹے مدعیانِ محبت وتولیٰ کا دجل وفریب کھل کر سامنے
یائے۔

حضرت امیرالمومنین شیرخدا رضی اللہ عنہ کے اس گلدستۂ عقیدت کو بیان کرنے والے
ید بن صفوان رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو شرفِ صحبت حاصل ہے اور اس روایت کا ابتدائی حصہ
مہ ابوعمر نے الاستیعاب میں ذکر کیا، لیکن مکمل طور پر ذکر نہیں کیا۔ لیکن الریاض النضرہ میں
کو مفصل طور پر ذکر کیا گیا ہے اور وہیں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کو ازالۃ
خفاء میں نقل کیا ہے۔ نیز حضرت علامہ ابوبکر باقلانی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن (علی
ش الاتقان) میں اس کو نقل کیا ہے:

قال لما قبض أبوبكر سجى عليه وارتجت المدينة بالبكاء عليه كيوم قبض
سول اللّٰه ﷺ فجاء عليٌّ مسترجعًا هو يقول: أليوم انقطعت خلافة النبوة حتى
ف على باب البيت الذى فيه أبوبكر وهو مسجى فقال يرحمك اللّٰه أبابكر كنت
ب رسول اللّٰه وأنسه ومسترجعه وثقته و موضع سره ومشاورته۔

اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب ابوبکر صدیق وفات فرما گئے ان کو کفن کے کپڑوں میں لپیٹا گیا اور ان پر آہ وبکا کی
سے مدینہ منورہ اسی طرح لرز اٹھا جیسے کہ رسول گرامی ﷺ کے وصال شریف کے وقت تو
ضرت شیرخدا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے وہاں تشریف لائے جبکہ آپ فرما رہے
ے آج کے دن خلافتِ نبوت ختم ہوگئی ہے (نہ کہ عام دنیوی اور سیاسی خلافت) یہاں تک کہ
پ اس مکان کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے جس میں حضرت ابوبکر کفن میں ملفوف پڑے تھے تو

فرمانے لگے: اے ابوبکر صدیق! تم پر اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے تم رسول گرامی ﷺ کے لیے سراسر الفت وانس تھے اور ملجاء وماویٰ اور قابل وثوق واعتماد اور ان کے رازدار اور محرم اسرار اور مشیر خاص تھے۔

کنت أول القوم اسلاما وأخلصهم ايمانا وأشدهم يقينا وأخوفهم لله وأعظمهم غناء فی دين الله وأحوطهم علی رسول الله ﷺ۔

تم قوم مسلم سے ازروئے اسلام کے اول مومن تھے اور سب سے بڑے مخلص ازروئے ایمان کے اور سب سے زیادہ پختہ ازروئے یقین کے اور سب اہل اسلام سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے اور سب سے عظیم ترین فائدہ منداور کارآمد دین خداوند تعالیٰ میں اور رسول اللہ ﷺ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والے تھے۔

وأحدبهم علی الاسلام وأيمنهم علی أصحابه وأحسنهم صحبة وأكثرهم مناقب وأفضلهم سوابق وأرفعهم درجة وأقربهم وسيلة وأشبههم برسول الله ﷺ هديا وسمتا ورحمة وفضلا وأشرفهم منزلة وأكرمهم عليه وأوثقهم عنده فجزاك الله عن الاسلام خيراً وعن رسوله خيراً۔

اور تمام اہل اسلام سے اسلام پر زیادہ میلان اور رغبت رکھنے والے اور صحابۂ کرام کے حق میں سب سے زیادہ امین اور سب سے خوب تر از روئے صحبت کے اور سب سے زیادہ مناقب والے اور سب سے بڑھ کر فضائل وخصال خیر والے اور سب سے بلند درجہ والے اور سب سے قریب ترین وسیلہ اور سب سے زیادہ مشابہ ساتھ رسول معظم ﷺ کے ازروئے سیرت وکردار کے اور ازروئے رحمت وفضل کے اور سب سے زیادہ محبوبِ مکرم ﷺ کے نزدیک شرف ومنزلت اور کرامت والے اور حبیبِ مکرم کے نزدیک سب سے زیادہ قابل وثوق اور لائق اعتماد پس اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف سے وربانی اسلام رسولِ معظم ﷺ کی طرف سے جزائے خیر

عطا فرمائے۔

كنت عنده بمنزلة السمع والبصر صدقت رسول الله ﷺ حين كذبه الناس سماك الله عزوجل فى تنزيله صديقا فقال والذى جاء بالصدق وصدق به ـ الذى جاء بالصدق محمد ﷺ والذى صدق به أبوبكر ـ

تم تھے نبی مکرم ﷺ کے نزدیک بمنزلہ ان کی سمع وبصر کے۔ تم نے تصدیق فرمائی رسول گرامی کی دعوائے رسالت میں جبکہ لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں تمہیں صدیق کا نام عطا کیا پس فرمایا وہ ذات کہ صدق کے ساتھ تشریف لائے اور وہ ذات جس نے ان کی تصدیق کی صدق کے ساتھ آنے والے محمد ﷺ ہیں اور جس نے ان کی تصدیق کی وہ ابوبکر ہیں۔

واسيته حين بخلوا وقمت به عندالمكاره حين عنه قعدوا وصحبته فى الشدة ـ

تم نے آنحضرت ﷺ کی غم خواری کی اپنے مال اور جان کے ساتھ جب کہ لوگوں نے بخل سے کام لیا اور اور مشکلات اور شدائد میں تم ان کے نگران ومحافظ رہے جبکہ لوگ بوجہ بزدلی ان سے پیچھے بیٹھ رہے۔ اور شدت وسختی کی حالت میں تم ان کے مصاحب رہے۔

أكرم الصحابة ثانى اثنين وصاحبه فى الغار المنزل عليه السكينة والوقار رفيقه فى الهجرة وخليفته فى دين الله وامته أحسنت الخلافة حين ارتد الناس وقمت بالأمر مالم يقم به خليفة نبى ﷺ ـ

سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل واکرم، دو میں سے دوسرے اور غار ثور کے اندر آپ کے مصاحب، جن پر اللہ تعالیٰ نے سکینت اور وقار کو نازل فرمایا اور نبی مکرم ﷺ کے رفیق ہجرت اور آپ ... کے برحق خلیفہ اللہ تعالیٰ کے دین میں بھی اور امت مصطفیٰ میں بھی آپ

نے اس خلافت ونیابت کو احسن طریق پر ادا فرمایا جبکہ کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور تم نے نظم ونسق کو
اور احکامِ اسلام کو ایسے انداز میں قائم کیا کہ کسی نبی کا کوئی خلیفہ اس طرح قائم نہ کر سکا۔

فنهضت حين وهن أصحابك وبرزت حين استكانوا وقويت حين ضعفوا
ولزمت منهاج رسول الله ﷺ اذهموا۔

تم نے اسی وقت حرب وقتال کے لیے قیام فرمایا جب کہ صحابہ نے اپنے اندر ضعف
وناتوانی محسوس کی اور میدانِ کارزار میں اترے جبکہ لوگ محوِ خوابِ استراحت تھے اور تم نے قوت
وطاقت کا مظاہرہ کیا جبکہ لوگوں نے کمزوری ظاہر کی اور تم نے رسولِ گرامی ﷺ کی واضح کشادہ
راہِ ہدایت کو لازم پکڑے رکھا جبکہ لوگوں نے اس کے ترک کا ارادہ کیا

كنت خليفة حقا لم تنازع ولم تصدع برغم المنافقين و كبت الكافرين
و كره الحاسدين وغيظ الباغين وقمت بالأمر حين فشلوا وثبت اذ تقعقعوا ومضيت
بنور الله اذ وقفوا فاتبعوك فهدوا۔

تم برحق خلیفہ تھے تمہارے ساتھ کسی طرف سے نزاع اور مخالفت نہیں کی گئی جبکہ آپ کی
خلافت منافقین کے لیے سراسر ذلت وخواری اور کفار کے لیے سراسر ہلاکت وتباہی اور حاسدین
کے لیے بارگراں اور باغیوں کو غیظ وغضب کی آگ میں جلانے والی تھی۔ آپ نے امر خلافت
اور استحکامِ دین کی ذمہ داری کو سنبھالا جبکہ لوگ بزدل ہو رہے تھے اور تم ثابت قدم رہے جبکہ لوگ
ریب اور تردد میں مبتلا ہو گئے اور تم نورِ خداوند تعالیٰ کی راہنمائی میں چلتے رہے جبکہ لوگ رکے
رہے لیکن انہوں نے بھی تمہاری اتباع کی تو منزلِ مراد تک واصل ہو گئے۔

كنت أخفضهم صوتا وأعلاهم فوقا وأمثلهم كلاما و أصوبهم منطقا
وأطولهم صمتا وأبلغهم قولا وأشجعهم نفسا وأعرفهم بالأمور وأشرفهم عملا۔

تم صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں سے آواز کے لحاظ سے دھیمے تھے لیکن ثمرات ونتائج

لحاظ سے اعلیٰ و برتر تھے اور سب سے کلام میں افضل تھے اور نطق میں صائب تھے اور سب کی
ت طویل خاموشی والے تھے اور بلیغ ترین اور مدعا کی مکمل ترجمانی کرنے والے متکلم تھے اور
ب سے ذات کے لحاظ سے بڑے شجاع تھے اور حقائق امور کا پورا عرفان رکھنے والے اور عمل
دار کے لحاظ سے سب سے افضل واعلیٰ تھے۔

كنت والله للدين يعسوبا أولا حين نفرعنه الناس وآخراحين أقبلوا كنت
مومنين أبا رحيما حتى صاروا عليك عيالا فحملت أثقالا ماضعفوا ورعيت
اهملوا وحفظت ماأضاعوا وعلمت ما جهلوا وشمرت اذ خفضوا وصبرت
جزعوا فأدركت اوتارما طلبوا وراجعوا رشدهم برأيك فظفروا ونالوا بك مالم
تسبوا۔

تم بخدا دین کے محافظ اور نگران تھے جبکہ لوگ اس سے بھاگے اور آخر میں بھی جبکہ واپس
ٹے۔تم اہل ایمان کے لیے سراپا رحمت باپ تھے حتی کہ وہ سبھی تمہارے عیال واولاد کی مانند
گئے تو تم نے ان کے وہ بوجھ بھی اٹھا لئے جن کے اٹھانے سے وہ عاجز ہو رہے تھے اور تم نے اس
حفاظت کی جس کو انہوں نے رائیگاں چھوڑا اور تم نے اس کی حفاظت کی جس کو انہوں نے ضائع
ا اور تم اس سے باخبر اور صاحب علم تھے جس سے لوگ بے خبر اور جاہل تھے اور تم نے اس وقت
مل تیاری اور مستعدی کا مظاہرہ کیا جبکہ وہ سستی کا شکار ہو رہے تھے اور ہتھیار ڈال رہے تھے اور تم
نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا جبکہ لوگوں نے بزدلی اور بے صبری کا مظاہرہ کیا تم نے جان لیا ان
کے مطالب ومقاصد کی خامیوں کو اور وہ تمہاری رائے پر عمل پیرا ہو کر واصل مراد ہو گئے اور کامیاب
ور تمہارے طفیل وہ کچھ پالیا جس کے حصول کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں تھا۔

كنت على الكافرين عذابًا صبا ولهباوللمومنين رحمة وأنساو حصنا
طرت والله بعبابها وفزت بحبابها وذهبت بفضائلهاوادركت سوابقها۔

تم کفار پر برسنے والا عذاب اور بھڑکتی آگ تھے اور اہل ایمان کے لیے مجسم رحمت
وانس اور محفوظ پناہ گاہ۔ تم نے فضائے بسیط تک خلافت کے دریائے رحمت کو بلند کر دیا اور اس
کے مقاصد کے حصول میں کما حقہ کامیاب ہو گئے اور تم نے اس کے فضائل خاصہ کو قبضہ میں لے
لیا اور اس کے موجبات سبقت کا احاطہ کر لیا۔

لم تغلل حجتك ولم تضعف بصيرتك ولم تجبن نفسك ولم يرع قلبك
ولم يحر كنت كالجبل الذی لاتحركه القواصف ولاتزيله العواصف ۔

تمہاری حجت ودلیل اثباتِ مدعا میں قاصر نہیں ہوئی اور تمہاری بصیرت اور فراست
ضعف سے منزہ ومبرا رہی۔ تمہارا نفس بزدل نہ ہوا اور نہ دل خوف واندیشہ میں مبتلا ہوا اور
حیرت زدہ ہوا تم اس پہاڑ کی مانند تھے جس کو زلزلے جنبش نہ دے سکے اور نہ طوفان اور آندھیا
اس کو اپنی جگہ سے ہلا سکیں۔

کنت كما قال رسول الله ﷺ أمن الناس علينا فی صحبتك وذات يد
وكنت كما قال ضعيفا فی بدنك قويا فی أمر الله تعالى متواضعا فی نفسك عظي
عندالله تعالى جليلا فی أعين الناس كبيرا فی أنفسهم لم يكن لأحد فيك مغ
ولا لقائل فيك مهمز ولا لأحد فيك مطمع ولا لمخلوق عندك هوادة۔

تم واقعی اس طرح تھے جیسے کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سب لوگوں
نسبت ہم پر زیادہ احسان کرنے والے ہیں اپنی صحبت کے اعتبار سے بھی اور مال ومتاع
اعتبار سے بھی۔ اور واقعی تم تھے جیسے کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا جسمانی
بدنی لحاظ سے کمزور اللہ تعالیٰ کے معاملات میں قوی وتوانا اپنے طور پر سراپا تواضع وانکساری لیکن
اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم اور لوگوں کی نظروں میں جلیل اور ان کے دلوں میں کبیر الشان کسی شخص
لیے آپ میں تنقید وتنقیص کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اور نہ کسی قائل کے لیے چغلی اور نکتہ چینی

اور نہ کسی کے لیے ناجائز مطلب برآری کی طمع اور نہ ہی خلق خدا کی بے توقیری اور بے
باری یا بلا اذن شرع صلح اور آشتی کی توقع۔

الضعیف الذلیل عندك قوی عزیز حتی تأخذ بحقه والقوی عندك ضعیف
ل حتی تاخذ منه الحق ،القریب والبعید عندك سواء فی ذالك ،أقرب الناس الیك
وعهم لله وأتقاهم له ،شانك الصدق والحق والرفق ،قولك حکم وحتم وأمرك
لم وحزم ورأیك علم وعزم۔

کمزور اور حقیر شخص تیرے نزدیک قوی وعزیز ہے تاوقتیکہ اس کا حق وصول نہ کرلو اور
قوی وتوانا تمہارے نزدیک کمزور اور حقیر ہے تاوقتیکہ اس سے دوسرے کا حق وصول نہ کرلو رشتہ
قریب وبعید سبھی لوگ حقوق کے معاملہ میں تمہارے ہاں برابر ہیں اور تمہارا سب سے زیادہ
یہی وہ ہے جو سب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ متقی
ہے تمہاری شان ہے سراسر صدق وحق اور رفق ونرمی تمہارا قول حکم ہے قطعی ہے اور تمہارا امر و
معاملہ سراسر حلم وبردباری اور مکمل احتیاط ہے اور تمہاری رائے سراسر علم ویقین اور عزم صمیم ہے۔

فأقلعت وقد نهج السبیل وسهل العسیر واطفئت النیران۔اعتدل بك الدین
قوی بك الایمان وثبت الاسلام والمسلون وظهر أمرالله ولو کره الکافرون
سبقت والله سبقا بعیدا واتعبت من بعدك اتعابا شدیدا وفزت بالخیر
وزامبینافجللت عن البکاء وعظمت رزیتك فی السماء وهدت مصیبتك الانام فانا
لله وانا الیه راجعون۔رضیناعن الله قضاءه وسلمنا له أمره فوالله لن یصاب
لمسلمون بعدرسول الله ﷺ بمثلك أبداً کنت للذین عزا وحرزا وکهفا وللمومنین
فئة وحصنا وغیثا وعلی المنافقین غلظة وغیظا فألحقك الله بنبیك ﷺ ولا حرمنا
أجرك ولا أضلنا بعدك فانا لله وانا الیه راجعون۔

پس تم ہم سے جدا ہوئے جبکہ تمہاری بدولت راہِ حق واضح ہو چکا تھا اور مشکلیں آسان ہو چکی تھیں اور فتنوں کی آتشہائے فراواں بجھ چکی تھیں اور تمہاری بدولت دین پھر اپنے اعتدال پر آ گیا اور اہلِ ایمان کا ایمان مضبوط ہو گیا اور اسلام اور اہلِ اسلام کو ثبات واستحکام نصیب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا امر دین غالب آ گیا اگرچہ کفار اس کا غلبہ پسند نہیں کرتے تھے پس بخدا تم بہت ہی سبقت لے گئے اور تم نے بعد والوں کو سخت مشقت اور تھکاوٹ میں ڈال دیا بذاتِ خود تم خیر ورشد کے ساتھ واضح طور پر فائز المرام ہوئے پس رونے سے بالاتر ہو (اور نہ تمہاری جدائی والا خسارہ رونے سے پورا ہو سکتا ہے) اور تمہاری جدائی والی مصیبت آسمان میں بھی عظیم تر ہے اور اس مصیبت نے مخلوق کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی قضاء پر راضی ہیں اور ہم اس کے امر وحکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ بخدا رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی جدائی والی مصیبت کے بعد تمہارے داغ مفارقت جیسا صدمہ اور مصیبت کبھی اہلِ اسلام کو نہیں پہنچے گی تم دین کے لیے عزت کا سامان اور حفظ ونگہبانی کے موجب اور جائے پناہ تھے اور اہلِ ایمان کے لیے ملجا وماوی اور مضبوط قلعہ اور رحمتِ خداوندی کی برسات تھے اور منافقین پر سراسر شدت سختی اور سراسر قہر خداوندی تھے اللہ تعالیٰ آپ کو نبی رحمت ﷺ کے ساتھ لاحق فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی جدائی والے صدمہ پر صبر والے اجر سے محروم نہ فرمائے اور نہ ہمیں تمہارے بعد ضلالت وگمراہی میں مبتلا کرے پس ہم بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہماری بازگشت بھی ہے۔

قـــ سکت الناس حتی انقضی کلامہ ثم بکوا حتی علت أصواتھم وقالوا صدقت یاختن رسول اللّٰہ ﷺ وعلی آلہ وصحبہ وبارك وسلم

حضرت اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

جب مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بولنا شروع فرمایا تو سبھی حاضرین خاموش ہو گئے

یہاں تک کہ جب آپ کا کلام اختتام کو پہنچا تو پھر انہوں نے رونا شروع کیا حتی کہ ان کی آوازیں آہ وبکا کے ساتھ بلند ہوئیں اور سبھی نے آپ کے ہدیۂ اخلاص اور نذرانۂ عقیدت اور مرثیہ رنج والم کی تائید وتصدیق کرتے ہوئے کہا: اے دامادِ رسول! صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور برحق کہا۔

(ازالۃ خفاء جلد اول ص ۶۹، ۷۰)

اس حدیثِ پاک کے متعلق ابو عمر بن عبدالبر "استیعاب" میں فرماتے ہیں:

أسید بن صفوان أدرك صحبة النبی ﷺ وروی عن علی حدیثا حسنا فی ثناء ہ علی أبی بکر یوم مات رضی اللہ تعالیٰ عنه

اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف دیدار حاصل کیا اور انہوں نے مولائے مرتضیٰ سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حدیث حسن روایت کی ہے حضرت ابوبکر صدیق کی ثناء میں جس دن کہ ان کا وصال ہوا۔

بیانِ فوائد:

(۱) حضرت امیر المومنین نے فرمایا الیوم انقطعت خلافة النبوة گویا صرف بادشاہ اسلام ہی نہیں تسلیم فرمایا بلکہ روحانی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے اور ظاہر وباطن کے لحاظ سے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نبوت تسلیم کیا۔ لھٰذا اس کو صرف سیاسی وراثت قرار دینے والوں کے نظریہ کی لغویت واضح ہوگئی، نیز خلافتِ نبوت تو تیس سال تک کے لیے تھی تو اس کا آپ کے وصال سے انقطاع کیسے لازم آگیا تو جواب یہ ہے کہ اس خلافت کو پچھلی خلافتوں کے لیے بنیاد واساس اور اصل ومنبع والی حیثیت حاصل تھی اور پچھلی اس کے اعتبار سے بمنزلہ فروعات تھیں تو اس اصالت پر تنبیہ کرتے ہوئے انقطعت فرمادیا۔

(۲) کنت أول القوم اسلاماً فرما کر آپ کے أول المسلمین ہونے کا اعلان فرمایا اور صاحب البیت أدری بمافیه کے تحت گھر والوں کی شہادت ہی قابل قبول ہوتی ہے۔

(۳) بمنزلة السمع والبصر فرما کر واضح فرمادیا کہ بیک وقت دونوں اعزاز آپ کو حاصل ہیں اور جس روایت میں شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا گیا ہے ھذان السمع والبصر تو اس میں احتمال توزیع وتقسیم تھا کہ ایک بمنزلہ سمع ہوں اور دوسرے بمنزلہ بصر ہوں تو آپ کے فرمان سے واضح ہوگیا کہ ہر ایک کو بمنزلہ سمع و بصر مصطفیٰ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

(۴) الذی جاء بالصدق وصدق به میں آپ نے حضرت صدیق کا مقام تصدیق میں قیام اور سب اہل تصدیق پر تقدم بھی واضح فرمادیا اور اہل ایمان پر برتری وفوقیت کو واضح فرمایا۔

(۵) المنزل علیه السکینة فرما کر واضح کردیا کہ غارِ ثور میں حزن وملال آپ کو لاحق ہوا تھا کہ کفار غار تک پہنچ گئے ہیں کہیں نبی کریم علیہ الصلوة والتسلیم کو تکلیف نہ پہنچائیں تو آپ پر اللہ تعالیٰ نے سکینت کو نازل فرما کر آپ کو مطمئن اور پرسکون فرمادیا۔

(۶) خلیفة فی دین اللہ وأمته فرما کر حضرت صدیق کی دینی ودنیاوی اور ظاہری وباطنی بلکہ روحانی اور جسمانی نیابت وخلافت کو واضح فرمادیا۔

(۷) قمت بالأمر مالم یقم به خلیفة نبی کہہ کر صرف امتِ محمدیہ کے خلفاء پر نہیں بلکہ تمام امم اور تمام خلفاء سابقین پر آپ کی افضلیت واکرمیت کا اعلان فرمادیا۔

(۸) کنت خلیفة حقالم تنازع فرما کر واضح کردیا کہ آپ کے ساتھ کسی بھی صحابی کو خلیفہ برحق ہونے میں نزاع وخلاف نہیں تھا سب اس میں مکمل طور پر متحد اور متفق تھے یہ ارمان ظاہر کرنا اور گلہ شکوہ کہ ہمیں مشورہ کے لائق بھی نہیں سمجھا گیا اور اس بنا پر چند دن توقف کرنا اور صورت حال واقعی واضح ہونے پر معذرت کرلینا علیحدہ معاملہ ہے۔

(۹) مضیت بنور اللہ فرما کر آپ کی عند اللہ محبوبیت اور ولایت پر مہر تصدیق لگادی کیونکہ نورِ فراست اور نورِ قلب اسی محبوبیت کے ہی ثمرات اور ولایت کے فروعات ہوتے ہیں۔

(۱۰) کنت کالجبل فرما کر آپ کی بے مثل استقامت اور ثابت قدمی واضح فرمادی جبکہ

ضرت عمر فاروق جیسے بہادر بھی اس وقت ملتمس تھے کہ بیک وقت اتنے محاذوں پر مخالفین کا ہم
قابلہ کیسے کر سکیں گے، لہــــذا اتنے زیادہ محاذ نہ کھولے جائیں اور وقتی طور پر بعض برگشتہ لوگوں
سے چشم پوشی کر لی جائے مگر آپ نے ان کو بہت سخت جواب دے کر خاموش کر دیا۔

۱۱) آپ کی جدائی اور داغ مفارقت والی مصیبت کو نبی مکرم ﷺ کے داغ مفارقت والی
صیبت کی مانند ٹھہرانا اور اس جیسے صدمہ سے بعد میں کبھی بھی اہل اسلام کے دوچار نہ ہونے
ا اعلان آپ کی نگاہِ ولایت میں حضرت صدیق کے خداداد مرتبہ و مقام کے امت مسلمہ میں بے
ل و بے مثال ہونے کی واضح برہان ہے۔ الغرض آپ کے ان ارشاداتِ عالیہ کا ایک ایک
لہ حضرت صدیق کی عظمت و رفعت کی دلیل ہے اور ان کے فی الواقع أفـــضـــل البشـــر
عد الأنبياء ہونے کی دلیل ناطق اور برہان صادق ہے اور جو آپ کی محبت و تولیٰ کے مدعی ہیں وہ
اس دعویٰ میں سچے ہیں تو پھر اس محبوب کے ارشادات پر انہیں ایمان بھی لانا چاہیے ورنہ بقول
حدث عبد الرزاق یہ بہت بڑی گناہگاری ہے کہ جس ہستی کی محبت کا دعویٰ کیا جائے اس کی بات
مانی جائے بلکہ اس کی مخالفت کی جائے۔

تنبیہ نبیہ:

بظاہر یہ ارشادات مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کے ہیں مگر جب ہزاروں صحابہ کرام علیہم
الرضوان کی موجودگی میں آپ فرما رہے ہیں اور انہوں نے اپنا رونا دھونا اور آہ و بکا مکمل طور پر بند
کر رکھی ہے اور ہمہ تن گوش ہو کر یہ ارشادات سماعت فرما رہے ہیں اور کوئی ان میں تصدیق زبانی
نہ بھی کرتا تو ان کا اجماع سکوتی منعقد ہو جاتا کیونکہ اس امت کی شان یہ ہے تــــا مــــرون
بالمعروف وتنهون عن المنكر اور ان کا طرۂ امتیاز یہ ہے لا يخافون لومة لائم تو ناحق
امور پر ان کا سکوت و صموت متصور نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہاں تو ان کی طرف سے برملا تصدیق پائی
گئی ہے اور جو کچھ آپ نے فرمایا اس کا اذعان واعتراف پایا گیا ہے تو حضرت صدیق کے حق

میں ان فضائل وخصائل اور اختصاصات وامتیازات پر خیرامم کا اجماع واتفاق بھی ثابت ہوگیا تو اب کسی مسلمان کے لیے آپ کے ان امتیازات واختصاصات اور فضائل وفواضل میں شک وشبہ اور ریب وتردد کی گنجائش ہی ختم ہوگئی۔ بصورت دیگر سیدھا جہنم کا راستہ ہے اور آتش دوزخ میں ٹھکانا کما قال تعالیٰ: ویتبع غیر سبیل المومنین نو له ماتولی ونصله جهنم و ساء ت مصیرا۔ نعوذ باللہ منه۔

تنبیہ ثانی:

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا اعلان ثابت ہوا اور علی الخصوص حضرت صدیق اکبر کی افضلیت کا اور مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سے بھی بطور تواتر منقول ہوا خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر وعمر اور جو آپ کو ان پر فضیلت دے اس کے لیے حد مفتری کا اعلان اور شہادت رد ہونے کا اعلان اور وصالِ نبوی کے بعد سب سے خیر اور افضل پر اللہ تعالیٰ کا صحابہ کرام کو جمع کرنے کا اقرار واعتراف ثابت ہیں تو پھر آپ کی اولاد کا بھی وہی قول معتبر ہوگا جو رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کے ارشادات کے موافق ہوگا نہ کہ جو مخالف اور معارض ہوگا اگر کوئی ایسا صاحبزادہ ہوگا تو اس کو ارشاد خداوندی انه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح (هود،46:11) کے مطابق روحانی اور ایمانی رشتہ میں منسلک نہیں سمجھا جائے گا کتنے سادات کہلانے والے رافضی ہیں اور بہت سے دیوبندی وغیرہ ہیں، لہٰذا دارومدار خونی رشتہ پر نہیں ہے بلکہ ایمانی اور روحانی رشتہ پر ہی اہل بیت ہونے کا دارومدار ہے۔ شاہ جی نے بار بار اور جگہ جگہ جناب زید بن زین العابدین کا عقیدہ تفضیل علی مرتضی دہرایا اور اس کو اپنے فاسد نظریہ کی دلیل بنایا اور مزید تقویت پیدا کرتے ہوئے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ان کی بیعت کرنا اور اس پر قائم رہنا ذکر کر کے بھی اس گرداب میں پھنسانے کی مذموم کوشش کی ہے، حالانکہ شرح عقائد وفقہ اکبر میں آپ کے نظریہ کی تصریح

جود ہے کہ سنیت کا شعار اور امتیازی نشان یہ ہے؛ تفضیل الشیخین و حب الختنین
ضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل
ننا اور دونوں دامادان رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ذوالنورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما سے محبت
رنا۔ لہــــذا عقیدۂ تفضیل میں امام صاحب رضی اللہ عنہ کا زید بن زین العابدین سے توافق کا
کان ہی نہیں ہے بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ وہ عقیدہ میں آپ کے موافق تھے تبھی آپ نے اقدام
روج میں ان کے ساتھ موافقت ومتابعت فرمائی۔

نیز بیعت کی بار بار تصریح سے تاثر یہ دینا کہ گویا ان کے مرید تھے اور روحانی فیوض
وائد حاصل کرتے تھے سراسر دھاندلی ہے انہوں نے حکومتِ وقت کے خلاف خروج کیا اور اس
عاملہ میں آپ ان کے ہم نوا تھے کہ اس حکومت کا خاتمہ ہونا چاہیے اور یہ بیعت ہر دور کے خلفاء
سلاطین کے ساتھ بھی کی جاتی رہی ہے جس کا مطلب ہوتا تھا کہ مخالفت وبغاوت نہیں کریں گے
ر کہ تمام نظریات وعقائد میں موافقت ومتابعت مقصود ہوتی تھی۔ اور یہ حکومتِ وقت کے ظلم
زیادتی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا قدم اٹھانا اھون البلیتین کے اختیار کرنے کے زمرے میں بھی
سکتا ہے حکومتِ وقت کے ظلم وستم اور جفا کاری وبد کرداری کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ
جب حضرت زید ان کے نزدیک باغی تھے تو قتل ہو کر کیفر کردار تک پہنچ گئے ان کو برہنہ کر کے تین یا
چار سال تک سولی پر لٹکائے رکھنے کا کیا جواز تھا؟ کیا مسلمانی کا یہ تقاضا ہو سکتا تھا کہ لوگوں کی
آنکھوں کے سامنے ان کو بغیر ستر اور پردہ کے سولی چڑھایا، پھر آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے تو ان کی
ذات کا نہیں ان کی نسبت کا ہی کچھ خیال کر لیا جاتا۔ نیز بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کا
نظریہ یہ تھا کہ خلفائے ثلاثہ کی بیعت خطا نہیں تھی کیونکہ حق حضرت علی کا تھا لیکن انہوں نے جب
خلفائے ثلاثہ کو دے دیا تو ہمیں اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

(تحفہ اثناعشریہ ص ۱۱، ۱٤)

نیز ان کے متبعین کو شیعہ کا مستقل فرقہ شمار کیا گیا ہے تو دریافت طلب امر یہ کہ مقتدی بوجہ اقتداء شیعہ قرار پائیں تو مقتداء کے متعلق شیعہ ہونے میں شک ہوسکتا ہے؟ اور اگر زیدی فرقہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ آپ کے متبع اور مقتدی ہیں تو حضرت زید کے تفضیل علی والے نظریہ کی کون سی قطعی اور حتمی دلیل موجود ہے کہ ان کو خواہ مخواہ اپنے اسلاف کی راہ سے منحرف قرار دیا جائے؟ اور ظاہر ہے کہ کچھ لوگوں نے ائمہ کرام پر جھوٹ باندھنے اور ان کی طرف غلط عقائد اور نظریات کی نسبت کرنے پر قسم کھا رکھی تھی۔ کیا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طرف اثنا عشری شیعہ جو کچھ منسوب کرتے ہیں کوئی سنی مسلمان اس کی صحت کا قول کر سکتا ہے؟ لہٰذا اس نسبت کا بھی محض افتراء اور بہتان ہونا ہی قرین قیاس ہے۔

حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان کا خلفائے کرام کے متعلق اعتقاد اور نظریہ

اُن کے والد گرامی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جو اپنے وقت کے غوث

ظم اور قطبِ مدار ہیں ان کی راہ سے حضرت زید کی راہ جدا ہونا بہت بعید ہے ان کا نظریہ معلوم
کرلیں تو خود حضرت زید کا نظریہ معلوم ہو جائے گا- نیز دیگر اکابرین اہل بیت کے عقائد و
ظریات بھی پیش کیے جائیں گے جن کی روشنی میں حضرت زید کے متعلق فیصلہ آسان ہو جائے گا

١) أخرج عبدالله بن أحمد فی زوائدالزهد عن بن أبی حازم قال جاء رجل
ی علی بن الحسین رضی الله عنهما فقال ما كانت منزلة أبی بكر وعمر رضی الله
نهما من رسو ل الله ﷺ قال كمنزلتها الساعة (تاریخ الخلفاء ص ٤٥)

عبداللہ بن امام احمد نے زوائد زہد میں ابن ابی حازم سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص
ضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا پس کہا کہ حضرت ابوبکر
ر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی منزلت و مرتبت بارگاہِ مصطفیٰ کریم علیه الصلوة و التسليم میں کیا تھی
تو آپ نے فرمایا وہی منزلت و مرتبت تھی جو اس وقت ان کو (روضہ اقدس میں) حاصل ہے-

تضرت مولیٰ علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعلق نظریہ

(٢) محب طبری نے ابن السمان کی کتاب الموافقة سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام
بو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اس دوران کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے ایک
راستہ پر چل رہے تھے تو اچانک ان کی حضرت علی سے ملاقات ہوگئی جبکہ حسنین کریمین بھی آپ
کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہم-تو حضرت علی نے ان کو سلام دیا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا حضرت حسن اور
حضرت حسین ان کے دائیں بائیں آگئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ رونے لگ گئے جس
طرح کے پہلے بھی روتے رہتے تھے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کیوں روتے ہوا ے
امیر المومنین؟ تو آپ نے کہا: من أحق بالبكاء منی یا علی؟ اے علی مرتضی مجھ سے بڑھ کر

رونے کا حق دار کون ہے؟قد ولیت أمر هذه الأمة أحكم فيها و لاأدری مسیئ أنا أم محسن میں اس امت کے امور کا متولی بنادیا گیا ہوں ان میں حکم چلا رہا ہوں جبکہ مجھے معلوم نہیں کہ اس فرمانروائی میں خطا کار ہوں یا نکوکار ہوں؟ تو مولائے مرتضی نے فرمایا :انك لتعدل فی كذا وتعدل فی كذا تم عدل کرتے ہو فلاں قسم کے امور میں اور عدل کرتے ہو فلاں قسم کے امور میں (لهذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے) لیکن آپ کے اس فرمان سے ان کا رونا بند نہ ہوا پھر حضرت حسن گویا ہوئے ساتھ اس کے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر ان کی ولایت اور ان کے عدل وانصاف کا اعتراف کیا، تو بھی آپ کا سلسلۂ آہ وبکاء بند نہ ہوا فتكلم الحسين مثل كلام الحسن فانقطع بكاء ه عند انقطاع كلام الحسين پھر حضرت حسین نے اسی طرح کلام فرمایا جیسے کہ حضرت حسن نے کلام فرمایا تھا تب آپ کا آہ وبکاء والا تسلسل ختم ہوگیا جونہی امام حسین کا کلام مکمل ہوا۔

فقال أتشهد ان بذالك یاابنی أخی فسكتا فنظرالی أبیهما فقال علی أشهدا أنا معكما شهید۔ (ازالة الخفاء جلداول ص۱۰۸)

تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اے میرے بھتیجو! تم اس امر کی شہادت دیتے ہو تو دونوں شہزادے خاموش ہوگئے تو آپ نے ان کے والد گرامی کی طرف دیکھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم دونوں گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

فائدہ:-

جب خلیفة الخلیفه کے ساتھ ان اکابرِ اہل بیت کا یہ سلوک اور حسن اعتقاد ہے تو حضرت صدیق کے متعلق اس سے بڑھ کر حسن ظن اور خوش اعتقادی ہوگی- نیز آپ کا ان مقدس ہستیوں کے ساتھ حسن اعتقاد بھی واضح ہوگیا کہ ان کی شہادت سے آپ کو اطمینانِ کلی حاصل ہوگیا۔

(۳) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا نظریہ

ابویعلی نے ابومریم کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ میں کوفہ میں موجود تھا تو امام حسن بن علی مرتضی رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

یا أیها الناس انی رئیت البارحة فی منامی عجبار ئیت الرب تعالیٰ علی عرشه فجاء رسول الله ﷺ حتی قام عند قائمة من قوائم العرش فجاء أبوبکر فوضع یده علی منکب رسول الله ﷺ ثم جاء عمر فوضع یده علی منکب أبی بکر ثم جاء عثمان فکان بیده رأسه فقال رب سل عبادك فیم قتلونی قال فانبعث من السماء میزابان من دم فی الأرض قال فقیل لعلی رضی الله عنه ألاتری مایحدث به الحسن فقال یحدث بمارءیٰ (ازالة الخفاء جلد اول ص۱۰۷)

اے لوگو! میں نے گذشتہ رات عجب صورتِ حال دیکھی، میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے عرش پر اپنی شان کے لائق جلوہ فرما دیکھا تو اس دوران رسول مکرم ﷺ تشریف لائے اور عرش اعظم کے پایوں میں سے ایک پائے کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے تب ابوبکر صدیق آ گئے تو انہوں نے اپنا ہاتھ رسول کریم ﷺ کے کندھے پر رکھ دیا (اور آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے) پھر عمر بن خطاب آ گئے انہوں نے اپنا ہاتھ ابوبکر کے کندھے پر رکھ دیا (اور ان کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے) پھر عثمان بن عفان حاضر ہو گئے ان کا سر ان کے ہاتھ میں تھا، پس عرض کیا اے اللہ! اپنے بندوں سے پوچھ اور محاسبہ کر کہ انہوں نے مجھے کیوں قتل کیا ہے؟ حضرت حسن نے فرمایا کہ اس دوران دو پرنالے خون کے آسمان سے زمین کی طرف زور زور سے بہہ نکلے۔ ابومریم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کیا دیکھتے نہیں ہو حضرت حسن مجتبیٰ کیا بیان کر رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہی بیان کر رہے ہیں (کوئی غلط بیانی تو نہیں کر رہے ہیں)

ابویعلیٰ نے دوسرے طریقہ سے حضرت امام حسن سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا أقاتل بعد رؤيا رأيتها رأيت رسول الله ﷺ واضعا يده على العرش ورأيت أبابكر واضعا يده على النبي ﷺ ورئيت عمر واضعا يده على أبي بكر ورئيت عثمان واضعا يده على عمر ورئيت دماء دونهم فقلت ما هذه الدماء؟ فقيل دماء عثمان يطلب الله به۔ (ازالۃالخفاجلد اول ص۱۰۹)

میں قتال نہیں کروں گا بعد اس خواب کے جو میں نے دیکھا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنا دستِ اقدس عرشِ خداوند تعالیٰ پر رکھے ہوئے ہیں اور میں نے ابوبکر صدیق کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ نبی مکرم ﷺ پر رکھے ہوئے ہیں اور حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ اپنا ہاتھ ابوبکر صدیق پر رکھے ہوئے ہیں اور میں نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ وہ اپنا ہاتھ حضرت عمر پر رکھے ہوئے ہیں اور میں نے ان کے آگے بہتے ہوئے خون دیکھے تو میں نے دریافت کیا یہ کیسے خون ہیں؟ تو مجھے کہا گیا کہ یہ عثمان ذوالنورین (کے خون کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہائے جانے والے خون ہیں) جس خون کے بدلہ کا مطالبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

(۱) بیانِ فوائد:

نبی مکرم ﷺ کا خواب میں دیکھنا ہر مسلمان کا برحق ہوتا ہے چہ جائیکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا آپ کو خواب میں دیکھنا، لہذا اس خواب کے برحق ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لیے مولائے مرتضی سے عرض بھی کیا گیا کہ حضرت حسن کیا کہہ رہے ہیں تو آپ نے رد وانکار نہیں فرمایا۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خون ناحق کا بدلہ طلب کیا تو اگر وہ عنداللہ ناحق قتل نہیں تھا تو ان کو اس طرح فریادی ہونے کی جرات ہی کیسے ہوتی؟

(۳) نبی مکرم ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما ان کے سفارشی اور شفیع بن کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اگر ان کے نزدیک حضرت عثمان سراسر مظلوم نہیں تھے تو وہ حضرات سفارشی بن کر ان کے ساتھ کیوں شامل ہوئے؟

(۴) نیز نبی مکرم ﷺ کے ساتھ ہونا اور اس خاص ترتیب سے حاضر ہونا جہاں قربِ نبوی کی اہم اور واضح دلیل ہے اسی طرح ان کے فضل و شرف میں بھی اس ترتیب پر واضح دلیل موجود ہے

(۵) حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی فریاد کی بارگاہِ خداوندی میں قبولیت اور ان قدس ہستیوں کی قبولیت و محبوبیت کی بھی واضح دلیل اور بین برہان ہے اور ساری باہمی لڑائیاں اور خون ریزیاں اور جانی و مالی نقصانات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں سرد مہری اور تساہل و تغافل کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں اور ان کے صبر و استقامت کی جزائے جزیل ہیں اور قدرتی انتقامی کاروائی کا عجیب مظاہرہ

(۶) نیز معلوم ہوا کہ وہ عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح میں یکجا ہیں اور محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ان کو اپنے پہلوئے رحمت میں لئے ہوئے ہیں اور ان کی آپ کے ساتھ مل کر اللہ کی بارگاہ ناز میں حاضری ہوتی رہتی ہے۔ والحمدللہ علی ذالک۔

(۴) امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولادِ امجاد کا نظریہ

عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں حسن بن زید بن الحسن سے نقل کیا ہے

حدثنی أبی عن أبیه عن علی رضی اللّٰه عنه قال کنت عندالنبی ﷺ فأقبل ابوبکر و عمر فقال یاعلی هذان سید اکهول أهل الجنة و شبابها بعدالنبیین والمرسلین۔ (ازالة الخفاص۱۰۸)

حضرت حسن فرماتے ہیں مجھے میرے باپ زید نے اپنے باپ حسن مجتبیٰ سے انہوں نے مولا علی رضی اللہ عنہم سے روایت فرمائی کہ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ

عنہما سامنے سے آ گئے تو آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا: اے علی! یہ دونوں اہل جنت کے عمر رسیدہ اورنوجوانوں کے سردار ہیں ماسوائے انبیاء ومرسلین کے۔

(۱) فائدہ:

اگرچہ شباب کی تصریح نہ ہونے کی صورت میں بھی ان حضرات کی بعد از انبیاء علیہم السلام تمام اہل جنت پر افضلیت اور برتری واضح تھی لیکن اس روایت میں کھول کے ساتھ شباب کے ذکر نے اس مفہوم ومضمون کو مزید واضح کر دیا اور جو عقل وخرد کے دشمن سمجھتے تھے کہ جنت میں تو سبھی لوگ جوان ہوں گے لہذا سب پر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت ثابت ہوگئی کیونکہ سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة تو ان کا ناطقہ اس روایت سے بند ہو گیا نیز ان کو اتنی ہوش بھی نہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہوتی تو پھر شباب أهل الجنة کہنے کی کیا ضرورت تھی صرف سیدا أهل الجنة فرما دیتے۔ شباب کی تخصیص بتلا رہی ہے کہ یہ جنت کے لحاظ سے نہیں بلکہ دنیا کے لحاظ سے شباب اور کہول کی تقسیم اور تقابل ہے۔

(۲) علاوہ ازیں اہل تشیع کے نزدیک مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سب صحابۂ کرام اور اہل بیت سے افضل ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک حضرت صدیق اکبر سب سے افضل ہیں تو یہ کس مذہب بیان کیا جا رہا ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق سے اور مولا مرتضی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں خدا جب دین لیتا ہے تو حماقت آ ہی جاتی ہے۔ کما قال تعالی ختم الله علی قلوبهم۔

(۳) نیز جب مولائے مرتضی اپنی اولادِ امجاد کو رسول گرامی ﷺ کے اس طرح کے ارشادات سناتے رہتے تھے تو پھر ان کے متعلق خلاف ورزی کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے تو لامحالہ اہل بیت

۴) محبِ طبری نے حضرت عبداللّٰہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن أبی طالب
ے نقل کیا ہے جبکہ ان سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت کیا گیا:

قال أفضلهما وأستغفرلهما فقيل له لعل هذا تقية وفي نفسك خلافه قال
لا نالتني شفاعة محمد ﷺ ان كنت أقول خلاف ما في نفسي۔

آپ نے فرمایا:

میں دونوں حضرات کو افضل قرار دیتا ہوں اور ان کے لیے استغفار کرتا ہوں تو آپ
ے کہا گیا کہ شاید تم از روئے تقیہ اس طرح کہہ رہے ہو جبکہ تمہارے دل میں اس کے خلاف ہے
آپ نے فرمایا مجھے محمد کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں اپنے ضمیر
دل کے خلاف بات کو زبان پر لا رہا ہوں تو۔

) عنه وقد سئل عنهما فقال صلى الله عليهما وسلم ولا صلّى على من لم
ل عليهما۔

حضرت عبداللہ محض رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ آپ سے حضرت ابوبکر اور حضرت
رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ان دونوں پر صلوۃ و سلام نازل فرمائے اور جو ان کے حق میں صلوۃ و رحمت
ے نزول کی دعا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم فرماوے۔

) حضرت عبداللہ محض کے بھائی حضرت حسن مثلث سے مروی ہے کہ آپ نے اس شخص
فرمایا جو ان کی محبت میں غلو سے کام لیتا تھا تم پر افسوس ہے، ہم سے محبت کرو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے
ان أطعنا الله فأحبونا وان عصينا الله فأبغضونا اگر ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو ہم
ے محبت کرو اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانبرداری کریں تو تم ہمارے ساتھ بغض رکھو۔ (جاری
ہے)

خلافت بلافصل کا رد حضرت حسن مثلث کی زبانی :

ولو كان الأمر كما تقولون ان الله جل وعلا ورسوله ﷺ اختارا عليا لهذا الأمر وللقيام على الناس بعده فان عليا أعظم الناس خطيئة وجرما اذ ترك أمر رسول الله ﷺ أن يقوم فيه كما أمره ويعذر الى الناس فقال له الرافضى ألم يقل النبى ﷺ لعلىّ من كنت مولاه فعلى مولاه فقال أما والله لو يعنى رسول الله ﷺ بذالك الأمر والسلطان و القيام على الناس لأ فصح به كما أفصح بالصلوة والزكوة والصيام والحج ولقال أيها الناس ان هذا الولى بعدى فاسمعوا وأطيعوه۔

(ازالة الخفاء جلد اول ص۱۰۸)

اگر صورتِ حالِ واقعی وہی ہوتی جس کا تم دعویٰ کرتے ہو یعنی مولائے مرتضیٰ کی خلافت بلا فصل کا - کہ اللہ تعالیٰ نے اور رسول مقبول ﷺ نے حضرت علی کو امر خلافت کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے وصال شریف کے بعد لوگوں کے امور کا نظم ونسق سنبھالنے کے لیے منتخب فرما تو اندریں صورت حضرت علی تمام لوگوں کی نسبت زیادہ خطا کار اور مجرم ہو جائیں گے جبکہ رسول اکرم ﷺ کے حکم کو ترک کر دیا اور حسب الحکم لوگوں کے معاملات کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں نہ لیا اور لوگوں پر اپنا عذر ظاہر نہ کیا اور نہ ان کا عذر زائل کیا -تو رافضی نے آپ سے کہا: کیا خود نبی مکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں فرمایا من كنت مولاه فعلى مولاه یعنی جس کا میں مولا ہوں حضرت علی اس کے مولیٰ ہیں؟ تو آپ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

آگاہ رہو! بخدا اگر نبی مکرم ﷺ کی اس ارشاد سے مراد وہ ہوتی جو تم کہتے ہوئے حکومت وسلطنت اور لوگوں پر فرماں روائی تو اس کو واضح طور پر بیان فرماتے (نہ کہ مشترک عام لفظ بولنے پر اکتفاء فرماتے) جس طرح آپ نے صلوۃ وزکوۃ اور صیام وحج کے متعلق حکم

حت فرمائی اور تفصیلات سے آگاہ فرمایا (حتی کہ کسی قسم کا اشتباہ و التباس باقی نہ چھوڑا) نیز
آپ یوں فرماتے کہ اے لوگو! بے شک یہ شخصیت میرے بعد تمہارا ولی امر ہے لھذا اس کا
ول کے کانوں سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا (حالانکہ آپ نے ساتھ ہی فرمادیا أللهم وال
والاہ وعاد من عاداہ اے اللہ اس سے محبت کر جو علی سے محبت رکھے اور اس سے عداوت
جو علی سے عداوت رکھے تو معلوم ہوا کہ یہاں مولیٰ بمعنی محبوب ہے نہ متولی امر اور حاکم
طان اور خلیفہ بلافصل)

دِامام حسین رضی اللہ عنہم سے منقول فضائل شیخین رضی اللہ عنہما

امام ترمذی نے سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے متصل طور پر مروی مولائے
ی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

میں بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا ناگاہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نمودار ہوگئے تو رسول گرامی
ﷺ نے فرمایا:

هذان سيد اكهول أهل الجنة من الأولين والآخرين الاالنبيين والمرسلين يا
ی لاتخبرهما

یہ دونوں اہل جنت کے عمر رسیدہ لوگوں کے سردار ہیں تمام پہلوں اور پچھلوں کے
ائے انبیاء ورسل علیہم السلام کے اور اے علی ان کو نہ بتلانا۔

ا) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ہی موقوف طور پر منقول ہے کہ جیسے کہ امام احمد نے
الیدین کی مسند میں ابوحازم کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس حاضر
کر عرض کیا:

ماكان منزلة أبى بكر وعمر من النبى ﷺ فقال منزلتهما الساعة ـ

ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا مرتبہ ومقام نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ میں کیا ہے تو آپ نے فرمایا

وہی ان کی منزلت ومرتبت تھی جو اس وقت (روضۂ اقدس) میں ہے۔

(۳) أخرج الحاكم من طريق عبدالله بن عمر بن أبان قال حدثنا سفيان بن عيينة عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهم أن عليا دخل على عمر رضى الله عنه وهو مسجى فقال صلى الله عليك ثم قال مامن الناس أحد أحب الىّ أن ألقى الله بما فى صحيفته من هذا المسجى۔

حاکم نے اپنی سند کے ساتھ امام جعفر صادق کے والدِ گرامی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت فرمائی ہے کہ حضرت سیدنا علی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے جبکہ وہ کفن میں لپٹے ہوئے تھے پس کہا کہ:

''اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائے پھر کہا لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ مجھے پسند ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کروں اس جیسے صحیفۂ اعمال کے ساتھ بنسبت اس کفن پوش شخص کے''

فائدہ:

گویا آپ کی تمنا تھی کہ عمر فاروق جیسا نامۂ اعمال مجھے بھی نصیب ہو تو اگر ان کو اپنے سے افضل واعلیٰ نہیں سمجھتے تھے تو ان کے اعمال نامے کے ساتھ رشک کیوں کر رہے تھے؟ اور جو حسناتِ ابی بکر میں سے ایک حسنہ ہیں، نیز اگر ان کا اعمال نامہ آپ کے لیے اس قدر قابلِ رشک ہے تو خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اعمال نامہ کس قدر قابلِ رشک ہوگا؟ اور بے شمار لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شمولیت کے لیے حاضر تھے تو آپ ان کو اپنے متعلق کیا تاثر دے رہے تھے اور حضرت فاروق اعظم کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام کو ان پر کس طرح واضح فرما رہے تھے اور أفضل البشر بعد الأنبياء أبو بكر ثم عمر رضى الله عنهما کس طرح مہر تصدیق لگا رہے تھے کیونکہ اس افضلیت سے مراد بھی عنداللہ فضل وشرف اور عزت

امت ہے اور اعمال نامے کے ساتھ رشک بھی اس پہلو سے ہے نہ کہ حسبی و نسبی قرابت کے
سے۔

ف) امام محمد بن حسن نے حضرت امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے:

حدثنا أبو جعفر محمد بن علی قال جاء علی بن أبی طالب الی عمر بن
طاب حین طعن فقال رحمك الله تعالی فوالله مافی الأرض أحد كنت ألقی الله
حیفته أحب الیّ منك۔

مفہوم و مقصود وہ ہے جو اوپر والی روایت میں گزرا۔ یعنی امام محمد باقر نے بیان فرمایا کہ
رت علی حضرت عمر کے پاس آئے جبکہ ان کو زخمی کیا گیا پس فرمایا:
"اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے ساری زمین مین کوئی شخص ایسا نہیں سوائے تمہارے کہ مجھے
ں جیسے نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا محبوب اور پسندیدہ ہو"

ب) ابن ابی حفصہ سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر بن محمد اور امام محمد بن علی رضی اللہ
نہما سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت کیا:

فقالا اماما عدل نتولاهما ونتبرأ من عدوهما ثم التفت الیّ جعفر بن
حمد فقال یا سالم أیسب الرجل جده أبوبکر الصدیق جدی لا تنالنی شفاعة
حدی محمد ﷺ ان لم أكن أتولا هما وأتبرأ من عدوهما۔

(ازالة الخفاء جلداول ص۱۰۸)

تو امام جعفر صادق اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"وہ دونوں امام عادل ہیں ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے براءت
کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر امام جعفر صادق میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: اے سالم! کیا کوئی
شخص اپنے جد امجد کو سب و شتم کر سکتا ہے؟ ابوبکر صدیق میرے جد امجد ہیں (آپ کی امی جان ام

ِ فروہ کے دادے بھی ابوبکر ہیں اورنانے بھی اسی لیے آپ نے فرمایا: ولدنی أبوبکر مرتین ابوبکرصدیق میرے دوہرے باپ ہیں۔صواعق محرقہ) مجھے میرے نانا جان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں ان دونوں سے محبت وعقیدت نہ رکھوں اور ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار نہ کروں''

(ج) عن أبی جعفر رضی اللّٰہ عنہ أنه قال :

من جهل فضل أبی بكر وعمر جهل السنة وقيل له ماترى فی أبی بكر وعمر رضی اللّٰه عنهما فقال انی أتولاهما وأستغفرلهما فما رأيت أحداعن أهل بيتی الا وهو يتولا هماوسئل عن قوم يسبون أبابكر وعمر فقال أولئك المراق وعنه قال من شك فيهما كمن شك فی السنة وبغض أبی بكر وعمر نفاق وبغض الأنصار نفاق ـانه كان بين بنی هاشم وبين بنی عدی وبنی تيم شحناء فی الجاهلية فلما أسلموا تحابوقالوا نزع اللّٰه ذالك من قلوبهم حتى ان أبابكر اشتكى خاصرته فكان علیّ رضی اللّٰه عنه يسخن يده بالناروبضمدبها خاصرة أبی بكر رضی اللّٰه عنه ونزلت فيهم هذه الآية ونزعنا مافی صدورهم من غل اخوانا عِلى سرر متقابلين۔

(ازالةالخفاء جلد اول ص۱۰۹ و كذافی الصواعق ص٥٤)

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

(۱) کہ جوشخص ابوبکر وعمر کے فضل وشرف خداداد سے جاہل ہے تو وہ سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہل ہے۔

(۲) آپ سے عرض کیا گیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے تو آپ نے فرمایا میں ان سے محبت والفت رکھتا ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں میں نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو ان سے قلبی محبت وعقیدت نہ رکھتا ہو۔

(۳) آپ سے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو سب وتبرا کرنے والوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ دائرہ اسلام سے خروج اختیار کرنے والے ہیں۔

(۴) آپ سے ہی مروی ہے ابوبکر وعمر کے بارے میں شک کرنے والا مانند سنت میں شک کرنے والے کے ہے اور دونوں حضرات کا بغض منافقت ہے اور انصار کا بغض بھی سراسر نفاق ہے۔

(۵) تحقیق دور جاہلیت میں بنو ہاشم بنو عدی اور بنو تیم کے درمیان باہم عداوتیں اور کدورتیں تھیں جب حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو باہم محبت والفت پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ عداوت اور دشمنی ان کے دلوں سے سلب کر لی حتیٰ کہ (پھر اس طرح کا قلبی لگاؤ اور باہمی پیار پیدا ہو گیا کہ) ابوبکر صدیق کے پہلو میں تکلیف تھی اور درد تھا جسے سینکنے کی ضرورت تھی تو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ آگ پر گرم کر کے ابوبکر صدیق کی درد والی جگہ پر ملتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: و نزعنا مافی صدورھم۔ (الآیۃ) کہ ہم نے کھینچ لیا جو ان کے قلوب وصدور میں کینہ وبغض تھا درآنحالے کہ وہ (جنت میں) بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھنے والے ہیں۔

فائدہ:

یہ ہے اکابرین اہل بیتِ کرام علیہم الرضوان کا عقیدہ ونظریہ اور عقیدت ومحبت اور اخلاص ونیاز حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا اور ان کے فضل وشرف اور افضلیت وبرتری کا اعتراف زبانی بھی اور عملی طور پر خدمت سرانجام دے کر بھی۔ ورنہ حضرت علی کسی کو بھی فرما سکتے تھے کہ ابوبکر صدیق کی درد والی جگہ کو تاپے اور اس پر ٹکور کرے لیکن بذاتِ خود آپ یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور وہ بھی اپنا ہاتھ آگ پر گرم کر کے جو بڑا شاق اور برداشت سے باہر معاملہ ہے اور ہم غلاموں اور نیازمندوں کو ان کی

عظمتِ خداداد اور رفعتِ مقام کے ایقان واذعان کا درس دے رہے تھے اور اپنی اولادِ امجاد کے قلوب واذہان پر بھی ان کی محبت والفت اور عقیدت واخلاص اور عقیدۂ تفضیل کے نقوش گہرے فرما رہے تھے اور پائیدار بنا رہے تھے۔لہذا یہی راہ اہل بیت کی راہ ہے اور یہی صراطِ مستقیم اور راہِ فلاح ہے اور اجماعی اور متفق علیہ راستہ ہے اس کو چھوڑنا سراسر خذلان وخسران ہے اور موجب ضلالت اور باعثِ عذابِ الیم ہے۔العیاذ باللہ تعالی۔

(د) حضرت عبداللہ محض رضی اللہ عنہ جو کہ حسنی وحسینی سید ہیں سے سوال کیا گیا ہم خفین (موزوں) پر مسح کریں تو آپ نے فرمایا:

''مسح کر کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسح فرمایا''

تو سائل نے کہا:

میں آپ سے آپ کا عمل دریافت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا:

یہ جواب تیرے لیے زیادہ عاجز کرنے والا ہے تو مجھ سے میری رائے معلوم کرنا چاہتا ہے جبکہ میں تجھے عمر بن الخطاب کا طریقہ بتلا رہا ہوں:

فعمر خیر منی و من ملأ الأرض مثلی فقیل له هذا تقیة فقال نحن بین القبر والمنبر أللهم هذا قولی فی السر والعلانیة فلا تسمع قول أحد بعدی۔

''عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ سے اور میرے جیسے زمین پر بھرے لوگوں سے افضل ہیں''

تو ان سے کہا گیا کہ تمہارا یہ قول تقیہ (پر مبنی) ہے؟ تو آپ نے فرمایا، جبکہ ہم قبر مصطفے ﷺ اور منبر شریف کے درمیان تھے:

اے اللہ! یہ میرا قول خفیہ بھی ہے اور علانیہ بھی، لہذا اس کے خلاف کسی کا قول میرے بعد قبول نہ فرمانا۔ (صواعق محرقہ)

ثم قال من هذا الذی یزعم أن علیا کان مقهوراً و أن النبی ﷺ أمره بأم

م ینفذہ فکفی بھذا ازراء و منقصة له (أخرجه الدار قطنی)

پھر فرمایا:

"وہ کون شخص ہے جو یہ زعم باطل رکھتا ہے کہ حضرت شیر خدا مقہور و مغلوب تھے اور نبی
رم ﷺ نے ان کو ولی امر بنایا تھا لیکن انہوں نے آپ کے حکم کو نافذ نہ فرمایا تو حضرت علی
ضی کے لیے عیب لگانے اور آپ کی تنقیص کے لیے یہی قول کافی ہے"

) ان کے لخت جگر حضرت نفس زکیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: حضرت ابوبکر اور حضرت
رضی اللہ عنہما کے مرتبہ و مقام کے متعلق تو آپ نے فرمایا:

لھما عندی أفضل من علی رضی اللہ عنھم ۔(أخرجه الدار قطنی)

وہ دونوں حضرات میرے نزدیک علی مرتضی سے افضل ہیں۔(صواعق)

أخرج الدار قطنی عن محمد الباقر أنه قال: أجمع بنوفاطمة علی أن یقولوا
الشیخین أحسن مایکون من القول ۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ شیخین
ی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے حق میں وہی قول کریں گے جو سب سے افضل اور بہتر قول
گا"

دار قطنی نے امام جعفر صادق سے ان کے والدِ گرامی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

ایک شخص حضور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا
ے ابوبکر کے متعلق بتلایئے؟ تو آپ نے فرمایا: عن الصدیق؟ تو ابوبکر صدیق کے متعلق
چھنا چاہتا ہے؟ تو اس کی رگِ تعصب و عناد پھڑکی اور کہا: و تسمیه الصدیق؟ تم بھی ابوبکر کو
دیق کہتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا:

قد ثكلتك أمك قد سماه صديقا رسول الله ﷺ و المهاجرون والأنصار ومن لم يسمه صديقا فلا صدق الله عزوجل قوله فى الدنيا والآخرة اذهب فأحب أبابكر وعمر رضى الله عنهما۔

"تجھے تیری ماں روئے (تو مرے) ابوبکر کو رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے صدیق کا لقب دیا اور تمام مہاجرین اور انصار نے پس جو اُن کو صدیق نہ کہے اور نہ مانے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی قول نہ دنیا میں سچا کرے اور نہ آخرت میں، جا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھ"

دار قطنی نے عروہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے امام ابوجعفر محمد باقر سے تلوار کو زیور سے مزین کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

لابأس به قد حلّى أبوبكر الصديق سيفه رضى الله عنه

"کوئی حرج نہیں کیونکہ ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو زیور سے مزین کیا ہوا تھا"

تو انہوں نے عرض کیا آپ بھی ان کو صدیق مانتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا:

نعم الصديق نعم الصديق نعم الصديق فمن لم يقل له الصديق فلا صدق قوله فى الدنيا والآخرة۔

"ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! جو ان کو صدیق مانے اللہ تعالیٰ اس کے کسی قول کو دونوں جہانوں میں سچا نہ کرے"

علامہ ابن الجوزی نے اس روایت کو صفوۃ الصفوۃ میں نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ نقل کیا:

فوثب وثبة واستقبل القبلة فقال نعم الصديق الخ

آپ لیٹے ہوئے تھے تو تیزی سے اٹھ بیٹھے اور قبلہ رو ہو کر فرمایا:

''ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! جو ان کو صدیق نہ مانے اس کو اللہ تعالیٰ دارین میں جھوٹا اور روسیاہ کرے''

أخرج أيضا عن جعفر الصادق رضی اللّٰہ عنه أنه قال ماأرجومن شفاعة علی شیئا الا وأنا أرجومن شفاعة أبی بکر مثله ولقد ولدنی مرتین۔

دار قطنی نے ہی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

''میں جس قدر کسی چیز میں علی مرتضیٰ کی شفاعت کا امیدوار ہوں اسی قدر حضرت ابو بکر کی شفاعت کا امیدوار ہوں اور البتہ تحقیق ابو بکر صدیق نے مجھے دوبار جنم دیا''

حضرت زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہما سے دار قطنی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے شیخین رضی اللہ عنہ سے براءت ظاہر کرنے والوں کے حق میں فرمایا:

ماأعلم واللّٰہ أن البرأة من الشیخین البرأة من علی تقدم أو تأخر۔

''جہاں تک میری معلومات ہیں شیخین سے براءت خود علی مرتضیٰ سے براءت ہے (اب تیری مرضی) آگے بڑھ (اور سب سے براءت ظاہر کر) یا پیچھے ہٹ (اور ان سے براءت کو ہمیشہ کے لیے ترک کردے)

انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا اور بہت مخلوق ان[1] کے اردگرد جمع ہوگئی، جن میں ہزاروں شیعہ بھی تھے تو انہوں نے مطالبہ کیا ابرأ من الشیخین ونحن نبایعك فابی وقال اذ هبوا فأنتم الرافضة فمن حینئذ سموا الرافضة وسمیت الشیعة بالزیدیة

ابو بکر و عمر سے براءت ظاہر کر دو تو ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں تو آپ نے انکار فرما دیا اور کہا:

''بھاگ جاؤ تم چھوڑ جانے والے ہو'' تو اس دن سے ان کو رافضی کہا جانے لگا اور

ساتھ دینے والوں کو زیدی کا نام دیا گیا۔

حافظ عمر بن شبہ نے نقل کیا اس امام جلیل زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ابو بکر نے حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سے فدک چھین لیا تھا تو آپ نے فرمایا:

وہ بہت ہی رحمت ورافت والے تھے (ظلم وتعدی اور غصب نہب سے پاک تھے) اور وہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے ان امور میں سے کسی کو تبدیل کریں جن کو جس حال میں نبی رحمت ﷺ نے چھوڑا تھا حضرت زہراء آپ کے پاس تشریف لائیں اور کہا کہ رسول گرامی ﷺ نے فدک مجھے عطا فرما دیا تھا آپ نے شہادت طلب کی تو انہوں نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن کی شہادت پیش کی تو آپ نے کہا: کیا ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت سے تم اپنا استحقاق ثابت کر سکتی ہو (جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں) پھر حضرت زید نے فرمایا: واللّٰه لورجع الأمر اليّ لقضيت بقضاء أبى بكر رضى اللّٰه عنه

''بخدا! اگر فدک کا فیصلہ میرے پاس لوٹتا تو میں وہی فیصلہ کرتا جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے''

حافظ عمر بن شبہ نے آپ سے نقل کیا ہے:

انطلقت الخوارج فبرء ت من دون أبى بكر وعمر رضى اللّٰه عنهما ولم يستطيعوا أن يقولوا فيهما شيئا انطلقتم أنتم فطفرتم فوق ذالك فبرء تم منهما فمن بقى؟ فواللّٰه مابقى أحد الا برء تم منه ـ

خوارج چلے اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ماسوا سے براءت کا اظہار کر دیا لیکن ان دونوں حضرات کے حق میں انہیں کچھ کہنے کی جراءت نہ ہوئی اور تم چلے پس اس سے بہت اونچی چھلانگ لگائی پس ان دونوں سے بھی براءت ظاہر کر دی تو پھر بچ کون رہا ہے۔ پس بخدا اصحاب رسول اور اہل بیت میں سے کوئی بھی نہ بچا مگر تم نے اس سے براءت ظاہر کر دی۔

ابن عساکر نے سالم بن ابی الجعد سے روایت نقل کی ہے کہ اس نے امام صادق سے سوال کیا:

ھل کان أبوبکر أول القوم اسلاما؟ قال لا ـ قلت فبم علا أبو بکر و سبق حتی لایذکر أحد غیرأبی بکر قال لأنه کان أفضلھم اسلاما حین أسلم حتی لحق ربه ـ

کیا ابوبکر صدیق سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے؟ تو فرمایا: نہیں، میں نے دریافت کیا: تو پھر ان کو اس قدر بلندی مرتبت اور سبقت کیوں حاصل ہوگئی ہے کہ ہر زبان پر صرف انہیں کا تذکرہ جاری ہے دوسرے کسی کا نام ہی نہیں لیا جاتا؟

تو آپ نے فرمایا کہ:

''وہ سب سے ازروئے اسلام سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے حتیٰ کہ (وصال فرما کر) اپنے رب کریم سے لاحق ہوئے''

دارقطنی نے سالم بن ابی الجعد سے روایت نقل کی ہے کہ میں جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے عقیدے کی اصلاح کے لیے فرمایا:

أللھم انی أتولّی أبابکر وعمر وأحبھما أللھم ان کان فی نفسی غیرھذا فلا نالتنی شفاعة محمد ﷺ یوم القیامة ـ

''اے اللہ! میں ان دونوں حضرات ابوبکر وعمر کو دوست اور محبوب سمجھتا ہوں! اے اللہ! اگر میرے دل میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا عقیدہ ہو تو مجھے قیامت کے دن محمد کریم علیہ السلام کی شفاعت نصیب نہ ہو''

دارقطنی اور حافظ عمر بن شبہ نے کثیر کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: مجھے یہ تو بتلایئے کیا ابوبکر وعمر نے تمہارا کچھ حق بطور ظلم وتعدی

سے لے لیا تھا تو؟ آپ نے فرمایا:

ومنزل الفرقان علی محمد عبده لیکون للعالمین نذیرا ماظلمانا من حقنا مایزن حبة خردل

اس ذات کی قسم جس نے فرقان حمید کو اپنے عبدِ خاص محمد ﷺ پر نازل فرمایا تا کہ اہل جہاں کے لیے نذیر بن جائیں ان حضرات نے رائی کے دانہ کی مقدار بھی ہمارا حق غصب نہیں کیا تو کثیر نے عرض کیا کیا میں ان دونوں سے محبت وعقیدت رکھوں اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے تو آپ نے فرمایا:

نعم یا کثیر تولهما فی الدنیا والآخرة قال وجعل یصك عنق نفسه ویقول ماأصابك فبعنقی هذا۔

"ہاں اے کثیر! ان سے دنیا وآخرت میں محبت رکھ اور پھر اپنی گردن کو تھپکاتے ہوئے فرمایا (اگر ان کی محبت وعقیدت سے) تجھے کسی نقصان اور عذاب کا سامنا کرنا پڑے تو وہ میری اس گردن پر ہوگا یعنی میں اس کا ذمہ دار ہوں گا"

پھر فرمایا: بری اللّٰه ورسوله من المغیرة بن سعید وبیان فانهما کذبا علینا أهل البیت

"اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ مغیرہ بن عید اور بیان سے براءت کا اظہار فرمادیں ان دونوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ بولا ہے" (اور بہتان باندھا ہے)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

ولینا أبوبکر خیر خلیفة وارحمه لنا وامناه علینا ۔وفی روایة فماولینا أحد من الناس مثله وفی روایة ا[illegible]ی فمارأینا قط کان خیرا منه عمر بن شبه عن الشافعی رضی اللّٰه عنه ۔ (صواعق ص ٥٤)

امام شافعی کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے حافظ عمر بن شبہ نے کہ جعفر بن ابی طالب
ے فرمایا:

ہمارے متولی امور بنے ابوبکر صدیق درآنحالے کہ سب سے بہتر خلیفہ تھے اور سب
ے زیادہ رحمت ورافت فرمانے والے اور شفقت وحسن سلوک سے پیش آنے والے تھے دوسری
ایت میں کہ ہم پر لوگوں میں کوئی بھی ان کی مثل متولی امر اور خلیفہ نہ بنا تیسری روایت میں ہے
نے کبھی ان جیسا خیر وبرتر نہ دیکھا۔

دار قطنی یا عمر بن شبہ نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے امام
ین العابدین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جبکہ ان کے پاس ایک جماعت حاضر ہوئی جنہوں نے
رت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر تنقید کی تو آپ نے فرمایا:

ألا تخبرونی أنتم المهاجرون الأولون الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم
غون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله وأولئك هم الصادقون قالوا
قال فأنتم الذين تبؤوا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم
لايجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم
صاصة ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون قالوا لا۔

کیا مجھے بتلاتے نہیں ہو کہ تم مہاجرین اولین ہو جن کو ان کے گھروں سے اور مال
تاع سے الگ کر دیا گیا درآنحالے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضامندی طلب کرتے تھے اور
داد کرتے تھے اللہ تعالیٰ (کے دین کی) اور رسول گرامی ﷺ کی اور وہی سچے لوگ ہیں؟

تو اس جماعت نے کہا کہ ہم ان مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں!

تو آپ نے فرمایا:

(تو پھر تم وہ انصار ہو) جنہوں نے دار اسلام اور ایمان میں اپنا ٹھکانا بنایا ان مہاجرین

کے وہاں پہنچنے سے قبل درآنحالے کہ وہ محبوب رکھتے ہیں انہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس جاتے ہیں اور نہ پاتے اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت اور ضرورت (اس رزق سے) جوان کو دیا گیا ہے اور مہاجرین کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ فقر وفاقہ اور حاجت مندی سے دوچار ہی کیوں نہ ہوں اور جو شخص بخل سے بچا رہے تو وہ ہی فلاح پانے والے ہیں؟

تو اس جماعت نے کہا: نہیں ہم ان انصار میں سے بھی نہیں ہیں۔

تو آپ نے فرمایا:

أما أنتم فقد تبرء تم من أن تكونوا من أحد هذين الفريقين وأنا أشهد أنكم لستم من الذين قال الله فيهم :والذين جاء وامن بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولأخواننا الذين سبقونا بالايمان ولاتجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنو ربنا انك رؤوف رحيم۔ (صواعق ص ٥٥)

لیکن تم نے ان دونوں فریق میں سے کسی ایک میں داخل ہونے کی نفی اور انکار کر دیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اہل اسلام کے اس تیسرے گروہ میں بھی داخل نہیں ہو جن کے حق میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

''اور وہ جو ان دو فریق کے بعد آئے (اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے) کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے اور ہمارے ان اسلامی بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کینہ اور بغض پیدا نہ کرنا جو ہم سے قبل دولت ایمانی سے مالا مال ہوئے اے ہمارے پروردگار تو یقیناً بہت رافت اور رحمت عامہ والا ہے''

فائدہ:

مدارِ ہدایت اتباع قرآن اور طاعت اہل بیت ہے تو اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ صحابۂ کرام اور بالخصوص خلفائے ثلاثہ کو ہدفِ تنقید بنانے والوں کا نہ قرآن مجید سے تعلق ہے اور نہ اہل بیت سے -اور اہل اسلام کے کل تین گروہ ہیں اور ایسے لوگ تینوں گروہوں سے خارج ہیں اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے، اخرجوا عنی فعل اللّٰہ بکم ''میرے در سے اٹھ کر چلے جاؤ اللہ تمہیں تباہ و برباد کرے، تم جیسے لوگوں کی ہمارے دربار میں کوئی گنجائش نہیں ہے''

حسین بن محمد بن الحنفیہ رضی اللّٰہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اہل کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اتقو اللّٰہ عزوجل ولاتقولوا لأبی بکر وعمر مالیسا لہ بأھل ـ ان أبابکرالصدیق کان مع رسول اللّٰہ ﷺ فی الغار ثانی اثنین وان عمر أعزاللّٰہ بہ الدین ـ

''اللہ عزوجل سے ڈرو اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ایسا کلام مت کرو جو ان کی شان کے لائق نہیں ہے- بے شک ابو بکر صدیق رسول گرامی ﷺ کے ساتھ غار میں تھے ثانی اثنین کی شان کے ساتھ اور حضرت عمر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین متین کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا''

حضرت اسدی سے روایت ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کے پاس اہل کوفہ اور جزیرہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور آپ سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے متعلق استفسار کیا تو آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

أنظر الی أھل بلادك یسألونی عن أبی بکروعمر لھما عندی أفضل من علی۔

''اپنے علاقہ کے لوگوں کو دیکھ وہ مجھ سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے متعلق سوال کرتے ہیں وہ دونوں میرے نزدیک علی مرتضی رضی اللہ عنہم سے افضل و برتر ہیں''

چوتھا باب

افضلیتِ شیخین اور اجماعِ سلف صالحین

...ماع سلفِ صالحین کی حجیت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَر

(آل عمران،3:110)

تم سب امتوں سے افضل اور بہتر امت ہو جو لوگوں کی بھلائی اور منفعت کے لیے پیدا ... گئے ہو تم امر معروف کا حکم دیتے ہو اور برے اور ناپسندیدہ امور سے منع کرتے ہو۔

...دہ:

اس ارشادِ گرامی کے مخاطبین اولین صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں بعد ازاں تابعین اور ... تابعین وغیرہم۔ لہذا ان کا امر خیر اور معروف سے سکوت اور شر و منکر امر پر عمل پیرا ہونا اور وہ ... من حیث المجموع ناممکن ہے ورنہ باری تعالی کے کلام حق کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا ... کا بطلان اظہر من الشمس ہے اور بطلان لازم بہر حال بطلان ملزوم کو مستلزم ہوا کرتا ہے ...ذا یہ ناممکن کہ من حیث المجموع خیر القرون کا شرف و اعزاز رکھنے والے ضلالت و گمراہی ...فق ہو جائیں۔

...) قال اللہ:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ ...يْكُمْ شَهِيدًا (البقره,2:143)

...مبراء و منزہ امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول گرامی ﷺ تمہارے صفائی ...عدیل کے گواہ بنیں۔

...جہ استدلال:

یہ ہے کہ قیامت کے دن انبیاء وامم سے جب اللہ تعالیٰ حساب لے گا اور جواب طلب
فرمائے گا اے انبیاء ورسل تم نے فریضہ تبلیغ ادا کیا؟ وہ ہاں میں جواب عرض کریں گے پھر امتو
سے دریافت فرمائے گا کیا ان حضرات نے تمہیں میری توحید اور اپنی نبوت ورسالت کی دعو
دی تھی تو وہ کہیں گے ما اتانا من نذیر ہمارے ہاں کوئی تیرے عذاب سے ڈرانے والا نبی آیا
نہیں ہے (تبلیغ کرنا تو بعد کی بات ہے) اللہ تعالیٰ پیغمبرانِ کرام سے گواہ طلب کرے گا تو
امت محمدیہ علیٰ صاحبہا و علیہا الصلوٰۃ والسلام کو بطور گواہ پیش کریں گے اور نبی الانب
علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امتِ مرحومہ کی صفائی کے گواہ ہوں گے اور آپ کے امتیوں
گواہی پر انبیاء علیہم السلام اپنے دعووں کے اثبات میں کامیاب وکامران ہوں گے اور منکر
وکفار واصل جہنم ہوں گے۔ الغرض تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی نگاہوں میں یہ امت افضل
اعلیٰ اور خیر وبرتر ہوگی اور لائق اعتبار اور اس اعزاز واکرام پر اللہ تعالیٰ ان پر احسان جتلا رہا۔
نیز اس امت کے صدرِ اول اور قرن ثانی وثالث کو سب پر تقدم اور سبقت حاصل ہے، جیسا
امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ۔الحدیث

"سب سے خیر وبہتر لوگ میرے زمانے والے ہیں یعنی صحابہ کرام پھر جو ان کے متص
بعد یعنی تابعین پھر تبع تابعین رضی اللہ عنہم"

تو جب اسلافِ کرام اور مقتدایانِ انام کا اجماع واتفاق کسی امر پر ثابت ہو جا
اس کی مخالفت بلکہ اس سے اختلاف کی کسی مسلمان کے لیے گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ ان
شہادت سے مساوی بھی جب کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی تو خیر وبہتر کیونکر ہو سکتی ہے اور وہ عند ا
مقبول ترین شہادت ہے تو دوسرے لوگوں کو اس کی مخالفت کا حق کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے؟

(۳) ارشاد باری تعالیٰ :

و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولّٰی و نصله جهنم و ساء ت مصیرا۔

(جو شخص رسولِ معظم ﷺ کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی ہو) اور اتباع کرے مومنین کے راستے سے علاوہ دوسرے راستے کی اور اس پر چلے تو ہم اس کو دھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اس کو جہنم واصل کر دیں گے اور وہ بہت بری بازگشت اور رترین ٹھکانا ہے۔

جہ استدلال:

اس فرمانِ حق ترجمان سے بھی واضح ہو گیا کہ رسولِ محتشم ﷺ کی مخالفت جس طرح وجبِ عذاب و عتاب ہے اس طرح اہلِ ایمان کی راہ سے انحراف اور ان کی مخالفت اور ھر بالخصوص مومن بھی ایسے جنہوں نے براہِ راست نبی معظم ﷺ سے ایمان حاصل کیا اور رشد ہدایت کا سامان حاصل کیا یا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جو محبوب کریم کی سیرت و کردار کا مظہر کامل تھے تو ان کی راہ سے انحراف کی اور ان کی مخالفت کی کسی مدعیٔ اسلام کے لیے قطعاً گنجائش ہیں ہو سکتی۔

حادیثِ رسول ﷺ سے استدلال :

(۱) عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لیأتین علی أمتی ماأتی علی بنی اسرائیل (الیٰ)أن بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین فرقته و تفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یارسول اللّٰہ قال ماأنا علیه و أصحابی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا کہ:

میری امت پر اس قسم کی خستہ حالی اور تنزلی طاری ہو جائے گی (اعتقادی طور پر بھی اور

عملی طور پر بھی) جیسے کہ بنی اسرائیل پر طاری ہوگئی تھی مکمل مساوات کی حالت میں جیسے جوتا اپنے معیار اور سانچے پر فٹ آتا ہے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اعلانیہ برائی کی تھی تو میری امت (کہلانے والوں میں بھی) ایسے بدکردار لوگ ہوں گے اور یہ کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر ملتوں اور فرقوں میں بٹ جائے گی جو سبھی دوزخی ہوں گے ماسوائے ایک ملت اور فرقہ کے حاضرین مجلس اقدس نے عرض کیا: وہ ملت کون سی ہے اور وہ راستہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

''وہ ملت وطریقہ وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام'' (علیھم الرضوان)

امام احمد اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں یوں بیان کیا:

''بہتر دوزخی ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے'' (صحابۂ کرام علیھم الرضوان کی)

فائدہ:

جس راہ پر میں ہوں سے سنت کا بیان آگیا اور میرے صحابہ سے جماعت کا بیان آگیا تو اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوگیا کہ اہل سنت والجماعت ہی نجات پانے والے لوگ ہیں اور ان کی راہ ہی راہِ جنت ہے اور راہِ نجات وفلاح ہے۔ الحمدللہ علی ذالك

(۲) عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالی لا یجمع أمتی أوقال أمة محمد علی ضلالة و یداللہ علی الحماعة ومن شذ فی النار۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ میری امت (یا فرمایا امت محمد ﷺ) کو گمراہی پر متفق اور مجتمع نہیں
فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کا دستِ اقدس (حفظ و پناہ والا) جماعت پر ہے اور جس نے جماعت سے
علیحدگی اختیار کی تو وہ آتش دوزخ کا ایندھن بنے گا"

(۳) وعنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اتبعو السواد الاعظم فانہ من شذشذ فی النار

(رواہ ابن ماجہ من حدیث أنس رضی اللّٰہ عنہ)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا:
"سوادِ اعظم (بہت بڑی جماعت) کی اتباع اور پیروی کرو جس نے شذوذ و
انحراف سے کام لیا تو وہ جہنم واصل ہوگا" (اور اس روایت کو ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ
سے روایت فرمایا ہے)

(٤) عن بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ:

من کان مستناً فلیستنّ بمن قدمات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک
اصحاب محمد ﷺ کانوا أفضل ہذہ الأمۃ أبرھا قلوباو أعمقھا علماو أقلھا
تکلفا اختارھم اللّٰہ تعالی لصحبۃ نبیہ و لاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم
علی أثرھم و تمسکوا بما استطعتم من أخلاقھم و سیرھم فانھم کانوا علی الھدی
المستقیم (رواہ رزین، مشکوٰۃ شریف ص۳۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"جو شخص بھی کسی سنت اور روش کو اپنانا چاہے تو وہ ان کی سنت کو اپنائے جو فوت ہو چکے
ہیں کیونکہ زندہ شخص کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا امکان رہتا ہے اور اس کے محفوظ رہنے کا مکمل
اطمینان اور وثوق نہیں ہو سکتا اور وہ (فوت ہونے والے) محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
صحابۂ کرام ہیں جو کہ اس امت میں سے افضل ہیں از روئے قلوب اور بواطن کے۔ بہت ہی محسن

اور نیکوکار ہیں اور علم وادراک کے لحاظ سے بہت گہرائی میں اترنے والے اور حقائق تک رسائی حاصل کرنے والے ہیں اور تکلفات اور بناوٹوں میں بہت کم مبتلا ہونے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی محترم کی صحبت کے لیے چن لیا اور اپنے دین کے قائم رکھنے اور مستحکم کرنے کے یے منتخب فرمالیا، لھذا ان کی فضیلت کو پہچانو اور مانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اخلاق واعمال اور سیرت وکردار کو مضبوطی سے تھامو کیونکہ وہ سراسر راہِ راست اور ہدایت حق پر تھے"

فائدہ:

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود تابعین میں سے اپنے متعلقین اور مسترشدین کی تربیت فرمارہے تھے اور ان کو اعلیٰ ترین سیرت وکردار اپنانے کی تلقین فرمارہے تھے، لھذا ان کا مقصد حقیقتاً فوت ہو جانے والے حضرات کے ساتھ اس طرح کا قلبی روحی اور ذہنی تعلق قائم کرنے کی وصیت کرنا تھا اور ان کی سنت وروش کو اپنانے اور ان کی اقتداء کرنے کا حکم دینا تو بعد والے حضرات بطریق اولیٰ اس حکم کی اتباع واقتدا کے لائق ہوں گے اور اسلاف کی متفق علیہ راہ پر چلنے کے پابند ہوں گے اور مخالفت واختلاف قطعاان کے لیے روانہیں ہوگا۔

(۵) مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انما الشوری للمهاجرین والأنصار فان اجتمعوا علی رجل و سموه اماما کان ذالك للّٰه رضی ۔ (نهج البلاغه)

"مشاورت اور انتخاب کا حق مہاجرین وانصار کے لیے ثابت ہے اگر وہ کسی شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام نامزد کردیں تو وہ انتخاب اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ انتخاب ہوتا ہے تو آپ بالعموم مہاجرین وانصار اور بالخصوص بدری حضرات کے اجماع اور اتفاق کو دلیل اور برہان تسلیم کرتے ہیں اور اسے صرف بندوں کا فیصلہ نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھتے ہیں نہ

س کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس کی مخالفت کو روا اور جائز رکھتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے
وقتال اور جنگ وجدال تک ہی نوبت کیوں نہ آجائے۔

افضلیتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع

قابلِ غور امر ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر صرف بدری صحابہ ہی نہیں بلکہ
ے صحابۂ کرام علیہم الرضوان متفق ہیں تو اس کے متعلق شک وشبہ اور ریب وتردد کا کیا جواز
ہے؟ اور یہ صرف میں نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ علمائے کلام نے اور ہمارے عقائد کے ترجمان
ت نے أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكر ن الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان
رين ثم على المرتضى رضى الله عنهم کی تصریح فرمانے کے بعد فرمایا:

لكنا وجدنا السلف قالوا بأن الأفضل أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على
تضى رضى الله عنهم وحسن ظننابهم يقتضى بأنهم لولم يعرفوا ذالك لما
وا عليه فوجب علينا اتباعهم فى ذالك القول و تفويض الحق فى ذالك الى الله

(شرح مواقف ص ٧٤٤)

"لیکن ہم نے اسلافِ کرام کو پایا یہ قول کرتے ہوئے کہ سب سے افضل ابوبکر صدیق
عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ ہمارے حسن
تقاضا یہ ہے کہ اگر انہیں اس امر تفضیل کا کامل عرفان نہ ہوتا تو وہ اس پر متفق نہ ہوتے
م پر واجب ولازم ہے اس قول میں ان کی اتباع کرنا اور اپنے طور پر تحقیق وسعی وکوشش
ے کرکے اس تحقیق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا"

نیز شرح عقائد میں علامہ سعد تفتازانی فرماتے ہیں:

على هذا وجدنا السلف والظاهر أنه لولم يكن لهم دليل على ذالك لما

حکموا بذالك ۔ (شرح عقائد مع نبراس ص٤٨٦)

"اسی نظریہ اور عقیدہ پر ہم نے سلف کو پایا اور یہ جزمی اور حتمی امر ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی دلیل اس پر نہ ہوتی تو وہ حضرات یہ حکم نہ لگاتے اور یہ فیصلہ نہ سناتے"

(۳) یہی علامہ سعد الملت شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

قال أهل السنة الأفضل أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم وقد مال البعض منهم الى تفضيل على على عثمان رضى الله عنهما والبعض الى التوقف بينهما والأخبار الواردة على فضائلهم متعارضة لكن الغالب على الظن أن أبابكر أفضل ثم عمر رضى الله عنهما ثم يتعارض الظنون فى عثمان و على رضى الله عنهما و ذهب الشيعة و جمهور المعتزلة الى أن الأفضل بعد رسول الله ﷺ على المرتضى رضى الله عنه ۔ (شرح مقاصد ص٢٩٨ ج٢)

"اہل سنت نے فرمایا کہ (بعد از انبیاء علیہم السلام) سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق ہیں پھر عثمان ذوالنورین پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ بعض علمائے اہل سنت حضرت علی کی حضرت عثمان پر افضلیت کے قائل ہیں اور بعض ان کے درمیان توقف کی طرف مائل ہیں اور ان کے فضائل میں وارد اخبار و احادیث (بظاہر) متعارض ہیں لیکن ظن غالب یہ ہے کہ ابوبکر صدیق افضل ہیں پھر عمر فاروق افضل ہیں پھر عثمان ذوالنورین اور علی مرتضیٰ میں ظنون متعارض ہیں اور شیعہ تمام تر اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ کہ نبی کریم ﷺ کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ گویا اہلِ سنت کے نزدیک شیخین رضی اللہ عنہما کے سب سے افضل ہونے پر اجماع ہے جو ظن غالب اور تصدیق جازم کا موجب ہے۔ البتہ عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں اختلاف ہے لیکن جمہور کے نزدیک حضرت عثمان افضل ہیں"

(۴) نیز یہی علامہ فہامہ شرح مقاصد میں شیعہ کی طرف سے افضلیت مرتضیٰ رضی اللہ

کے چند دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والجواب أنه لا كلام فى عموم مناقبه ووفور فضائله واتصافه بالكمالات واختصاصه بالكرامات الاأنه لا يدل على الأفضلية بمعنى زيادة الثواب والكرامة عندالله بعد ما ثبت من الاتفاق الجارى مجرى الاجماع على أفضلية أبى بكر ثم عمر رضى الله عنهما والاعتراف من على كرم الله وجهه بذالك على أن ما ذكر فيما ذكر مواضع بحث لايخفى على المحصل۔ (جلد ثانی ص۳۰۱)

"ان دلائل کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب کے عموم میں اور آپ کے فضائل کی کثرت اور کمالات کے ساتھ اتصاف میں اور کرامات کے ساتھ اختصاص میں ردوقدح کی گنجائش نہیں ہے۔لیکن یہ امور آپ کی افضلیتِ مطلقہ پر دلالت نہیں کرتے جس سے محلِ بحث میں مراد کثرتِ ثواب اور عنداللہ عزت وکرامت ہے بعد ثابت ہونے اس اتفاق امت کے جو اس امر پر اجماع کے حکم میں ہے کہ أفضل الأمة أبوبكر صديق ہیں پھر عمر فاروق اور خود علی المرتضی اسداللہ الغالب کی طرف سے اس حقیقت کا اعتراف ثابت ہوجانے کے بعد علاوہ ازیں جو دلائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر قائم کیے گئے ہیں ان میں کئی مقام محل بحث ہیں اور مدعا کو مستلزم نہیں ہیں۔

اور بعض اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ماننے کی طرف مائل ہوئے جبکہ بعض نے ان دونوں حضرات میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت دینے سے توقف اور اجتناب کیا ہے اور ان حضرات کے فضائل میں وارد دلائل (بظاہر متعارض) ہیں لیکن غالب ظن یہی ہے کہ حضرت ابوبکر افضل ہیں پھر حضرت عمر فاروق افضل ہیں پھر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے درمیان ظنون اور نظریات باہم متعارض ہیں جبکہ شیعہ اور جمہور معتزلہ اس طرف گئے ہیں کہ رسول معظم ﷺ کے بعد علی مرتضی افضل ہیں جبکہ اہل سنت

والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق افضل ہیں"

لنا اجمالاأن جمهور عظماء الملة وعلماء الأمة أطبقوا على ذالك وحسن الظن بهم يقتضى بأنهم لولم يعرفوا ذالك بدلائل وامارات لما أطبقوا عليه وتفصيلا الكتاب والسنة والأثر والامارات (ص ٢٩٨)

"ہمارے نظریہ وعندیہ کی اجمالی دلیل یہ ہے کہ جمہور عظمائے ملت اور علمائے امت اس مذہب و مسلک پر متفق ہیں اور ان کے ساتھ حسن ظن کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر یہ عقیدہ اور نظریہ دلائل قطعیہ اور ظنیہ کے ساتھ منکشف نہ ہوا ہوتا اور اس کا عرفانِ کامل ان کو حاصل نہ ہوتا تو کبھی اس مذہب و مسلک پر متفق نہ ہوتے اور ان کی آراء باہم منطبق نہ ہوتیں اور تفصیلی طور ہمارے اس عقیدہ پر کتاب و سنت کے دلائل بھی موجود ہیں اور صحابہ و اہل بیت سے مروی آثار و روایات اور امارات ہیں" (جن کو قدرے تفصیل کے ساتھ بندہ بیان کر چکا ہے)

(۵) مقاصد میں فرمایا:

والحواب أن الكلام فى الأفضلية بمعنى الكرامة عندالله و كثرة الثواب وقد شهد فى ذالك عامة المسلمين واعترف على رضى الله عنه وعارض ما ذكرتم ماذكرنا مع أنه فيه بحث لايخفى سيما حديث سبق الأسلام والسيف فى اعلاء الأعلام (ص: ٣٠٠)

"ہماری طرف سے شیعہ کے لیے جواب یہ ہے کہ محلِ بحث اور موضوعِ کلام وہ افضلیت ہے جو بمعنی کثرتِ ثواب اور عنداللہ عزت و کرامت کے معنی میں ہے افضلیت کی اس ترتیب پر اہل اسلام اور جمہورِ اہل ایمان شاہد صادق اور ناطق برحق ہیں بلکہ خود اسداللہ الغالب اس افضلیت والی اس ترتیب کے معترف و معتقد ہیں اور تمہارے دلائل کے معارض اور مقابل دلائل ہم نے بھی ذکر کر دیے ہیں جبکہ تمہارے پیش کردہ دلائل میں کئی مقامات پر اعتراضات

ں اور وہ محل بحث ہیں جیسے کہ اربابِ عقل ودانش اور اصحابِ علم وبصیرت پر مخفی نہیں ہے بالخصوص
حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلے اسلام لانا اور اسلامی پرچموں کو بلند رکھنے کیلئے
ب سے پہلے تلوار چلانا محل نظر ہے"

(٦) حضرت علامہ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن منصور بغدادی اپنی معروف کتاب الفرق
ن الفرق میں تصریح فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے:

قالوابتفضیل أبی بکروعمررضی اللّٰہ عنہما علی من بعدھما و انمااختلفوا
ی التفاضل بین علی وعثمان رضی اللّٰہ عنہما (ص:۳۵۰)

"سب اہلِ سنت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو باقی
ضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل مانتے ہیں اگر ان میں اختلاف ہے تو اس امر میں کہ ان
نوں حضرات میں سے افضل کون ہے یعنی عثمان ذوالنورین اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما میں سے"

(٧) شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے کہا:

کان السلف کانوامتوقفین فی تفضیل عثمان علی علیؓ رضی اللّٰہ عنہما
یث جعلوامن علامات أھل السنة والجماعة تفضیل الشیخین ومحبةالختنین
ضی اللّٰہ عنہم (شرح عقائد مع نبراس)

گویا کہ سلف حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دینے میں متردد اور متوقف تھے جس
قام پر انہوں نے اہل سنت والجماعت کی علامات میں سے بنایا شیخین یعنی ابوبکر صدیق
ور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ سے افضل ماننا اور نبی مکرم ﷺ کے دونوں دامادوں حضرت
ثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا (شیخین کو افضل ماننے والا ہی سنی ہے)

یان الفوائد:

(۱) [illegible]

درمیان اور روافض واہل تشیع کے درمیان ہے اور ہر کتاب میں ان دونوں فریق کو ایک دوسرے کے مدمقابل ٹھہرایا گیا جو علی الترتیب حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر کو افضل نہیں مانتا وہ بہرحال اہل سنت سے خارج ہے خواہ رافضی ہونا پسند کرے یا معتزلی ہونا جدھر چاہے پھر جائے اللہ تعالی بھی اس کو ادھر ہی پھیر دے گا اور بالآخر آتش دوزخ کا سامنا ہوگا۔(کما قال اللہ تعالی : نوله ماتولی ونصله جهنم (آیة)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی معظمین اہل سنت اور اکابرین کا مذہب یہی ہے اور جمہور اسی امر کے قائل ہیں کہ تیسرے درجے میں فضیلت ان کو حاصل ہے۔ علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

علی هذا (تفضيل عثمان على عليّ) عامة أهل السنة والجماعة والحاصل أن الجمهور من السلفْ ذهبوا الى تقديم عثمان على عليّ رضى الله عنهما

(ص:۸۳)

صرف قلیل ترین لوگ توقف کے قائل ہیں یا حضرت مرتضی کی تفضیل کی طرف مائل ہیں جیسے کہ علامہ سعد الملت کی عبارت اس پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہے۔

(۳) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہو چکا کہ میری راہ اور میرے صحابہ کی راہ ہدایت کی راہ ہے اور شاہراہِ جنت ہے اور اس کے علاوہ سب راہیں جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں اور جماعتِ عظیم کی پیروی اور اقتداء لازم ہے اور سوادِ اعظم کا دامن چھوڑنے والا جہنم کی راہ پر چلنے والا ہے اور حضرت علی پاک رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینے والا خود مولائے مرتضی کا اعتقادی باغی اور نظریاتی مخالف ہے جیسے کہ ہم آپ کے چند ارشادات پیش کر کے اس حقیقت کو ثابت کر چکے ہیں۔

(۴) نیز ایسا شخص صحابۂ کرام علیہم الرضوان جو خیر القرون کی شان رکھنے والے ہیں ان

ے تعامل کے مخالف اور معاند اور ان کے ہاں معلوم ومعروف نظریہ کے خلاف ہے۔

حابۂ کرام علیہم الرضوان کے ہاں مشہور ومعروف اور معلوم و متیقن نظریہ:

) حضرت سیدنا عمر فرماتے ہیں :

كان أبوبكر سيدنا وخيرنا وأحبنا الى رسول الله (أخرجه الترمذى)

حضرت ابوبکر ہمارے سردار تھے اور ہم سے بہتر تھے اور بارگاہِ نبوی میں ہم سب سے

یادہ محبوب تھے اور حضرت صدیق کو یا خیر الناس بعد رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے تو اس

ے حضرت صدیق کی عظمت ان کے ہاں واضح ہو جاتی ہے۔

۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

كنا معشر أصحاب النبى ﷺ ونحن متوافرون نقول أفضل هذه الأمة

وبكر ثم عمر ثم عثمان ثم نسكت وخرجه ابن عساكر ۔

"ہم اصحابِ رسول ﷺ وافر مقدار میں موجود تھے اور کہا کرتے تھے اس امت میں

ب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان بعد ازاں خاموش ہو جاتے تھے"

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كنا فى زمن النبى ﷺ لا نعدل بأبى بكر أحدا ثم عمر ثم عثمان رضى الله

نهم ثم نترك أصحاب النبى ﷺ لا نفاضل بينهم ۔ رواه البخارى وفى رواية لابى داؤد

ال كنا نقول ورسول الله ﷺ حى أفضل أمة النبى ﷺ بعده أبوبكر ثم عمر ثم

ثمان رضى الله عنهم ۔

دونوں روایات کا خلاصۂ مفہوم یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بالعموم یہی عقیدہ

نظریہ اپنائے ہوئے تھے کہ سب صحابۂ کرام سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت

مر فاروق رضی اللہ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جبکہ سرورِ عالم ﷺ ظاہری حیات پاک

کے ساتھ زندہ موجود تھے۔ بلکہ طبرانی نے اس روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے :

فبلغ ذالك رسول الله ﷺ فلم ينكره ـ

"ہمارا یہ قول رسول اکرم ﷺ تک پہنچا لیکن آپ نے اس کا انکار نہ فرمایا" (حالانکہ نا
قول پر رسول کریم ﷺ کا سکوت ناممکن ہے)

فائدہ:

کیا صحابۂ کرام کے یہ اقوال اور تاثرات نبی کریم ﷺ کو معلوم نہ ہو سکے اور کسی صحا
نے آپ کو اطلاع بھی نہ دی اور اس نظریہ کے سقم وفساد یا صحت و واقعیت اور درستگی کے بار
میں استفسار کیوں نہ کیا؟ تو صاف ظاہر ہے اور مہر نیم روز کی طرح ظاہر ہے کہ سید عالم ﷺ
کے ارشادات اور فرمودات اور آپ کا ان کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ پیش آنا ان کے بازو
کردائیں بائیں چلانا اور فرمانا هكذا نبعث يوم القيامة "ہم قیامت کے دن بھی اسی طر
اکٹھے اٹھائے جائیں گے" اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمانا جب حضرت فاروق رضی الل
عنہ کا جنازہ تیار تھا "میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دونوں مصاحبوں سید الرسل ﷺ
اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت اور رفاقت کا شرف عطا کرے گا" کیونکہ میں بسا اوقا
آپ سے سنا کرتا تھا کہ (وہ ہر کام میں اپنے ساتھ ابوبکر و عمر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے)

كنت وأبو بكر وعمر فعلت وأبو بكر وعمر وانطلق
وأبو بكر وعمر ودخلت أنا وأبو بكر وعمر وخرجت وأبو بكر وعمر ﷺ ورضى الل
عنهم (متفق عليه)

تھا میں اور ابوبکر اور عمر، کیا یہ کام میں نے اور ابوبکر اور عمر نے، چلا میں اور ابوبکر اور عم
داخل ہوا میں اور ابوبکر اور عمر اور نکلا میں اور ابوبکر اور عمر ﷺ) رضی اللہ عنہم۔

فائدہ :

چونکہ محبت کا تقاضا ہے کہ محبّ کی زبان پر ہمہ وقت محبوب کا ذکر رہے جیسا کہ اللہ تعالی
نے نبی ﷺ سے فرمایا: اذا ذکرت ذکرت معی جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا ساتھ ہی تمہارا
ذکر کیا جائے گا اور جس طرح محبت کا تقاضا ہے ذکر میں معیت اسی طرح محبت کا تقاضا ہے اجسام
میں اور ارواح میں معیت تو اس حوالے سے آپ امیدوار تھے کہ اللہ تعالی تمہیں رسولِ گرامی
اور حضرت صدیق کی معیت اور رفاقت عطا فرمائے گا ہجرت جیسے کٹھن سفر میں حضرت صدیق کی
ہمراہی اور اپنا مال آپ پر ہمہ وقت قربان کرتے رہنا صغیر السن ہونے کے باوجود اپنی لخت
جگر عائشہ صدیقہ کو آپ کی زوجیت میں دینا جو آپ کے بقیہ عرصۂ حیات میں آپ کے لیے سکون
قلب اور راحت جان کا موجب بنی رہیں۔

حضرت عمر فاروق کو اللہ تعالی سے اسلام کی ترقی اور سربلندی کے لیے مانگنا اور ان کا
واقعی اسلام و کفر میں تفرقہ کا موجب بننا اور اعلانیہ تبلیغ و اشاعت دین کا سلسلہ شروع کرنا اور ان
کے مشوروں کے مطابق قرآن مجید کی آیات کا نازل ہونا اور نبی مکرم ﷺ کا سسر ہونا وغیرہ وغیرہ
امور جب ان کی نظروں میں تھے کیوں نہ ان حضرات کی برتری اور افضلیت کے قائل ہوتے۔

سیدِ عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد انصار نے یہ پروگرام بنالیا تھا کہ نبی مکرم ﷺ
تو ہر حال ہمارے دین و دنیا کے حاکم اور فرماں روا تھے لیکن اب آپ کے سانحۂ ارتحال کے بعد
اپنے اس شہر میں حکمرانی اور فرماں روائی کا حق صرف ہمیں ہے مہاجرین یہاں رہیں تو حسب
سابق خدمات سرانجام دیں گے لیکن ہم پر حکومت کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے حضرت ابوبکر
صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہاں تشریف لے
گئے اور انہیں سمجھایا بجھایا کہ دین متین کو ترقی نصیب ہوئی بلند بلند معیار پر پہنچا تو تمہارے تعاون
و ایثار سے، تو اب اس میں تنزلی اور کمزوری آئے گی تو تمہارے اس اقدام سے ایک شہر میں دو

حکومتیں کیسے قائم ہو سکتیں ہیں؟ نیز سید عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے الأئمة من قریش امام اور حکمران قریش سے ہوں گے لہذا نحن الأمراء وأنتم الوزراء "امارت وحکومت قریش کی ہوگی اور منصب وزارت تمہارا ہوگا" تو انہوں نے اپنا سارا منصوبہ ترک کر دیا اور وہیں پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو نائب رسول اور خلیفۂ نبی بنا دیا اگر ان کی شخصیات انتہائی فضیلت مآب اور اعلیٰ درجہ کی قدر و منزلت کی مالک نہ ہوتیں اور مہاجرین وانصار کی نظروں میں لائق اطاعت اور قابل اتباع نہ ہوتیں تو اپنے شہر اور علاقہ میں انصار ان مہاجرین کو اپنا سردار اور حکمران کیوں بناتے جو کفار و مشرکین کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ان کا سہارا اور آسرا لیتے ہوئے اپنے اسلام و ایمان پر ثابت قدم رہنے میں کوشاں تھے۔

اہم نکتہ:

بقول شیعہ حضرات علی مرتضیٰ، حضرت زہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں ہر ہر انصاری کے پاس گئے اور اپنی خلافت کے لئے ان سے امداد و اعانت کی اپیل کی، لیکن انہوں نے کہا ہم ابوبکر صدیق کی بیعت کر چکے ہیں پہلے آ جاتے تو تمہاری بیعت کر لیتے لیکن صدیقی بیعت کو توڑ نہیں سکتے۔ اگر حضرت صدیق کی شخصیت افضل ترین نہیں تھی تو حضرت علی کے بذات خود کہنے اور سفارش بھی ساتھ لے جانے کے باوجود کامیابی کیوں نہ ہوئی اور یہ لوگ پہلے سے ہی آپ کی طرف متوجہ کیوں نہ ہوئے؟ نیز انہوں نے بھی ارشاد نبوی من کنت مولاه فعلي مولاه سن رکھا تھا تو جب اپنی دنیا قربان کر رہے تھے تو کم از کم اپنے دین کا تحفظ کرتے ہوئے حضرت حیدر کرار کو خلیفہ بناتے! کیا کوئی شخص اتنا ہوش خرد اور عقل و دانش سے خالی بھی ہوتا ہے کہ نہ اپنے دین کے تقاضے ملحوظ رکھے اور نہ ہی اپنی دنیا کے بلکہ دونوں قربان کر دے؟ علاوہ ازیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ منصب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور کوئی شخص چوں چرا نہ کر سکا اور مولائے مرتضیٰ

یت سب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور جب فاروق اعظم نے اپنے
ہ کے انتخاب کے لیے شوریٰ قائم فرمائی تو حیدرِ کرار کو اس کا رکن بننے میں بھی توقف وتردد نہ
ور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ نامزد کر دیا تو اس پر کسی کو چوں وچرا کی گنجائش نہ ہوئی
ں سے واضح ہو گیا اور دوپہر کے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ سب صحابۂ کرام علیہم الرضوان
کر یہ اور عقیدہ افضلیت کی ترتیب میں یہی تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شیخین کے بعد
لیت وسر بلندی کے قائل کیوں نہ ہوتے کیا انہیں آپ کے یہ خصائص وفضائل اور خدماتِ
م نظر نہیں آرہے تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوہرا دامادی کا شرف عطا کرنا اور فرمانا
میری تیسری بیٹی غیر شادی شدہ موجود ہوتی تو میں اس کو بھی تمہاری زوجیت میں دے دیتا''
ض روایات میں ہے کہ ''تیس بیٹیاں بھی ہوتی اور وہ یکے بعد دیگرے فوت ہوتی جاتیں تو
ھی تمہاری زوجیت میں دے دیتا'' نیز جب جنگِ خندق کے بعد آپ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا
ار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا کہ تم ہمارے دشمن ہو اور ہماری اجازت کے
مرہ کرنے آگئے ہو ہم جیتے جی تمہیں عمرہ نہیں کرنے دیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا
بنا کر کفار مکہ کے پاس بھیجا کیونکہ وہ لوگ کثیر تعداد میں آپ کے ساتھ برادری میں شامل
ور سب آپ کا حیا ولحاظ کرتے تھے تو انہوں نے کہا تمہیں اجازت ہے عمرہ کر لو صفا ومروہ کے
ان سعی کر لو، مقام ابراہیم پر نفل پڑھ لو لیکن تمہارا نبی عمرہ نہیں کر سکتا۔ آپ نے ان کی پیشکش
د کرتے ہوئے فرمایا:

ما کان لعثمان أن یطوف بالبیت ورسول اللہ ﷺ لم یطف

یہ نہیں ہوسکتا کہ عثمان طواف کرے اور عمرہ کے افعال ادا کرے مگر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ
ہ کر سکیں تو کفار کو یہ جواب بہت برا لگا تو انہوں نے آپ کو قید وبند میں ڈال دیا۔ اُدھر بارگاہ

نبوت میں یہ اطلاع پہنچی کہ عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ نے چودہ سو صحابۂ کرام کو جو آپ
ہم راہی تھے ان کو حکم دیا کہ میرے ہاتھ پر کفار کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے بیعت کر دیا تو
خود بھی عثمان کی طرح شہید ہو جائیں گے یا پھر ان کے خون کا بدلہ لے کر واپس جائیں گے
جب بیعت کر چکے تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ مبارک بلند کر کے فرمایا:

"یہ ہاتھ عثمان کا ہے اور عثمان کی طرف سے اس جہاد کیلئے بیعت میں کر رہا ہوں"

اب ان بیعت کرنے والوں میں صرف ان کو شامل ہی نہیں کیا بلکہ عظیم انفرادیت
فرمادی کہ جس ہستی پاک کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے آپ نے اس کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار
اور چودہ سو صحابہ کرام کو بلکہ خود کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر قربان کرنے کا عزم فر
کیونکہ اس غزوہ میں قیادت آپ نے ہی کرنی تھی بہر کیف رسول کریم ﷺ کے اس کرم
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان کھل کر سامنے آ گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے سب بیعت کرنے والوں سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا اور ان
اخلاص کی شہادت دی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوبِ
فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً(الفتح، 18:48)

اور مقام رسول کریم ﷺ کو اجاگر اور نمایاں فرمایا اور بیعت کرنے والوں کی شان کو
کما قال تعالی: إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَ
أَيْدِيْهِمْ (الفتح، 10:48) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ صرف اور صرف
سے بیعت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے یہ سب عظمتیں اور کرامتیں حض
عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ایثار اور قربانی سے ظاہر ہوئیں کہ رسول خدا ﷺ عمرہ کریں گے تو
بھی کرے گا ورنہ نہیں۔ خود شیعی علماء نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی اس حسرت کو بیان کر

وئے کہا:

خوشا حال عثمان ذی احتشام که تنها کند طوف بیت الحرام

ثمان کتنا خوش قسمت ہے کہ وہ اکیلے طواف کعبہ کرلے گا لیکن ہم یہاں حدیبیہ پر محصور ہوکر رہ گئے ہیں۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف سے اس جسارت سے براءت بیان کرتے ہوئے ور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت اور عشق صادق کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا:

ز عثمان نداریم ما ایں گماں که تنها کند طوف بیت الحرام

(حملہ حیدری)

ہم حضرتِ عثمان کے متعلق قطعاً یہ گمان نہیں رکھتے کہ وہ اکیلے بیت الحرام کا طواف کریں جبکہ ہم اس سے روک دیے گئے ہوں۔

ذرا اندازہ کریں کہ ایسے بدترین دشمنوں کے پاس سفارت کیلئے جانا بھی کارے دارد ہے۔پھر اس قدر طویل سفر اور وہ بھی اونٹوں وغیرہ کی سواری کی صورت میں کس قدر دشوار اور مشقت آمیز اور صبر آزما آمد ورفت تھی اور وہ بھی مقصود اصلی کے حصول کے بغیر۔پھر کفار و مشرکین کی طرف سے ان کو خصوصی اجازت بھی مل رہی ہو اور طوافِ کعبہ اور حجر اسود کی بوسہ زنی کا موقعہ بھی مل رہا ہو لیکن رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کی اجازت نہ مل سکنے کی بناء پر اس کو ٹھکرا دینا۔کیا اللہ تعالٰی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی نظروں میں کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ العیاذ باللہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہوں گے؟

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جس کو ساعة العسرة سے تعبیر کیا گیا ہے آپ نے نوسو چالیس اونٹ اور ساٹھ گھوڑے پیش کیے اور قیصر روم کے خلاف جنگ کی تیاری میں امداد دی اور بعض روایات کے مطابق ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے،مزید برآں ہزار دینار پیش کیے۔بئر رومہ صرف ایک میٹھے پانی والا کنواں تھا اور یہودی کی ملکیت میں تھا جو پانی کے معاملہ میں اہل

اسلام کو بہت پریشان کرتا تھا حالانکہ قیمت بھی وصول کرتا تھا۔ اس کو آپ نے پینتیس ہزار درہم میں خرید کر اہل اسلام کے لیے وقف کر دیا اور دوسری روایت کے مطابق اسی ہزار درہم کے بدلے خریدا اور اہل اسلام پر وقف کر دیا۔

مسجد شریف صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنگ ہوگئی تو نبی اکرم ﷺ نے سب کے سامنے پیشکش فرمائی کہ "ہے کوئی شخص جوان پڑوسی انصار کا قطعۂ زمین خرید کر مسجد شریف کی توسیع کے لیے وقف کرے اور اس کے بدلے بہتر قطعہ جنت کا مجھ سے حاصل کرے جس کی میری طرف سے ضمانت ہے"

تو آپ نے دس ہزار درہم کے بدلے اسے خرید کر وقف کرتے ہوئے مسجد شریف میں توسیع کا اہتمام فرمایا اور بالآخر کئی دن گھر پر محصور رہ کر جامِ شہادت نوش فرمایا اور عظیم ترین سلطنت کا متولی و متصرف ہوتے ہوئے ایک قطرہ خون کا بھی شہر رسول ﷺ میں گرانا پسند نہ کیا اور نبی اکرم ﷺ کے شبیر مکہ کو خطاب میں وارد مژدۂ شہادت کو بخوشی و خرمی اور کمال صبر استقامت سے عملی شہادت کے طور پر قبول کر لیا۔ تو کیوں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے قلوب واذہان پر ان کی عظمت کے نقش گہرے نہ ہوتے؟ اور وہ سیدِ عالم ﷺ کی ظاہری حیات پاک میں اور آپ کے سانحۂ ارتحال کے بعد حضرت عثمان کی ان عظیم ترین اور ان حقیقی اور پر اخلاص قربانیوں کو کیوں نہ یاد رکھتے اور ان کی فضیلت کے گن کیوں نہ گاتے؟

خاص نکتہ:

نیز کنا نقول کے الفاظ پر نظر رہے کہ یہ صرف ایک دو صحابی حضرات یعنی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول اور دعویٰ نہیں ہے بلکہ جماعتِ صحابہ اور سوادِ اعظم رضی اللہ عنہم جن کی راہ جنت کی راہ ہے اور ان کی مخالفت دوزخ کی راہ ہے یہ ان کا قول اور نظریہ ہے خواہ قول بمعنیٰ ملفوظ ہو یا قول بمعنیٰ معقول اور ذہنی اعتقاد ہو۔ گویا ان کی زبانیں اسی قول کے ساتھ متـ

یں اوران کے اذہان کی تختیوں پر بھی یہی نقوش ثبت تھے۔

۴) حضرت محمد بن حنفیہ کا حضرت مولائے مرتضی سے یہ سوال کرنا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ب لوگوں سے خیر اور بہتر کون ہے اوران کا فرمانا ''ابوبکر'' پھر سوال کرنا کہ ان کے بعد کون تو پ کا فرمانا ''عمر فاروق رضی اللہ عنہ'' اور حضرت محمد بن حنفیہ کا فرمانا کہ اگر میں کہتا پھر کون؟ شیت أن یقول عثمان تو مجھے اندیشہ لاحق ہوااور یہ خوف دامن گیر ہوا کہ یوں نہ کہہ دیں پھر ان سب سے بہتر ہیں تو میں نے انداز سوال بدل دیا اور کہا کہ پھر آپ سب سے بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا: ما أنا الارجل من المسلمین ''میں تو اہل اسلام میں سے ایک عام مرد ہوں''

سوال یہ ہے کہ اگر صحابۂ کرام اور اکابر تابعین کے ہاں ان حضرات کی افضیلت کی یہ تیب مشہور ومعروف نہیں تھی تو ان کو یہ اندیشہ کیوں لاحق ہوااور جب ان قرون خیر میں یہ تیب مشہور ومعروف تھی تو پھر تفضیلِ عثمان میں توقف یا ان پر مولائے مرتضی کو فضیلت دینا روف ومشہور اور مسلم بین السلف نظریہ کی سراسر خلاف ورزی ہے اور سخت ناپسندیدہ امر ہے۔

ئدہ:

حضرت محمد بن حنفیہ نے جس وقت یہ سوال کیا اس وقت تک تینوں خلفاء دار فانی سے وچ کر چکے تھے اور آپ بلاشک وشبہ سب موجودین سے افضل تھے لیکن ازرہ تواضع وانکساری پنے آپ کو ایک عام مسلمان مرد کی سطح پر رکھا۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست گدا گر تواضع کند خوئے اوست

الغرض جماعت صحابۂ کرام اور سوادِ اعظم کے نزدیک خلفائے کرام میں افضیلت کی ہی ترتیب معروف ومشہور بھی تھی اور مسلمہ ومصدقہ بھی لہذا اس کا خلاف قطعاً مناسب نہیں ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے

أصحابی کالنجوم سے استشہاد کی حیثیت

اہل السنّت والجماعت کے اصول وقواعد اور کلیات وضوابط عرض کیے جا چکے ہیں کہ سب سے پہلی دلیل کتاب اللہ ہے۔ اس کے مقابل ومعارض کوئی روایت ہوگی اور تطبیق وتوافق ممکن نہیں ہوگا تو روایت کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور اگر ایک روایت دوسری روایت کے مقابل ہوگی تو محدثین کی کتبِ حدیث میں اور روایات کے متعلق درجہ بندی کے مطابق راجح ومرجوح اور ضعیف وقوی کا فیصلہ کرتے ہوئے قابل قبول ہونے نہ ہونے کا تعین کیا جائے گا اور تیسرے درجے میں اجماع واتفاق یا سوادِ اعظم کی راہ وروش اور سنت وطریق پر عمل کیا جائے گا۔

کسی ایک صحابی کا قول جو سوادِ اعظم اور فقہاء ومفسرین صحابۂ کرام اور قدیم الصحبت اور خدماتِ عظیمہ کے سرانجام دینے والوں کے اقوال ونظریات کے خلاف ہوگا تو وہ قول عقیدہ و نظریہ کی حیثیت سے قطعاً قابل قبول نہیں ہوگا بلکہ تطبیق و توفیق نہ ہوسکنے کی صورت میں ترک کردیا جائے گا۔

لیکن سید عبدالقادر شاہ صاحب اور ان کے ہم نواؤں نے تفضیلِ صحابہ کی اس ترتیب سے انحراف کرتے ہوئے اور اجماعِ امت اور سوادِ اعظم والے راہِ راست سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اور اپنے اختراعی عقیدہ کی تائید وتقویت میں اس حدیث پاک کا سہارا لیا اور شذوذ تفرد کو بنیاد بنایا ہے۔ اس کی آڑ میں اجماعی راستہ کو ترک کرنے کا جواز نکال لیا ہے اور رفض وتشیع کے لیے راہ ہموار کرنے کی مذموم سعی فرما رہے ہیں۔ اکابرین محدثین کی زبانی اس روایت کی حیثیت کو ملاحظہ فرماویں پھر اس پر تعمیر کردہ محل کی مضبوطی اور استحکام کا اندازہ لگاویں۔ امید ہے کہ اوہام ووساوس کی گرد وغبار آنکھوں کے آگے سے ہٹ جائے گی۔

قال رسول اللہ ﷺ: أصحابی کالنحوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم

(رواہ رزین، مشکوٰۃ باب مناقب الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں لہٰذا جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"

(۱) قال ابن الربیع: اعلم أن حدیث أصحابی کالنجوم (الحدیث) أخرجه ابن ماجة كذا ذكره جلال الدين السيوطى فى تخريج أحاديث الشفاء ولم أجده فى سنن ابن ماجه بعد البحث عنه۔

ابن ربیع فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اصحابی کالنجوم اس کو ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے احادیث شفاء کی تخریج میں اس طرح ذکر کیا ہے اور میں نے سنن ابن ماجہ کی مکمل چھان بین کے باوجود اس حدیث کو وہاں نہیں پایا۔

(۲) وقد ذكره ابن حجر العسقلانى فى تخريج أحاديث الرافعى فى باب أدب القضاء وأطال الكلام عليه و ذكر أنه ضعيف واهن۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے اس کو رافعی کی احادیث کی تخریج میں ادب القضاء کے باب میں ذکر کیا اور اس پر طویل بحث فرمائی اور یہ فیصلہ دیا کہ یہ ضعیف اور کمزور بنیاد والی ہے۔

(۳) بل ذكره عن ابن حزم أنه موضوع باطل لكن ذكر عن البيهقى أنه قال ان حديث مسلم يؤدى بعض معناه يعنى قوله ﷺ النجوم آمنة للسماء (الحديث) قال ابن حجر صدق البيهقى هو يؤدى صحة التشبيه للصحابة بالنجوم امافى الاقتداء فلا يظهر۔ نعم يمكن أن يتلمح ذالك من معنى الاهتداء بالنجوم۔

(٤) قلت الظاهر ان الاهتداء فرع الاقتداء۔

بلکہ ابن حزم سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع اور باطل ہے لیکن ابن

حجر نے امام بیہقی سے نقل فرمایا کہ مسلم شریف کی یہ حدیث شریف اس حدیث کا کچھ معنی اور بعض حصہ ادا کرتی ہے یعنی نجوم آسمان کیلئے امان ہیں جب وہ ختم ہو گئے اور ناپید ہو گئے تو آسمان پر وہ کچھ آجائے گا جس کا اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے-و أنا أمنة لأصحابي فاذا ذهبت أنا أتى أصحابي مايوعدون (الحديث) اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں میں اس دنیا سے کوچ کر گیا تو میرے صحابہ پر وہ کچھ آجائے گا جس کا ان کو وعدہ دیا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں جب وہ چلے گئے تو میری امت پر وہ کچھ آجائے گا جس کا وہ وعدہ دیے گئے ہیں-لیکن مسلم کی حدیث سے صحابۂ کرام کی نجوم کے ساتھ تشبیہ کی درستگی تو ثابت ہوتی ہے لیکن اقتداء میں اور اہتداء میں تشبیہ ظاہر نہیں ہوتی ہاں ممکن ہے کہ اس کی طرف رہنمائی حاصل کی جائے نجوم سے ہدایت پانے کی وجہ سے، میں کہتا ہوں کہ ہدایت پانا فرع ہے اقتداء کی جب اقتداء میں تشبیہ اور مشارکت ثابت نہ ہوئی تو اہتداء میں مشابہت و مشارکت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

(٥) قال وظاهر الحديث انما هو اشارة الى الفتن الحادثة بعد انقراض الصحابة من طمس السنن وظهور البدع ونشر الجور في أقطار الأرض-

ابن حجر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا ظاہری معنی و مفہوم یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے ان فتنوں کی طرف جو بالعموم صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دور کے ختم ہونے پر اور سنت نبویہ اور سیرت مصطفویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے بجھ جانے کے بعد اور بدعات کے ظہور کے وقت اطراف عالم میں جور و ظلم کے عام ہو جانے پر یہ حکم ہے-

(٦) و تكلم على هذا الحديث ابن السبكى فى شرح ابن الحاجب الأصلى الكلام على عدالة الصحابة ولم يعزه لابن ماجة وذكره فى جامع الأصول ولفظه عن ابن المسيب عن عمر ابن الخطاب مرفوعاً سألت ربى (الحديث) الى قوله اهتديتم

کتب بعدہ أخرجه فهو من الأحاديث التی ذكرهارزين فی تحريد الأصول و لم يقف عليها ابن الأثير فی الأصول المذكورة وذكره صاحب المشكوٰة وقال أخرجه رزين

(مرقات ج ۱۱،ص ۲۸)

علامہ ابن سبکی نے اس حدیث پرعلامہ ابن حاجب کی شرح میں اس اصل وقاعدہ میں کہ صحابۂ کرام عادل ہیں کلام فرمایا کہ دراصل یہاں پر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی عدالت پر تنبیہ کرنا مقصود ہے(اور الصحابة كلهم عدول والے ضابطہ کی بنیاد کی طرف اشارہ کرنا مطلوب ہے)اور ابن سبکی نے اس حدیث کوابن ماجہ کی طرف منسوب نہیں کیا اور اس کو جامع الاصول میں ذکر کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن المسيب عن عمر ابن الخطاب مرفوعا سألت ربی الیٰ قوله اهتديتم۔ یعنی نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اپنے اصحاب کے باہمی اختلاف کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اے محمد! ﷺ تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے تاروں کی مانند ہیں جن میں بعض بعض سے قوی ترین ہیں اور ہر ایک کے لیے نور ہے لہٰذا ان میں سے جس کی سیرت وروش کو کسی بھی شخص نے اپنا لیا ان کے باہمی اختلاف میں سے تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

اتنی مقدار اس حدیث کی نقل کرنے کے بعد یوں لکھا اخرجه لیکن کس نے تخریج کی ہے اس کو یہاں بیان نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ان احادیث میں سے ہے جنہیں رزین نے تجوید الاصول میں ذکر کیا لیکن علامہ ابن الاثیر کو اصول مذکورہ میں بھی دستیاب نہیں ہوسکی اور نہ ہی وہ اس پر مطلع ہوسکے اور صاحب مشکوٰۃ نے اس کو رزین کے حوالے سے ذکر کردیا۔

اقول:

جب اس شاذ اور انحرافی قول کی بنیاد اور اساس کا حال یہ ہے تو اس پر تعمیر کردہ محل کا

حال کیا ہوگا؟

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

الغرض اس حدیث سے اس مذموم مقصد پر استدلال واستشہاد کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

اولاً:

اس لیے کہ اس کا مخرج معلوم نہیں ہو سکا نہ جامع الاصول میں دستیاب ہوئی نہ ابن ماجہ شریف میں مکمل چھان بین کے بعد نظر پڑی۔ صرف صاحبِ مشکوٰۃ نے اس کو رزین کی طرف منسوب کیا۔

ثانیاً:

یہ نہ حدیث صحیح اور نہ حسن بلکہ ضعیف ہے اور وہن و کمزوری سے دو چار ہے بلکہ بعض کے نزدیک موضوع اور باطل ہے۔

ثالثاً:

اس کی معنوی تقویت کے لیے مسلم شریف کی روایت کا سہارا لیا گیا لیکن وہ بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچا کیونکہ اس سے ستاروں کے ساتھ تشبیہ کی صحت اور درستگی ثابت ہوئی اور وہ محل کلام اور موضوع بحث نہیں ہے اور ان کی اقتداء کے ذریعے اہتداء کا اثبات مقصود تھا لیکن اس پر کسی طرح بھی دلالت ثابت نہ ہوئی۔

رابعاً:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اور ساتھ ہی مذکور روایت پر بحث و تمحیص سے قطع نظر اس کا مصداق اور محمل تعدیل صحابۂ کرام ہے تو اس کا مصداق و محمل بھی وہی ہوگا چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے بارہا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی یہ تمنا اور آرزو پیش کی کہ میرے بعد میرے امتیوں بالخصوص صحابۂ کرام میں اختلاف اور باہم جنگ و جدال اور حرب و قتال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

میری تقدیر اسی طرح وارد ہو چکی ہے لہٰذا اس میں مداخلت نہ فرماویں البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان کو عتاب وعذاب کا نشانہ نہیں بناؤں گا اور ان کو فساق وفجار کے کھاتے میں نہیں ڈالوں گا اور ہر فریق ان میں سے میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا اور ان کی اقتداء کرنے والے بھی یعنی حرب جمل والے ہوں یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا ساتھ دینے والے ہوں وہ سبھی عادل و مہتدی ہیں اور مقبول الشھادۃ فی الروایات اور اس کی تائید وتصدیق نبی رحمت ﷺ کا حضرت امام حسن کے حق میں یہ ارشاد کر رہا ہے:

ان ابنی ھذا سید لعل اللہ أن یصلح بہ بین فئتین عظمتین من المسلمین ۔

(رواہ البخاری)

بے شک میرا یہ بیٹا سردار اور محترم ہے عن قریب اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اہل اسلام کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرادے گا اور حرب وقتال اور باہمی خونریزی کو ختم فرمائے گا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت وحکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی اور خود بھی ان کی بیعتِ اطاعت کرلی اور اپنے محترم ومحتشم برادر گرامی قدر امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی بیعتِ اطاعت پر آمادہ فرمالیا اور اپنے نانا جان ﷺ کے غیبی فرمان کو برحق ثابت کردیا۔

. نیز اس حقیقت کو سیدِ عالم ﷺ نے بھی اور آپ کے ان لاڈلوں نے بھی واضح فرمادیا کہ خطا اجتہادی مجتہد کو ایمان واسلام سے تو کجا عدالت اور تقویٰ سے بھی نہیں نکالتی تو چونکہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان حروب اور معاتکوں میں محتھد مصیب تھے لہٰذا ان کے خداداد عالی اور بلند درجہ اور مرتبہ میں بھی فرق نہ پڑا اور آپ کے ساتھ حرب وقتال کرنے والے محتھد مخطی تھے لہٰذا وہ بھی اسی طرح مومن ومسلم اور عادل ومتقی ہیں جیسا کہ پہلے تھے اور ان کی روایات وشہادات پہلے کی طرح مقبول ومعتبر ہیں۔

اس طرح کے تنازعات کی نظیر انبیاء علیہم السلام کے عمل سے بھی مل جاتی ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر چلہ کشی، حصولِ تورات اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے لیے جاتے وقت اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو جبکہ وہ بھی نبی تھے اپنا قائم مقام بنا گئے۔ جب واپس تشریف لائے اور قوم کی اکثریت کو شرک کرتے ہوئے اور بچھڑے کی پوجا پاٹ کرتے ہوئے پایا تو حضرت ہارون علیہ السلام کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا اس گمان پر کہ اس کی رضامندی یا خلافت کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی بنا پر شرک جیسا قبیح کام اور ظلم عظیم ان اسرائیلیوں سے سرزد ہوا ہے، جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام نے زبانی زبانی بہت منع کیا لیکن وہ لوگ نہ مانے اور جنگ لگوانے کے بغیر چارہ نہ رہا تو انہوں نے سوچا کہ اتنا بڑا اقدام بھائی جان کے ساتھ صلاح مشورہ کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔ صرف چھ لاکھ کی تعداد پہلے ہیں اور جنگ کی صورت میں ڈیڑھ دو لاکھ قتل ہو جائیں گے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کہیں گے کہ بھلی رکھوالی تو نے کی ہے اور خلافت و نیابت کا حق خوب نبھایا جس طرح نبھانا چاہیے تھا۔ لہٰذا میں ان کا انتظار کرتا ہوں اور ان کی آمد پر صلاح مشورہ کر کے ان مشرکین کے خلاف کاروائی کریں گے اور اس واقعہ پر قرآن مجید شاہد ہے اور تفصیلی طور پر کلام مجید میں اس کو بیان کیا گیا ہے جبکہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ ایک عالم کی ڈاڑھی کو کوئی ہاتھ ڈالے تو اس پر کفر کا فتویٰ لگ جاتا ہے اور یہاں نبی کی عزت و تکریم میں خلل ڈالا گیا اور ان کے مشرک دشمنوں کے سامنے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ لیکن ہے کوئی پورے عالم میں مفتی جو حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام پر فتویٰ لگائے کیونکہ یہ آپ کی خطا اجتہادی تھی کہ آپ نے سمجھا کہ میرے بھائی اور خلیفہ نے شرک جیسے کبیرہ کے حق میں تساہل اور تغافل شعاری سے کام لیا ہے اس پر سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اس امر کا ارتکاب کیا لہٰذا وہ کسی قسم کے فتوے اور تادیب و تعزیر کی زد میں نہیں آسکتے، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس اقدام پر سرزنش اور تنبیہ فرمائی۔

لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ نبوت ورسالت جیسے اعلیٰ منصب پر
ز ہونے کے باوجود اگر بشری تقاضے ظاہر ہو سکتے ہیں تو صحابیت کے مرتبہ ومقام پر فائز ہونے
ے یہ حضرات سراسر ملکی صفات کے مالک تو نہیں بن گئے تھے؟ نیز ان کی بھی خطا اجتہادی کا مبدأ
ثاء موجود تھا کہ خلیفۂ برحق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عرصۂ دراز تک محصور ومحبوس رہ کر جام
دت نوش کر رہے ہیں اور وہ بھی شیر خدا اور اسد اللہ الغالب جیسی ہستی کی موجودگی میں پھر
فت سنبھالنے کے بعد ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جا رہا اور اس میں حیلے بہانے
ئے جا رہے ہیں۔ ادھر مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اپنی مجبوریاں تھیں کیونکہ باغیوں کے
ف حرب وقتال کی اجازت خلیفہ وقت نہیں دے رہے تھے کہ میں صرف اپنی جان کی حفاظت
ے لیے شہر رسول ﷺ کو خون میں نہاتے نہیں دیکھ سکتا اور آپ نے اپنے لختِ جگر حضرت حسن
ی اللہ عنہ بلکہ نبی رحمت ﷺ کے لختِ جگر اور نورِ نظر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر
رہ دار بنا رکھا تھا جبکہ باغیوں نے عقبی دیوار پھلانگ کر اور اندر داخل ہو کر آپ کو شہید کر دیا اور
فت سنبھالنے پر جب ان کی بغاوت ختم ہو گئی تو ان کے خلاف من حیث المجموع کاروائی
کوئی جواز نہیں تھا اور اصل قاتل مل نہیں رہا تھا۔ جب آپ دریافت کرتے تو سبھی اپنے اپنے
ے یہ اقدام لے لیتے تھے لہٰذا آپ کی مجبوری تھی کہ حالات پر سکون ہو لیں اور معاملات پوری
رح گرفت میں آ جائیں اور قاتل کی بھی مکمل تحقیق وتفتیش ہو لے اس لئے تاخیر فرما رہے تھے۔

الغرض آپ اپنی جگہ مجتہد مصیب تھے اور دوسرے حضرات مجتہد مخطی لہٰذا دونوں فریق
ـــــند اللہ قابل مؤاخذہ اور لائق عذاب وعتاب نہیں ہیں نہ ان مقاتلات کی وجہ سے ان کی
دالت وصداقت اور تقویٰ وتزکیہ میں خلل پڑا اور یہی اس حدیث کا محمل اور مصداق ہے۔

لہٰذا اس تقدیر پر بھی اس حدیث کو اجماع صحابہ اور سوادِ اعظم کی اتباع کے وجوب ولزوم
کے خلاف دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن فقط اہلِ علم ودانش اور اربابِ عدل وانصاف کے ہاں

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔اگر عدل وانصاف اور دیانت وامانت کو خیر باد کہہ دیا جائے تو اس کا کیا علاج؟

خامساً:

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ کی تحقیق کے مطابق ثبوت سند اور معلومیت مآخذ اور تعین مخرج والے اعتراضات سے قطع نظر علیٰ تقدیر التسلیم اس حدیث کا مطلب و مقصد اور معنیٰ و مفہوم یہ ہے کہ جب بالعموم دور صحابۂ کرام علیہم الرضوان اختتام پذیر ہو جائے اور اکا دکا صحابی مختلف اطراف واکناف میں رہ گئے ہوں ادھر سنت کا نور مٹ رہا ہو اور بدعات کے طوفان اور آندھیاں چلنے لگیں اور اطرافِ عالم میں جور وستم عام ہو جائے تو اس وقت ان نجوم ہدایت سے وابستہ رہنا اور بجائے بدعات پر کاربند ہونے کے اور جور وستم کے مرتکب ہونے کے اس طرح عمل اور طریق نجات کو اپنانا تو اس صورت میں بھی اس حدیث پاک سے اجماع صحابہ کی مخالفت اور سوادِ اعظم سے شذوذ وانحراف کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں نکلتی ۔واللہ تعالی ھو الھادی

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی افضلیت علیٰ الاطلاق متفق علیہ اور اجماعی ہے اس میں مخالفت سنیت سے بغاوت ہے اور رفض وتشیع کی طرف رغبت ومیلان ہی نہیں بلکہ اس ضلالت وگمراہی کا ارتکاب ہے۔ گو کامل اکمل رفض وتشیع نہ سہی اور مولائے مرتضیٰ اور عثمان ذوالنورین کے درمیان تفضیل کا معاملہ پہلے حضرات کی تفضیل کی طرح چونکہ متفق علیہ اور اجماعی نہیں لیکن اہل اسلام کی عظیم اکثریت حضرت عثمان کی افضلیت کے قائل ومعترف ہیں لہٰذا اس معاملہ میں بھی اختلاف کرنے والا کامل واکمل سنی نہیں ہے اگر چہ اس کو شیعہ اور رافضی بھی نہیں کہیں گے۔ علامہ خطیب نے سند صحیح کے ساتھ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہے:

من قدم علیّا علی عثمان فقد أزری علی اثنی عشر ألفا مات رسول اللہ
ﷺ وھو عنھم راض رضی اللہ عنھم أجمعین۔

"جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان ذوالنورین پر مقدم اور افضل
قرار دیا تو اس نے بارہ ہزاران صحابہ کو عیب لگایا اور ان کی تنقیص کی جن سے حالتِ وصال میں
رسول اکرم ﷺ راضی تھے" (اور ظاہر ہے کہ اس قدر کثیر التعداد صحابہ کو عیب لگانے والا شخص صحیح العقیدہ سنی
کیسے ہو سکتا ہے؟)

امام نووی فرماتے ہیں کہ بارہ ہزار سے مراد وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو نبی مکرم
ﷺ کے وصال شریف کے بارہ سال بعد موجود تھے جبکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت
کے دوران مرتدین اور جھوٹے نبیوں اور زکوٰۃ کے منکرین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے بہت
سے حضرات صحابہ شہید ہو چکے تھے اس طرح اس دور کی فتوحات کے دوران، پھر سیدنا عمر فاروق
رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے فتوحات میں بہت سے حضرات شہید ہو گئے اور طاعون میں
عموم اور بالخصوص طاعون عمواس میں لہٰذا اس توہم کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان
کی تعداد تو اس سے کہیں زیادہ تھی تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اسد اللہ الغالب پر افضلیت
کے قائل قلیل تعداد ہی ہوئے تمام صحابۂ کرام یا ان کے سوادِ اعظم کا اس پر اتفاق اور اجماع ثابت
نہ ہوا کیونکہ اس وقت تک بہت بڑی تعداد میں صحابہ راہی ملک بقاء ہو چکے تھے اور دارِ آخرت کو
سدھار چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم

فائدہ عظیمہ: اقول:

اگر حضرت عثمان پر اسد اللہ الغالب کی تقدیم بارہ ہزار صحابہ پر اعتراض ہے اور ان کی

تنقیص ہے تو حضرت صدیق اکبر پر سیدنا علی کی تقدیم و تفضیل تقریباً لاکھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بمع مولائے علی توہین و تحقیر ہے اور ان کو عیب لگانے اور بے خبر و بے شعور ثابت کرنے کی مذموم جدوجہد ہے کیونکہ آپ نے تینوں خلفاء کی بیعتِ اطاعت بھی کی اور ان کے خداداد فضائل و مناقب بھی بیان کرتے رہے تو ایسے لوگوں کا مذہب مہذب اور سراپا حق و صدق یعنی مذہب اہل السنت والوں میں شمار کرنا کیوں کر روا ہوگا؟ بلکہ وہ رفض و تشیع والی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور اوپر اوپر سے سنی ہونے کا دعویٰ کر کے اس مذہبِ مہذب کو ایسا نقصان اور ضرر پہنچا رہے ہیں جو ظاہر و باہر شیعہ اور رافضی قطعاً نہیں پہنچا سکتے تھے لہٰذا یہ ان شیعوں اور رافضیوں سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہیں۔

اللھم انا نجعلك فی نحورھم و نعوذ بك من شرورھم۔

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت دینی اور روحانی خلافت ہے:

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کہتے ہیں:

پہلے خلیفۂ راشد کو فاروق اعظم کی رائے اور تجویز اور رائے عامہ کی اکثریت سے چنا
یا۔مگر پہلے امامِ ولایت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں کسی کی تجویز مطلوب ہوئی
نہ کسی کی تائید (القول المعتبر ص ۱۱)

دوسری جگہ یوں گوہرافشانی کی ہے کہ:

سیاسی وراثت کے فردِ اول حضرت ابوبکر صدیق ہوئے اور روحانی وراثت کے فردِ اول
رت علی مرتضی ہوئے، خلافتِ ظاہری دینِ اسلام کا سیاسی منصب ہے اور خلافتِ باطنی خلاصۂ
حانی منصب ہے خلافتِ ظاہری انتخابی اور شورائی عمل ہے خلافتِ باطنی محض وہبی اور اجتبائی
رہے الخ (السیف الحلی ص ۹،۸)

گویا علامہ موصوف کے نزدیک خلفائے ثلاثہ روحانی وراثت اور وہبی اور اجتبائی امر
ے محروم تھے اور ان کی حکومت عام حکمرانوں جیسی حکومت تھی جبکہ شاہ عبدالقادر صاحب کے
دیک وہ ائمۃ المساجد کی مانند تھے جن کو مقتدیوں پر کوئی فضل وشرف حاصل نہیں ہوتا۔

یہ مذہب اہل سنت پر بھی ظلم عظیم ہے اور خود ان کی جانوں پر بھی اگر ان کو نبی مکرم ﷺ کا
ارشاد ملحوظ اور مدنظر ہوتا یابی اللہ والمومنون الاابابکر ''اللہ تعالیٰ اور تمام مومنین ابوبکر کے
وا کو امام اور خلیفہ بنانے سے انکار کرتے ہیں'' اور آپ کا یہ فرمان کہ ''میں نے بار بار اللہ تعالیٰ
سے اے علی تیری تقدیم کا سوال کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے علاوہ کسی کو ان پر مقدم ٹھہرانے
سے انکار فرما دیا'' تو یہ حضرات کبھی اس طرح کے تقابل کی جسارت نہ کرتے ۔کیونکہ حضرت
وبکر صدیق اللہ تعالیٰ کا انتخاب بھی ہیں جیسے کہ اہل ایمان کا انتخاب ہیں۔

نیز ان حضرات کو کاش نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی یاد ہوتا ماراٰہ المومنون حسنا
فھو عنداللہ حسن ومارأوہ قبیحا فھو عنداللہ قبیح ''اہل ایمان جس امر کو مستحسن سمجھیں
وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مستحسن ہوتا ہے اور جس کو قبیح اور برا جانیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

بھی قبیح ہوتا ہے"

تو جب حضرت صدیق کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے تو کیا وہ وہبی اور اجتبائی انتخاب نہیں ہوگا؟ نیز طاہر صاحب کے معتقدین یا شاہ عبدالقادر صاحب کے نیاز مند اہل ایمان کی بات نہیں ہے بلکہ ان اہل ایمان کی بات ہے جن کو رسول گرامی ﷺ نے تطہیر و تزکیہ سے بہرہ ور فرمایا اور خیر القرون قرنی کا تاج ان کے سر پر سجا دیا تو ان کا انتخاب یقیناً اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہی ہے۔

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کہ مہاجرین وانصار کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے:

آپ کا حضرت امیر معاویہ کے سامنے اپنے برحق خلیفہ ہونے پر یہ دلیل پیش کرنا

انما الشوری للمهاجرین والأنصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه اماما کان ذالك لله تعالی رضا (نهج البلاغه)

"شوریٰ اور انتخاب کا حق صرف اور صرف مہاجرین وانصار کو حاصل ہے اگر وہ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام نامزد کریں تو وہی شخص اللہ تعالیٰ کا منتخب امام اور خلیفہ ہوگا"

کہیے جناب! اس ولایتِ کبریٰ کے مالک کا نظریہ وعقیدہ کیا ہے اور وہ ان حضرات کے انتخاب اور چناؤ کو اللہ تعالیٰ کا انتخاب اور چناؤ سمجھتے تھے یا نہیں؟

جب ان کے نزدیک ان مہاجرین وانصار کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا سبیل المومنین سے انحراف اور غیروں کی اتباع کی وجہ سے واجب القتال ہے، تو گویا ان محبوں نے مولا علی کو جھٹلانا اور ان کی مخالفت کرنا اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔

بہرحال ہم مولائے مرتضیٰ کے غلام ہیں اور ان کی اتباع واطاعت کے پابند ہیں

ـــذا ہم یہی عقیدہ رکھنے کے پابند ہیں کہ اس خلافتِ خاصہ میں یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا انتخاب
ں نہ کہ محض بندوں کا اور نہ عام بندوں کا انتخاب ہیں بلکہ خیـــر القـــرونکا شرف وفضل رکھنے
وں کا انتخاب ہیں۔

ذرا اس منظر کو دیکھئے جب سبھی مہاجرین وانصار حضرت صدیق کو یـا خـلیـفـة رسـول
لـٰـه کا لقب دے کر پکار رہے ہوتے تھے تو کیا وہ جھوٹ بول رہے ہوتے تھے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ
ـئك هـم الصادقون کہہ کر ان کے کامل واکمل صدق وحق گوئی کا اعلان فرما رہا ہے اور کیا وہ
پ کو یہ منصب دے کر اپنی ہلاکت اور تباہی کا سامان کر رہے ہوتے تھے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ ان کو
ـئك هم المفلحون کے اعزاز سے نواز رہا ہے کہ یہی کامل فلاح والے ہیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کسریٰ فارس کے خلاف حرب وقتال میں
د شامل ہونے کے لیے مشورہ طلب کیا تو اس میں اسد اللہ الغالب کا آپ کے حق میں اور آپ
ے لشکر کے حق میں بیان حق ترجمان واضح کرتا ہے کہ یہ حضرات واقعی خلافتِ نبویہ اور خلافت
یہ کے مالک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے لیے ان کا ہی انتخاب فرمایا تھا
ور دین متین کی تمکین واستحکام کی ضمانت دی تھی چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنفس
فیس میدان جنگ میں جانے کے حوالے سے مشورہ طلب فرمایا تو مولائے مرتضی کرم اللہ وجہہ
نے ان الفاظ میں اپنے عندیہ کا اظہار کیا:

ان هـذا الأمـر لـم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا بقلة ۔هو دين الله الذى
ظهره وجنده الـذى أعـدّه وأمـدّه حتى بلغ ما بلغ وطلع حيثما طلع ۔ونحن على
موعود من الله سبحانه والله منجز وعده وناصر جنده ۔ الخ (نهج البلاغه)

"اس امر کا (یعنی دین اسلام کا) غالب ومنصور ہونا یا اس کا مغلوب وبے وقار ہونا نہ
افواج کی کثرت کی وجہ سے ہے اور نہ قلت کی وجہ سے ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس کو اللہ

تعالیٰ نے غالب اور سر بلند فرمایا ہے اور یہ لشکر اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تیار فرمایا ہے اور اس کی امداد و اعانت فرمائی ہے حتیٰ کہ یہ دین اس بلندی پر پہنچا جہاں اس نے پہنچنا تھا اور اس کا آفتاب اس بلندی پر چمکا جس بلندی پر اس کو چمکنا تھا (گویا میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جن کے ساتھ میں اس رفعت اور بلندی کو بیان کرسکوں) ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امر موعود پر ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کی مدد کرنے والا ہے (لہٰذا تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے)

سوال یہ ہے کہ یہ امر موعود کون سا ہے؟ جس کو حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور پورا فرمانے والا ہے صاف ظاہر اور دوپہر کے سورج کی طرح روشن کہ آپ نے اس آیتِ کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا:

وعداللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کمااستخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔(النور،55:24)

"اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اہل ایمان اور صالح اعمال والوں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ ضرور بالضرور تمہیں خلافت عطا کرے گا زمین میں، جیسا کہ تم میں سے پہلے لوگوں کو یہ خلافت عطا کی اور ان کے لیے ان کے دین کو مضبوط اور مستحکم کردے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کے لیے (سرورِ عالم ﷺ کے وصال سے لاحق ہونے والے) خوف کو امن و طمانیت میں بدل دے گا"

ایمانداری سے کہیے یہ صرف شورائی خلافت کا بیان ہے اور بندوں کے انتخاب کا یا اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے اور یہ خلافتِ الٰہیہ ہے تم اسے جو بھی نام دو تمہارے اور ہمارے مولائے مرتضیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اس کو اللہ تعالیٰ کی موعود خلافتِ الٰہیہ ہی سمجھتے ہیں جو دین کی تمکین

رسوخ کی موجب ہے اور خوف واندیشہ کو امن میں بدلنے والی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک اس
لافت کا علم بردار خلیفہ اللہ کے منصب کا مالک نہیں تھا تو اس کا دین اللہ تعالیٰ کا دین کیسے بن گیا
وراس کا لشکر اللہ تعالیٰ کا لشکر کیونکر بن گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کو حسب وعدہ امداد
عانت کا ضامن کیسے سمجھ لیا؟ اور کیا ایسا خلیفہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہوگا جو اس کے پسندیدہ دین کی
ضبوطی اور استحکام کا موجب بن رہا ہے تو اس خلافت کو ولایت کے مقابل سمجھنے کا کیا مطلب؟
وراس تقابل کے یہاں پر تصور کا بھی کیا جواز ہے؟ اور جب یہ خلافت فرع ہے خلافت صدیقی
ی تو پھر اس اصل اور موقوف علیہ خلافت کی شان کیا ہوگی؟

غزوۂ فارس اور روم کی فتح کے موقع پر جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بذات خود
عساکرِ اسلام کی قیادت کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو مولائے معظم نے فرمایا اور
اروقی بارگاہ میں اپنا ہدیۂ اخلاص اور نذرانۂ عقیدت ان الفاظ میں پیش فرمایا:

قد توكل الله لأهل هذا الدين باعزاز الحوزة وستر العورة والذى نصرهم
وهم قليل لاينتصرون ومنعهم وهم قليل لا يمتنعون حيى لايموت۔الخ

(نہج البلاغہ)

تحقیق اللہ تعالیٰ اہل اسلام کے لیے ان کے غلبہ ونصرت کا ضامن بن چکا ہے اور ان
کی کمزوریوں اور ناتوانائیوں پر پردہ ڈالنے کا کفیل بن چکا ہے جس خدائے بزرگ وبرتر نے ان
کو اس وقت غالب ومنصور فرمایا جبکہ وہ قلیل تھے اور غلبہ وتسلط کے (بظاہر) اہل نہیں تھے اور دشمن
کے غلبہ وتسلط سے انہیں محفوظ رکھا جبکہ وہ بظاہر محفوظ نہیں رہ سکتے تھے وہ زندہ وپائندہ ہے موت
اس کے قریب پھٹک ہی نہیں سکتی (تو اب بھی اس طرح امداد واعانت فرمائے گا اور تمہاری افواج کو غلبہ اور
تسلط عطا فرمائے گا لہذا خود تمہیں میدان کارزار میں جانے کی ضرورت نہیں ہے)

کہیے حضرات اگر مولائے مرتضی کی نگاہ میں یہ خلافت خلافتِ نبویہ نہیں تھی اور یہ

خلافت علی منہاج النبوت نہیں تھی اور یہ خلافت سراسر رحمت خداوندی کا مظہر نہیں تھی تو اس میں بدر وحنین والی امداد خداوندی اور نصرت الٰہیہ کا حوالہ دینے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا؟ اور اگر یہ خلافت موعود خلافت نہیں تھی اور خلافت الٰہیہ نہیں تھی تو مولائے مرتضیٰ باوثوق اور پر اعتماد لہجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فاروق اعظم کے لشکر کی فتح مندی اور غالب ومنصور ہونے کی ضمانت کیونکر دے رہے تھے اور جب آپ کی نظر اقدس میں یہ خلافت موعودہ خلافت ہے اور دین کے تمکن کی ضامن اور خوف وخطر کو طمانیت میں بدلنے والی خلافت ہے تو اس کو محض شورائی حکومت اور عام جمہوری حکومتوں پر قیاس کرنے کا کیا جواز ہے؟

اس خلافت کو خلافت نبوت اور خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافت رحمت خود سرورِ عالم ﷺ نے قرار دیا اور اس کی میعاد بھی تیس سال مقرر فرمادی - لہذا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی خلافت ہے اور جسمانی نیابت کے ساتھ ساتھ روحانی نیابت بھی ہے اور اقتدار ظاہر کے ساتھ اقتدار باطن کی بھی مظہر کامل ہے - اس کو صرف زمین تک محدود سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کو اس سے بے تعلق اور غیر متعلق قرار دینا سراسر دھاندلی اور تحکم وسینہ زوری ہے بلکہ ضلالت وگمراہی ہے؟

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اہل تشیع کی راہ پر:

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب ایک اور مقام پر یوں گوہر افشاں ہیں:

حضور رسالت مآب ﷺ کے بعد قیادت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی چنانچہ سیاسی قیادت مخصوص طریقہ کار سے حضرت ابوبکر صدیق نے سنبھال لی جس کو جمہوریت کا نام دیا گیا اور دینی قیادت حضرت علی کو حاصل تھی کیونکہ دینی قیادت کا عہدہ جمہوری طرز عمل سے نہیں ملا کرتا بلکہ یہ خدائی عہدہ ہے وہ جس کو چاہے دے دیتا ہے اور اس کی اہلیت کا اندازہ سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہو سکتا پس اپنی قیادت یعنی امامت حقہ کی تعیین امت کے اختیار میں نہیں ہے کہ جسے چاہیں چن

لیں بلکہ جس طرح خدا اپنے اختیار و علم سے نبی کو نامزد کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے علم و اختیار سے خلیفہ نبی اور امام امت کو نامزد کرتا ہے جس کا اعلان و اظہار رسول کے ذمہ ہوتا ہے اور حضرت علی کی امامت و خلافت کا اعلان حضرت رسالت مآب ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر اپنے خطبۂ غدیریہ میں ایک لاکھ سے زیادہ حاجیوں کے مجمع میں فرمایا

(امامت و ملوکیت ص ۷، ۱۶۶)

کیا یہ صاف شیعہ کی بولی نہیں ؟ اور اس میں بندوں کے انتخاب اور اللہ کے انتخاب میں تقابل کر کے کیا تاثر دیا گیا ہے ؟ سیاسی قیادت حضرت صدیق کے لیے اور دینی قیادت حضرت علی کے لیے تسلیم کر کے گویا حضرت صدیق کے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان کو بھی دینی قیادت سے محروم تسلیم کیا گیا ہے تو ان کی خلافت کے دور میں بھی دین متین کو نافذ کیا کرتا تھا ؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافت کا وعدہ تو دین کے استحکام اور پائیداری کے لیے تھا اور دینی قیادت خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ میں ہی نہیں تھی تو وہ خالص دنیوی بادشاہوں کی طرح بادشاہ رہے نہ کہ خلفائے راشدین اور نافذین دین مبین تو شیعہ کے نظریہ اور ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے نظریہ میں کیا فرق رہا ؟ بلکہ کھلم کھلا شیعوں کی نسبت وہ اہل سنت کے لیے زیادہ مضر اور نقصان دہ ثابت ہوئے - اسی طرح شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی خلافت والی فضیلت اور ذاتی کمالات و خصائص والی فضیلت کا فرق کر کے ان حضرات خلفائے ثلاثہ کو ذاتی خوبیوں اور خصائص اور امتیازی اوصاف و کمالات سے عاری اور خالی ثابت کر کے شیعہ کے لیے زمین اچھی طرح ہموار کی ہے اور فضائل پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث میں من مانی تاویلات سے کام لے کر ان کی بھرپور امداد کی ہے اور اہل سنت کو توہمات و وساوس میں مبتلا کرنے کی مقدور بھر سعی نامشکور فرمائی - أعاذنا الله تعالى من الضلال بعد الهدى۔

ولایتِ مرتضویہ کا مصرف کیا تھا ؟

مولائے مرتضی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولایت کے لیے نامزدگی اور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان تک محدود ہو کر رہ جانا اور اس انتخاب میں آپ کا دخل ہی نہ ہونا کیا اس امر کا غماز نہیں ہے کہ یہ کمال اللہ تعالیٰ نے براہ راست علی مرتضی کو عطا فرمایا ہے۔ جس میں صحابہ کرام تو کجا نبـــی الانبیـــاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی حصہ نہیں ہے جبکہ اہل سنت کے نزدیک جس کو بھی جو کمال ظاہری اور باطنی دینی اور دنیاوی نصیب ہوتا ہے وہ بوسیلہ مصطفےٰ کریم ہی نصیب ہوتا ہے اور آپ کے دست جود و نوال سے ہی ان کو حاصل ہوتا ہے اللّٰہ یعطی و انماأنا قاسم اور یہ بھی شیعہ والی سوچ ہے ان کے نزدیک رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم ان چار حضرات فاطمہ علی حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے خادم ہیں اور اصل مقصود ذاتیں وہ ہیں۔العیاذ باللّٰہ تعالی۔

(۲) اس ولایت میں دینی قیادت کا اعلان تھا یا روحانی قیادت کا؟ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قیادت کا دائرۂ کار کہاں تک تھا اور اس کا مصرف کیا تھا؟ کیا دینی احکام مولا علی نافذ فرماتے تھے اور دنیاوی احکام دیگر خلفائے کرام یا دینی تعلیمات تو خلفائے کرام سے لوگوں کو حاصل ہوتی تھیں اور اس دوران روحانی مدارج و مراتب اور سلوک و وصول اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کا درس بھی اور ان مراحل کی تکمیل بھی شیر خدا کرایا کرتے تھے؟ جس طرح سلاسل اربعہ کے مشائخ کو کاروبار حکومت سے کبھی غرض نہیں رہی وہ لوگوں کی دینی اور روحانی تربیت کرتے رہے ہیں تو کیا کوئی مائی کا لال ثابت کر سکتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں دین کی تبلیغ اور ترویج و اشاعت مولا علی فرماتے تھے یا اس دوران آپ نے اپنا روحانی تربیت کا مرکز قائم کیا ہوا تھا اور لوگوں کو سالک اور واصل الی اللہ فرماتے رہے تھے اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے مدارج و مراتب طے کراتے رہتے تھے؟

جب یہ امر ثابت کرنا ناممکن ہے تو پھر شاعری سے کام لینا اور تخیلاتی خطابی جملے بول کر عوام کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے اور اہل سنت کی راہ سے ہٹا کر شیعہ کی گود میں ڈالنے کا کتنا ثواب

لے گا؟ کیا دار جزاء اور یوم الحساب سے ڈر خوف کی ضرورت نہیں رہی ہے؟

ضح ترین مطلب و مفہوم:

اس حدیث پاک کا پس منظر یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ یمن کی طرف بھیجے جانے والے سریہ کا قائد بنایا ساتھیوں نے آپ کے متعلق نبی مکرم ﷺ کی رگاہِ اقدس میں آپ کا شکوہ کیا اور ان کا یہ رویہ وروش نبی مکرم ﷺ کو پسند نہ آیا تو آپ نے اسی مقام پر جہاں آپ سے شکایت کی گئی تھی آپ کی محبت والفت کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ جس طرح ے محبوب سمجھتے ہو اسی طرح ان کو بھی اپنا محبوب سمجھا کرو تو پہلے ایسی شکایت کا پایا جانا بھی مولیٰ عنی محبوب کا قرینہ ہے اور بعد والا یہ ارشاد بھی اس معنیٰ پر واضح قرینہ ہے:

اللهم وال من والاه وعاد من عاداه

اے اللہ تعالیٰ تو اس کو اپنا محبوب بنا جو علی کو محبوب بنائے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے!

تو سیاق وسباق سے ہٹ کر اپنے طور پر نئے معانی گھڑنے کا کیا جواز ہے؟ اگر دینی قیادت اور روحانی قیادت والا معنیٰ آپ کے پیش نظر ہوتا تو پھر آپ کی اطاعت واتباع کرنے والوں کے محبوب بنانے کا ذکر فرماتے اور عصیان وطغیان سے کام لینے والوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض اور مغضوب ہونے کا ذکر فرماتے۔ یقیناً آپ جانتے تھے کہ خلیفہ امام کی اطاعت ہوا کرتی ہے اللهم وال من اطاعه کہوں اور کوئی مخالفت وعناد سے کام لے تو میں عاد من عصاه کہوں وغیر ذالك۔ تو اس سے عدوات رکھ جو ان کا نافرمانبردار ہوا گر ولایت سے روحانی مرتبہ اور باطنی درجہ مراد ہوتا تو امت کی طرف اس کی نسبت کرنے میں کیا موزونیت اور مناسبت ہو سکتی تھی؟ جبکہ آپ نے فرمایا من کنت مولاہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی موزوں اور مناسب تھی جیسے نبی اللہ ورسول اللہ لہذا یہاں پر محبوبیت والا

معنیٰ ہی مراد ہونا متعین ہے اور وہ محل کلام ہی نہیں ہے- بالفرض اگر خلافت و امامت والا معنیٰ مراد ہو قطع نظر سیاق وسباق سے تو فوراً خلیفہ امام ہونا مراد ہو تو بیک وقت دو خلفاء وائمہ واجب الاطاعت کا تحقق لازم آئے گا جو صریح البطلان ہے اور اگر متصل بعد مراد ہو تو اس پر قطعاً کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور اگر فی الجملہ والی اور متصرف اور امام وخلیفہ ہونا مراد ہے تو ہمیں مضر نہیں کیونکہ جن ہستیوں کے انتخاب کو خود آپ نے اللہ تعالیٰ کا انتخاب قرار دیا ہے انہوں نے ہی آپ کا چوتھے درجہ میں انتخاب فرمایا ہے اور وہ انتخاب آپ کے نزدیک سراسر صواب اور برحق ہے حتیٰ کہ آپ فرماتے ہیں من لم یقل انی رابع الخلفاء فعلیه لعنة اللّٰه ''جو مجھے چوتھا خلیفہ نہ مانے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے- (مناقب ابن شهرآشوب ص ۲۰۵ جلد ۳)

کیا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو روحانیت وولایت حاصل نہیں ہوتی تھی؟

یہ تقابل سیاسی خلافت اور دینی خلافت کا خلافت شورائی اور خلافت وہبیہ کا درست ہونا نیز یہ دعویٰ کہ خلافت کے لحاظ سے فضیلت مسلم مگر روحانی مراتب کے لحاظ سے حضرت علی کا مقام ومرتبہ بلند وبالا ہے یہ تب درست ہوتا جب ان حضرات میں روحانیت اور ولایت نہ ہوتی حالانکہ ہمارے اکابر کے نزدیک وہ حضرات اس باطنی اور روحانی منصب میں بھی تقدم وسبقت کے مالک ہیں، چنانچہ علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

ان هذا متفق علیه بین أهل الشرع والحکماء کما قال صاحب حکمة الاشراق فی کتابه لابد للّٰه من خلیفة فی أرضه وانه قد یکون متصرفاً ظاهراً کالسلاطین وباطنا کالأقطاب وقد یجمع بین الخلافتین کالخلفاء الراشدین کأبی بکر وعمر بن عبدالعزیز قد أنکره بعض الجهلة فی زماننا۔

(نسیم الریاض جلد ۲ ص ۲۱۵)

''یہ امر اہل شرع اور حکماء کے درمیان متفق علیہ ہے جیسے کہ صاحب حکمة الاشراق

ے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کی زمین میں خلیفہ پایا جانا ضروری ہے اور وہ کبھی
رف ظاہر میں متصرف ہوتا ہے جیسے سلاطین یا صرف باطن میں جیسے کہ اقطاب اور کبھی دونوں
فتوں کا جامع ہوتا ہے جیسے خلفائے راشدین ابوبکر صدیق اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما
ن ہمارے زمانہ کے بعض جاہلوں نے اس کا انکار کیا ہے"

نیز اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

عرض:

کیا غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟

ارشاد:

بغیر غوث کے زمین وآسمان قائم نہیں رہ سکتے؟

عرض:

غوث کو مراقبے سے حالات منکشف ہوتے ہیں؟

ارشاد:

نہیں بلکہ انہیں ہر حال یونہی مثل آئینہ پیش نظر ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ

ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں غوث کا لقب عبداللہ ہوتا ہے اور وزیر دست راست
بدالرب اور وزیر دست چپ عبدالما لک اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر دست راست
سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دنیا کے اس لیے کہ یہ سلطنت قلب ہے اور دل جانب چپ
وتا ہے۔

غوثِ اکبر وغوث ہر غوث حضور سید عالم ﷺ ہیں صدیق اکبر حضور کے وزیر دست
چپ تھے اور فاروق اعظم وزیر دست راست پھر امت میں پہلے درجہ غوثیت پر امیر المومنین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المومنین فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو عطا ہوئی اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو غوثیت مرحمت فرمائی اور عثمان غنی اور مولائے علی رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے پھر امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے پھر مولا علی کو غوثیت عطا ہوئی اور امامین وزیر ہوئے الخ۔ (ملفوظات حصہ اول ص ۱۲۰)

عرض:

ان چاروں سلاسل کے علاوہ بھی کوئی خاندان ہیں جو ان چاروں میں سے کسی کی شاخ نہ ہوں؟

ارشاد:

ہاں تھے اب تو بہت سے منقطع ہو گئے ایک سلسلہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک سلسلہ علاوہ سلسلہ نقشبندیہ کے حواریہ تھا اس کے امام حضرت سیدی ابوبکر حوار رضی اللہ عنہ تھے آپ کے مرید حضرت ابو محمد شنبکی اور آپ کے مرید حضرت تاج العارفین ابوالوفاء رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کو ہدایت فرماتے دیر نہیں لگتی یہ حضرت ابوبکر حوار رضی اللہ عنہ پہلے راہزن تھے قافلے کے قافلے تنہا لوٹا کرتے تھے۔ ایک بار ایک قافلہ اترا آپ وہاں تشریف لے گئے ایک خیمہ کی طرف گئے اس خیمہ میں ایک عورت اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی شام قریب ہے اور اس جنگل میں ابوبکر حوار کا دخل ہے ایسا نہ ہو کہ وہ آجائیں بس یہ کہنا ان کا حاوی ہو گیا خود فرمایا ابوبکر تیری یہ حالت ہو گئی کہ خیموں میں عورتیں تک تجھ سے خوف کرتی ہیں اور تو خدا سے نہیں

نا اسی وقت تائب ہوئے اور گھر کو لوٹ آئے شب کو سوئے خواب میں زیارت اقدس سے
رف ہوئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ نے عرض
بیعت کر لیجے ارشاد فرمایا: تجھ سے تیرا ہمنام بیعت لے گا ابو بکر صدیق رضی اللہ نے بیعت لی
اپنی کلاہ مبارک ان کے سر پر رکھی آنکھ کھلی تو کلاہ مبارک موجود تھی یہ سلسلہ جاریہ آپ سے
وع ہوا- (جلد ٤ ص ١٤)

لهــذا ثابت ہوا کہ حضرات خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم صرف سیاسی اور دنیوی حکومت
حامل نہیں تھے بلکہ روحانیت اور ولایت میں بلند ترین مقام پر فائز تھے اور مولائے مرتضیٰ ان
جس طرح سیاسی اور دنیوی خلافت میں چوتھے نمبر پر تھے اسی طرح دینی اور روحانی خلافت
لحاظ سے بھی چوتھے نمبر پر تھے- لهــذا ان کے حق میں سیاسی قیادت اور دینی قیادت کا تقابل
م کرنا یا دنیوی اقتدار اور روحانی اقتدار کا تقابل کرنا بالکل غلط اور باطل سوچ ہے اور حقائق
قعات کے سراسر خلاف ہے اور سوائے اہل تشیع کو خوش کرنے اور ان کے ہاں اپنا قبول عام
نے اور سنیت کی بنیادوں کو ہلانے اور سنی عوام کو شیعہ کی گود میں ڈالنے کے علاوہ کچھ بھی ان
وں کے پیش نظر نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسی نفسانی بری خواہشات سے محفوظ فرمائے اسی ضمن میں
ید حوالہ جات ملاحظہ فرماویں:

عـلامـه سيد محمود آلوسی رحمه الله تعالى قول باری تعالى فاولئك مع
ذيـن انـعـم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين کے تحت فرماتے
ں:

نـقـل بـعـض تلامذة مولانا الشيخ خالد النقشبندى قدس سره عنه أنه قرر
وما أن مراتب الـكـمـل أربـعـة :نبوة وقطب مدارها نبينا ﷺ ثم صديقية وقطب
دارهـا أبـوبكر الصديق رضى الله عنه ثم شهادة وقطب مدارها عمر الفاروق رضى

اللہ عنہ ثم ولایۃ وقطب مدارھا علی کرم اللّٰہ وجھہ، وان الصلاح فی الآیۃ اشارۃ الی الولایۃ فسألہ بعض الحاضرین عن عثمان فی أی مرتبۃ ھومن مراتب الثلاثۃ بعد النبوۃ فقال انہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ قد نال حظاً من رتبۃ الشھادۃ وحظاًمن رتبۃ الولایۃ وأن معنی کونہ ذالنورین ھو ذالک عندالعارفین۔

(جلد ٥ ص٦٩)

حضرت مولانا شیخ خالد نقشبندی قدس سرہ العزیز سے ان کے بعض تلامذہ کے واسطہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

''ارباب کمال کے مراتب چار ہیں پہلا مرتبہ نبوت ہے اور اس کے قطب مدار نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دوسرا درجہ صدیقیت ہے اور اس کے قطبِ مدار حضرت ابوبکر صدیق ہیں تیسرا درجہ شہادت ہے اور اس کے قطبِ مدار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں چوتھا درجہ ولایت ہے اور اس کے قطبِ مدار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آیتِ کریمہ میں مذکور صلاح اسی مقام ولایت کی طرف اشارہ ہے حاضرین محفل میں سے بعض نے عرض کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبوت کے بعد والے تین مراتب میں سے کونسا مرتبہ حاصل ہے تو آپ نے فرمایا کہ انہیں شہادت کے مرتبہ سے بھی اہم حصہ حاصل ہے اور ولایت کے رتبہ سے بھی اہم حصہ حاصل ہے اور عارفین کے نزدیک ان کے ذوالنورین ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ نور شہادت اور نور ولایت کے جامع ہیں''

فائدہ:

مقام غور کہ پندرہویں صدی کے بعض بزعم خویش مجددین ان خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو ولی مان کر راضی نہیں ہیں اور جو اس بحر کے غواص ہیں وہ ان کو اس قدر بلند تر درجہ دیتے ہوئے صدیقیت کے قطب مدار شہادت کے قطب مدار قرار دے رہے ہیں یا فی الجملہ دونوں

ح کے انوار کے جامع قرار دے رہے ہیں۔

نیز نبی کریم ﷺ جس طرح نبوت کے قطب مدار ہیں تو دوسرے انبیاء علیہم السلام آپ
فیلی ہیں اس مرتبہ میں تو حضرت صدیق کے صدیقیت کے لیے قطب مدار ہونے اور حضرت
کے شہادت میں قطب مدار ہونے کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ دوسرے صدیقین اور شہداء ان
فیلی ہیں جس طرح عام اولیاء کرام مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طفیلی ہیں تو لامحالہ حضرت
یق رضی اللہ عنہ کا افضل البشر بعد الانبیاء ہونا واضح ہو گیا اور ولایت کے بلند و بالا اور
ں ترین مقام پر فائز ہونا ثابت ہو گیا۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر بن الهواز البطائحی کے
ں ذکر فرمایا کہ وہ ڈاکو تھے اور قافلے لوٹا کرتے تھے فوقع له سماع هاتف بالليل أما آن
ان تخاف من الله فتاب من ساعته رضی الله عنه تورات کے وقت ہاتف غیبی کی
ز ان کے کان میں پڑی کیا وہ وقت قریب نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو یہ فوری طور پر
ب ہو گئے

وهو أول من ألبسه أبوبكر الصديق رضی الله عنه الخرقة ثوبا وطاقية فی
وم فاستيقظ فوجدهما عليه وہ پہلے شخص ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق نے خواب میں
خلافت اور کلاہ فقر پہنائی یعنی ایک چادر اور ٹوپی لیکن جب بیدار ہوئے تو خرقہ اور کلاہ
ں ان پر موجود تھے۔ (طبقات کبریٰ جلد اول ص ۱۳۲)

حضرت ابوبکر بن الهواز البطائحی فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد
ر کھا ہے کہ جو شخص میری تربت شریفہ پر حاضری دے آتش اس کو نہ جلا سکے چنانچہ کہا جاتا ہے
ھلی اور گوشت ان کے مزار شریف پر لے جایا جاتا تھا وہ آگ پر پک نہیں سکتا تھا اور آگ ان
ر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

فائدہ:

گویا حضرت صدیق اکبر صرف خود ہی ولی نہیں تھے بلکہ بعد از وصال ولایت تقسیم بھی فرمارہے ہیں اوران کی غلامی میں داخل ہونے والے اس قدر کامل واکمل ولی بن جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عہد پیمان لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس عہد کو نبھاتا ہے اوران کی لاج رکھتا ہے۔

حضرت شیخ علی بن وہب سنجاری کے متعلق ان کی زبانی نقل فرمایا کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا پھر تحصیل علم میں مشغول ہوگیا اور میں جنگل میں موجود مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا:

فبينا أنا نائم ليلة رئيت أبابكر ن الصديق رضى الله تعالى عنه فقال يا على أمرت أن ألبسك هذه الطاقية وأخرج من كمه طاقية ووضعها على رأسى ثم جاء نى الخضر عليه السلام بعد أيام وقال يا على أخرج الى الناس ينتفعوابك فتثبت فى أمرى ثم رأيت أبابكر الصديق رضى الله عنه فى النوم فقال لى كمقالة الخضر عليه السلام فاستيقظت وتثبت فى أمرى ثم رءيت فى الليلة الثالثة رسول الله ﷺ فقال لى كمقالة الصديق رضى الله عنه فاستيقظت و عزمت على الخروج ونمت من آخر ليلتى تلك فرء يت الحق سبحانه و تعالىٰ فقال لى يا عبدى قد جعلتك من صفوتى فى أرضى وأيدتك فى جميع أحوالك بروح منى وأقمتك رحمة لخلقى فاخرج اليهم واحكم فيهم بما علمتك من حكمى وأظهرلهم ماأيد تك به من آياتى فاستيقظت وخرجت الى الناس فهر عوا الى من كل جانب۔

(طبقات کبریٰ جلد اول ص ۱۳۹)

فرماتے ہیں:

"اس دوران کہ میں ایک رات وہاں پر سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں حضرت
یق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے علی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تجھے کلاہِ فقر
وں اور آپ نے اپنی آستین سے کلاہ نکالی اور اسے میرے سر پر رکھ دیا - پھر چند دن بعد
رت خضر علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے فرمایا کہ لوگوں کی طرف نکلو اور اس خلوت کو
و تا کہ لوگ تم سے نفع اندوز ہو سکیں - لیکن میں نے اپنے معاملہ میں توقف سے کام لیا، پھر
نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خواب میں زیارت کی تو انہوں نے بھی خضر علیہ السلام کی
حکم دیا پس میں بیدار ہوا اور اس امر میں توقف سے کام لیا پھر میں نے تیسری رات رسول
امی ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو آپ نے بھی مجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
سا حکم دیا تو میں بیدار ہوا اور پختہ ارادہ کر لیا لوگوں کی طرف خروج کا اور اسی رات کے آخری
ے میں سو گیا تو میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار حاصل کیا - تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے
رے! میں نے تجھے اپنے برگزیدہ لوگوں میں سے بنا دیا اپنی پوری زمین میں اور میں نے تیری
ئید وتقویت فرما دی ہے تیرے تمام احوال میں اپنی خاص روح کے ساتھ اور میں نے تجھے اپنی
م مخلوق کے لیے سراسر رحمت ہونے کا مقام بخش دیا ہے، لھذا لوگوں کی طرف نکلیے اور ان میں
رے تعلیم کردہ حکم کے مطابق حکم جاری کرو اور ان کے سامنے ظاہر کرو وہ آیات و کرامات جن
کے ساتھ میں نے تمہاری تائید وتقویت فرمائی ہے فرماتے ہیں میں بیدار ہوا اور لوگوں کی طرف
لا خلوت کو چھوڑ کر جلوت سے کام لیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہر طرف سے لوگ میری طرف دوڑتے
آ رہے ہیں"

کہیے علامہ طاہر صاحب حضرت صدیق ولی ہیں یا نہیں؟ اور بعد از وصال بھی ولایت
بانٹ رہے یا نہیں؟ اور ان کے مسترشد و مستفیض کس قدر بلند و بالا مقام کے مالک بن جاتے ہیں

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے　　دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

بلکہ ابن قیم جیسے شخص ابن تیمیہ کے خاص شاگرد اور خلیفہ نے بھی آپ کا مدبرات امر اور کارکنان قضاء وقدر سے ہونا تسلیم کرتے ہوئے کتاب الروح میں لکھا

کم قد رأی النبی ﷺ و معه أبوبکر وعمر رضی اللّٰہ عنهما قد هزموا عساکر الکفر مع کثرة عددهم وعددهم وقلة المسلمین وضعفهم۔

بہت دفعہ دیکھا گیا نبی مکرم ﷺ کو جبکہ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہوتے (اور اہل اسلام کفار کے ساتھ برسرپیکار ہوتے) تو صرف یہ تین مقدس ہستیاں کفار کی کثرت تعداد اور وافر سامان حرب کے باوجود اور اہل اسلام کی قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود کفار کو ہزیمت وشکست سے دوچار فرمادیتے اور اہل اسلام کو فتح وکامرانی کے ساتھ بہرہ ور فرمادیتے (ملاحظہ ہو کتاب الروح)

لھذا ثابت ہوا کہ نبی مکرم ﷺ کی ان کو شرف معیت ورفاقت بھی حاصل ہے اور آپ کی نیابت وخلافت کے تحت امت مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ظاہری اور باطنی اور روحانی اور جسمانی ہر طرح کے فیوضات وبرکات سے مستفید ومستفیض فرما رہے ہیں۔

والحمدلله علیٰ ذالك۔

ولایت کا دارومدار کس پر ہے؟

مولی اور ولی غیر شرعی الفاظ بھی نہیں اور نہ ہی ان سے کوئی غیر شرعی معانی مراد ہو سکتے ہیں، تو قرآن مجید میں ان کے موارِدِ استعمال سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ کن کن معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اگر اس سے یہاں روحانی مرتبہ مراد ہے تو اس کا دارومدار کن امور پر ہے اللہ کریم نے اس کو واضح فرما دیا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الا ان اولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون ۔(الآیه)

غور سے سنو! بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے لیے خوف ہے نہ حزن وملال۔

یعنی جو چیز ان کو پسند نہیں ہوگی ان کے قریب پھٹکنے نہیں دیں گے اور جو ان کو پسند ہوگی وہ ان کے ہاتھ سے نکلنے نہیں دیں گے وہ اولیاء کون ہیں؟ وہ ایسے لوگ ہیں جو خلوص قلب سے ایمان لائے اور تقویٰ کو لازم پکڑے رہے تو کیا وہ صحابۂ کرام جن کے مقدس اجسام کو آتش دوزخ مس بھی نہ کر سکے بلکہ ان کی زیارت کرنے والوں کو بھی آتش دوزخ چھو نہ سکے وہ ایمان اور تقوی سے خالی ہو سکتے ہیں؟ قال علیہ السلام لا تمس النار مسلمارآنی أو رآی من رآ نی کیا وہ صحابۂ کرام جن کے سیر آدھ سیر جو کھجور کے صدقہ کے ساتھ دوسرے لوگوں کے احد پہاڑ جتنے سونے کا صدقہ بھی برابری نہ کر سکے اور پھر جہاد مالی کے ساتھ ساتھ جہاد جسمانی اور جہادِ نفسانی میں بھی پیش پیش ہوں اور اللہ رب العزت ان کے متعلق شہادت دے اولـئـك اعـظـم درجة مـن الـذيـن انفقوا من بعد وقاتلوا فتح مکہ سے قبل جہاد کرنے والے اور راہ خداوند تعالیٰ میں جہاد کرنے والے صحابۂ کرام بعد میں ایمان لانے والوں اور جہاد کرنے والوں اور صدقات دینے والوں سے درجات کے لحاظ سے بہت عظیم تر ہیں تو ان حضرات کو عظیم ترین اولیاء تسلیم کیوں نہ کیا جائے پھر جو اسلام و ایمان میں بھی سابق اور صرف اموال میں بھی سابق اور تبلیغ اسلام میں بھی سابق اور ثانی اثنین کے اعزاز سے معزز اور ان الله معنا کے شرف سے مشرف اور صرف متقی نہیں بلکہ باجماع مفسرین الاتـقـى ہے تو اس کو اولیاء کرام کا سردار اور امام کیوں نہ تسلیم کیا جائے؟

نیز نبی مکرم ﷺ جن کے مولیٰ ہیں صرف علی ان کے مولیٰ ہیں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین ان کے مولیٰ نہیں ہیں؟ بلکہ کیا امام زین العابدین محمد باقر، جعفر صادق، موسی کاظم، علی رضا، محمد تقی، علی نقی، حسن عسکری اور حضرت مہدی ان کے مولیٰ نہیں ہیں؟ اور کیا یہ بھی کوئی قاعدہ ہے کہ ایک شخص معین پر حکم لگایا جائے تو ماعدا سے اس کی نفی لازم آجاتی ہے؟ تو پھر

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے مولی المومنین ہونے کی نفی کو بھی عقیدہ بنالو۔ جبکہ علامہ صاحب تو جنت میں تمام لوگوں کے سردار تسلیم کرتے ہیں ان دونوں شہزادوں کو اور استدلال یوں فرماتے ہیں کہ سرورعالم ﷺ نے فرمایا الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة اور جنت میں سبھی لوگ جوان ہوں گے تو سب پر ان کی سیادت و قیادت ثابت ہوگئی حتی کہ خود مولائے مرتضی پر بھی۔ لا حول ولاقوة الا باللہ

اسی طرح شاہ عبدالقادر صاحب ان خلفائے ثلاثہ کو دورِ خلافت میں نظم ونسق کی باحسن وجوہ سرانجام دہی پر ان کو افضل مانتے ہیں نہ کہ ذاتی کمالات وخصائص اور باطنی وروحانی رفعتوں اور عظمتوں کے لحاظ سے جبکہ نص قرآنی نے ان تمام مہاجرین وانصار کو عظیم ترین درجات کا مالک ٹھہرایا اور بعد والوں کی ان سے سبقت تو کجا ان کی برابری کی نفی کردی اور اس وہم گمان کی بھی جڑ کاٹ کر رکھ دی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لايستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل

تم میں سے جس نے فتح مکہ سے قبل راہ خداوند تعالیٰ میں مال خرچ کیا اور جہاد وقتال کیا ان سے بعد والوں کی ہمسری اور برابری نہیں ہوسکتی تو ان کی افضلیت خلافت وحکمرانی اور نظم ونسق کی خوبی کے لحاظ سے نہیں بیان کی جارہی بلکہ اسلام میں سبقت اور انفاق فی سبیل اللہ میں سبقت اور جہاد وقتال میں سبقت کی وجہ سے بیان کی جارہی ہے اگرچہ ان کو خواب میں خلیفہ بننے کا کبھی خیال تک بھی نہ آیا ہو۔ نص صریح کے مقابل اپنے عقلی ڈھکوسلوں کو اور اوہام اور وساوس شیطانیہ کو عقیدہ بنالینے کا کیا جواز ہے؟ نیز جس وقت ان حضرات کو عظیم درجات کا مالک ٹھہرایا جارہا ہے اس وقت نبی مکرم ﷺ ظاہری حیات طیبہ کے ساتھ موجود تھے اور آپ پر ہی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی تو اس وقت جب حضرات صحابہ میں سے کوئی ایک بھی منصب خلافت پر فائز نہیں ہے تو اس منصب کے لحاظ سے عظمت درجات بیان کرنے کا کیا مطلب؟

نیز مشتق پر حکم لگایا جائے یا موصوف بالصفة پر یا موصول وصلہ پر تو مبدأ اشتقاق
اور اتصاف بالصفه یا اتصال بالصله حکم کی علت ہوا کرتے ہیں اور یہاں بھی موصول وصلہ
والی صورت پر اولئك اعظم درجة کا حکم لگایا جا رہا ہے تو لامحالہ راہ خداوند تعالیٰ میں فتح مکہ سے
قبل مال خرچ کرنا اور قتال کرنا ہی ان حضرات کی عظمت درجات اور رفعت مراتب کے موجب
ہیں یہاں خلافت کی پخ لگ ہی نہیں سکتی اور نہ ہی اس کا کوئی عقلی اور نقلی جواز ہے بلکہ یہ قرآن مجید
کی تحریف کے مترادف ہے جو کسی بھی مسلمان کے لائق نہیں بلکہ صرف اور صرف یہود کی سنت
ضلالت ہے۔

کما قال تعالی: يحرفون الكلم عن مواضعه۔أعاذ نا الله من ذالك۔

کیا فضائل خاصہ باعث استخلاف ہوئے یا خلیفہ بننا موجب افضلیت بن گیا؟

آج کل کے مجتہدین حضرات نے سلف صالحین کی راہ سے ہٹ کر نئی راہ ایجاد کرتے
ہوئے فرمایا کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللّٰہ عنہم سیاسی خلیفے ہیں اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
روحانی خلیفہ ہیں اور سیاسی خلافت کا دائرہ زمین تک ہے اور روحانی خلافت وولایت کا دائرہ
عرش بریں تک ہے کما قال العلامۃ طاہر القادری۔

دوسرے مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر اور دیگر حضرات کو خلافت کی
وجہ سے افضلیت حاصل ہوئی جبکہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ذاتی کمالات اور خصوصیات کی
وجہ سے افضلیت حاصل ہے کما قال العلامۃ شاہ عبدالقادر القادری

لیکن ان حضرات کو یہ خیال نہ رہا کہ یہاں کلام مطلق خلافت اور اقتدار اعلیٰ میں نہیں
ہے بلکہ خلافت خاصہ یعنی خلافت علی منهاج النبوت میں ہے اور اس کی مدت بھی متعین کر
دی گئی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

خلافت نبوت ریاست عامه است در دین و دنیا ظاهرا و باطنا۔

(جلد ۱ ص ۳۲۹)

''خلافت نبوت سیاست عامہ اور اقتدار اعلیٰ ہے دین میں بھی اور دنیا میں بھی اور ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی''

یعنی جس طرح نبی کی ذات اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتی ہے کما قال تعالے: انی جاعل فی الارض خلیفة (البقرہ،2:30) اور ایسے ہی آدم علیہ السلام کے بعد ہر نبی رسول اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تھا اس کے احکام کے اجراء میں اور اوامر ونواہی کی تنفیذ میں اور لوگوں کی نگہبانی اور نگرانی میں اس طرح خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم نبی مکرم ﷺ کی خلافت خاصہ اور خلافت علیٰ منہاج النبوت کے منصب پر فائز ہیں۔نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

ان بنی اسرائیل کانت تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون فماذا تأمرنا قال فوا ببيعة الأول فالأول فأعطوهم حقهم ان اللّٰه سائلهم عمااسترعاهم (الحدیث)

''بے شک بنی اسرائیل کی دیکھ بھال اور ان کی بھلائی اور راہنمائی اور نگہداشت اور کنٹرول انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھا، ایک نبی انتقال فرماتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ سنبھال لیتا اور بنی اسرائیل کی حفاظت ونگرانی اور رشد وہدایت کا سامان کرتا جبکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد نبی کوئی نہیں آسکتا اور خلفاء وامراء ہوں گے جو ان کی نگہداشت اور حفاظت اور ارشاد وہدایت کے فرائض سرانجام دیں گے اور وہ تعداد میں کثیر بھی ہو جائیں گے لہذا جس کی پہلے بیعت کرنا اس کے ساتھ نبھانا اور حق عہد اور تقاضائے وفاداری پورا کرنا۔لیکن ان کی خلافت یکساں نہیں ہوگی بعض کی خلافت خلافت نبوت سراسر رحمت ہوگی اور بعض کی خلافت ملوکیت کی صورت میں ہوگی اور بعض کی ملوکیت میں بھی جبر وتیت پر مشتمل حکومت ہوگی''

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے:

تم میں سے کسی نے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک میزان اترا ہے جس کے ایک پلڑا میں آپ کو بٹھایا گیا اور دوسرے پلڑے میں ابوبکر صدیق کو تو آپ ان پر بھاری ہو گئے پھر آپ کو اٹھالیا گیا جبکہ ابوبکر اپنی جگہ پر بیٹھے رہے پھر عمر بن خطاب کو لایا گیا اور انھیں دوسرے پلڑے میں بٹھایا گیا تو ابوبکر صدیق بھاری رہے- پھر ابوبکر صدیق کو اس پلڑے سے اتارلیا گیا اور عثمان بن عفان کو رکھا گیا پھر عمر فاروق ان سے وزنی ثابت ہوئے پھر عمر فاروق کو اتارلیا گیا اور اس میزان کو بھی اٹھالیا گیا

فتغیر وجہ رسول اللّٰہ ﷺ ثم قال خلافۃ النبوۃ ثلاثون عاما ثم یکون ملکا۔

(ازالۃ الخفاء جلد۱ ص۳۰٤)

یہ خواب سن کر نبی رحمت ﷺ کا چہرۂ اقدس متغیر ہو گیا-یعنی اس پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے پھر فرمایا:

"خلافتِ نبوت تیس سال ہوگی پھر ملوکیت ہوگی"

نیز ارشادِ نبوی ہے:

الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام۔

(اخرجہ الحاکم جلد۱ ص۳۰٤)

"خلافت مدینہ میں ہوگی اور ملک و بادشاہت شام میں ہوگی"

اور یہ مضمون بہت سی روایات سے ثابت ہے-

نیز أبو عبیدہ بن الجراح سے مروی ہے رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

انہ بدأ ھذا الأمر نبوۃ ورحمۃ ثم کائن خلافۃ ورحمۃ ثم کائن ملکا

عضوضا۔ (ازالۃ الخفا جلد ۱ ص ۳۱۹)

"شان یہ ہے کہ اس امر اسلام کی ابتدا ہوئی بطور نبوت اور رحمت کے پھر ہوگا یہ ام
خلافت اور رحمت پھر ہوگا ملک جو کاٹنے والا ہوگا"

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ:

تکون النبوۃ فیکم ما شاء اللّٰہ أن تکون ثم یرفعھا اللّٰہ تعالے ثم تکو
خلافۃ علی منھاج النبوۃ ماشاء اللّٰہ أن تکون ثم یرفعھا اللّٰہ تعالے ثم یکو
ملکا عاضا الحدیث۔ (ازالۃ الخفاص ۹)

رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا:

"جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ تم میں نبوت باقی رہے وہ باقی رہے گی پھر اس کو ا
تعالیٰ اٹھائے گا پھر جب تک اللہ تعالیٰ خلافت جو نبوت والے انداز اور طریقہ پر ہوگی اسکو با
رکھنا چاہے گا وہ باقی رہے گی پھر اس کو اٹھائے گا پھر ملک ہوگا جو کاٹنے اور ضرر پہنچانے والا ہوگا"

الغرض ثابت ہوا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے لیے خلافتِ نبوت ثابت ہے
دین و دنیا کی ظاہری اور باطنی ریاستِ عامہ ہے۔تو لامحالہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا خلیفہ وہی بن
ہے جس کو اس کے ساتھ باقی مخلوق کی نسبت اکمل و اعلیٰ مناسبت حاصل ہو ظاہر بشری ہونے
باوجود باطن نورانی اور ملکی ہونا چاہیے تاکہ نورانیت والی جہت سے اللہ تعالیٰ سے فیوض و خیرا
حاصل کر سکے اور بشریت والی جہت سے لوگوں کو افادہ و افاضہ فرما سکے۔اسی طرح خلافتِ نبو
میں خلفائے کرام کا باطن نبوی استعدادات و صلاحیات اور تجرد و نورانیت کا مظہر کامل ہونا چا
جو ولایتِ کبریٰ کے حصول کے بغیر ممکن نہیں ہے۔تو لامحالہ ان سب حضرات کو روحانی دی
خلافت بھی حاصل ہونی ضروری ہے جیسے کہ ظاہری۔اور جب آپ ﷺ کی نبوت کا دائرہ فر

عرش سب کو محیط ہونا لازم ہے تو ان کے نائبین وخلفاء کا دائرہ نیابت وخلافت بھی لامحالہ فرش تاعرش کو محیط ہونا لازم ہے ان کی خلافت کو فرش تک محدود کر دینا سراسر دھاندلی ہے اور تحکم وسینہ زوری ہے- بلکہ ہر نبی کے چار وزیر ہوتے ہیں دو آسمان سے اور دو زمین سے تو ثابت ہوا کہ ان کی نبوت ظاہر میں خاص قوم اور محدود علاقہ تک کیوں نہ ہو حقیقت میں محیط کائنات ہوتی ہے تو لامحالہ جس ہستی کی نبوت اقوام اور علاقہ جات کی قیود سے ماوراء ہے اور ظاہر میں بھی فرش تاعرش کو محیط ہے تو ان کی خلافت خاصہ خلافت علیٰ منہاج النبوت اور خلافت ورحمت کو فرش تک محدود رکھنے کا کیا جواز ہے اور اس کا تصور بھی کوئی صاحب عقل ودانش کیسے کر سکتا ہے؟

نیز آسمانوں کی اور کائنات بالا کی بقا بھی اس وقت تک ہے جب تک زمین پر اللہ اللہ ہوتی رہے گی جب توحید ورسالت پر ایمان واعتقاد ختم ہو جائے گا تو ملائکہ کی تسبیحات بھی آسمانوں کو ہلاکت سے بچا نہیں سکیں گی تو جو حضرات اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے موجب بنے اور پوری دنیا میں پرچم اسلام کو بلند کیا اور شرک وکفر کی بنیادیں اکھیڑ دیں اور توحید ورسالت کے ہر طرف پرچم لہرا دیے ان کے حق میں ایسی سوچ بڑی ہی رذیل اور گھٹیا سوچ ہے-

نیز جب ابوبکر صدیق خلیفۂ اول ہیں اور باقی تینوں ان کے نائب تو ان کی خلافت ونیابت مطلقہ ان کی خلافت ونیابت باطنیہ وروحانیہ کو بھی لامحالہ محیط ہوگئی تو ان کو افضل البشر بعد الانبیاء مانے بغیر چارہ ہی نہیں ہے اس کو عام ملوک وسلاطین کی ریاستوں اور سلطنتوں پر قیاس کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور ردی اور باطل سوچ ہے- اعاذنا اللہ تعالے من ذالک-

اور اس ولایت کو مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سے مختص ٹھہرانا مزید بری سوچ ہے جس میں خود ان کی تکذیب ہے اس مقدمہ اور تمہیدی امر کو ذہن میں نقش کر لینے کے بعد اب اکابرین ملت اور مقتدایان اسلام کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وقتِ انعقادِ خلافتِ صدیق جمعے ازفقہائے صحابہ صدیق را افضل امت گفتند وبآں استدلال کردند بر استخلاف او ودیگراں تسلیم نمودند وموافقت کردند دراول حال یا بعد توقف و سکوت وتسلیم قبل تلوین مذاہب اجماع است کمابین فی محلہ۔ (ازالۃ الخفاء جلد۱ ص ۳۱۱)

"حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے موقعہ پر صحابۂ کرام میں سے فقہاء کی ایک جماعت نے حضرت صدیق کو افضل الامت قرار دیا اور اس افضلیت کو دلیل بنایا ان کے خلیفہ بنانے پر اور دوسرے حضرات نے اس امر کو تسلیم فرمایا اور اس وجہ استدلال میں موافقت فرمائی ابتدائی حالت میں یا قدرے توقف کے بعد اور یہ بات مسلمات کے قبیل سے ہے کہ تدوین مذاہب سے قبل کسی امر پر سکوت (بعض کا) اور اعتراف وتسلیم (بعض کا) اجماع کے حکم میں ہے"

(۱) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے حق کا ترجمان بنادیا ان کو دین کے اعزاز وغلبہ کا موجب بنایا انہوں نے انصار رضی اللہ عنہ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اے گروہِ انصار! اے اہل اسلام کی جماعت! نبی مکرم ﷺ کے بعد امر رسول کے سنبھالنے کے حق دار وہ ہی ہیں جن کی شان ثانی اثنین اذھما فی الغار ہے۔ ابوبکر صدیق ہر امر خیر میں سب پر سبقت لے جانے والے ہیں پھر آپ نے حضرت صدیق کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے ساتھ بیعت کرلی سبھی انصار نے بھی بیعت کرلی۔

(أخرجه ابن ابی شیبه من حدیث ابن عباس فی قصة سقیفة بنی ساعده)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق کا وہ خطبہ سنا جو انہوں نے وصال نبوی کے دوسرے دن منبر شریف پر بیٹھ کر دیا تھا جبکہ حضرت صدیق ان کے

پاس ہی چپ چاپ بیٹھے تھے تو آپ نے شہادتین کے بعد کہا:

"میں امید رکھتا تھا کہ رسول گرامی ﷺ زندہ رہیں گے یہاں تک کہ ہمارے معاملات کی تدبیر فرماتے رہیں گے اور ہم ان کے سامنے آخرت کی طرف کوچ کریں گے تو جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور قضاء وقدر کے مطابق آپ کا وصال ہو گیا......

فان اللّٰہ قد جعل بین أظھرکم نوراًتھتدون بہ وبہ ھدی اللّٰہ محمداوان أبابکر صاحب رسول اللّٰہ ثانی اثنین وانہ أولی بالمسلمین بأمورکم فقوموا فبایعوہ۔ (أخرجہ البخاری)

تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان نور کو موجود فرمایا ہے جس کی بدولت تم ہدایت پا سکتے ہو اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے محمد کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے مرشد اور موصل الی اللّٰہ ہونے کا ذریعہ بنایا اور یہ کہ ابوبکر صدیق صاحب رسول ہیں اور ثانی اثنین ہیں اور وہ تمام اہل اسلام کے امور کے نظم ونسق اور تدبیر کے زیادہ حق دار ہیں لھذا اٹھیے اور ان کی بیعت کیجیے!

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد انصار نے کہا:

منا أمیر ومنکم أمیر ایک امیر اور خلیفہ ہم سے ہوگا اور ایک تم میں سے تو حضرت عمر ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

ألستم تعلمون أن رسول اللّٰہ ﷺ أمر أبابکر أن یصلی بالناس

تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رسول معظم ﷺ نے ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں تو انہوں نے کہا: ہاں! ہمیں معلوم ہے۔ تو آپ نے فرمایا:

فأیکم تطیب نفسہ أن یتقدم أبابکر قالوا نعوذ باللّٰہ أن نتقدم أبابکر

تو تم میں سے کس کی ذات اس پر خوش ہوگی کہ وہ ابوبکر صدیق سے آگے بڑھے تو
انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس سے کہ ابوبکر صدیق سے آگے
بڑھیں۔ (اوران کو پیچھے ہٹادیں)

(۴) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ:
آپ بیعت خلافت کے لیے ہاتھ بڑھائیں۔تو انہوں نے فرمایا:

تأتونی وفیکم ثالث ثلاثة یعنی أبوبکر۔(أخرجه ابن أبی شیبة)

تم میرے پاس بیعت کے لیے آتے ہو جبکہ تم میں تین میں سے تیسرا موجود ہے یعنی
ابوبکر صدیق موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال:

قرآن مجید تو ان کو ثانی اثنین دو میں سے دوسرا فرما رہا ہے تو حضرت ابوعبیدہ کا ان کو
ثالث ثلاثه کہنا قرآن مجید کی خلاف ورزی بن جائے گا؟

جواب:

رسول گرامی ﷺ نے جب فرمایا ان اللہ معنا ”اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے ساتھ ہے“
تو اب کل تین ذاتیں ہو گئیں، لہذا فرق مراتب ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اول رسول گرامی
ﷺ کو ثانی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ثالث سے تعبیر کر دیا۔

(۵) نیز انصار میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلافت مہاجرین کا
حق ہے اور رسول گرامی علیہ السلام بھی مہاجر تھے اور ہم ان کے انصار تھے لہذا آپ کے بعد
خلیفہ بننے کے حق دار مہاجر ہی ہیں اور ہم ان کے انصار رہیں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے
بھی حضرت صدیق کی بیعت میں سبقت لے گئے تو انہوں نے بھی اسلام کی خاطر اور اللہ تعالیٰ

راس کے رسول مقبول ﷺ کی خاطر گھر بار اور خویش واقرباء کو چھوڑنے اور وطن سے بے وطن
نے اور غنی ہونے کے بعد مسکین اور فقیر بن کر اہل مدینہ کے رحم وکرم پر ہونے کو ملحوظ رکھا اور
صوص حضرت صدیق کی مصاحبت رسول اور ثانی اثنین ہونے، اور نماز میں امام بنائے جانے
لحوظ رکھا تبھی آناً فاناً ان کی بیعت کر لی اور مہاجر تو اور بھی بہتیرے تھے اور فضیلت مآب ہستیاں
ی ان میں موجود تھیں۔ (مسنلزید بن ثابت ازالة الخفاء)

) امام احمد نے اپنی مسند میں اس روایت کے ہم معنی روایت ذکر فرمائی لیکن

ذکر استدلال أبی عبیدة لاستخلافه ﷺ فی الصلوة۔

(ازالة الخفاء، ص:۳۱۲)

انہوں نے اس مقام پر ثـالـث ثلاثة سے استدلال کی بجائے ان کو نبی مکرم ﷺ کی
رف سے نماز ادا کرانے میں اپنا خلیفہ بنانے سے استدلال ذکر کیا۔

۷) جب حضرت علی مرتضٰی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے قدرے توقف کے بعد بیعت
ی تو اپنا عذر تاخیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مـا غـضبـنـا الا أنـا أخرنا عن المشورة وانا نری أبابکر أحق النا س بها بعد
سول الله ﷺ انه لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعلم شرفه و کبره لقد أمره رسول
له ﷺ بالصلوٰة بالناس وهو حی ۔ (أخرجه الحاکم)

''ہمیں صرف یہ رنجش اور ارمان لاحق تھا کہ ہمیں مشاورت سے موخر کر دیا گیا اور اس
ا اہل بھی نہ سمجھا گیا (جس کا ازالہ حضرت صدیق کی طرف سے فوری طور پر کر دیا گیا) اور ہمارا
قیدہ ونظریہ یہی ہے کہ رسول گرامی ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ابوبکر
صدیق ہیں کیونکہ وہ آپ کے یارِ غار ہیں، ثانی اثنین ہیں اور ہم ان کے شرف وفضل اور بزرگی کو
انتے اور مانتے ہیں، بے شک اُن کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے حین حیات امامتِ صلوۃ پر مامور

فرمایا" (یہ حقیقت بھی ہم سے مخفی نہیں ہے جبکہ نماز دین کا اہم ستون ہے)

گویا انہوں نے بھی فضائل کے اِتصاف کا اعتراف پہلے کیا اور بیعت خلافت ک

استحقاق اس پر متفرع فرمایا۔

(۸) عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ اجعلوا امامکم أفضلکم فان رسول اللّٰہ ﷺ جعل أبابکر امامھم۔(أخرجہ أبوعمرفی الاستعیاب ازالۃ ص۳۱۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اپنا امام اپنوں میں سے افضل کو بنایا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کا اما ابوبکر صدیق کو بنایا"

(۹) مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان:

فلما قبض رسول اللّٰہ ﷺ نظرت فاذا الصلوۃ علم الاسلام و قوام الدی فرضینا لدنیانا من رضیہ رسول اللّٰہ ﷺ لدیننا فبایعنا أبابکر۔

(الاستعیاب)

"پس جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں نے غور وفکر کیا تو ناگاہ نماز اسلام علم اور دین کا دارومدار تھا تو ہم نے اپنی دنیا کے لیے بطور امام اسی کو پسند کرلیا جس کو رسول گرا ﷺ نے ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا"

اقول:

ان دونوں روایات اور اس مضمون کی سیدنا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی دیگر احاد اسی امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دین کا معاملہ اہم ہے اور اس میں اہم ترین رکن نماز ہے تو لا افضل ترین ہستی کو ہی آپ نے اس میں امام بنایا۔ تو پھر دنیاوی معاملہ جو اس کی نسبت غیر ہے تو اس میں اس ہستی کو امام کیوں نہ بنائیں تو آپ نے حضرت صدیق کی افضلیت کی بنا پ

خلافت کا اقرار واعتراف فرمایا۔

) نیز حج میں نیابت نماز کی نیابت کی نسبت بھی اہم ہے اور اس میں سرورِ عالم ﷺ نے
رت ابوبکر صدیق کو یہ شرف بخشا جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ان رسول اللّٰه ﷺ بعث أبابكر رضى الله عنه وأمره أن ينادى بهولاء
مات الخ (أخرجه الحاكم أخرج البخارى عن أبى هريرة فى مثل معناه)

"رسول مکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا اور ان کو ان کلمات
ساتھ مشرکین سے براءت کا اظہار کرنے کا حکم دیا"

اس کو حاکم نے روایت کیا اور امام بخاری نے اس کے ہم معنی کو ابوھریرہ سے روایت کیا

الغرض آپ کا امیر حج ہونا مسلم حقیقت ہے اور حج کا اسلام میں اہم مقام ہے اور اس کو
نبوت کے فرائض کے طور پر ادا فرماتے تھے مانند امامتِ صلوۃ کے (اور اگر نماز میں حضرت
یق کو نائب بنانا ان کے خلیفہ ہونے کی دلیل ہے) تو حج میں امیر بنانا بھی زیادہ وزنی دلیل ہے آپ
برحق خلیفہ ہونے کی۔

زیرا کہ امامت نماز در ہر مسجد بشخصے را جع میگردد وامارت حج
مام عالم بیکے عائد میشود۔

کیونکہ نماز میں امامت ہر مسجد میں ایک ایک شخص کی طرف راجع ہوتی ہے اور حج میں
ت پورے جہان میں ایک شخص کی طرف راجع ہوتی ہے۔

) امامت نماز تقدم است برقوم محصور وامارت حج تقدم است براقوام
محصورین نماز کی امامت میں محدود چند افراد پر تقدم ثابت ہوتا ہے لیکن حج کی امارت
لاتعداد اور غیر محدود اقوام پر تقدم ثابت ہوتا ہے۔

) بحقیقت امارت حج در ملت ماماننند نشستن است بر تخت یا مانند نزول

در کو شك شاهان بزرگ الخ۔

یعنی ملتِ اسلامیہ میں حج کی امارت مانند بادشاہ کی تخت نشینی کے ہے یا عظیم شاہی

محلات میں نزول اور قیام پذیری کی مانند ہے۔

سوال:

اگر واقعی امیر حج ہونے کی یہ عظمت وعزت اور فوقیت و برتری تھی تو صحابہ کرام علیہم

الرضوان نے اس امر کو استحقاق خلافت کے وجوہ میں کیوں نہ ذکر کیا؟ جبکہ نماز کی امامت کو

استحقاق خلافت کے وجوہ میں شمار کیا جاتا ہے اور بہت سے حضرات نے اس کو دلیل بنایا ہے تو شاہ

ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

جواب:

لیکن صحابهٔ کرام استدلال نمودند بامامت بجهت قرب عهد او بخلاف

امارت حج۔ (ازالة الخفا جلد ۱ ص ۳٤)

لیکن صحابۂ کرام نے امامت نماز سے استدلال فرمایا کیونکہ امامت صلوٰۃ کا زمانہ

قریب تھا بخلاف حج کی احادیث کے۔

اقول:

نیز کئی دن تک بہت سی نمازوں میں یہ نیابت پائی گئی جبکہ حج میں ایک ہی مرتبہ یہ اعزاز

حاصل ہوا۔

مفضول کی تقرری افضل کی موجودگی میں جائز نہیں ہے:

اور یہ امر بھی طے شدہ حقائق میں سے ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کا

قطعاً موزوں اور مناسب نہیں ہوا کرتا ورنہ شریعت اس کو جائز رکھتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

امر کردن آنحضرت ﷺ بامامت در حال مرض ونهی از امامت غیرابی بکر قطعا معلوم شده است که امام می باید که افضل باشد۔

(جلد ۱ ص ۳۰۹)

نبی مکرم ﷺ کا حالتِ مرض میں ابوبکر صدیق کو امامت کا حکم دینا اور سوائے ابوبکر کسی کی امامت سے منع فرما دینا اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام افضل ہونا چاہیے (اور یہ نبوی ارشادان کے افضل الصحابہ اور افضل الامت ہونے کی واضح دلیل ہے)

أخرج الحاكم عن عبدالله بن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ من استعمل رجلا من عصابة وفی تلك العصابة من هوأرضٰی منه فقد خان الله ورسوله وخان المسلین ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے اپنی جماعت میں کسی کو عامل بنایا جبکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول ترین شخص موجود ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی اور اس نے سب اہل اسلام سے بھی خیانت کی"

ایں است حکم امراء سرایاو بعوث پس حال خلیفۂ مطلق چه باشد که زمام اختیار جمهور بد ست او افتد ودر جمیع امور چه دینیه وچه دنیویه تصرف او نافذ باشد۔

(جلد ۱ ص ۳۲۹)

"یہ ہے حکم سریات اور بعوث کے امراء کا کہ وہ افضل ہونے چاہیں تو خلیفۂ مطلق کا معاملہ کیا ہوگا کہ جس کے ہاتھ میں جمہور کی زمامِ اختیار واقتدار ہوتی ہے اور تمام امور میں خواہ وہ

دینی ہوں یا دنیاوی اس کا تصرف نافذ ہوتا ہے"

الغرض جب ثابت ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا خلیفہ حضرت صدیق کو مقرر فرمایا کبھی بطورِ تصریح اور کبھی بطورِ تلویح لازم شد کہ وے افضل امت باشد پس لازم اور ضروری ٹھہرا کہ وہ ساری امت سے افضل ہوں

وھمچنیں حضرت صدیق فاروق اعظم را خلیفۂ خود ساخت وے افضل امت باشد دراں زمان۔ (ص ۳۲۹)

اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر نے جب فاروقِ اعظم کو اپنا خلیفہ بنادیا تو وہ بھی اس زمانہ میں سب سے افضل ہوں گے۔

سوال:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو نوعمری اور مفضولیت کے باوجود سریہ میں امیر بنایا جبکہ اکابر مہاجرین اور انصاران کے زیر کمان تھے تو معلوم ہوا کہ مفضول کا امیر بنانا افاضل کی موجودگی میں جائز ہے۔

جواب :

وہ اپنے باپ کی شہادت اور ان کے قتل کا اعداء سے بدلہ لینے والے تھے اور وہ اس امر میں منفرد تھے دوسرا بھائی وغیرہ ان کے ساتھ شریک نہیں تھا اور ایسے ہی جہاں کہیں مفضول کا تقرر پایا گیا تو اس کی خاص وجہ ہوتی تھی جو اس شخص کے ساتھ خاص ہوتی تھی

اما استخلاف مطلق کہ بنا بر خالص اعلائے کلمۃ اللہ باشد غیر افضل را سزاوار نیست کیف واستقراء سیرت آنحضرت ﷺ درمجاری احوال دلالت می کند برآنکہ تقدیم شخصے باستخلاف نباشد الا از جہت رجحان او برسائر

س در دیں۔ (ازالۃ الخفا جلد ۱ ص ۳۲۹)

''لیکن مطلق استخلاف جس کی بنا خالص اعلائے کلمۃ اللہ ہو غیر افضل کے لیے لائق
رموزوں نہیں ہے اور کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سرورِ دو عالم ﷺ کی سیرت اور روش کا استقراء اور تتبع
ام جاری وساری احوال ومعاملات میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ خلافت میں کسی شخص کی تقدیم
دقوع پذیر ہوئی ہوگی مگر اس کے تمام لوگوں پر دین میں رجحان اور وزنی ہونے کی وجہ سے''

قول:

نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی حضرت صدیق کے فضائل وخصائص اور خدمات
سلام وخدمات بانی اسلام میں سبقت کو ہی ان کے استحقاق خلافت کی دلیل بنایا اور کسی مہاجر و
نصاری نے ان کے استخلاف کے وجوہِ استحقاق میں اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کو ان کے
ساوی بھی سمجھا چہ جائے کہ ان سے افضل سمجھتے اور جن حضرات نے بیعت میں توقف کیا تھا ان کو
بھی تسلیم تھا کہ وہ ان خصال خیر اور فضائل کی بنا پر أحق بالأمر ہیں اور سب سے زیادہ خلافت
کے مستحق ہیں وہ صرف روٹھے ہوئے تھے کہ ہمیں مشورہ کے لائق ہی نہیں سمجھا گیا نہ کہ ناراض تھے
کہ ان کو خلیفہ کیوں نہ بنایا گیا ہے اور ہر ادنی سمجھ والا روٹھنے اور ناراض ہونے میں واضح فرق
محسوس کرسکتا ہے۔

لھذا یہ امر واضح ہوگیا اور ان اکابرین ملت اور سلفِ امت کے اجماع واتفاق سے کہ
فضائل اور خصائص ہی معیارِ استخلاف ہیں نہ کہ استخلاف مدارِ افضلیت ہے وہ تو بعد کا معاملہ ہے
اور امورِ غیبیہ سے ہے وہ غیب دانی کی بنا پر یہ فیصلہ نہیں فرمارہے تھے کہ یہ اچھے منتظم اور مدبر ثابت
ہوں گے لہذا ان کو خلیفہ بنادیا جائے نیز نبی مکرم ﷺ کا ارشاد:

ان أبابكر وعمر خير الأولين والآخرين وخير أهل السموات وخير أهل
الأرضين الا النبيين والمرسلين۔

"بے شک ابوبکر و عمر سب اولین و آخرین اور اہل سماوات اور ساکنانِ زمین سے افضل ہیں سوائے انبیاء و مرسلین کے تو کیا یہ خلافت کے لحاظ سے فرمارہے تھے؟ جب کہ خلافت تو ان کے لیے وصالِ مصطفوی ﷺ کے بعد ثابت ہوئی نیز ان کو

سیدا کھول أهل الجنة الا النبيين والمرسلين فرمایا کہ سوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے سب شیوخ اور بزرگ جنتیوں سے افضل ہیں۔

تو کیا یہ ارشاد بھی خلافت کے لحاظ سے تھا؟ اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا استثناء بھی خلافت کے لحاظ سے تھا کہ وہ حضرات ان کی نسبت اچھے منتظم اور مدبر امورِ خلق کے لیے ثابت ہو چکے تھے؟ نیز امامتِ صلوٰۃ کے لیے تقرر اور کسی دوسرے کو امام بنانے کی ممنوعیت یہ بھی خلافت کی بنا پر تھا جبکہ وہ تو بعد میں پائی گئی لہــــذا سرورِ عالم ﷺ کے صریح ارشادات کے باوجود اس طرح کی ہیرا پھیری مریض القلب آدمی ہی کر سکتا ہے۔ کوئی سلیم الفطرت اور سلیم العقل ایسی بے جا تاویلات و تسویلات سے کام نہیں لے سکتا۔

کیا خلفاء کا تقرر ان کی عمروں کے لحاظ سے ہے؟

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس امر پر بڑا زور لگایا ہے کہ مراتبِ فضیلت کی ترتیب کے تحت خلافت میں یہ ترتیب نہیں پائی گئی بلکہ عمروں کی ترتیب کے لحاظ سے یہ ترتیب پائی گئی ہے تو سوال یہ ہے کہ جن حضرات نے ان کا انتخاب کیا تھا کیا ان کو علم تھا کہ ان کی عمروں میں ترتیب یہ ہے، لہــــذا خلافت بھی اس ترتیب سے ان کو دی جائے؟ تو کیا کسی صحابی سے مہاجر ہو یا انصاری اس طرح کا اشارہ بھی پایا گیا ہے؟ یا دیگر فضائل اور خداداد اوصافِ کاملہ کو ان کے انتخاب کا دارومدار ٹھہرایا گیا تو پھر ان کے اس اجماعی عمل کے مقابل کسی بزرگ کے کشف کا ذکر کرنے کا کیا مطلب؟ اور کیا کشف شرعی دلیل بن سکتا ہے؟ اور نصوص پر اس کو ترجیح دی جا سکتی ہے؟ نیز مولائے مرتضی ہی کو خلیفہ بنا دیا جاتا اور اس پورے عرصہ میں وہی سیاسی خلیفے بنے رہتے جیسے کے

روحانی خلیفے تھے کما قال العلامۃ طاہر القادری یہ کیوں ضروری ٹھہرا کہ باقی تین حضرات کو بھی ضرور اس خلافت وحکومت کا ذائقہ چکھایا جائے؟ اور کیا ضروری تھا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو اس وقت خلیفہ بنایا جائے جبکہ ہر طرف فتنے ہی فتنے اٹھ کھڑے ہوں اور انہیں سکھ چین سے ایک لحہ بھی حکومت کرنے کا موقعہ نہ ملے؟ کوئی ان پر شرک کے فتوے لگا رہا ہو اور کوئی اہل اسلام کے خون ناحق میں ہاتھ رنگنے کے طعنے دے رہا ہو۔ عمروں کا لحاظ رکھنے والوں نے ان امور کو کیوں نہ سامنے رکھا تا کہ ابتداء میں خلیفہ رسول ہونے کی بناپر زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں ہوتی تو اس طرح کے فتنوں کو سر اٹھانے کا موقعہ ہی نہ مل سکتا۔

نیز عمروں کی ترتیب اور افضلیت کی ترتیب میں منافات ہی کیا ہے لہذا دونوں یکجا ہو گئیں جو ترتیب فضیلت تھی وہی ترتیب خلافت بھی بن گئی اور عمروں میں بھی وہی ترتیب ثابت ہوگئی۔

کیا آخری خلیفہ ہونا افضل ہونے کی دلیل ہے؟

شاہ جی نے یہ پھل جھڑی بھی چھوڑی ہے کہ جس طرح نبی مکرم ﷺ آخری نبی ہیں لیکن سب سے افضل ہیں۔ تاخر زمانی آپ کے مرتبہ ومقام میں تنزلی کا موجب نہیں بن سکا تو اسی طرح آپ بھی آخری خلیفہ ہونے کی وجہ سے کوئی مرتبہ میں کمتر اور مفضول نہیں ہو گئے بلکہ پہلے خلفاء سے افضل ہیں۔

مگر شاہ جی کے نزدیک آخری خلیفے تو امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں نہ کہ آپ۔ اس لیے آپ حق چار یار کا نعرہ لگانا جائز نہیں سمجھتے کہ اگر یہ خلافت کے لحاظ سے ہے تو اس سے اہل بیت کی عداوت کی بو آتی ہے کہ امام حسن کو گویا امام برحق نہیں مانا اور اگر صحابۂ کرام کے لحاظ سے ہے تو اس سے بغض صحابہ کی بو آتی ہے کیونکہ سبھی صحابہ برحق ہیں۔

الغرض جب آخری خلیفہ ہی امام حسن ہیں تو اس دلیل سے ان کا مولائے مرتضی سمیت

سب خلفائے کرام سے افضل ہونا ثابت ہو جائے گا - کیا شاہ جی ان کو سب سے افضل ماننے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اور کسی سنی عالم سے یہ عقیدہ ونظریہ مروی ومنقول ہے بلکہ کسی شیعہ نے بھی امام حسن کو مولائے مرتضٰی پر فضیلت دی ہے؟

نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم محض تاخرِ زمانی کی بنا پر اس فضیلت واختصاص کے مالک نہیں بنے بلکہ آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی اور باعثِ تخلیق کائنات اور سببِ اظہارِ ربوبیت ہیں پھر یہ کہ رحمۃ للعالمین ہیں اور کافۃ للناس بشیرا ونذیرا - نیز مقامِ محمود اور شفاعتِ عظمٰی کے مالک ہیں، نیز آپ کو آخر میں کیوں مبعوث فرمایا گیا انما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے - جبکہ مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کو خلفائے سابقین کی نسبت کوئی ایسی طرح کی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جس طرح افراط وتفریط کا لوگ شکار ہو کر گمراہ ہوئے آپ کے حق میں بھی اسی طرح کی صورتِ حال پیدا ہوئی -

نیز تفضیلی شیعہ اور سب وتبرا کرنے والے پیدا ہو گئے اور نظم ونسق کی بہتری کیا ہوئی اعتقادی طور پر بھی بہت زیادہ اختلاف وانتشار پیدا ہو گیا تو اگر یوں کہا جائے کہ جس طرح حضرت علی آخری خلیفہ ہیں اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخری نبی ہیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کون سی فضیلت ثابت ہوگی؟ جب اس تشبیہ کا عکس نبی الانبیاء میں کسی فضیلت کی دلیل نہیں ہو سکتا تو اصل تشبیہ بھی آپ کی افضلیت کی دلیل نہیں بن سکتی -

حضرت عیسی علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زمانہ کے لحاظ سے موخر ہیں تو کیا وہ موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متاخر ہیں تو کیا وہ ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں؟

نیز محلِ بحث افضلیت بمعنی کثرت الثواب عند اللہ ہے اور عزت وکرامت نہ کہ تقدم وتاخرِ زمانی اور دیگر امورِ عارضہ مثلاً زوج البتول ہونا یا حسنین کریمین کا ابا جان ہونا رضی اللہ

تعالیٰ عنہم- لہذا یہ سراسر خلطِ مبحث ہے جو منصف اور دیانت دار علماء کے قطعاً شایان نہیں ہے-

کیا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو جھٹلانا جائز ہے؟

جب آپ برسر منبر اعلان فرما رہے تھے کہ میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ مجھ کو ابو بکر صدیق اور عمر فاروق پر فضیلت دیتے ہیں چونکہ میں نے پہلے تمہیں وضاحت نہیں فرمائی تھی کہ خیر هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر و عمر "اس امت میں نبی مکرم ﷺ کے علاوہ سب سے افضل ابو بکر صدیق اور عمر فاروق ہیں" اب اس اعلان کے بعد اگر کوئی شخص مجھے ان پر فضیلت دے گا تو میں اس کو افتراء پرداز اور بہتان تراش والی حد لگاؤں گا-

لا يفضلني أحد على أبى بكر و عمر الاجلد ته حد المفترى۔

اور ظاہر کہ حد قطعی امور میں لگائی جاتی ہے ظنی امور میں تعزیری کاروائی پر اکتفا کیا جاتا ہے-تو آپ کے نزدیک ان حضرات کی افضلیت قطعی ہے تبھی اس کے منکر اور مخالف کو حد افتراء کی دھمکی دے رہے ہیں- بلکہ آپ نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ اس نے آپ کو ان پر فضیلت دی ہے تو شہادت مل جانے کے بعد آپ نے اس پر حد نافذ بھی فرمائی اور سرورِ عالم ﷺ سے بھی آپ نے ان کا یہ ارشادِ گرامی روایت کیا ہے کہ

أبو بكر و عمر سيدا كهول أهل الجنة الا النبيين و المرسلين۔

"ابوبکر و عمر بزرگ اور مشائخ اہل جنت کے سردار ہیں سوائے انبیاء ورسل کے"

تو کیا آپ اس کے خلاف عقیدہ رکھ سکتے ہیں؟ اور کیا سرورِ عالم ﷺ کے ارشادات اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے اپنے ارشادات کے بعد آپ کی اولاد میں سے کسی کا آپ کے معارض اور متناقض قول قابل قبول اور لائق اعتماد و اعتبار ہو سکتا ہے؟

مزید برآں محض الکل پچو سے اور عقلی بلکہ وہمی ڈھکوسلوں سے ان کی مخالفت کا کیا جواز ہے؟ سرورِ عالم ﷺ کے فرمان کے مقابل کسی صحابی کا قول اور مولائے مرتضی کے ارشاد کے

مقابل ومعارض کسی شہزادے کا قول قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

معلوم ہوتا ہے یہ سنی کہلانے والے لوگ سراسر دھوکہ باز ہیں اور در حقیقت شیعوں کے ہم نوا ہیں اور مولائے مرتضی شیر خدا کو تقیہ باز اور مصلحت کیش سمجھتے ہیں کہ میری رعیت چونکہ ان حضرات خلفاء کی معتقد ہے اور ان کے نظریہ کی مخالفت کروں گا تو وہ مجھے چھوڑ جائیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ لہــذا بظاہر ان کو خوش رکھنے اور اپنا ہم نوا بنائے رکھنے کے لیے اوپر اوپر سے آپ اس طرح ان حضرات کی مدح وثناء اور تعریف وتوصیف فرمادیتے تھے ورنہ اصلی عقیدہ آپ کا یہ نہیں تھا بلکہ اپنے آپ کو افضل سمجھتے تھے۔نعوذ باللّٰہ من ذالك

عجوبۂ عجیبہ، فرار عما علیہ القرار:

پہلے شاہ جی نے تسلیم کیا کہ خلافت کے لحاظ سے وہ حضرات افضل ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

حضرات شیخین کو حضرت علی پر صرف ان امور میں فضیلت حاصل ہے:

(۱)سیاست امت (۲) حفظ دین (۳) سد باب فتنہ (۴)ترویج احکام شرعیہ (۵) مما لک میں اشاعت اسلام (۶) اقامت حدود وتعزیرات۔یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مثل انجام دینے میں حضرات شیخین کو حضرت علی پر فضیلت حاصل ہے اور ایسے ہی مقاصد خلافت کبریٰ کے ہیں اور اسی وجہ سے صحابہ کا اجماع ہوا کہ خلافت کبریٰ کے مقاصد میں حضرات شیخین مقدم ہیں بلکہ صواعق محرقہ اور دیگر کتب معتبرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

سألت اللّٰہ أن يقدمك يا علي ويأبى اللّٰہ الا تقديم أبي بكر۔

(زبدہ ص ۲۰۰)

”میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ تمہیں مقدم فرمائے اور پہلے پہل خلافت عطا کر

ے لیکن اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کی تقدیم کے ماسوا سے انکار فرمادیا"

گویا مندرجہ بالا عبارت میں شاہ صاحب نے تسلیم کا کہ خلفائے ثلاثہ نے نظم ونسق بحال کیا، احکام اسلام کو نافذ فرمایا اور اسلام کی اشاعت فرمائی اور جہاں اوثان واصنام اور صلیب وآتش کی پوجا ہوتی تھی وہاں سے شرک کو ملیا میٹ کیا، توحید ورسالت اور احکام اسلام کو نافذ فرمایا جبکہ مولائے مرتضی کے دور میں یہ صورت حال برقرار نہ رہی- بعد ازاں اس سے بھی فرار اختیار کرلیا-

تو سوال یہ ہے کہ آپ قوم مسلم کو کس گرداب میں پھنسانا چاہتے ہیں اور کس کنویں میں گرانا چاہتے ہیں؟ کیا صرف یہ مشن ہے

ے ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

لوگوں کو وساوس واوہام میں مبتلا کرنا ساداتِ کرام کا کام تو نہیں ہوسکتا تھا اس کام کے لیے تو اور وسواس وخناس بہتیرے تھے- آپ کو ان کی سرپرستی سے کیا ملے گا؟ ہماری دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مسلکِ اہل سنت پر استقامت نصیب فرمائے-

این گلے دیگر شگفت

شاہ عبدالقادر صاحب کا وسوسہ: امامت کے لیے افضلیت شرط نہیں ہے:

شاہ جی کا شاہی وسوسہ ملاحظہ فرمادیں

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

کا عملی مظاہرہ مشاہدہ فرمائیں:

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے حق کا ترجمان بنادیا وہ حضرت صدیق کے امامت صلوٰۃ میں تقدم کو خلافت میں بھی تقدم کی دلیل بنارہے ہیں اور انصار سے فرماتے ہیں:

قدّمہ رسول اللہ ﷺ فأیکم تطیب نفسه أن تتقدم أبابکر قالوا نعوذ باللہ أن نتقدم أبابکر۔

ان کو نبی مکرم ﷺ نے سبقت دی اور مقدم فرمایا اور تمہارا امام بنایا تو تم میں سے کسی ذات کو ابوبکر سے آگے بڑھنا پسند ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم ان سے آگے بڑھیں اور ان کے امام بنیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نظر نواز ہو چکا کہ اپنا امام افضل شخص کو بناؤ کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے صحابہ کرام میں سے افضل شخص کو ان کا امام بنایا اور خود مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے استحقاقِ خلافت اور تقدم و سبقت پر امامت نماز کو بھی بطور دلیل ذکر فرمایا۔ مگر شاہ جی عجب الٹا و برعکس استدلال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر امامت کے لیے افضلیت شرط ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکار دوعالم ﷺ کی موجودگی میں امام نہ بنائے جا سکتے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کا ان کی اقتداء کرنا درست نہ ہوتا، ثابت ہوا کہ افضلیت اقتداء کے لیے امر مانع بھی نہیں ہے اور امامتِ کبریٰ یا صغریٰ کے لیے افضلیت شرط نہیں بھی نہیں۔ (زبدہ، ص:۱۱۱)

محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ان کو امام اس وقت بنایا جبکہ بیماری کی وجہ سے مسجد شریف میں تشریف لا کر نماز پڑھانے سے قاصر تھے یا مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جانے کی صورت میں کبھی حضرت صدیق کو حکم ہو جاتا کبھی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو۔ تو سوال یہ ہے کہ افضل الخلائق ذات کی عدم موجودگی میں یا ان کی معذوری کی صورت میں دوسرا شخص امام کیوں نہیں بن سکتا؟ اور اس کا اپنے مقتدیوں کی نسبت افضل ہونا کیونکر ممنوع اور غیر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور کیا امامت کا حق دار اپنا حق دوسرے کو نہیں دے سکتا؟

محبوبِ کریم علیہ السلام بنوعمر بن عوف میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ

''میں بروقت نہ پہنچ سکوں تو ابوبکر صدیق سے کہنا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں''

چنانچہ حضرت بلال کی استدعا پر آپ نے نماز پڑھانی شروع فرمائی پہلی رکعت کا آغاز ہی تھا کہ سرورِ عالم ﷺ تشریف لے آئے، صحابۂ کرام نے دائیں ہاتھ کو بائیں کی پشت پر مار کر تالیاں بجانی شروع کردیں، اگلی صفوں والے جگہ دیتے گئے آپ چلتے چلتے سیدھے حضرت صدیق کے پیچھے پہلی صف میں پہنچ گئے۔ حضرت صدیق نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتے تھے اور کمال استغراق سے نماز پڑھتے تھے جب پہلی صف والوں نے تالی بجانا شروع کی، تب آپ متوجہ ہوئے، جب سرورِ عالم ﷺ کو پیچھے کھڑے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

''اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور نماز پڑھاتے رہو''

آپ نے اس کرم نوازی پر اور بندہ پروری پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی، لیکن مصلیٰ چھوڑ دیا اور صف میں شامل ہوگئے۔ کیونکہ پہلی رکعت تھی اور ترتیب میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا جب نماز ختم ہوگئی تو سلام پھیرنے کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

صدیق! جب میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور نماز پڑھاتے رہو پیچھے نہ ہٹو تو تم اپنی جگہ پر کیوں نہ قائم رہے، تو حضرت صدیق کا جواب یہ تھا:

ما كان لابن أبى قحافة أن يصلى بين يدى رسول الله

''ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر کی مجال تھی کہ وہ اللہ کے رسول کے آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھاتے؟''

بیانِ فوائد:

(۱) اگر افضل ذات کی موجودگی میں مفضول کی امامت بلا حیل وحجا درست تھی تو صحابۂ

کرام علیہم الرضوان نے من حیث المجموع نماز میں تالیاں کیوں بجائیں اور اپنے صدیق اکبر جیسے امام کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیوں دیا؟

(۲) حضرت ابو بکر صدیق سیدِ عالم ﷺ کے اذن کے باوجود مصلے پر کیوں قائم نہ رہے اور زبانی یہ عذر کیوں پیش کیا کہ کہاں سید الرسل ﷺ کی ذاتِ اقدس کا مرتبہ ومقام اور کہاں ابو قحافہ کا بیٹا ابو بکر؟ میں آپ کے آگے کھڑے ہو کر کیسے نماز پڑھا سکتا تھا۔

(۳) سیدِ عالم ﷺ نے صحابۂ کرام کے اپنے امام کے پیچھے ہٹانے کی سعی اور کوشش پر اعتراض نہیں فرمایا حالانکہ یہ سعی اور کوشش اگر ناجائز تھی تو تنبیہ وتادیب ضروری تھی۔ البتہ تالیوں کے لیے فرمایا انما التصفیق للنساء یہ صرف عورتوں کے لیے ہے اذانابَ أحد کم شیئ فی صلٰوتہ فلیسبح فانہ اذا سبح التفت الیہ

"تم مردوں کو اگر نماز میں کوئی معاملہ پیش آئے تو تسبیح کہو کیونکہ جب آدمی تسبیح کہے گا تو دوسرے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے"

اس کا مقصد حاصل ہو سکے گا اور اس کے حق میں فعل عبث کا ارتکاب بھی لازم نہیں آئے گا، جبکہ عورتوں کے لیے تصفیق شرعا درست ہے تو ان کے لیے فعل عبث لازم نہیں آئے گا کیا صحابۂ کرام کے اس اجتماعی عمل اور حضرت صدیق کے عقیدت بھرے جواب اور نبی مکرم ﷺ کا انہیں آئندہ ایسے اقدامات سے منع ونہی سے گریز اور حدیث تقریری سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح نہیں ہو جاتی کہ تقدم کا حق افضل کو ہی حاصل ہے؟ آغاز تو کجا صحابۂ کرام نے نماز شروع کر لینے کے باوجود بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کی موجودگی میں حضرت صدیق کا تقدم گوارا نہ فرمایا تو اس سے بڑھ کر حق تقدیم کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟

اور اس قدر روزنی دلیل جس میں اجماع صحابہ بھی ہے اور تقریر رسول ﷺ بھی ہے کوئی مسلمان اس کو نظر انداز کر سکتا ہے؟

۲) بیماری کے ایام میں حضرت صدیق کو اپنا نائب مقرر فرمادیا تو کیا شاہ جی کے نزدیک
پ ﷺ کو اپنا حق دوسروں کو دے دینا جائز نہیں تھا اور وہ بھی بوجہ عذر علالت- اگر کبھی افاقہ
جاتا اور آپ پہلی رکعت میں تشریف لاتے تو حضرت صدیق کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمادیتے
پ خود امامت والا منصب سنبھال لیتے اور حضرت صدیق مکبّر والا منصب سنبھال لیتے
نانچہ ایسے موقع کی روایت ہے

ثم ان النبی ﷺ وجد فی نفسه خفة وخرج بین رجلین أحدهما العباس
ضی الله عنه لصلوة الظهر وأبوبكر يصلی بالناس فلمارآه أبوبكر ذهب ليتأخر
أشار اليه النبی ﷺ أن لا يتأخر قال أجلسانی الى جنبه فأجلساه الى جنب أبی بكر
لنبی ﷺ قاعد۔ (مشکوۃ شریف)

پھر نبی مکرم ﷺ نے (مرض میں) تخفیف محسوس فرمائی اور دو آدمیوں کے سہارے مسجد
ں تشریف لائے، جن دو میں سے ایک حضرت عباس تھے جبکہ وقت ظہر کی نماز کا تھا اور ابوبکر
دیق لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب آپ کو تشریف لاتے دیکھا تو حضرت صدیق پیچھے ہٹنے
لگے تو آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور ساتھ والے دونوں حضرات کو فرمایا کہ مجھے
بکر کے پہلو میں بٹھا دو- چنانچہ انہوں نے آپ کو حضرت صدیق کے پہلو میں بٹھا دیا اور آپ
از میں بیٹھے ہوئے تھے-

محدث ابویعلی نے اس میں یہ اضافہ فرمایا ہے:

فقرأ رسول الله ﷺ من حيث انتهى أبوبكر

(ازالة الخفاء جلد ۱ ص ۳۰۱)

"پس نبی مکرم ﷺ نے قراءت شروع فرمائی وہاں سے آگے جہاں تک ابوبکر صدیق
نے پہنچائی تھی"

فائدہ:

اس روایت میں بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ کو دیکھتے ہی پیچھے ہٹنے لگ جانا ہمارے مدعا کی واضح دلیل ہے نیز امام کی بجائے مکبر کا کردار ادا کرنا بھی واضح برہان ہے۔

(۳) بعض اوقات آپ دوسری رکعت میں شمولیت فرماتے تھے تو اس وقت مجبوری یہ پیش آتی تھی اگر منصبِ امامت آپ سنبھالیں اور اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیریں تو مقتدیوں کی ایک رکعت زائد بن جاتی ہے اور ان کی رعایت کرتے ہوئے سلام پھیرتے تو آپ کی ایک رکعت کم ہو جاتی اور پوری نماز میں آپ کی متابعت میسر نہ ہو سکتی تھی اور الضرورات تبیح المحظورات ''ضرورت اور مجبوری محظور وممنوع امور کو بھی مباح ٹھہرا دیتی ہے'' تو ایسی صورتیں لامحالہ مستثنیٰ ہوں گی۔

(۴) نیز ایک ہے ارادے اور اختیار سے کسی کو امام بنانا - اس کا حکم یہ ہے جو بیان کیا جا چکا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی زبردستی امام بن جائے اور اس کو ہٹانا بس کی بات نہ ہو جس طرح خلافتِ راشدہ کے بعد والے ادوار میں ملوکیت اور جبر وتشدد کا دور تھا اور امامت بھی حکمران ہی کراتے تھے یا ان کے عامل اور گورنر اپنے اپنے علاقوں میں امامت کراتے تھے - تو ظاہر ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے کسی مجبوری اور بے بسی کے تحت اور کسی دباؤ کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق کو امام نہیں بنایا بلکہ ان کی خداداد شان اور مرتبہ ومقام کے تحت ان کا تقرر فرمایا اور امت کو بھی حکم دیا جہاں ابوبکر صدیق موجود ہوں وہاں کسی دوسرے شخص کو امام بنانا ان کے لیے درست نہیں:

قال رسول اللہ ﷺ:

لا ینبغی لقوم فیھم أبو بکر أن یؤمھم غیرہ۔ (أخرجه الترمذی)

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مصلائے امامت پر کھڑے ہونے کو بھی پسند نہ فرمایا جس

الدین کوامامتِ دنیا کے استحقاق کی دلیل بنانا چاہتے تھے اور ایسے ہی ہوا۔

(۵) شاہ جی نے حضرت عثمان کی امامت کو زعمِ فاسد کی دلیل بنایا کہ حضرت علی افضل ہیں لیکن نماز حضرت عثمان پڑھاتے تھے۔

جواباً گزارش ہے کہ ختنین کی باہمی تفضیل میں اختلاف مسلم۔مگر بعض توقف کے قائل تھے اور اکثریت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی قائل تھی جیسا کہ علمائے کلام کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے علی ھذا وجدنا السلف جس کی تشریح گزر چکی کہ شیخین کی افضلیت عند الکل اور حضرت عثمان کی افضلیت سوادِ اعظم کے نزدیک مسلم ہے۔لہذا یہ آڑ بھی شاہ جی کے لیے چنداں کارآمد نہیں ہے جبکہ مولائے مرتضیٰ نے ان کی بیعت کرلی اور احکام خلافت کی اطاعت کا عہد کرلیا تو از روئے خلافت ان کو افضلیت حاصل ہونا تو شاہ جی کو تسلیم ہے پھر پس وپیش اور ریب وتردد کی کیا گنجائش ہے؟

ہمیں امید نہیں تھی کہ شاہ جی ان اکابر صحابہ اور بالخصوص مولائے مرتضیٰ سے بھی اپنے آپ کو بڑا زیرک، باریک بین اور حقائق شناس سمجھیں گے اور پرانے عقائد ونظریات پر ضرب کاری لگانے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ نیز اگر ائمۂ کرام اور علمائے اعلام نے مختلف ادوار میں زمانۂ مستقبل میں پیش آنے والے حالات کے تحت یہ فرمادیا ہے کہ امام کے لیے افضل ہونا شرط نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ کیسے نکل آیا کہ افضل نہ ہونا شرط ہے؟

شاید کہ شاہ جی کو عدم اشتراط الشیئی اور اشتراط عدم الشئی میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا؟ اور کون سا مسلمان ہوگا جو افضل شخصیت کے امام ہونے کو پسند نہ کرے گا؟ خود شاہ جی نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے زبدہ کے (ص: ۲۳۳) پر نقل کیا ہے:

"معظم اہل سنت برآنند که امام افضل باید"

جب معظم اہل سنت وجماعت کا نظریہ یہی ہے تو کیا وہ غلط ہے؟ اور جب اہل سنت کا

مختار یہ ہے تو انہوں نے نبی پاک کی سنت معلوم کیے بغیر یہ نظریہ اپنا لیا تھا یا نبی مکرم ﷺ نے غیر افضل کو امام مقرر کر کے سنیوں کا رد کرنا چاہا؟ نعوذ باللہ۔ شاہ جی بات خلفاء اربعہ کے باہم تقابلی مراتب میں ہے اور آپ قواعد کلیہ کی طرف دوڑ رہے ہیں تو کیا بعد والوں کے فاسق فاجر اور ظالم ہونے سے خلفائے راشدین پر بھی العیاذ باللہ یہی حکم لگا دیا جائے گا؟

شاہ عبدالقادر صاحب کی بوالعجبی:

لفظ اهل البیت عام نہیں ہے بلکہ چار افراد کے ساتھ خاص ہے:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے والی آیت کریمہ و سیجنبها الاتقی میں تو شاہ صاحب کو تخصیص کی کوئی وجہ نظر نہ آئی نہ اس آیت کریمہ کا شان نزول حالانکہ اس پر مفسرین اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے نہ حضرت بلال اور دیگر چھ حضرات غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنا جو ایمان لانے کی وجہ سے کفار کی طرف سے سخت ترین عذاب اور تغلیظ او تشدد کے نشانہ بنے ہوئے تھے ان کو کفار کی طرف سے منہ مانگی دولت دے کر خرید لیا پھر آزاد فرما دیا یہ جود و نوال بھی یوتی ماله یتزکی کے فرمان الہیٰ کے باوجود نظر انداز ہو گیا اور نہ قول باری تعالیٰ وما لاحد عنده من نعمة تجزیٰ نظر پڑا بلکہ مقدور بھر سعی نا مشکور فرمائی کہ حضرت صدیق اکبر کے اس اختصاص وامتیاز کو ختم کیا جائے اور رفض و تشیع کے لیے فضا سازگار کی جائے اور سنیت کی بنیاد و اساس کو متزلزل کیا جائے۔

لیکن ادھر قول باری تعالیٰ انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا۔ میں خصوص ہی خصوص نظر آ گیا

(۱) نہ اس آیت کریمہ کے ماقبل کا اعتبار جو ازواج مطہرات کے حق میں ہے۔

نہ مابعد کا لحاظ جو امہات المومنین کے حق میں ہے۔

) نہ کلام مجید کے اندر موجود دیگر اطلاقات کو قابلِ اعتبار سمجھا۔

) نہ اس آیتِ کریمہ کے مقامِ تعلیل میں وارد ہونے کو قابلِ التفات سمجھا۔

) نہ اس آیتِ کریمہ کے مستقل حکم پر مشتمل نہ ہونے کا اعتبار۔

) نہ مرتبط اور متصل آیاتِ مبارکہ اور کلام شریف کو منقطع اور بے ربط ٹھہرانے کی پرواہ اور علق کلام کو درمیان میں دخیل مان لینے پر اصرار اور ضد کہ اس آیت کو غیر ازواج کے ساتھ ہی وص ٹھہرانا ہے۔

) نہ رحمت للعالمین ﷺ کی شانِ رحمت ورأفت کا لحاظ کہ آپ کا کام اللہ تعالیٰ کی رحمت ت اور فضل و کرم کو عام کرنا ہے اور اس میں تعمیم و توسیع پیدا کرنا ہے یا تحدید وتقیید اور تنگی وحصر کرنا ہے۔

چنانچہ شاہ جی فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ عموم لفظ کا اس وقت لاگو ہوگا جب کوئی قرینہ موجود نہ ہوا گر کوئی قرینہ موجود ہو تو اع علماء کرام عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا جیسا کہ لفظ اہل بیت عام جملہ اہل بیت کے بارے میں، مگر سرورِ عالم ﷺ نے پانچ شخصیات پر اپنے سمیت اس آیت نزول سے پہلے بھی چادر ڈالی اور فرمایا اللھم ھولاء اھل بیتی وھامتی وخاصتی ب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ (تا) اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ نے نزول آیت کے بعد ان نفوس قدسیہ پر چادر ڈال کر فرمایا

اللھم ان ھؤلاء آل محمد فاجعل صلواتك وبركاتك علیٰ آل محمد انك حمید مجید۔ (صواعق محرقة ص ۱۴۲)

چونکہ آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اور نزولِ آیت کے بعد بھی آل محمد و اہل بیت

کی تخصیص فرمائی اس لیے یہاں عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا الخ

(زبدہ، ص: ۳۸۹)

یہاں اہل بیت اور آل محمد ﷺ کا حکم تطہیر کے ساتھ مختص ہونا مقصود تھا لہذا دونوں جگہ ھولاء ھولاء لایا گیا (زبدہ)

یہاں شاہ جی کو قرآنی آیات کا سیاق وسباق نظر نہیں آیا حالانکہ ابتداء میں بھی خطاب انہیں ازواج مطہرات سے ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ومن یقنت منکنّ للہ ورسولہ وتعمل صالحا نوتھا اجرھا مرتین۔الآیۃ

''اورتم میں سے جو بھی تواضع وانکساری اور خضوع وخشوع سے کام لے گی اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول مقبول ﷺ کے لیے اور نیک اعمال اپنائے گی ہم اس کو دو مرتبہ اجر عطا کریں گے'' (جہاں عام اہل اسلام کے لیے ایک نیکی پر دس گنا سے آغاز ہوتا ہے تمہارے لیے بیس گنا سے آغاز ہوگا)

(۲) یا نساء النبی لستن کا حد من النساء ''اے نبی مکرم ﷺ کی بیویو! تم عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند نہیں ہو'' (بلکہ جس طرح تمہارے خاوند دوسری عورتوں کے خاوندوں سے امتیازی اور انفرادی شان کے مالک ہیں اسی طرح تم بھی امتیازی اور انفرادی شان کی مالک ہو)

(۳) قلن قولا معروفا ''معروف اور نیکی والا قول تمہاری زبان سے سرزد ہونا چاہیے (عبث اور بے فائدہ گفتگو بھی سرزد نہ ہونے پائے چہ جائے کہ منکر اور ناپسندیدہ)

(۴) وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی ''اور اپنے گھروں میں قرار پذیر رہا کرو اور زمانہ جاہلیت جیسے انداز واطوار کے ساتھ باہر نہ نکلا کرو'' (زمانہ جاہلیت میں ستر اور پردہ کا اہتمام نہیں ہوتا تھا بلکہ لباس ہونے کے باوجود برہنگی کی حالت ہوتی تھی اور لوگوں پر اپنا حسن وجمال اور زیبائش وآرائش ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا۔)

(۵) واقمن الصلوۃ وآتین الزکوۃ واطعن اللہ ورسولہ۔ ''اور نماز کا حق ادا کرو زکوۃ

وان کے علاوہ جملہ امور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ السلام کی اطاعت کرنا"

نیز بعد میں بھی خطاب انہیں سے ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(٦) واذكرن ما يتلى في بيوتكن من آيات الله والحكمة ان الله كان لطيفا خبيـــرا۔ ''اور یاد کرو اور نصیحت پکڑو اس سے جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں یعنی آیات خداوند تعالیٰ اور حکمت (یعنی احادیث اور ارشادات نبویہ سے خود فرائض وواجبات اور محرمات ومکروہات کا علم حاصل کرو اس کے مطابق عمل کرو پھر دوسری عورتوں کو ان کی تعلیم دو) بے شک اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہے"

فوائد ولطائف:

(ا) جب پہلی آیات میں بھی خطاب وکلام ازواج مطہرات سے ہے اور آخری آیتِ کریمہ میں بھی خطاب انہیں سے ہے تو ان قرائن کو مدنظر رکھنا کیوں ضروری نہیں ہے؟ اور ازواج مطہرات میں طہارت ونزاہت کا ثبوت وتحقق تسلیم کرنا کیوں ضروری نہیں ہے؟ اور یہ قرائن قرآنی قرائن ہیں نہ کہ روایات والے قرائن تو لامحالہ ان کو ترجیح حاصل ہوگی۔

(ب) قوله تعالىٰ انما يريد الله ۔(الآية) مستقل بالحکم آیت نہیں ہے۔ بلکہ پہلے وارد احکام اور تکالیفِ شرعیہ کی علت کا بیان ہے کہ عام عورتوں کی نسبت تم پر زائد پابندیاں کیوں عائد کی گئی ہیں اور تمہیں اس مشقت ومحنت سے کیوں دوچار کیا گیا ہے؟ تو اس کی صرف اور صرف یہ وجہ اور مصلحت وحکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے قابل نفرت اور ناپسندیدہ اعمال واخلاق کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے جیسے کہ پاک کرنے کا حق ہے تاکہ پہلے تمہاری ہر پہلو سے تکمیل ہو جائے بعد ازاں تم دوسری عورتوں وغیرہ کی تکمیل کرو اس علت کو آخر کی بجائے درمیان میں کیوں ذکر کیا گیا اس لیے کہ ماقبل سے خود ازواج مطہرات کا استکمال مراد ہے اس کے حصول پر ہی دوسروں کی تکمیل کا وسیلہ اور سبب بن سکیں گی اس لیے قول باری تعالیٰ انما يريد

اللہ۔ الآیۃ کو درمیان میں رکھا کذا قال العلامہ الآلوسی۔

لیکن شاہ جی کے نظریہ کے مطابق آیت کریمہ کے اس آدھے حصہ کو جو مقام تعلیل وتسبیب میں وارد ہے بالکل ماقبل اور مابعد سے منقطع اور منفصل ٹھہرانا اور قرآن مجید جیسی فصاحت وبلاغت میں بے مثل کلام کو عام عربی کلام سے بھی نچلی سطح پر لانا لازم آئے گا جو کسی بھی دیانت دار اور منصف اہل علم کے لیے جائز نہیں ہے اگر وہ مستقل بالحکم آیت ہوتی اور احکام سابقہ کی علت موجبہ کے بیان پر مشتمل نہ ہوتی تو پھر بھی کسی حد تک اس توہم اور وسوسہ کی گنجائش ہو سکتی تھی جو شاہ جی کو لاحق ہوا۔

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

فالآیات کلها من قوله یایها النبی قل لازوا جك (الیٰ) قوله ان الله کان لطیفا خبیرا مسوقة لبعضها علیٰ بعض فکیف صار فی الوسط کلاما منفصلا لغیرهن۔ (ص ١٦٢)

"پس یہ بھی آیات یا یهاالنبی قل لازواجك سے لیکر ان اللہ کان لطیفا خبیر اتک سبھی ایک دوسری کے ساتھ (متسق) اور مرتبط ہیں تو ان کے درمیان اجنبی اور منفصل کلام اور غیر مرتبط جملہ کے لانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جس کا ازواج مطہرات سے تعلق ہی نہ ہو؟"

اہل کسا کا کسا میں لینا اور ان کے لیے یہ دعا فرمانا روایات سے ثابت ہے فهذه دعوة لهم من النبی علیه السلام بعد نزول الآیة أحب أن یدخلهم فی الآیة التی خوطب بها الأزواج

"یہ نبی مکرم علیہ السلام کی طرف سے ان کے لیے دعا ہے ان آیات کے نزول کے بعد آپ نے ان حضرات کا بھی اس آیت میں داخل کرنا پسند فرمایا جس کے ساتھ ازواج مطہرات کو مخاطب ٹھہرایا گیا تھا"

(الجامع لاحکام القرآن لامام القرطبی جلد ۱٤ ص ۱٦۲)

البتہ شیعہ لوگوں کے نزدیک قرآن مجید کی ترتیب ہی غلط ہے آگے کی آیات پیچھے اور پیچھے کی آگے، درمیان والی طرفین پر اور طرفین والی درمیان میں رکھ دی گئی ہیں لہذا وہ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت کا یہ موقعہ ومحل تھا ہی نہیں از روئے تحریف اس کو یہاں پر رکھ دیا گیا ہے۔

لیکن شاہ جی سے تو اس طرح کے قول کی فی الحال توقع نہیں کی جا سکتی واللہ والحفیظ۔

باہمی ربط واتصال کا لحاظ ضروری ہے اور اصل مصداق ہی اہل بیت کا ازواج مطہرات ہیں اور نبی کریم نے کرم کو عام کرتے ہوئے دوسرے حضرات کو بھی ساتھ شامل فرما دیا تھا لہذا وہ بھی اہل بیت ہیں نہ کہ وہی اہل بیت ہیں فتأمل حق التأمل ۔

(ج) کیا کلام مجید میں اہل بیت کا اطلاق بیویوں پر ثابت ہے یا نہیں؟ تو یہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اہل بیت اہل اور آل کے الفاظ ان پر اطلاق کیے گئے ہیں۔

لفظ آل اور اہل کے قرآنی اطلاقات:

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ حضرت سارہ کو ملائکہ نے بیٹے کی بشارت دی تو وہ حیران وششدر ہو گئیں کہ اس بڑھاپے میں جبکہ میرا رحم بھی خشک ہو چکا اور خاوند کی ہڈیوں میں مغز بھی نہیں رہا تو اب بیٹے کو جنم دوں گی؟ تو ملائکہ نے کہا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت (ھود، 73:11)

"کیا تم اللہ تعالیٰ کے امر پر تعجب کر رہی ہو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں تم پر اے اہلِ بیتِ خلیل!"

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ ان کے اہل بیت بھی ہوں اور رحمت ہائے خداوندی اور اس کی برکات سے بہرہ ور بھی ہوں تو نبی الانبیاء ﷺ کی

ازواجِ مطہرات جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں میں سے بے مثل اور بے نظیر ٹھہرایا ہے وہ کیونکر آپ کی اہل بیت نہ ہوں گی؟ اور رحمتوں و برکتوں کا محلِ نزول اور گھوراہ کیوں نہیں ہوں گی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے امی جان کے علاوہ کسی بھی عورت کا دودھ پینا ممنوع ٹھہرادیا تھا، چنانچہ آپ نے آسیہ کی بلائی ہوئی مرضعات کا جب دودھ نہ پیا تو آپ کی بہن جو اجنبی لڑکی کی مانند پاس موجود تھیں انہوں نے کہا هل ادلكم على اهل بيت يكفلونه لكم وهم له ناصحون (القصص, 28:12)

"کیا میں تمہیں ایسے اہل بیت کی راہنمائی نہ کروں جو اس بچہ کی تمہاری طرف سے تربیت و پرورش میں کفالت کریں اور وہ اس کے لیے انتہائی مخلص و مشفق ثابت ہوں گی؟"

یہاں حضرت عمران کی بیوی اور موسیٰ علیہ السلام کی امی پر اہل بیت کا لفظ بولا گیا ہے کیونکہ دودھ پلانا عورت کا کام ہوتا ہے نہ کہ مرد کا۔ تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ عمران کی بیوی تو ان کی اہل بیت ہو مگر سیدِ عالم ﷺ کی ازواجِ مطہرات آپ کی اہل بیت نہ ہوں؟ صرف اس لیے کہ شیعہ ناراض نہ ہو جائیں لہذا حق چھپالو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب کی لختِ جگر اور اپنی زوجۂ محترمہ کے ہمراہ معہودہ خدمات کی مدت پوری کر کے وطن کی طرف واپس آرہے تھے تو راستہ بھی بھول گئے اور بیوی کا وضعِ حمل کا وقت بھی آپہنچا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی بھی ضرورت تھی تو قرآن ان کے کلام کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اذقال لا هله امكثوا انى آنست ناراً

"جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا تم یہاں ٹھہرو مجھے آگ معلوم ہو رہی ہے"

وہاں جا کر آگ بھی لاتا ہوں اور رستہ کا بھی اتا پتہ معلوم کرتا ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ

لام کی بیوی ان کی اہل ہو اور سرورِ کونین علیہ السلام کی بیویاں ان کی اہل نہ ہوں اس کی کیا
یہ ہو سکتی ہے؟ اور اس فرق کی وجہ جواز کیا ہو سکتی ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشادِ خداوندی کے مطابق امی جان نے دریا میں ڈال دیا وہ
میں بہتے ہوئے وہاں پہنچ گئے جہاں فرعون کی بیوی آسیہ موجود تھیں تو انہوں نے آپ کو نکلوایا
رآن مجید فرماتا ہے فالتقطه آل فرعون "آل فرعون نے اس کو اٹھالیا"

اگر فرعون کی بیوی اس کی آل کہلا سکتی ہے تو ازواج مطہرات سرورِ دو عالم ﷺ کی آل
ں نہیں ہو سکتیں؟ اور ان پر یہ الفاظ اطلاق کرنے کیوں جائز نہیں ہیں؟

زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے خواہش نفس کی تکمیل چاہی، وہ دامن بچا کر بھاگ
، وہ بھی پیچھے دوڑی دروازے سے باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے عزیز مصر موجود تھا زلیخا نے پینترا
لتے ہوئے کہا: ماجزاء من اراد باهلك سوء ا۔(الآیة)

"جس شخص نے تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اس کی جزاء نہیں مگر یہ کہ اس کو
ں میں ڈال دیا جائے یا عذابِ الیم سے دوچار کیا جائے"

الغرض زلیخا عزیز مصر کی اہل کہلا سکتی ہے اور کہلاتی رہی ہے تو امام الانبیاء علیہ وعلیہم
لام کی ازواج مطہرات کو آپ کی اہل کیونکر نہ تسلیم کیا جائے؟

لہـــذا سیاق وسباق کی رو سے بھی، آیات کریمہ کے باہمی ربط واتصال کے پیش نظر
ی اور قرآن مجید کے اطلاقات کی رو سے ازواج مطہرات کو نبی مکرم ﷺ کی اہل بیت ماننا لازم
ضروری ہے اور ان کو اہل بیت نہ ماننا سراسر دھاندلی اور تحکم وسینہ زوری ہے۔

زالۂ وہم:

جمع مذکر عنکم کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اور ازواج مطہرات مراد ہوتیں تو عنکن جمع
مونث کی ضمیر ذکر کی جاتی نیز بیت کا لفظ ذکر کیا گیا ہے جو کہ واحد ہے اگر ازواج مطہرات مراد

ہوتیں تو بیوت کا لفظ استعمال کیا جاتا؟

اس تو ہم کے ازالے کی صورت یہ ہے کہ ان کی تعظیم وتکریم کے لیے مذکر کی ضمیر استعمال کردی گئی ہے، جیسا کہ حضرت سارہ اکیلی ہیں لیکن ملائکہ کرام نے ان کو علیکم کے ساتھ خطاب کیا اور ظاہر ہے انہیں ہم سے علمِ نحو حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ محترمہ کو امکثوا والے صیغہ جمع مذکر سے خطاب کیا اور تذکیر کو تانیث پر اور جمع کو واحد پر تعظیم وتکریم کے معاملہ میں ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

نیز ہمارا مدعا یہ نہیں ہے کہ صرف ازواج مطہرات ہی یہاں اہلِ بیت کا مصداق ہیں بلکہ رسولِ گرامی ﷺ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں تو جب مذکر ومونث کا اجتماع ہو جائے تو مذکر کو مونث پر ترجیح وتغلیب دی جائے گی۔ اگر اس میں مزید عموم کا اعتبار کرتے ہوئے ازواج مطہرات کے ساتھ ساتھ حضرت علی مرتضی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بھی شامل کرلیا جائے کیونکہ اہل بیت اصل میں ازواج ہی ہوتی ہیں لیکن ان کی اولاد خاوند کی اولاد بھی اس بیت سکونت کے اہل ہوا کرتے ہیں اور حسنین کریمین حقیقتاً اولاد ہیں اور مولائے مرتضی کو آپ نے ہی پالا پوسا اور وہ آپ کی تربیت میں رہے تو وہ بھی حکمِ اولاد میں ہیں۔ لہذا مذکر کی ضمیر استعمال کرنے سے ازواج مطہرات کا اہل بیت سے اخراج ضروری نہیں ہو جاتا۔

قرآن مجید میں احکام کو مذکر کے صیغوں سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن مسلمان عورتیں ان میں داخل ہیں قال اللہ تعالیٰ اقیموا الصلوۃ آتوا الزکوۃ۔ کتب علیکم الصیا وغیر ذالک۔ لہذا یہ صرف بے بنیاد توہم اور ناقابلِ التفات وسوسہ ہے۔

نیز بیت کو واحد کے طور پر ذکر کردیا نبی مکرم ﷺ کی نسبت سے کیونکہ اصل میں عبارت یوں بنے گی اھل بیت النبی تو سبھی مکانات آپ کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں اس لیے واحد صیغہ استعمال کردیا اور جب ان کی ازواج والی نسبت کو ملحوظ رکھا تو جمع کا صیغہ استعمال کردیا اور

س نسبت کے لحاظ سے سرورِ عالم ﷺ کی طرف نسبت کے باوجود جمع کا لفظ استعمال فرمادیا گیا
ما قال تعالی لا تدخلوا بیوت النبی ۔الآیۃ لھذا اس کو آڑ بنا کر ازواج مطہرات کو اہل
بیت سے نکالنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

مقام تعجب وحیرت:

حضرت زہرا پاک رضی اللہ عنہا اہل بیت ہوں لیکن ان کی امی جان حضرت خدیجہ رضی
اللہ عنہا اہل بیت نہ ہوں۔حضرت زہراء کے صاحبزادے اہل بیت ہوں اوران کی صاحبزادیاں
اہل بیت نہ ہوں اور نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے اور حضرت زہراء کے سگے بھائی طیب طاہر
اور قاسم اہل بیت نہ ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اہل بیت نہ ہوں جن کے متعلق حبیب
کریم علیہ السلام نے فرمایا تھا لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا "اگر ابراہیم زندہ رہتے تو
صدیق نبی ہوتے" وہ اہل بیت نہ ہوں پھر حضرت زہراء کی ہمشیرگان کیوں اہل بیت نہ ہوں
۔حضرت علی چچازاد ہو کر بھی اہل بیت ہوں مگر خود چچے حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما
اہل بیت نہ ہوں اس کا شرعاً و عقلاً اور اخلاقاً کیا جواز ہے؟

روایات کو قرینہ بنانے کی حیثیت :

(۱) ابن ابی حاتم ابن عساکر نے عکرمہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی
اللہ عنہما سے نقل فرمایا:

نزلت انما یرید اللہ (الآیۃ) فی نساء النبی خاصۃ

(۲) ابن مردویہ نے سعید بن جبیر کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے ہی اس قول کو
نقل کیا مگر اس میں خاصۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا فی نساء النبی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۳) عن عکرمۃ من شاء باھلتہ انھا نزلت فی أزواج النبی ﷺ

عکرمہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر کوئی میرے ساتھ مباہلہ کرنے کو تیار ہو تو میں اس کے ساتھ اس امر میں مباہلہ کے لیے تیار ہوں کہ یہ آیت کریمہ ازواج نبی ﷺ کے حق میں نازل ہوئی ہے''

(۴) ابن جریر اور ابن مردویہ نے عکرمہ سے نقل کیا انہ قال فی الآیۃ لیس بالذی تذھبون الیہ انما ھو نساء النبی ﷺ

''اس آیت کا وہ مطلب مفہوم نہیں ہے جدھر تم جاتے ہو بلکہ اس کا مصداق ازواج نبی ﷺ ہیں''

(۵) ابن جریر نے روایت کیا ہے ان عکرمۃ کان ینادی فی السوق ان قولہ تعالی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت نزل فی نساء النبی ﷺ

حضرت عکرمہ بازار میں منادی کیا کرتے تھے کہ:

''باری تعالیٰ کا یہ قول انما یرید اللہ (الآیۃ) نبی مکرم ﷺ کی ازواج کے حق میں نازل ہوا ہے''

(۶) ابن سعد نے حضرت عروہ سے نقل کیا ہے قولہ تعالی لیذھب عنکم الرجس اھل البیت قال یعنی أزواج النبی ﷺ

یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد ہیں۔

مفسر صحابہ اور پھر حبر امت اور ان کے تلامذہ وغیرہ کی زبان حق ترجمان سے ثابت ہو گیا کہ اہل بیت کا مصداق ازواج مطہرات ہی ہیں۔

(۷) حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کے گھر پر یہ آیت نازل ہوئی جبکہ گھر میں سیدہ فاطمہ زہراء علی مرتضی اور حسنین رضی اللہ عنہم موجود تھے فجللھم رسول اللہ ﷺ بکساء کان علیہ ثم قال اللھم ھؤلاء أھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا

تو آپ نے ان کو اس کملی کے گھیرے میں لے لیا جو آپ پر تھی، پھر اللہ تعالیٰ سے عرض
کیا یہ میرے اہل بیت ہیں لہـذا ان سے عیوب ونقائص دور فرما اور انہیں پاک کر جیسا کہ پاک
کرنے کا حق ہے۔

۸) طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:
میں نے کملی کا ایک کنارہ اٹھایا تا کہ میں بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو آپ نے
اسے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا انك علیٰ خیر تو خیر اور بھلائی پر ہے۔

۹) اور ابن مردویہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:
انہـا قـالـت ألست من أهل البيت فقال انك الى خير انك من أزواج النبى
ﷺ

"انہوں نے کہا:
"کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟" تو آپ نے فرمایا:
"تو خیر اور بھلائی پر ہے تو ازواج نبی ﷺ سے ہے"

۱۰) صح عـن أم سـلـمة رضى الله عنها أنها قالت فقلت يا رسو ل الله أما أنا من
أهل البيت قال بلى ان شاء الله۔

۱۱) فى بعض آخر أنها قالت له ﷺ ألست من أهلك قال بلى انه عليه الصلوة
والسلام أدخلها الكساء بعد ما قضى دعاء ه لهم ۔قد تكرر كما أشار اليه الطبرى۔

(روح المعانی جلد ۲۲ ص ۱٤)

"صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ "کیا میں اہل بیت سے
نہیں ہوں؟" تو آپ نے فرمایا: ہاں! کیوں نہیں! انشاء اللہ تعالیٰ۔
اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ کیا

میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تو آپ نے ان کو بھی اپنی کملی میں داخل فرمالیا بعد اس کے کہ دعا ان کے لیے مکمل ہو چکی۔

اور کسا میں داخل نہ کرنے اور داخل کرنے والی روایات میں تعارض وتناقض نہیں ہے کیونکہ واقعہ متعدد دفعہ پیش آیا جیسے کہ طبری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے"

گویا جب علی رضی اللہ عنہ چادر میں داخل تھے تو حضرت ام سلمہ کو داخل نہ ہونے دیا حضرت کی نامحرمی کی وجہ سے اور جب داخل نہیں تھے تو ان کو داخل فرمالیا۔

(۱۱) آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کل گھر پر رہنا اور اپنی اولاد کو بھی ساتھ رکھنا میں وہاں آ کر تمہارے لیے دعا کروں گا اور یہ حدیث حسن ہے کہ

انہ ﷺ اشتمل علی عباس وبنیہ بملاءۃ ثم قال یا رب ھذا عمی وصنوأبی و ھؤلاء أھل بیتی فاسترھم من النار کستری ایاھم بملاءتی ھذہ فأمنت أسکفۃ الباب وحوائط البیت فقالت آمین ثلاثاً۔ (روح المعانی جلد۲۲ ص۱٤)

نبی محتشم ﷺ نے احاطہ فرمالیا حضرت عباس اور ان کے بیٹوں کا ایک چادر کے ساتھ پھر عرض کیا:

"اے میرے پروردگار! یہ میرا چچا ہے اور میرے باپ کے ساتھ والی شاخ ہے اور یہ میرے اہل بیت ہیں لھذا ان کو آتش دوزخ سے اس طرح چھپا جس طرح کہ میں نے ان کو اس چادر کے ساتھ چھپایا ہوا ہے تو دروازے کی دہلیز اور مکان کی دیواروں نے بھی تین مرتبہ آمین کہی

(۱۲) جاء فی بعض الروایات أنہ علیہ الصلوۃ والسلام ضم الی أھل الکساء علی وفاطمۃ والحسن والحسین رضی اللہ عنھم بقیۃ بناتہ وأقاربہ وأزواجہ۔

(روح المعانی)

"اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ اہل کساء چار حضرات علی فاطمہ حسنین رضی اللہ

نہم کے ساتھ دوسری صاحبزادیوں اور خویش واقرباء اور ازواج کو بھی آنحضرت ﷺ نے شامل
رمایا"

لھـــذا صرف چار کی تخصیص کا دعویٰ بے بنیاد ثابت ہوا اور جس طرح حضرت علی اور
ہراء پاک اور حسنین رضی اللہ عنہم کے حق میں اسم اشارہ استعمال فرمایا حضرت عباس کے حق میں
ی خصوصی طور پر اسم اشارہ واحد استعمال کیا اور ان کے اور ان کی اولاد کے لیے ھـؤلاء اهـل
ـتـی کا جملہ استعمال فرمایا تو جو وجہ تخصیص شاہ جی کو چار حضرات کے حق میں نظر آ گئی اگر آنکھیں
ھول کر غور سے دیکھیں تو یہاں بھی وہ وجہ تخصیص علیٰ الوجہ الاتم موجود ہے اور مکان
کے در و دیوار کا آمین آمین پکارنا مزید برآں ہے۔ نیز حسنین کریمین اور ان کے والدین
ریفین رضی اللہ عنہ کے حق میں جو دعا آپ نے فرمائی اس میں حصر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے نہ
ما اور نہ الا وغیرہ لہذا وہ روایات دوسری روایات کے معارض و مناقض بھی نہیں ہیں تو پھر ہمیں
پنے طور پر حصر اور تخصیص پیدا کر لینے کا کیا حق ہے۔

علامہ ابوالسعود فرماتے ہیں:

هـذه كـمـا تـرى آية بينة وحجة منيرة على كون نساء النبى من أهل البيت
اضية ببطلان رأى الشيعة فى تخصيصهم أهل البيت بفاطمة وعلى وابنيهما رضوان
ـلّـه عليهـم أجمعين وأما ما تمسكوا به من أن الرسول خرج ذات يوم وعليه مرط
ـرحـل مـن شعر أسود وجلس فأتت فاطمة فأدخلها فيه ثم جاء على فأدخله فيه ثم
جـاء الـحسـن والـحسين فأدخلهما فيه ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس
هـل البيـت ويـطهـركـم تطهيرا فانها يدل على كونهم من أهل البيت لاعلى أن من
عداهـم ليسـوا كـذالك ولوفرضت دلالة على ذالك لما اعتدبها لكونها فى مقابلة
النص (جلد ۷ ص ۳۳)

"یہ آیات کریمہ ازواج نبی ﷺ کے اہل بیت ہونے پر آیتِ بینہ اور حجتِ منیرہ ہے اور شیعہ کے چار حضرات کے ساتھ تخصیص کے دعویٰ کے باطل ہونے کو واضح کرتی ہے نبی مکرم ﷺ کا ان چار حضرات کو چادر میں لینا اور اس آیت کی تلاوت کر کے دعا کرنا ان کے اہل بیت ہونے کی دلیل تو ہے لیکن ماسوا کے اہل بیت نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور اگر بالفرض ازواج مطہرات کے اہل بیت نہ ہونے پر اس روایت کی دلالت تسلیم کیا جائے تو نص قرآنی کے مخالف ہونے کی وجہ وہ روایت قطعاً قابل اعتداد اور لائق اعتبار نہیں رہے گی"

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

قال بعض المحققين المراد بالبيت بيت السكنى و أهله على ما يقتضيه سياق الآية وسباقها والأخبار التى لا تحصى كثرة ويشهد له العرف من له مزيد اختصاص به اما بالسكنى فيه مع القيام بمصالحه وتدبير شانه والاهتمام بأمره وعدم كون الساكن فى معرض التبدل والتحول بحكم العادة الجارية من بيع وهبة كالأزواج أو بالسكنى فيه كذالك بدون ملاحظة القيام بالمصالح كالأولاد أو بقرابة من صاحبه تقتضى بحسب العادة بالتردد اليه والجلوس فيه عن غير طلب من صاحبه لذالك أو بعدم المنع من ذالك كالأولاد الذين لا يسكونه وكأولادهم وان نزلوا وكالأعمام وأولاد الأعمام وعلى هذا يحصل الجمع بين الأخبار۔(جلد ۲۲ ص ۱٤)

"بعض محققین نے فرمایا کہ بیت سے مراد بیت سکونت ہے اور اس بیت کے اہل آیت کریمہ کے سیاق وسباق اور بے شمار اخبار روایات کی رو سے اور عرف وعادت جاریہ کی رو سے وہ لوگ ہیں جن کو اس بیت کے ساتھ مزید اختصاص حاصل ہے اس میں سکونت اور اس کے مصالح کی ذمہ داری قبول کرنے اور اصلاح ومرمت کے لحاظ سے جبکہ وہ ساکن تحول وتبدل کے درپے

و عادتِ جاریہ کے مطابق جس طرح غلام اور لونڈیوں کو بیچ دیں یا ہبہ کردیں اور بیت سکونت
منتقل ہوگئیں ہیں۔ اس صورت میں اس کا مصداق ازواج ہیں یا سکونت اس بیت میں ہو
ول وتبدل لیکن مصالح بیت کی ذمہ داری ان کے سر نہ ہو جیسے اولاد یا صاحب بیت کے ساتھ
قرابت ہو جو حسب العادۃ اور وہ بھی اس کا مصداق نہیں بلکہ اس کا مصداق ولالت عرف
مطابق اس کی آمد ورفت اور اس کے ساتھ ہم نشینی کی مقتضی ہو بغیر صاحب بیت کی طلب کے
اس کی طرف سے روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے جیسے کہ وہ اولاد جو اس کے ساتھ اس گھر میں
ں رہتے یا ان کی اولادیں اگرچہ انتہائی نچلی سطح تک چلے جائیں اور جیسے چچے اور ان کی
دیں جب اہل بیت میں اس طرح کا عموم پیدا کرلیا جائے تو تمام تر روایات میں باہم توافق
ہو جائے گا

ظاہری تعارض وتخالف ختم ہو جائے گا اگر صرف چار حضرات اہل بیت ہوں اور ازواج
رات داخل ہی نہ ہوں تو کلام خداوندی کا بے ربط ہونا لازم آئیگا اور یہ شیعہ کا نظریہ ہے۔

میر عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں:

بعضے از رفضہ قول باری انما یرید اللہ الخ را از آیاتِ اولی مقطوع
ند۔ در تفسیر ما تریدی قال بعضهم ان هذه الآية مقطوعة عن الأولى لأن الأولى
ی أزواج النبی و هذه فی أهل بیته وهو قول الروافض وعلمائے اهل السنت
جماعت هر دو آیت را میان یکدگر مرتبط دارند زیرا که ازواج از اصل اهل بیت
، و دیگران بعضے داخل اهل بیت اند و بعضے لاحق چنانچه گذشت۔

بعض رافضیوں نے قول باری تعالیٰ انما یرید اللہ کو پہلی آیت سے منقطع کردیا ہے
انچہ تفسیرِ ماتریدی میں ہے کہ بعض نے کہا کہ یہ آیتِ کریمہ پہلی سے منقطع ہے کیونکہ پہلی ازواج
طہرات کے حق میں وارد ہے اور یہ اہل بیت کے حق میں اور یہ قول رافضیوں کا ہے مذہب اہل

سنت و جماعت کے علماء کرام ہر دو آیات کو باہم مربط اور متصل سمجھتے ہیں کیونکہ ازواج نبی ﷺ اصل اہل بیت ہیں اور دوسرے حضرات میں سے بعض اہل بیت میں داخل ہیں اور بعض اہل بیت کے ساتھ لاحق ہیں۔ کمامرّ۔

اقول:

نبی مکرم ﷺ کی شان رحیمی و کریمی کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کو عام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت و عنایت سے لوگوں کو بہرہ ور کیا جائے لہٰذا ازواج مطہرات کے حق میں وارد اور بظاہر مخصوص حکم تطہیر کو آپ نے عام کرتے ہوئے حضرت علی کو بھی شامل فرمادیا اور حضرت عباس اور ان کی اولاد کو بھی جبکہ حضرت زہراء اور ان کی بہنیں اور بھائی تو صاحب البیت کی اولاد ہونے کے لحاظ سے داخل تھے ہی تو عموم کا قول ہی موزوں و مناسب ہے اس کریم کے کرم کا تقاضا تو یہ ہے کہ سلمان فارسی کو بھی اہل بیت میں سے ہونے کا شرف بخشتے ہوئے فرمایا: سلمان منا أهل البيت۔

و أقول أيضا:

بیت تین ہیں:

(۱) بیتِ سکونت:

جس کے اصل اہل ازواج ہیں اور صاحب البیت کی اولاد حقیقی اور حکمی۔

(۲) بیتِ نسب:

اس میں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے اہل ایمان داخل ہوگئے جن پر لوگوں کے صدقات حرام ہیں اور وہ ہیں آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم

(۳) بیتِ نبوت:

جس نے صدقِ دل سے آنحضرت ﷺ کے رسول اللہ ہونے کی شہادت دی اور توحید
خداوند تعالیٰ پر کامل یقین رکھا تو وہ آپ کے بیتِ نبوت کا فرد بن گیا۔
خونی رشتہ میں منسلک نہ سہی مگر روحانی رشتہ میں منسلک ہو گیا تو یہ بھی روحانی اولاد میں
داخل ہو گیا، نوح علیہ السلام نے کافر بیٹے کے حق میں عرض کیا ان ابنی من أھلی وان وعدك
الحق میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ تھا کہ تیری اہل کو بچاؤں گا۔ لھذا حسب الوعدہ
اس کو بھی بچا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انه لیس من اھلك انه عمل غیر صالح یہ تمہارے اہل
سے نہیں ہے اس کا عمل صالح نہیں ہے۔ اہل ایمان نوح علیہ السلام کے اہل قرار پائے اگرچہ
خونی رشتہ میں منسلک نہیں تھے اور خونی رشتہ والا اقرب ترین فرد اہل سے کٹ گیا لھذا اصل
اہمیت اس رشتہ کی ہے اور اس کے پیش نظر ازواج مطہرات کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وازواجه امهاتهم۔

محبوبِ کریم علیہ السلام کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں اگر وہ بیٹے نہیں تو یہ مائیں کیسے
بن گئیں؟ اور نبی کریم علیہ السلام امت کے روحانی باپ نہیں ہیں تو آپ کی ازواج امہات
المومنین کیسے بن گئیں؟ جیسے آپ باپ ٹھہرے امت کے لیے اور ازواج مطہرات
مائیں ٹھہریں تو پھر امت اجابت لامحالہ اولاد روحانی اور معنوی بن گئی اور بیتِ نبوت کے افراد بن
گئے اور ہر فرد بیتِ نبوت والا کسی نہ کسی حد تک پاک ہے مشرک نجس اور شرک رجس مگر موحد اس
سے پاک محرمات رجس اور فرائض کا ترک رجس اور مومن متقی اس سے پاک وصاف تبھی اللہ
تعالیٰ کے اولیاء اور احباء قرار پائے۔ بیت سکونت کے اھل ازواج مطھرات اطیب
الطیبین ﷺ کی ذات کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک اور بمنزلہ شئی واحد کے ہیں
لھذا ان کا طیبات وطاہرات ہونا لازم اور ضروری ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات

اور بیتِ نسب کے اہل یعنی خویش واقربا اور اولاد چوں کہ اس مقدس خون سے تیار ہونے والی ہے تو لامحالہ وہ بھی پاک اور طیب وطاہر۔

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

اور جن کو بھی ایمانی اور روحانی رشتے میں منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ خونی رشتہ میں بھی اشتراک حاصل ہو گیا وہ سبھی پاک ہیں اگرچہ طہارت اور پاکیزگی کے مراحل مختلف ہیں اس لیے باری تعالیٰ نے فرمایا:

انما جعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم

''ہم نے تمہیں مختلف شعبوں اور قبائل میں ڈھالا تاکہ باہم پہچان اور امتیاز قائم رہے لیکن فضیلت کا دارومدار تقویٰ وپرہیزگاری پر ہے''

اسی لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أبوبکر سیدنا أعتق سیدنا ۔

''ابوبکر صدیق ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار بلال کو (کفار سے خرید کر) آزاد فرمایا''

نوٹ: جو کچھ عرض کیا گیا وہ تشریح اور تفصیل ہے حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے اس قول کی:

باید دانست کہ مردم اهل البیت سه قسم اند قسمے اول اهل بیت اند قسمے داخل اهل بیت اندو قسمے لاحق باهل بیت اند اما اصل اهل بیت سیزده تن اند نه ازواج وچهار دختران وداخل در ایشاں سه تن اند مرتضیٰ علی وحسن و حسین رضی الله عنهم ولاحق باهل بیت کسانے انه که خداوندتعالیٰ ایشانرا از رجس ومعاصی بکلی پاك گردانیده وکمالیت تقویٰ وطهارت بخشیده خواه سادات باشند خواه غیر سادات چنانچه سلمان فارسی اگر چه سید نبود ولیکن بسبب کمال طهارت از رجس لاحق باهل بیت شد قال علیه السلام سلمان منا ا

ھل البیت۔ (سبع سنابل ص ۳۰)

تنبیہ:

چونکہ حدیث حسن کے ساتھ حضرت عباس اور ان کی اولاد کو بھی چادر میں لینا اور ان کو اہل بیت کہنا اور ان کے لیے فلاح ونجات کی دعا کرنا ثابت ہے اس لیے انہیں بھی اور آل عقیل اور آل جعفر کو بھی اہل بیت میں داخل کرنا ہی موزوں تر ہے۔

عظمتِ امہات المومنین و بے نیازئ اولاد:

مقام تعجب ہے کہ حضرت ہاجرہ کے قدم مبارک صفا ومروہ کی پہاڑیوں پر لگنے سے صرف وہ پتھر ہی نہیں بلکہ پوری پہاڑیاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بن گئیں: کماقال تعالی:

ان الصفاو المروۃ من شعائرالله

اور ان کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام تقوائے قلوب کی علامت بلکہ ضمانت بن گیا

کما قال الله تعالے:

ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب۔

تو جن ازواج مطہرات کے ساتھ نبی مکرم ﷺ کے یداللّٰہ کی شان والے ہاتھ لگ رہے ہوں الم نشرح لك صدرك والا سینہ مبارک لگ رہا ہو والضحی کی شان والا رخ انوار لگ رہا وما ینطق عن الهوی والے ہونٹ لگ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ تو شعائر اللہ میں سے کون سا مشعر ان کی برابری کر سکتا ہے چہ جائے کہ ان سے سبقت لے جائے۔

ان سے مکان کی نسبت ہوئی تو اس کو عزت مل گئی، لااقسم بهذا البلد وانت حلّ بهذا البلد ۔ان سے زمانے کو نسبت ہوئی تو وہ شرف پا گیا اور اللہ تعالیٰ کی قسم کے قابل ہو گیا کما قال والعصر جن سالوں اور مہینوں کو آپ کی حیات مبارکہ بننے کا فضل وشرف حاصل ہوا تو ان کو یہ مقام مل گیا لعمرك انهم لفی سكرتهم یعمهون جس ہوا کو زبان کے مختلف مخارج پر لگنے

سے کلام بننے کا موقعہ ملا اس کو یہ شرف وفضل عطا ہو گیا وقیلہ یارب بلکہ ان کی نسبت کے تصدق صرف صحابۂ کرام کو ہی یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ ان کا کافروں کو قتل کرنا اللہ تعالی کا قتل کرنا ہے فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم ان کی نبی مکرم سے بیعت اللہ تعالیٰ سے بیعت اور ان کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم بلکہ ان میں سے مجاہدین کے گھوڑوں کو بھی یہ اعزاز وامتیاز حاصل ہوا کہ اللہ رب العالمین نے صرف ان کی ذاتوں کی نہیں بلکہ ان کے ہانپنے کی آواز کی قسم اٹھائی والعادیات ضبحا اور ان کے سموں کے پتھر پر پڑنے سے اڑتی چنگاریوں کی قسم اٹھائی فالموریات قدحا صبح اوس وشبنم کی وجہ سے زمین میں نمی کے باوجود دشمن پر صبح کی تاخت وتاراج کے وقت ان کے سموں کے ذریعے اڑنے والی خشک گرد کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا فالمغیرات صبحا فاثرن بہ نقعا۔

وہی ہے طور جہاں پڑ گئی نگاہ تیری   وہی چمن ہے جہاں مسکرا دیا تو نے

تو ایسی ذات والاصفات کے ساتھ اس طرح کا قرب ہو کہ دو ذاتیں ایک ہی ہو کر رہ جائیں تو ان کو پاک مان کر راضی نہ ہونا اور ان کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت مان کر راضی نہ ہونا مومن کی شان سے بعید ہے۔ حالانکہ مومن ان کی روحانی اولاد ہیں کما قال تعالے: وازواجہ امھاتھم اور محبوبِ کریم علیہ السلام کی ازواج اہل ایمان کی مائیں ہیں تو اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا سلوک بہت بڑا بے وفا، بے حیا اور عاق نافرمانبردار بیٹا ہی کر سکتا ہے نہ کہ مجسمۂ وفا اور پیکرِ حیا اور نکوکار ومحسن اور اطاعت گزار وفرمانبردار بیٹا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی ایسی ہی اولاد بننے کی توفیق عطا فرمائے اور پہلے قسم کی اولاد بننے سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محدث ابن عبدالبر کی استیعاب کی شاذ روایت سے تفضیل شیخین

کو مختلف فیہ ثابت کرنے کا ردِ بلیغ

الاستیعاب لابن عبدالبر میں ایک شاذ روایت حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی مل گئی، بس پھر جشن بہاراں کا ساسماں پیدا ہو گیا- نہ آیاتِ کریمہ اور ارشادات مفسرین نظروں میں جچے، نہ احادیث رسول مقبول ﷺ جو اس تفضیل صدیقی میں صریح الدلالۃ تھیں نہ وہ درخورِ اعتناء اور لائق اعتبار، نہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے صحیح اسنادات کے ساتھ مروی صحیح روایات قابل التفات رہیں، نہ اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے ارشادات بالخصوص مولائے مرتضیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد خیر ھذہ الأمۃ بعد نبیھا أبوبکر ثم عمر رضی اللہ عنھما کہ "اس امت میں نبی مکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں"

نیز ان کا فرمان کہ پہلے میں نے یہ عقیدہ اس طرح واضح انداز میں اور مجمع عام میں بیان نہیں کیا تھا لھذا اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو قابل معافی سمجھتا ہوں لیکن "اب میں نے کسی کو سنا کہ وہ مجھے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر افتراء پرداز اور بہتان تراش کی حد یعنی اسی کوڑے بھی لگاؤں اور اسکی شہادت کو بھی نا قابل قبول ٹھہراؤں گا"

ایک شخص کے متعلق آپ نے سنا کہ وہ آپ کو شیخین سے افضل مانتا ہے آپ کے اس اعلان کے بعد، تو آپ نے شہادتیں طلب فرمائیں اور نصاب شہادت پورا ہونے پر اس شخص پر کوڑوں والی حد بھی جاری فرمائی اور اس کی شہادت کو بھی مردود ٹھہرا دیا-

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ابن عبدالبر که از مشاهیر علمائے حدیث است در استیعاب ذکر میکند که سلف اختلاف کرده اند در تفضیل ابی بکر وعلی رضی الله عنهما ـ میگوید مروی

از سلمان وابوذر ومقداد وخباب وجابر وابو سعید خدری وزید بن ارقم رضی اللّٰہ عنھم کہ علی مرتضی اول کسے است کہ اسلام آوردہ ولیکن از جھت خوف ابوطالب کتمان نمودہ و گفتہ ایں جماعت از صحابہ علی را تفضیل دھند بر ھر کہ غیر اوست۔ (تکمیل الایمان ص ۵۷)

جوابِ اول:

لیکن میگویند کہ ایں مقالہ از ابن عبدالبر مقبول ومعتبر نیست زیرا کہ روایت شاذہ کہ مخالف قول جمھورا فتد معتبر نباشد وجمھور ائمہ دریں باب اجماع نقل می کنند۔

خلاصۂ مفہوم سات صحابۂ کرام علیھم الرضوان سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے لیکن ابوطالب صاحب کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا بلکہ اس کو چھپایا اور ابن البر نے کہا کہ صحابۂ کرام کی یہ جماعت حضرت علی کو ان کے جمیع ماسوا پر فضیلت دیتے ہیں۔

لیکن علمائے اعلام اور ائمۂ کرام فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا یہ مقالہ مقبول نہیں ہے کیونکہ شاذ روایت ہے جو کہ قول جمہور کے مخالف معتبر نہیں ہوتی اور جمہور ائمہ اس باب میں (تفضیل صدیق رضی اللّٰہ عنہ) پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

ابن عبدالبر کا دامن بھی ہاتھ سے جاتا ہے:

خود علامہ ابن عبدالبر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

غیر شیخین کی ان پر تفضیل شاذ قول ہے اور جمہور اہل علم بلا استثناء شیخین کی افضلیت کے قائل ہیں۔ (التمھید شرح الموطا جلد ۲۱ ص ۲۲۸)

أما أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وعليهم وسلم الذين تخلفهم رسول اللّٰه بعد فأفضلهم أبوبكر وعمر رضى اللّٰه عنهما على هذا جماعة علماء المسلمين الاما شذ وقد قالت طائفة كثيرة من أهل العلم ان أفضل أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وعليهم وسلم أبوبكر وعمر لم يستثنوا من مات قبله ممن مات بعده ـ

لیکن اصحاب رسول ﷺ جن کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑا ان میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر و حضرت عمر ہیں، اسی نظریہ پر ہے علمائے مسلمین کی ایک جماعت ماسوائے اس قول کے جو شاذ ہے اور اہل علم کے طائفہ کثیرہ نے کہا کہ تمام اصحاب رسول علیہ السلام سے افضل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہیں اور انہوں نے اپنے پہلے فوت ہونے والوں اور وصال نبوی کے بعد فوت ہونے والوں میں کسی کا استثناء نہیں فرمایا۔یعنی تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر ان کی افضلیت علمائے اسلام کے نزدیک مسلم اور صحیح السند اور معتبر روایات سے ثابت ہے اور اس قول کا خلاف شاذ ہے اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے وصال شریف کے بعد تیس سال زندہ سلامت موجود رہے لہذا ان سے بھی شیخین رضی اللہ عنہما کا افضل ہونا مسلم ہو گیا پہلے قول کے لحاظ سے بھی اور دوسرے قول کے مطابق مزید صراحت اور وضاحت کے ساتھ۔

(التمهيد شرح موطا جلد ۲۲ ص ۱۳۳ پر) علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دامن بھی ہاتھ سے گیا:

قد ثبت عنه رضى اللّٰه عنه أنه فضل أبابكر على نفسه من طرق صحاح وقال خير الناس بعد رسول اللّٰه ﷺ أبوبكر ثم عمر رضى اللّٰه عنهما وحسبك بهذا منه رضى اللّٰه عنه ـ

"تحقیق حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صحیح طرق اور اسنادات سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنی ذات سے افضل قرار دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے

بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق اور تیرے لیے مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اقتداء واتباع وفرمانبرداری کے لیے یہی فرمان کافی ووافی ہے"

حضرت علامہ شاہ عبدالقادر صاحب اور علامہ طاہر القادری صاحب کی بہادری اور دلیری:

ان دونوں جوانوں کی دلیری اور شجاعت انوکھی ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق اور خواہش نفس کے تقاضے کے تحت عقیدہ رکھنا ہے، خواہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کی مخالفت کرنی پڑے، خواہ اجماع اہل اسلام کی مخالفت کرنی پڑے۔ خواہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوڑے لگانے کی دھمکی ملے یا شہادت کے مردود ہونے کی اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہے حالانکہ محبت وعقیدت کا یہ تقاضا نہیں ہے۔

بلکہ ان المحب لمن یحب مطیع لهذا

ایسی دلیری اور بہادری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

محدث عبدالرزاق گو متشیع ہیں لیکن شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں کیونکہ ہمارے پیرومرشد ان کو افضل مانتے ہیں۔

عبدالرزاق صاحب که از اهل روایت و مشاهیر علمائے حدیث است گفته است من تفضیل شیخین می کنم بجهت تفضیل علی مرایشاں را واگر علی تفضیل ایشاں برخود نمیکرد من نیز نمی کردم ۔ گناهے عظیم تر ازیں نبود که من علی را دوست دارم و مخالفت وے کنم۔

"محدث عبدالرزاق صاحب نے جو کہ اہل روایت سے ہیں اور مشہور علمائے حدیث سے بھی ہیں، کہا ہے کہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضل سمجھتا ہوں اس وجہ سے

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اگر حضرت ان کو اپنے آپ پر فضیلت نہ دیتے تو میں بھی ان کو آپ سے افضل نہ سمجھتا۔ اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ میں حضرت علی مرتضیٰ کو دوست بھی رکھوں اور ان کی مخالفت بھی کروں"

(تکمیل الایمان للشیخ المحقق الدهلوی ص ٦٤)

چندیں خطب وفصول ازعلی مرتضی در مدح وثنائے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنهما نقل کرده اند که بعد از اطلاع برآں طاغی را محال دم زدن نبود واگر علمائے اهل السنت والجماعت درافضلیت ابوبکر وعمر بلکه درقطعیت آں بهماں اکتفاء نمایند واستدلال کنند کافی ووافی بود۔(تکمیل الایمان ص ٦٤)

"اس قدر خطبات اور ارشادات وفیصلہ جات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی مدح وثناء میں علمائے اعلام نے نقل کیے ہیں کہ ان پر مطلع ہونے کے بعد کسی بغاوت پیشہ اور طغیان وسرکشی کے مرتکب شخص کے لیے دم مارنے اور بات کرنے کی مجال نہ رہے گی اور اگر علمائے اہل سنت والجماعۃ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کی دلیل کے طور پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر استدلال میں انہیں خطبات وارشادات پر اکتفاء کریں اور ان کو اپنے دعوے کی بنیاد واساس قرار دیں تو وہی کافی ووافی ثابت ہوں گے"

تنبیہ:

کیا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنا مقام ومرتبہ معلوم نہیں تھا یہ شق بھی بدیہی البطلان ہے۔صاحب البیت أدری بمافیه گھر والا ہی اپنے گھر کو بہتر جانتا ہے، یا جان بوجھ کر خلاف حقیقت اور خلاف واقع بیان دے کر لوگوں کو ضلالت وگمراہی سے دوچار کرتے تھے اس شق کا بطلان بھی واضح ہے الحق مع علی وعلی مع الحق اور القرآن مع علی علی مع القرآن آپ کی خداداد شان ہے۔

یا آپ تقیہ کرتے تھے جیسے روافض اور اہل تشیع کا آپ پر بہتان ہے تو یہ بھی سراسر باطل ہے۔ کیونکہ یہ خطبات اور ارشادات آپ سے اپنی خلافت وحکومت کے دور میں سرزد ہوئے جبکہ باہمی حرب وقتال کی وجہ سے متعصب لوگ غلط نظریات اپنانے لگے اور شیخین کی تفضیل والے عقیدہ میں رخنہ پڑنے لگا جبکہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے اور دنیا سے رحلت فرما چکے تھے۔ اس نظریۂ فاسدہ کا اس دور میں کیا جواز تھا؟ پھر آپ اسد اللہ الغالب ہیں اور شیر خدا ہیں تو خدائی شیر ایسے ہوتے ہیں جو فوت شدگان سے بھی ڈرتے رہیں اور حق بات زبان پر نہ لائیں؟

سچ ہے:

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟

جوابِ دوم:

لیکن اس سے قبل تمہیدی طور پر معلوم کرلیا جائے کہ محل نزاع جزوی فضیلت ہے یا کلی فضیلت ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

شیخ محقق فرماتے ہیں:

مدعائے ما اینجا چنانچہ تحریر کردہ آمد اثبات افضلیت بوجہے خاص است وآں بمفضولیت بوجہے دیگر منافات ندارد وایں فضائل کہ ذکر کردہ شد راجع بکثرت ثواب ونفع اہل اسلام نیست بلکہ بمزید شرف نسب وکرامت جوہر ذات است چہ شك نیست کہ در اولاد پیغمبر کہ اجزائے اویند شرفے وشانے ہست کہ درذات شیخین نیست ہیچکس را درآں جامجال توقف وانکار نخواہد بود باوجود آں ثواب شیخین اکثر ونفع ایشاں دراسلام واہل آں اعظم واوفراست۔ (ص: ۵۷)

''ہمارا مدعا اس جگہ پر یہ ہے جو ہم نے دوسری جگہ تحریر بھی کر دیا ہے کہ خاص جہت اور
صوص پہلو سے افضلیت ثابت کرنا اور اس کو دوسری جہت سے مفضول ہونے کے ساتھ
فات نہیں ہے اور اہل بیتِ کرام کے حق میں جو فضائل ذکر کیے گئے ہیں کثرت ثواب اور اہل
لام کے نفع وافادہ کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ انکا رجوع مزید شرف نسب اور جوہر ذات کی
ت وکرامت کی طرف ہے کیونکہ اس میں شک نہیں ہے کہ پیغمبر کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
اولاد میں جو کہ آپ کے اجزاء بدن اور جگر کے ٹکڑے ہیں عظیم شرف وفضل اور بلند شان ہے
کسی شخص کو اس مقام پر توقف کی مجال اور انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی لیکن بایں ہمہ شیخین کا
اب اکثر اور اسلام میں ان کا نفع زیادہ اور اہل اسلام کے لیے ان کی منفعت وافادیت عظیم
ین اور وافر ترین ہے''

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں

محل خلاف دریں مسئلہ رجحان بایں وجہ خاص است یعنی کثرت
واب عنداللّٰہ نہ بوجوہ دیگر مثل زیادت علم وشرف نسب وقوت ملکات
فسانیہ مثل شجاعت وشہادت وامثال آں آنچہ عقلاء آنرا درعرف فضیلت
وانند ومخصوص جواہر نفس ولازم وے بود۔ وایں منافات ندارد برجحان آں
یر دراحادفضائل دیگر یا در مجموع فضائل من حیث المجموع۔ و اسباب
کثرت ثواب مآثر وفضائل بود کہ منافع و نتائج آں بدین اسلام راجع گردد
متعدی شود مثل سبقت ایمان ونصرت دین وتقویت اسلام وامداد مسلماناں
و کثرت خیرات وصلوات ومبرات وھدایت ناس وامثال آں۔

میگویند کہ ایں صفات درابی بکر بیشتر است چہ از کتب سیر معلوم
شدہ است کہ وے رضی اللّٰہ عنہ از آنگہ کہ ایمان آورد کاروے دعوت اسلام

ونصرت دین بود وعثمان وطلحه وزبیر وسعد بن ابی وقاص وعثمان بن مظعون که از اکابرِ صحابه وروسائے مهاجرین اند بردست وے ایمان آوردند ودائم دردفع منازعت کفار واعلائے اعلام دین بود چه درحالت حیات آنحضرت وچه بعد از ممات وے۔

"اس مسئلۂ تفضیل میں محل خلاف اس خاص وجہ سے راجح ہونا اور وزنی ہونا ہے یعنی عنداللہ کثرت ثواب کے لحاظ سے نہ دیگر وجوہ سے مثلاً علم میں زائد ہونا، شرف نسب اور ملکات نفسانیہ کی قوت مثل شجاعت اور رعب ودبدبہ اور ان کی امثال جن کو عقلاء عرف فضیلت ٹھہراتے ہیں اور جواہر نفس کے ساتھ مخصوص اور اس کے لوازم سے ہوتے ہیں اور یہ وجوہ فضیلت منافی نہیں ہیں دوسرے حضرات کے دیگر انفرادی فضائل کے یا مجموع من حیث المجموع فضائل کے اور کثرت ثواب کے اسباب ہوتے ہیں ذاتی خوبیاں اور فضائل کہ جن کے منافع اور نتائج دین اسلام کی طرف راجع ہوتے ہیں اور متعدی ہوتے ہیں مثلاً ایمان میں سبقت، نصرت دین اور تقویتِ اسلام میں سبقت اور مسلمانوں کی امداد واعانت اور خیرات کی کثرت اور نمازوں کی کثرت اور لوگوں کے ساتھ احسانات اور ان کی ہدایت---

"علمائے کرام ائمۂ اسلام فرماتے ہیں کہ یہ صفات اور اعلیٰ اخلاق حضرت ابوبکر صدیق میں بہت زیادہ ہیں کیونکہ کتب سیرت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت صدیق جب سے اسلام لائے تو ان کا کام ہی یہی رہا ہے دعوتِ اسلام اور نصرتِ دین۔حضرت عثمان ذوالنورین حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون جو کہ اکابر صحابہ اور روسائے مہاجرین میں سے تھے رضی اللہ عنہم۔آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے اور آپ ہمیشہ کفار ومشرکین کے نزاع وخلاف کا دفاع کرتے رہے اور دین اسلام کے پرچموں کو بلند کرنے کی سعی مشکور میں مشغول رہے، خواہ سرورِ عالم ﷺ کا ظاہری حیات مبارک کا دورانیہ ہو

آپ کے وصال شریف کے بعد کا زمانہ ہو (ملک عرب کا داخلی استحکام، جھوٹے نبیوں کے
ف کاروائی، مرتدین کا قلع وقمع اور منکرین زکوۃ کے خلاف کاروائی کر کے ملک کو اندرونی طور
ی مستحکم فرمایا اور بیرونی فتوحات کا آغاز بھی فرمایا اور قیصر وکسریٰ کے نیست ونابود کرنے کے
ے فضا کو مکمل طور پر سازگار بنایا جو کہ اتنے مختصر وقت سرانجام دیا جانے والا عظیم کارنامہ ہے)

ب ذرا افضلیت مرتضی ودیگر اہل بیت کی افضلیت کے دلائل ملاحظہ فرمادیں اور ان کی
دلالت اور ان میں موجود وجوہ سقم کو ملاحظہ فرمادیں:

) ابن عبدالبر کی استیعاب میں ذکر کردہ شاذ روایت میں مذکور وجہ تفضیل یہ معلوم ہوتی ہے
روہ سب سے پہلے اسلام لے آئے لیکن ابو طالب کے خوف سے اظہار اس کا نہ کر سکے بلکہ اس
چھپائے رکھا اس روایت میں قابل غور پہلو یہ ہیں۔

ں:

حقیقت میں حضرت علی مرتضی کا اسلام میں سابق اور اول ہونا ثابت ہو سکتا ہی نہیں
ونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا ابھی اظہار ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ اپنی سرگذشت حضرت خدیجہ
ی اللہ عنہ کو بتلائی تو وہ آپ کو حضرت ورقہ کے پاس لے گئیں اور کہا کہ اپنے بھتیجے کی سرگذشت
ے اور اپنی رائے کا اظہار کیجیے تو انہوں نے صورت حال معلوم کر کے فرمایا ان ھذا لبدء
ر تہ یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے تو پہلے ایمان لانے والے آپ کی نبوت پر حضرت ورقہ ہیں پھر
ضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا۔ لھذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول المسلمین حقیقۃً
نے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

م:

از روئے روایات صرف تین دن حضرت علی، حضرت صدیق رضی اللہ عنہما سے قبل

مسلمان ہوئے جبکہ وہ آپ کے گھر پر آپ کی تربیت میں تھے اور حضرت صدیق کا گھر علیحدہ اور دور تھا اس لیے آپ مطلع نہ ہو سکے ہوں یا سفر پر ہوں اس لیے یہ تاخیر واقع ہوئی ہو اور وہ بھی معمولی تاخیر تو اس تقدم کو موجب افضلیت ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جبکہ حضرت علی نے اپنا اسلام چھپایا ہوا تھا۔

سوم:

حضرت علی سات سال یا آٹھ سال یا دس سال کے بچے تھے، ان کا اسلام لانا لوگوں کے لیے کیوں کر جذب و کشش کا موجب ہو سکتا تھا؟ ہر کوئی یہی کہتا کہ بچہ ہے، پھر انہیں کا کھاتا ہے اس لیے ان کے گن گاتا ہے۔ جبکہ حضرت صدیق تقریباً اڑتیس سال کی عمر میں تھے اور تاجر و مالدار تھے، علاقہ کے لوگوں پر ان کے بھاری احسانات تھے تو ان کا ایمان لانا بلکہ ایمان لاتے ہی دعوتِ اسلام اور نصرتِ دین میں مصروف ہو جانا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنا کفار و مشرکین سے آپ کا دفاع کرنا اور اپنی جان کا آپ کے لیے ڈھال بنانا اور اپنا مال سرور عالم علیہ السلام کی ذات پر اور آپ کے اشاروں پر قربان کرنا یہ صرف اور صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انفرادی کارنامہ ہے جس کو بالتفصیل قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

چہارم:

جبکہ حضرت علی کا اول المسلمین ہونا مختلف فیہ ہے اسی لیے تطبیق کی بہترین صورت یہ طے ہوئی ہے کہ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے، عورتوں میں حضرت خدیجہ غلاموں میں زید بن حارثہ اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر مشرف باسلام ہوئے۔

پنجم:

بقول میمون بن مہران تابعی آپ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کی نبوت پر ایمان لا چکے
ہ جبکہ بحیرا راہب نے آپ کے متعلق انکشاف کیا تھا کہ یہ ہستی نبی بنائی جانے والی ہے اور وہ
بھی ایمان لے آیا لیکن صحابیت کا شرف حاصل نہ کر سکا جبکہ حضرت صدیق اس وقت بھی
ن لے آئے اور بعد میں صحابیت کا شرف بھی حاصل کر لیا۔ کما ذکر فی الباب الثانی
والة الصواعق المحرقه ۔

شم:

یہ جزوی معاملہ ہے پہلے ایمان لانا یا بعد میں ایمان لانا۔ جبکہ محل نزاع فضیلتِ کلیہ
جس میں اسلام اور اہل اسلام کی امداد و اعانت اور ان کے لیے ہدایت و ارشاد کا سامان کرنا
صدقات وخیرات وغیرہ حتی کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمادیا:

"ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ دنیا میں چکادیا ہے لیکن صدیق کے احسانات کا بدلہ
یامت کے دن عطا فرمائے گا"

گویا دنیا کی ساری نعمتیں ان کے احسانات کا بدل بن ہی نہیں سکتیں۔

:

اجماع میں معتبر سوادِ اعظم ہے اور ایک لاکھ چار ہزار یا کم وبیش صحابۂ کرام علیہم
ضوان میں سے صرف سات کی مخالفت اور وہ بھی روایاتِ شاذہ کی رو سے کوئی اہمیت نہیں
، ارشادِ گرامی: اتبعوا السواد الأعظم فانه من شذ شذ فی النار

اور ارشاد نبوی:

علیکم بالجماعة والعامة

پہلے گزر چکے ہیں۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

معتبر اتباع اکثر وجمھور است چہ اتفاق کل درھمہ احکام واقع نہ بلکہ ممکن نہ کما بینت فی الباب الثانی ۔

ہشتم:

سات صحابہ کرام علیہم الرضوان میں حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں جن سے مرفوع روایت کے ساتھ معجم اوسط للطبرانی میں منقول ہے:

أبوبکر وعمر سیدا کھول أھل الجنة من الأولین والآخرین الاالنبیین والمرسلین

''حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اھل الجنۃ بزرگوں کے سردار ہیں سب اگلوں اور پچھلوں سے سوائے انبیاء ومرسلین علیھم السلام کے''

نیز ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ نبی کے دو وزیر ہیں آسمانوں میں اور دو وزیر ہیں زمین میں:

فأما وزیرای من أھل السماء فجبرئیل ومیکائل وأما وزیرای من أھل الأرض فابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما

''میرے دو آسمانی وزیر جبرئیل اور میکائل ہیں اور زمین کے وزیر ابوبکر اور عمر فاروق ہیں''

ظاہر ہے کہ وزراء کو عام رعیت پر شرف وفضل حاصل ہوتا ہے ملھذا ان دونوں حضرات کو دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فضل وشرف حاصل ہے اور جس طرح حضرت جبرئیل کو حضرت میکائیل پر فضل وشرف حاصل ہے اسی طرح حضرت صدیق کو حضرت فاروق رضی

شرف و فضل حاصل ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

یا خیرالناس بعد رسول اللہ ﷺ

اے رسول مکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل!

تو جوابی طور پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے بھی نبی مکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر

"عمر فاروق سے افضل و بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا"

جبکہ تحقیق یہ ہے کہ افضل علی الاطلاق حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر ان کے بعد سیدنا فاروق رضی اللہ عنہما سب صحابۂ کرام سے افضل ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ وضع الحق علی لسان عمر ینطق بہ أو کما قال

"بے شک اللہ تعالےٰ نے حق کو حضرت عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے جس کے ساتھ وہ نطق و کلام فرماتے تھے"

تو حضرت صدیق کو جو کہا:

یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ

یقیناً یہ حق بھی اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری فرمایا تو اس سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی حضرت صدیق کا افضل الصحابہ ہونا مسلم ہو گیا جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کی افضلیت مسلم ہے۔لھذا سات والی گنتی کا رعب بھی

کافور ہو گیا۔

نہم:

کیا ان حضرات نے حضرت ابوبکر کو پھر عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو خلفاء برحق تسلیم کر رکھا تھا یا نہیں؟ اور نمازوں میں ان کی اقتداء و پیروی کرتے تھے یا نہیں؟ شق ثانی بدیھی البطلان ہے اور شق اول میں مختار اور راجح قول بلکہ مذہب یہی ہے کہ خلیفہ اور امام افضل ہونا ضروری ہے۔ لھذا ان کو بھی خلفائے ثلاثہ بالخصوص شیخین کی افضلیتِ کلیہ مانے بغیر چارہ نہیں جبکہ ان کی خلافت، خلافتِ نبوت ہے اور منصبِ امامت حضرت صدیق کو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سونپا ہے۔

دہم:

حضرت مولائے مرتضیٰ حضرات شیخین کو اپنے سے افضل مانیں اور دوسروں سے منوائیں اور خلاف ورزی کی صورت میں حد مفتری اور ردشہادت کی دھمکی دیں اور اسی بیاسی حضرات مولا علی کے اس بیان کو نقل کرنے والے ہوں تو یہ حضرت علی کے ساتھ محبت ہے کہ ان کو جھٹلایا جائے اور غلط عقیدے کا پرچارک تسلیم کیا جائے اور علی مع الحق والحق مع علی اور علی مع القرآن والقرآن مع علی بھی نظرانداز کر دیا جائے نعوذ باللہ من الغوایۃ۔

یازدہم:

ابن عبدالبر نے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف منسوب قول میں یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ قول انعقاد اجماع سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے اختلاف تھا بعد میں اجماع منعقد ہو گیا تو اختلاف جو سابق علی الاجماع تھا وہ ختم ہو گیا۔ کیونکہ اجماع متاخر اختلاف متقدم کو ختم کر دیتا ہے۔ ان حضرت کا پہلا نظریہ تفضیلِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہو لیکن بعد میں دوسرے

دلائل سے شیخین کی افضلیت محقق ہوگئی اور اپنے سابقہ نظریہ سے رجوع کرلیا ہو جس طرح حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ حضرت مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کی فضلیت کے قائل تھے اور اکثریت صحابہ کو اپنے نظریہ کے مخالف پا کر سخت اضطراب اور پریشانی سے دوچار تھے مگر جب خود مولائے مرتضٰی نے شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنی ذات سے فضل قرار دیتے ہوئے ان کے عقیدہ کی اصلاح فرمادی تو نہ صرف تفضیل شیخین کے قائل ہوئے بلکہ اس نظریہ کے پرچارک بن گئے تھے - یہی صورت حال یہاں بھی محقق ہوسکتی ہے اس لیے اکابرین ملت اور علمائے امت نے اس اختلافی قول کو ان حضرات کے رجوع الی الحق کے بعد لائق التفات نہ سمجھا اور اجماع و اتفاق کا دعویٰ ہی نقل فرمایا۔

اور اگر اجماع پہلے منعقد ہو چکا اور یہ قول بعد میں سرزد ہوا تو اجماع کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل التفات اور لائق اعتبار نہ رہا- جیسے کہ حضرت شیخ محقق قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ روایت شاذہ جو جمہور کے قول کے خلاف ہو وہ معتبر نہیں ہوتی اور جمہور علمائے کرام نے تفضیل شیخین کے بارے میں اجماع کے انعقاد کی تصریح فرمائی ہے۔

(تکمیل الایمان، ص: ٥٧)

تفضیلیہ کے دیگر دلائل اور ان کا جائزہ:

الف:

علامہ خطابی نے بعض مشائخ حدیث سے نقل کیا ہے کہ:

''ابوبکر صدیق حضرت علی سے خیر ہیں اور حضرت علی حضرت ابوبکر صدیق سے افضل ہیں''

ب:

علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں بعض متاخرین سے نقل کیا ہے کہ وہ

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو افضل قرار دیتے تھے رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی زوجیت کی وجہ سے۔

ج:

حضرت امام جلال الدین سیوطی نے کتاب خصائص میں امام علیم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت زہراء اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما بالاتفاق خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

د:

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ:

ماأفضل علی بضعة النبی ﷺ أحدا

''میں کسی شخص کو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ حضرت زہراء پر فضیلت نہیں دیتا''

(خلاصه مفهوم تكميل الايمان ص:٥٧)

علمائے اعلام اور ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ:

یہ روایات ہمارے مقصود میں نہ ضرر رساں ہیں اور نہ اس کے منافی۔ کیونکہ یہ فضائل کثرتِ ثواب اور اہلِ اسلام کی منفعت کی طرف راجع نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق شرفِ نسب اور جوہر ذات کی عزت و کرامت سے ہے۔ اور یہ حقیقت شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جو آپ کے بدن اطہر کے اجزاء ہیں ان میں وہ شرف وفضل موجود ہے جو کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی مقدس ذاتوں میں بھی نہیں ہے۔ اور کسی شخص کو اس امر میں ریب وتردد اور انکار کی مجال نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شیخین کریمین کا ثواب بہت زیادہ اور اسلام اور اہل اسلام میں ان کی منفعت اور افادیت بہت وافر ترین مقدار میں ہے۔

نیز علامہ خطابی نے بعض مشائخ سے نقل کیا کہ ابوبکر صدیق حضرت علی سے خیر ہیں اور

حضرت علی ابوبکر صدیق سے افضل ہیں- اگر حضرت صدیق کے لیے خیریت ایک وجہ سے یعنی کثرتِ ثواب کے لحاظ سے ثابت کی ہے اور حضرت علی کے لیے افضلیت دوسری وجہ قرب قرابت اور زوجیتِ بتول اور ابوتِ حسنین کے لحاظ سے ثابت کی ہے تو یہ بات دائرۂ خلاف سے خارج ہے اور محلِ نزاع سے غیر متعلق ہے- اور اگر کوئی دوسرا مقصد ہے اور اس سے مختلف امر کا ارادہ کیا ہے تو اس کو بیان کرنا چاہیے تھا تا کہ حقیقتِ حال معلوم ہو سکتی-

(خلاصۂ مفہوم تکمیل الایمان)

اقول:

مسئلۂ تفضیل دراصل شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان متنازع اور مختلف فیہ ہے-تو کیا کوئی شیعہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو مولائے مرتضیٰ سے کثرتِ ثواب اور بلندی مراتب کے لحاظ سے افضل سمجھتا ہے؟ اور کیا حسنین کریمین کے باپ جیسا حضرت علی مرتضیٰ کا باپ ہے؟ ان کی امی جان جیسی حضرت علی کی امی ہے؟ ان کے نانا جیسے حضرت علی کے نانا ہیں؟ ان کی نانی جیسی حضرت علی کی نانی ہے؟ تو کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درجات و مراتب کے لحاظ سے بلند و بالا مقام کے مالک ہیں؟ حضرت زہراء بھی نبی مکرم ﷺ کی لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کی تین بہنیں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم اور بھائی حضرت قاسم، حضرت طیب، حضرت طاہر اور حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں تو کیا ان کو بھی خلفائے اربعہ پر شرف و فضل حاصل ہے؟ اصحابِ تطہیر کا چار میں حصر کر دیا جاتا ہے اور صرف ان کو اہلِ بیت بھی اور طیب و طاہر بھی مانا جاتا ہے اور دوسری اولاد کو طاہر و مطہر کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا؟ کسی کو مذکر بنانا اور کسی کو مونث بنانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس میں پیدا ہونے والوں کی کیا تقصیر اور کوتاہی ہے؟

فضیلتِ کلیہ ہے جس میں فضیلت مآب ہستی کے عمل وکسب اور جدو جہد اور محنت ومشقت کا دخل ہو اور وہ بالا جماع حضرت صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ شیخین کی افضلیت میں کوئی اختلاف اور توقف وتردد نہیں جبکہ ختنین میں سوادِ اعظم کا مذہب تفضیل ذی النورین ہے۔ قرابت نسب اور جز وبدن اور لخت جگر ہونا وغیرہ وغیرہ جزوی فضائل ہیں۔

الغرض قرآن مجید کا فیصلہ ہے:

انما جعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقاکم

"ہم نے تمہیں مختلف شاخوں اور قبائل میں تقسیم کر دیا ہے باہم تعارف اور پہچان کے لیے (لیکن افضلیت کا دارومدار نسب وقرابت پر نہیں بلکہ) تم سب سے عزت وکرامت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو سب سے بڑا متقی اور پرہیز گار ہے"

لھذا محل نزاع اور موضوع بحث پر نظر رکھ کر دلائل قائم کرنا ضروری ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پیغمبر کے بیٹے کا کفر اور اس کا کفار کے ساتھ غرق ہونا اور اجانب جو حلقۂ غلامی میں داخل تھے ان کا نجات پانا قرآن مجید نے اس حکمت کے تحت بیان فرمایا کہ مدارِ فضیلت روحانی قربت پر ہے نہ کہ محض خونی رشتہ پر فتامل حق التامل۔

تنبیہِ نبیہ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مبحث کو سوال وجواب کی صورت میں ازالۃ الخفاء پر ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

اگر تو کہے کہ اقوال صحابہ میں آنحضرت ﷺ کے قرب نسب کو اور لوگوں کے درمیان وجاہت اور آبرومندی کو اور اس کی مانند دیگر امور کو فضائل میں شمار کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں قرب ونسب اور وجاہت کے لحاظ سے فضیلت کی نفی کی گئی ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین

ضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دو جگر پارے ان کے
کاح میں دے دیے اور مرتضوی فضائل میں ان کا چچازاد ہونا اور زوج بتول زہراء ہونا اور بعض
لی اور فطری فضائل مانند شجاعت وفصاحت کو آپ کے فضائل میں ذکر کیا گیا ہے تو ان دونوں
خالف اقوال میں تطبیق کیا ہوگی؟

جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ فضائل دو قسم پر ہیں: اول یہ کہ آدمی کی اپنی ذات میں
یلت وسعادت ہو اور ذاتِ رسول کے ساتھ اس کے ذریعے مشابہت حاصل ہو- یہ وہ قسم ہے
ہ سنتِ سنیہ نے اس کی تصریح وتلویح فرمائی ہے- دوسری قسم وہ ہے جو کہ اپنے مرتبۂ ذات میں
روئے شرع شریف فضیلتِ معتبرہ نہیں ہے- مثل قرابتِ نسب اور مصاہرت ودامادی، قوت
ن اور شجاعتِ قلب وفصاحتِ لسانی اور دنیوی وجاہت- اسی لیے کافر ومسلم دونوں کو یہ فضائل
صل ہوسکتے ہیں اور متقی کی طرح فاسق شخص بھی ان کے ساتھ متصف ہوسکتا ہے- لیکن یہی
ور بعض اوقات شریعتِ مطہرہ میں معتبر فضائل میں سے کسی فضیلت کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور
ں اعتبار سے ان کو فضائلِ معتبرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے- مثلاً رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
پنے جگر پارہ کی تزویج فرما دینا آپ کی اس شخص پر عنایت کی دلیل وبرہان ہے اور سنت
اوند تعالیٰ یہی ہے کہ سید الرسل اور سرور انبیاء کا داماد نہ بنائے مگر ایسے شخص کو جو شریعتِ مطہرہ
ے مطابق قابلِ ستائش اور لائقِ تحسین ہو کما قال تعالے: الطیبات للطیبین والطیبون
لطیبات ''پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے
ں''

پس اس اعتبار سے یہ تزویج بعض فضائل نفسانیہ پر دلالت کرے گی- اسی طرح چچازاد
ئی ہونا آنحضرت ﷺ کی عنایت اور اس کی رشد وہدایت اور اصلاح وتربیت کا سبب بن
ے گا- علیٰ ہذا القیاس شجاعت وفصاحت کو کبھی نصرتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے

استعمال کیا جاتا ہے تو اس لحاظ سے فضائل معتبرہ کے ساتھ ان امور کو مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور حضرت رومی کا یہ شعر اس مقام کے کتنا مناسب ہے:

علم را برتن زنی مارے بود   علم را بردل زنی یارے بود

ان صفات کو درجۂ اعتبار سے ساقط کرنا اس اعتبار سے ہے کہ بذاتِ خود فضیلتِ معتبرہ نہیں ہیں اور ان معانی وصفات کو فضائل ومناقب کے ضمن میں ذکر کرنا بایں معنی ہے کہ مادہ خاص میں فضائل معتبرہ کے کسب کا وسیلہ اور ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پس نام تو ان چیزوں کا لیتے ہیں اور مراد ان سے وہی فضائل معتبرہ ہوتے ہیں اور ان دونوں قسم کے فضائل میں بہت بڑا فرق اور امتیاز ہے، قد جعل الله لكل شيء قدراً۔ لهذا اگر پہلے قسم کے فضائل حاصل ہو جائیں تو دوسرے قسم کے فضائل سے ان کی رونق میں اضافہ ہو جائے گا اور ان کے تحقق وثبوت کے شاہد اور گواہ بن جائیں گے اور اگر پہلے قسم کے فضائل ثابت نہ ہوں یا دوسروں کی نسبت کم ہوں تو دوسرے قسم کے فضائل سے انسان کو بلند وبالا مقام حاصل نہیں ہو سکے گا۔ هذا هو الحق والأحق بالقبول۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على حبيبه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

افضلیتِ شیخین رضی اللہ عنہما نگاہِ مرتضوی میں

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے...... ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ''ہم (اصحابِ رسول ﷺ) نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں درجہ بندی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان''

اس افضلیت پر صحابۂ کرام کا اجمالاً وتفصیلاً اجماع ہے، یہ قصہ بہت طویل ہے، اور ہر فقیہ صحابی سے حضرت صدیق اکبر کے لیے خیر هذه الأمة اور أحق بهذا الأمر کے الفاظ مروی ہیں ...... لیکن سب صحابۂ کرام میں سے زیادہ تصریح کے ساتھ اس بات کو بیان کرنے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے بطریق تواتر ثابت ہے کہ کوفہ کے منبر پر اپنی خلافت کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے رحمۃ اللہ علیہ

خير هذه الأمة أبو بكر ثم عمر ''اس امت میں سب سے افضل ابوبکر پھر عمر ہیں''

ان الفاظ کو ان سے محمد بن الحنفيه، أبو جحيفه، علقمه، نزّال بن سبرة، عبد الخير، اور حكم بن حجل وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور ان کا یہ قول متعدد طرق سے مروی ہو کر تواتر کی حد تک پہنچ چکا ہے۔

(شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، مقصد اول ص: 17، مطبوعہ پشاور)

تفہیم الاسلام پبلی کیشنز پاکستان
0320-5850951